بیاد ——— زینب النساء

فرحت آراء

مدیر اعلیٰ ——— مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ——— قیصر آراء

نائب مدیرہ ——— سعیدہ نثار

مدیرہ معاونین ——— ندا رضوان

مدیر خصوصی ——— طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

مجلس مشاورت

اقرا صغیر احمد	طلعت نظامی
نازیہ کنول نازی	نزہت جبیں ضیاء
سمیرا شریف طور	نادیہ فاطمہ رضوی
راحت وفا	عثمان عبداللہ

جلد	01
شمارہ	07
مئی	2016

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infoohijab@gmail.com

aanchalpk.com

سرورق: صباخان ...... آرائش: ماہ روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: جنیدخان

ابتدائیہ

امہات المومنین

ذکر اس پری وش کا

رخ سخن

آغوش مادر

ملاقات

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتہ: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے زیر مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infoohijab@gmail.com

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مئی ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضر مطالعہ ہے۔

کراچی آج کل نہ صرف موسم کی شدت کا شکار ہے بلکہ سیاسی گرما گرمی کا بھی زیر عتاب ہے۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنا تو بہت آسان ہے الزامات لگانا بھی کوئی نئی بات نہیں سب ہی سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کے گریبانوں پر ہاتھ ڈالتی رہی ہیں لیکن آج کل سب سیاسی جماعتوں کا رخ وزیراعظم صاحب کی طرف ہوگیا ہے۔ پاناما لیکس کا پنڈورا بکس کھل چکا ہے ہر قسم کی بلیات باہر نکل آئی ہیں۔ دیکھا جائے تو اعتراض کرنے والے اور جن پر انگلی اٹھائی جارہی ہے سب ہی کرپشن اور بدعنوانی کے حمام میں ننگے ہیں کوئی دودھ کا دھلا نہیں ہے سب ہی اپنی اپنی باری پر خوب پیٹ بھر کر عیش کرتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے ہی نہیں بلکہ کئی اور ذرائع سے بھی ملکی دولت سمیٹنے میں اپنے پیشروں سے کسی طرح کم نہیں رہے۔ ساتھ ساتھ جانے والوں کے خلاف زبانی کلامی الزامات اور زبان درازی سے چوکتے بھی نہیں۔ اب بھی ایسا ہی ہورہا ہے بس سب کا ایک ہی ایجنڈا ہے کہ حکومت کو کسی طرح گرادیا جائے تاکہ اپنی باری کسی نہ کسی طرح لگ سکے۔ ہمارے حکمران اور حکمرانی کے شوقین تمام امیدوار یہ بات بھول جاتے ہیں کہ مملکت خداداد پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے۔ رزق اور عزت کا تمام تر معاملہ رب کائنات کے اختیار میں ہے وہ جس کو جس طرح چاہتا ہے نوازتا ہے جس طرح چاہتا ہے ذلیل ورسوا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت سے سرفراز کرتا ہے۔ ہمارے اکابرین میں نہ تو صبر ہے نہ برداشت ہر کوئی جلدی میں مبتلا ہے ہر کام کو نظرانداز کیے راتوں رات امیر بننے راتوں رات حکمران بننے کے خوابوں میں مبتلا رہتے ہیں اللہ وطن عزیز کی حفاظت فرمائے آمین۔

معافی چاہتی ہوں آج خلاف معمول کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوگئی ہوں میں حجاب پڑھنے والی تمام بہنوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اپنی آراء سے نوازا اور پسندیدگی کی سند عطا کی۔ آنچل اور حجاب آپ کی محبتوں کا ہی ثمر ہیں آپ کی محبت تعاون اور سرپرستی سے ہی آگے بڑھتے جارہے ہیں۔ تمام بہنیں نوٹ فرمالیں کہ جولائی کا شمارہ عید نمبر ہوگا اس لیے اپنی نگارشات اور عید نمبر کے حوالے سے تحریریں جلد از جلد ارسال فرمادیں تاکہ سب بہنوں کی شرکت یقینی بنائی جاسکے۔

اس ماہ کے ستارے

☆محبت خواب کی صورت — محبت کی ایک تلخ وسفاک حقیقت اقبال بانو کے دلکش پیرائے میں۔
☆چلو پھر کوچۂ جاناں — محبت کی ڈور تھامے کوچۂ جاناں کی سمت گامزن نزہت جبیں اپنے منفرد انداز میں۔
☆سراب جتنا باقی ہے — سعدیہ آل کاشف طویل عرصے بعد منفرد انداز میں جلوہ گر ہیں۔
☆امڑی وے — تقدیر اور تدبیر کے جال میں پھنسنے والی لڑکی کا فسانہ نازیہ جمال خوب صورت کاوش کے سنگ حاضر ہیں۔
☆ظرف — ایک ایسی ماں کی کہانی جس کے لیے محبت کے جذبات یکساں نہ تھے۔ فصیحہ آصف ایک نئے انداز میں جلوہ گر ہیں۔
☆پچھتاوا — پچھتاوؤں میں گھرے نفوس کی کہانی جو سب کچھ پاکر بھی تہی داماں رہ گئے ام ایمان کے خوب صورت پیرائے میں۔
☆زندگی تھک گئی — زندگی کے آلام ومصائب میں الجھی حرا قریشی کی اصلاحی تحریر۔
☆سویرا — "ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات" کی عملی تفسیر پیش کرتی سامعہ ملک کا خوب صورت آرٹیکل۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو
قیصر آرا

جگا دیتا ہے تو سوئے مقدر اے مرے مولا
بناتا ہے فقیروں کو سکندر اے مرے مولا
مجھے توفیق دے میں چھوڑ کر سارے ہی دروازے
جھکوں میں ہر گھڑی تیرے ہی در پر اے مرے مولا
عطا کردے مجھے اذنِ طواف خانہ کعبہ
میں دیکھوں اپنی آنکھوں سے وہ منظر اے مرے مولا
مجھے جو بندگی کی استطاعت تُو نے بخشی ہے
کروں تیری عبادت اس سے بڑھ کر اے مرے مولا
مجھے اپنے کرم کے سائے میں رکھنا ہمیشہ ہی
کہ شرمندہ نہ ہوں میں روزِ محشر اے مرے مولا
یہی میری تمنا ہے یہی ہے آرزو میری
رہے تو ہی ہمیشہ میرا ناصر اے مرے مولا
قمر کو زندگی کے راستے میں کامران کردے
اسے گھیرے ہوئے ہیں غم کے لشکر اے مرے مولا

کب تلک پھرتا رہوں گا بے سکوں
اذن ہو تو حال دل ان ﷺ سے کہوں
ہے تقاضئہ ادب حد ادب
یا برہنہ ان ﷺ کی گلیوں میں رہوں
ہے وہ دربارِ مقدس آپ ﷺ کا
ہر کوئی آئے یہاں پر سرنگوں
جی رہا ہوں بس اسی امید پر
دیکھ لیں آقا ﷺ مرا حال زبوں
ہم پہ فرمائیں گے جب نظر کرم
تب غم دنیا کا ٹوٹے گا فسوں
جتنی لمبی ہے جدائی کی گھڑی
شوق میرا اور ہوتا ہے فزوں
پر لگیں تو اڑ کے جا پہنچوں قمر
کہہ رہا ہے یہ مرا شوقِ جنوں

(کوثر ریاض حسین قمر..... منگلا ڈیم)

امہات المومنین

ندا اعوان

حضرت زینبؓ بنت حجشؓ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ماجدہ حضرت عبد المطلب جد رسول کی صاحبزادی تھیں، جن کا نام امیمہ تھا۔ اس لحاظ سے حضرت زینب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی زاد تھیں۔

جب یہ اس جہان رنگ و بو میں آئیں تو اس وقت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۱ برس تھی۔ آپ کے سامنے پلیں، بڑھیں اور جوان ہوئیں لہٰذا جب وہ مدینہ منورہ تشریف لائیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کفالت میں زندگی کے دن بسر کرنے لگیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت زینبؓ بنت حجش کو سیرت وصورت دونوں لحاظ سے بے حد وحساب نوازا تھا۔ نسوانی حسن وجمال اور سلیقہ شعاری میں اپنے دور کی کسی خاتون سے کسی نوع کم نہ تھیں۔ آپؓ کا قد مبارک نہایت مناسب تھا، موزوں اندام اور خوب صورت تھیں۔

حضرت زینبؓ بنت حجش بے شمار خوبیوں کی حامل تھیں۔ بڑی زاہدہ وعبادت گزار تھیں، شب بیداری فرماتیں اور اپنے رب کریم کی بارگاہ میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ سربسجود رہتی تھیں۔

آپؓ کو اپنے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت وعنایت پر بے پناہ بھروسہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی شادی کے سلسلہ میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرح رجوع وبھروسہ کیا تھا۔ خشیت الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتی تھیں کہ کہیں کوئی قول وفعل اللہ کی رضا کے خلاف نہ ہوجائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جذبے سے بھی سرشار تھیں۔ اس بات پر کامل یقین تھا کہ رشد وہدایت، رضائے الٰہی اور آخروی انعامات کا واحد ذریعہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور جس دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعشق نہیں وہ دل ویرانہ ہے۔ شیطان کی آماجگاہ ہے، اللہ تعالیٰ سے دور ہے، قابل نفرین ہے۔

سخاوت وفیاضی اور فی سبیل اللہ حضرت زینبؓ بنت جحش کا طرہ امتیاز تھا۔ اس لحاظ سے وہ یتیموں، بیواؤں، فقرا و مساکین کی پناہ گاہ تھیں۔

ایک مرتبہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضوان اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا:۔

''تم میں سے وہ مجھے جلد ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔''

یہ الفاظ مبارک سنے تو سب امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اپنے ہاتھ کی لمبائی دیکھا کرتی تھیں لیکن اس سے مراد سخاوت وانفاق فی سبیل اللہ تھا اور اس میں حضرت زینبؓ بہت آگے تھیں لہٰذا ہاتھ انہیں کے دراز تھے۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشن گوئی کا مصداق سیدہ زینبؓ ثابت ہوئیں اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کے پاس تشریف لے جانے کے بعد حضرت زینب کا سب سے پہلے انتقال ہوا لہٰذا بروایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ:۔

''حضرت زینبؓ کے وصال کی خبر سن کر مدینہ منورہ کے غریبوں، فقیروں اور مسکینوں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور وہ گھبرا گئے تھے۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا:۔

''حضرت زینبؓ سے بڑھ کر میں نے کوئی خضوع و خشوع کرنے والا نہیں دیکھا۔''

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا:۔

''حضرت زینبؓ بنت جحش ایک خوب صورت خاتون تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے آپؓ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ صالح، روزہ دار اور شب بیدار تھیں۔''

الغرض آپؓ انگنت خوبیوں اور اوصاف کی حامل تھیں۔ صدق وصفا کے سدابہار پھولوں سے مزین تھیں۔ راست گو، قابل تعریف اور بے مثال تھیں اور یہ بھی شرف حاصل تھا کہ قدیم الاسلام تھیں۔

محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور پھر اس زوجہ محترمہ کے پاس چلے جاتے جس کی باری ہوتی تھی۔ ایک دن حضرت زینبؓ بنت جحش کے ہاں تشریف لے گئے تو وہاں معمول سے قدرے زیادہ دیر لگ گئی۔ ان کے ہاں شہد آیا ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شیرینی پسند تھی لہٰذا وہ شہد کا شربت بنا کر پیش کیا کرتی تھیں اس وجہ سے وہاں تھوڑی دیر زیادہ بیٹھنا پڑتا تھا لیکن یہ بات دوسری ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو پسند خاطر نہ تھی۔ جذبہ وہی کارفرما تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب زیادہ سے زیادہ نصیب ہو چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائیں تو ہر ایک یہی کہے۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔''

ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہد کا شربت نوش فرما کر حضرت زینبؓ بنت جحش کے حجرے مبارک سے نکلے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے عرض کی۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے مغافیر تناول کی ہے؟''

''نہیں، زینبؓ کے ہاں شہد کا شربت پیا تھا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔

یہاں سے آپ حضرت حفصہؓ کے ہاں گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا جو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''مغافیر تناول نہیں کی۔ زینبؓ کے ہاں شہد کا شربت پیا تھا۔''

بعد ازاں وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہؓ کے پاس گئے تو وہ کہنے لگیں۔

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، کیا آپ نے مغافیر لی ہے؟''

''نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور پھر حضرت صفیہؓ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے بھی وہی کہا جو پہلی تینوں ازواج مطہراتؓ نے کہا تھا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد اپنے اوپر حرام کرلیا۔

مغافیر ایک پھول کا نام ہے، اس میں کچھ بساند ہوتی ہے اگر شہد کی مکھی اس کا رس چوسے تو اس کے اندر اس کا اثر آجاتا ہے اور یہ حقیقت سب پر عیاں تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نفاست پسند تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نفرت تھی کہ منہ سے بو آئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد اپنے اوپر حرام کرلیا تو فوراً وحی آگئی اور سورہ تحریم کا آغاز ہی یہاں سے ہوتا ہے۔

''اے غیب بتانے والے نبی! تم اپنے اوپر کیوں حرام کیے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی۔ اپنی بیبیوں کی مرضی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

چنانچہ اس آیت مبارکہ کے نزول سے حلال وحرام اور جائز وناجائز کے متعلق ایک اہم اور بنیادی ضابطہ روشن ہوا کہ کون حلال کو حرام قرار دے سکتا ہے؟ اور اس کا باعث بھی ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش ہی بنیں۔

غزوہ خیبر سات ہجری میں وقوع پذیر ہوا تھا، یہ بہت بڑا شہر تھا جس میں متعدد قلعے اور بکثرت کھیتیاں تھیں۔ یہ مدینہ منورہ سے آٹھ برید کے فاصلہ پر شام کی جانب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ محرم کے آخری دنوں میں یہاں تشریف لے گئے تھے۔ دس یا بارہ روز تک اس کا محاصرہ فرمایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح کرادیا، اس میں سے بہت مال غنیمت ملا۔ بہت سے کھیت اور باغ قبضہ میں آئے، اہل خیبر کو ان کی آہ وزاری پر کھیتوں اور باغوں پر پیداوار کے آدھے حصے کے عوض مقرر کردیا۔ وہ حصہ جو مسلمانوں کو ملتا تھا اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش کے لیے سالانہ ۸۰ وسق کھجوریں اور ۳۰ وسق گیہوں یا جو عطا فرمایا کرتے تھے۔

ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش کے تین بھائی اور تین بہنیں تھیں۔

۱۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش، یہ قدیم الاسلام تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں میں سے تھے۔ اپنی بہن حضرت زینبؓ کے ساتھ بطرف حبشہ ہجرت کی تھی حق و باطل کے پہلے معرکہ بدر میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ غزوہ احد میں بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر دین اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کیا اور اسی میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے، ان کے ماموں حضرت حمزہؓ بھی اسی غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ماموں بھانجے کو ایک ہی قبر میں سپرد خاک کیا۔

۲۔ حضرت ابو احمد عبداللہؓ بہت بڑے شاعر تھے۔ اسلام

کی خاطر ملک حبش کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان کی زوجہ محترمہ حضرت فارعہ بنت ابوسفیان اموی تھیں۔ آپ نابینا تھے لیکن اپنی شاعری سے اسلام کا دفاع کیا اور اس کی مدح سرائی کی۔

۳۔ عبیداللہؓ یہ اولاً مسلمان تھے جب حبشہ ہجرت کر کے گئے تو وہاں مرتد ہوگئے۔ عیش وعشرت میں پڑ گئے عیسائی مذہب قبول کرلیا' ان کی بیوی حضرت ابوسفیانؓ کی لخت جگر رملہؓ جن کا نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمانے کے بعد ام حبیبہؓ رکھ دیا۔

۴۔ حضرت ام حبیبہؓ بنت جحش کی شادی حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ سے ہوئی تھی اور وہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے جنہیں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی۔

۵۔ حضرت حمنہؓ ان کا پہلا نکاح حضرت مصعب بن عمیرؓ سے ہوا تھا۔ وہ غزوہ احد میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے تھے۔ ان کا دوسرا نکاح حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ سے ہوا۔ ان میں سے دو فرزند محمدؒ اور عمرانؒ تولد ہوئے۔

جب وقت وصال قریب آیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المال میں سے پانچ تھان بھیجے کہ ان میں سے جو کپڑا چاہیں پسند فرمالیں چنانچہ اسی میں آپؓ کفنائی گئیں اور آپؓ کی بہن حمنہؓ نے اس کفن کو جو آپؓ نے اپنے لیے تیار کر کے رکھا تھا خیرات کردیا۔

جس دن ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کا انتقال ہوا اس دن مدینہ منورہ میں سخت گرمی تھی چنانچہ خلیفتہ المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے قبر پر شامیانہ لگوادیا تاکہ قبر کی تیاری اور سیدہؓ کی تدفین میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو' اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا شامیانہ تھا جو کسی قبر پر نصب کیا گیا تھا۔

آپؓ کا انتقال کا سانحہ ۲۰ ہجری میں ہوا اور اس وقت سیدہؓ کی عمر مبارک ۵۷ سال تھی۔

جنازہ کے ساتھ مرد اور عورتیں یکساں جایا کرتے تھے لیکن جب ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اعلان کردیا۔

''حضرت زینبؓ کے جنازے کے ساتھ ان کے گھر والوں میں سے عزیز واقارب ہی جائیں۔''

پھر حضرت بنت عمیسؓ بولیں۔

''امیر المومنینؓ! میں آپ کو ایک چیز نہ دکھاؤں جو میں نے حبشہ میں دیکھی ہے۔ حبشی! اسے اپنی عورتوں کے جنازے کے لیے تیار کرتے ہیں۔''

چنانچہ حضرت بنت عمیس نے نعش بنائی اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے یہ نعش دیکھی تو تعریف کی اور فرمایا۔

''یہ کس قدر اچھی ہے اور کس قدر پردے والی ہے۔''

یہ پہلا تابوت تھا جو کسی خاتون کے لیے تیار کیا گیا تھا' حضرت عمر فاروقؓ نے اعلان کرادیا۔

''اے اہل مدینہ! اپنی ماں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے جنازے میں حاضر ہوجاؤ۔''

چنانچہ جنازے میں شرکت کے لیے لوگوں کا ہجوم ہوگیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے۔ وہ حضرت زینبؓ کا ذکر خیر کرنے لگیں اور ان کے لیے دعائے ترحم مانگنے لگیں۔ حضرت صدیقہؓ سے حضرت عروہؓ نے کہا۔

''زینبؓ بنت جحش کا کوئی وصف بیان کریں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں۔

''زینبؓ ایک نیک عورت تھیں۔''

حضرت عروہؓ نے پھر پوچھا۔

''خالہ جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سی بیوی سے زیادہ لگاؤ تھا۔''

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جواب دیا۔

''میں اس کا خیال کرنے والی نہ تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں زینبؓ بنت جحش اور ام سلمہؓ کا ایک مقام تھا اور میرے گمان میں میرے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی دونوں بہت محبوب تھیں۔''

اللہ کے نام سے ابتدا ہے میری آنچل وحجاب ہمیشہ پھلے پھولے یہ ہے دعا میری کیسی ہو آنچل پڑھنے والی تمام بہنوں؟ اللہ آپ سب کو خوش رکھے۔ جی جناب ہم کئی سالوں سے انٹری کا سوچ رہے تھے لیکن ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس دفعہ بہت ہمت کی اور سوچا کہ اپنا نام حجاب میں رجسٹرڈ کروادینا چاہیے ہوسکتا ہے بات بن جائے۔ آخر ہم آنچل کے بہت بڑے فین ہیں' جناب اتنا تو حق ہے نہ' خیر چھوڑیں اگر شامل نہ بھی کیا گیا تو آنچل چھوڑنے کی دھمکی تو ہم دے ہی نہیں سکتے بقول میری والدہ کے ہم کھانا چھوڑ سکتے ہیں آنچل وحجاب پڑھنا نہیں۔ ارے ارے آپ لوگ کہاں جارہے ہیں پلیز ناراض مت ہوں' اب ہم اپنے تعارف کی طرف آتے ہیں جیسا کہ آپ نے اوپر نام پڑھا نگین شہزادی' بھلوال کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے تعلق ہے۔ نام بڑی آپی نے رکھا جو کہ جہلم میں رہتی ہیں' مابدولت اس دنیا میں 2 فروری 1987ء کو جلوہ افروز ہوئیں' اسٹار پر یقین نہیں اس لیے پتا نہیں۔ ہم سات بہنیں اور ایک بھائی ہے' بہنیں بڑی اور بھائی سب سے چھوٹا ہے۔ مابدولت کا نمبر چوتھا ہے تعلیم ایف اے ہے' ارے پریشان نہ ہوں یہاں سے ہی تعلیم کو خیرباد نہیں کیا بلکہ ہم نے ڈھیر سارے کورسز کر رکھے ہیں۔ فیبرک پینٹنگ اور ٹائی اینڈ ڈائی کا تین سالہ کورس کر رکھا ہے اس کے علاوہ تین سالہ عالمہ کا کورس کر رکھا ہے' تین سال مدرسہ میں پڑھا۔ میرے پاپا کا انتقال ہوچکا ہے یوں سمجھیں ان کی وفات کے بعد اور بڑی آپی کی شادی کے بعد گھر کی ساری ذمہ داری ہمارے ناتواں کندھوں پر ہے اور اس ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کررہی ہوں۔ کھانے میں جو کچھ مل جائے کھالیتی ہوں' صرف بھوک ہونی چاہیے۔ دال چنے اور ماش کی بالکل پسند نہیں' مشروب کولڈ ڈرنک' ملک شیک بہت پسند ہے۔ کلر اورنج وائٹ' فیروزی اور پنک فیورٹ ہیں۔ کپڑوں میں شلوار قمیص کے علاوہ کوئی ڈریس پسند نہیں۔ کچھ اپنے مزاج کے بارے میں بتاتی چلوں' غصہ بہت آتا ہے' غلط بات بالکل برداشت نہیں ہوتی۔ غصے کے وقت کوشش کرتی ہوں سو جاؤں' لہجہ بہت کرخت ہے۔ امی کہتی ہیں کہ بچوں کو پڑھا پڑھا کر تم عام لوگوں سے بھی بات اسی لہجے میں کرتی ہو۔ یہ تو تھی خامی اور خوبی یہ ہے کہ حوصلے والی ہوں اگر میری غلطی کی وجہ سے کوئی ناراض ہو تو فوراً منالیتی ہوں ورنہ اگر دوسرے کی غلطی ہو تو بالکل نہیں مناتی' چاہے جتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ مشاغل میں ڈائجسٹ بڑے شوق سے پڑھتی ہوں' آنچل تو فیورٹ ہے' باقی کچھ بھی مل جائے پڑھ لیتی ہوں۔ خاص کر مجھے تاریخی ناول بہت پسند ہیں' تاریخ کے بارے میں پڑھنا اچھا لگتا ہے اس کے علاوہ فارغ وقت میں کرکٹ کھیلتی ہوں اور شوق سے دیکھتی ہوں۔ فارغ وقت اس لیے کہا ہے کہ مابدولت کی زندگی بہت مصروف گزر رہی ہے' اپنے مشاغل کے لیے کبھی کبھار ہی ٹائم ملتا ہے جیسا کہ آپ کو بتایا کہ والد صاحب کا انتقال ہوچکا ہے اور مڈل کلاس فیملی سے تعلق ہے اس لیے گھر کی ذمہ داری مجھ پر ہے' چھوٹی بہنیں پڑھ رہی ہیں' اس لیے زیادہ مصروفیت رہتی ہے' صبح فجر کی اذان سے تھوڑی دیر بعد اٹھتی ہوں نماز سے فارغ ہو کر تلاوت اور پھر بچوں کو قرآن پاک پڑھاتی ہوں آخر عالمہ کا

کورس کیا ہے کچھ دوسرے بھی تو فائدہ اٹھائیں۔ اس کے بعد ایک پرائیوٹ اسکول میں ٹیچنگ کرتی ہوں' دوپہر کو بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہوں' ٹیوشن سینٹر نہیں پورا پرائمری اسکول ہے' ہاہاہا۔ پرائمری اسکول اس لیے کہا ہے کہ بچوں کی تعداد پچپن کے نزدیک ہے ہم دو بہنیں مل کر پڑھاتی ہیں۔ شام چھ سات بجے ان سب کو اپنے گھروں کو رخصت کرتے ہیں تو پھر جی ہماری سیونگ مشین کی باری آتی ہے' ارے گھبرایئے نہیں میں انسان ہی ہوں مشین نہیں۔ کھانا وغیرہ بھی کھاتی ہوں' بلکہ پکاتی بھی بہت مزے کا ہوں۔ یہ میرے چھوٹے بہنوئی کہتے ہیں' دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے سخت نفرت ہے' اپنے ہاتھوں سے کما کر عزت کی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتی ہوں۔ رات تقریباً بارہ بجے تک سلائی کرتی ہوں' اس دوران لائٹ آنکھ مچولی کھیلتی رہتی ہے خیر ہم بھی اپنے نام کے ایک ہیں' کام مکمل کرکے ہی چھوڑتے ہیں' چاہے ٹارچ کی روشنی میں ہی کیوں نہ مکمل کروں۔ شعر و شاعری بہت پسند ہے اور ڈائری لکھنا بڑا اچھا لگتا ہے۔ گیدرنگ غیر میں جانا بالکل اچھا نہیں لگتا' صرف مہندی کا فنکشن پسند ہے اور تنہائی کو بہت پسند کرتی ہوں۔ شور سے دل گھبراتا ہے میک اپ بالکل پسند نہیں' صرف لپ لائنر لگاتی ہوں باقی سادگی بہت پسند ہے۔ رائٹرز تو سبھی اچھے ہیں کس کی تعریف کروں اور کس کی نہ کروں' کسی ایک کا نام لوں یہ سب کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ ایف ایم بھلوال بڑے شوق سے سنتی ہوں۔ ثمینہ' یاسمین' شمائلہ میری بہترین دوستیں ہیں اور شادی شدہ ہیں۔ کزنز نزہت افراء' زینت' عطیہ ہیں اور بہنوں میں سب سے زیادہ دوستی بڑی آپی فاخرہ سے ہے' دل کی ہر بات ان سے شیئر کرتی ہوں۔ چھوٹا سا پیغام' کسی کے آگے ہاتھ مت پھیلاؤ بلکہ اپنے ہاتھوں سے محنت کرو' برکت بھی ہوگی اور دلی خوشی بھی' اجازت چاہتی ہوں' اللہ نگہبان۔

پیارے آنچل و حجاب کے تمام اسٹاف ممبران اور تمام رائٹرز کو محبت اور عقیدت بھرا سلام قبول ہو۔ میرا نام حنا سلیم ہے لیکن سب پیار سے ہنی کہتے ہیں۔ 27 نومبر کو ایک چھوٹے سے گاؤں داتا آباد پیدا ہوئی' جی یہ نام آپ کو عجیب لگا ہوگا لیکن اسے داتاؤں کا گاؤں بھی کہا جاتا ہے جیسے کہ (مابدولت) سمجھا کریں۔ میں نے گریجویشن اور کمپیوٹر میں ڈی سی ایس کیا ہے اور آج کل اپنے پرائیوٹ اسکول میں پڑھا رہی ہوں' انٹرنیٹ کی سہولت دینے پر بھائی کی بہت شکر گزار ہوں' ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میرا نمبر چھٹا ہے' مریم' عمارہ' فرح' سالک اور ارم ان سب کی شادی ہوچکی ہے ان کے بچے انیبہ' طلحہ' حسن' نوال' میرب سب بچے بہت ہی کیوٹ ہیں۔ اللہ میرے تمام بہن اور بھائیوں کو خوش و آباد رکھے' آمین۔ میری امی میری جان سے پیاری امی' میں ان سے بے حد پیار کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کا عظیم بابرکت سایہ ہم پر سلامت رکھے۔ نظمیں اور شعر لکھنے کا بہت شوق ہے' شاعری پڑھنا میرا شوق نہیں لیکن لکھنا میرا شوق ہے' ہے نا عجیب بات۔ میں نے سب سے پہلی نظم اس وقت لکھی تھی جب میرے پیارے ابو کی ڈیتھ ہوئی' ان کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ ابو کا ہم سے جدا ہونا ہمارے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھا' آج بھی یاد آتے ہیں تو بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے پیارے ابو کو جنت الفردوس میں جگہ دے' آمین۔ نیک اور شفقت کرنے والے والدین اللہ کی خاص رحمت ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہر کسی کے والدین کو لمبی زندگی اور صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین' کلرز تو سب ہی بہت اچھے ہیں لیکن میرا فیورٹ کلر گرے اور پنک ہے' کھانے میں بریانی اور کریلے پسند ہیں۔ سویٹ ڈش میں ونیلا آئس کریم بہت پسند ہے' پھلوں میں آم اور کیلا پسند ہے۔ جیولری زیادہ پسند نہیں' سادہ رہنا اچھا لگتا ہے۔ کپڑوں میں شلوار قمیص اور ساڑھی پسند ہے۔ اسٹارز پر یقین نہیں کرتی' قدرت کے تمام نظارے اچھے لگتے ہیں' خاص طور پر صبح صادق کا وقت۔ اب اپنی کچھ اچھائیاں جو سب کو نظر آتی ہیں نرم دل ہوں' غریبوں کی مدد کرتی ہوں' بزرگوں پر بہت ترس آتا ہے جو اپنے بیٹوں کی بے رخی کے باعث سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہیں پھر اللہ سے دعا کرتی ہوں کاش میں ان کے لیے کچھ کرسکتی اور میری کوشش ہوتی ہے کہ کسی کا دل نہ دکھاؤں۔ اب آتی ہوں خامیوں کی طرف' غصہ کی تیز ہوں جو منہ میں آتا ہے بول دیتی ہوں' کبھی کبھی ضرورت پڑنے پر جھوٹ بھی بول لیتی ہوں۔ کھانا اچھا پکالیتی ہوں' میں نہیں کہتی سب کہتے ہیں۔ رسالے تو سبھی پڑھتی ہوں لیکن جو بات آنچل و حجاب کی ہے اور کہاں۔ پسندیدہ رائٹرز عمیرہ احمد' عشنا کوثر سردار' نازیہ کنول نازی' رخسانہ' صدف آصف اور اقراء صغیر احمد کی تعریف میں کن لفظوں میں کروں کاش کہ میں انہیں بیسٹ رائٹرز کا ایوارڈ دے سکتی۔ تعارف کچھ زیادہ ہی لمبا ہوگیا اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں انتظار کروں گی' اللہ حافظ۔

تمام حجاب اسٹاف' رائٹرز اینڈ ریڈرز کو السلام علیکم! مجھے صبیحہ شہریار کہتے ہیں' میری آمد اس دنیا میں یکم مارچ 1989ء میں ہوئی' ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ آپی مدیحہ ہارون' آپی ربیعہ عیسیٰ' کہکشاں عاشر (مجھے وہ دن یاد نہیں جب کبھی تمہیں آپی کہا ہو' ہاہاہا) پھر مابدولت صبیحہ شہریار' صبا ریان اور لاسٹ پر ہم سب کی جان زین چوہدری۔ میری شادی کو پانچ سال ہوئے ہیں' ماشاء اللہ چار بچے ہیں۔ ارے بھئی اتنے حیران نہ ہوں' پہلے دو جڑواں بیٹے محمد علی اور محمد حاشر علی پھر دو جڑواں بیٹیاں رانیہ فاطمہ' زانیہ نور۔ میری دنیا ان سے آباد ہے' آنچل سے تعلق 2004ء سے ہے پرانٹری اب دے رہی ہوں۔ فائقہ سکندر حیات عرف فائی کی ضد پر' لاہور میں رہتی ہوں اور لاہور میری فیورٹ جگہ ہے۔ فارم ہاؤس جانا وہاں مستی کرنا' آنچل' شعاع' خواتین' حجاب' کرن پڑھنا اپنے شوہر کی پسند سے تیار ہونا' سویٹ گروپ کو تنگ کرنا' ڈریس ڈیزائنر کرنا' کوکنگ کرنا' فائی سے لمبی لمبی کال پہ باتیں کرنا میرے فیورٹ کام ہیں۔ تعلیمی قابلیت ایم فل ہے۔ خامیاں شوہر شہریار خان صبیحہ کی جان سے پوچھا تو بولتے ہیں تھوڑی بے وقوف اور ضدی ہوں۔ فائقہ سکندر نے کہا ہر کسی پر اعتبار کرتی ہوں بعد میں ہرٹ ہونے پر روتی ہوں۔ خوبیاں' امی جان نے کہا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہوں۔ شہریار نے کہا ان کی نظر میں دنیا کی بیسٹ وائف اینڈ مما ہوں۔ فائی نے کہا ہر کسی کا احساس کرتی ہوں' پسندیدہ رنگ گلابی' کالا ہے جو کہ میرے شاری کو مجھ پر سب سے زیادہ اچھے بھی لگتے ہیں۔ ڈش' چائنیز رائس' کڑھی پکوڑے' شامی کباب (فائی کے ہاتھ کے) سندھی بریانی۔ شاعر وصی شاہ' آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت علیؓ' شہریار اور بگ بی۔ کپڑوں میں ساڑھی پسند ہے' استعمال بھی کرتی ہوں۔ میرے بچوں میں میری جان ہے' محمد علی' زانیہ کا تنگ کرنا بہت مزا دیتا ہے۔ پلیز میری بیٹی رانیہ کے لیے دعا کریں کہ وہ ٹھیک ہوجائے۔ میرا بیٹا محمد حاشر کہکشاں کے پاس ہوتا ہے' حاشر مجھے آنی بولتا ہے اسے نہیں پتا میں اس کی مما ہوں۔ فرینڈز میں ٹاپ پر فائقہ سکندر ہے۔ مائی فیملی سویٹ گروپ اور شوہر شہریار آئی لویو سو مچ' اجازت دیں' اپنا خیال رکھیے پر اپنے سے زیادہ ان کا جو آپ سے بہت پیار کرتے ہیں' اللہ نگہبان۔

ہیلو گرلز اینڈ گائز بے بی اینڈ بوائز آنٹی اینڈ انکل آپ سب کو مبین رانا کا سلام قبول ہو۔ امید کرتی ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گے میں بھی فٹ اینڈ فاٹ ہوں جی تو اب آتے ہیں اپنے تعارف کی طرف میرا پورا نام مبین اختر حسین ہے لیکن میں لکھتی مبین رانا ہوں ہوا کچھ یوں کے آٹھویں کلاس میں ایک پینٹنگ بنا کر اسکول لے کر گئی اور اس پر اپنا نام مبین رانا لکھا بس پھر سب اسکول میں مجھے مس رانا کہنے لگے۔ میں 3 فروری کو پیدا ہوئی' بچپن میں بہت کیوٹ تھی (یہ میں نہیں سب کہتے ہیں) اب تو اور بھی پیاری ہوگئی ہوں' ہم چھ بہن بھائی ہیں' پانچ بہنیں اور ایک بھائی۔ تین بہنوں کی شادی ہوچکی ہے اور ایک منگنی شدہ ہے میں اور بھائی سنگل ہیں' میں سب سے چھوٹی ہوں اور گھر بھر کی لاڈلی خاص کر امی جان کی امی مجھے پیار سے چاندنی کہتی ہیں باقی سب مبین ہی کہتے ہیں۔ کزن اقصیٰ موبی کہتی ہے' میرے تین عدد بہت ہی سویٹ اینڈ کیوٹ بھانجے بھانجی ہیں۔ عبداللہ' آصف اور کنزہ جو بہت ہی شرارتی ہیں' عبد اللہ مجھے بی بی اور کنزہ منی کہتی ہے۔ میں سیکنڈ ائر کی اسٹوڈنٹ ہوں' پڑھائی میں بہت اچھی ہوں۔ ہمیشہ سے سب اساتذہ کی منظور نظر رہی ہوں' کھانے میں چائنیز رائس بہت پسند ہیں' برگر اینڈ سینڈوچ بہت پسند ہیں۔ گھر والے بہت تنگ ہیں مجھ سے کہ مبین تم بولتی بہت ہو' کیا کروں نہیں رہا جاتا' فیوورٹ پابیز ریکٹ کھیلنا' سونگز سننا' ڈائجسٹ پڑھنا' خاص کر آنچل اور حجاب۔ شاعری بہت پسند ہے ایف ایم سننا بہت پسند ہے' فیوورٹ کلر بلیک ریڈ اینڈ پنک' شلوار قمیص پہننا اچھا لگتا ہے' دوست بنانے کا بہت شوق ہے۔ بیسٹ فرینڈ یہ ہیں مدیحہ' اقصیٰ' عابدہ' نازش' انعم بہت مزا آتا ہے ان سب کے ساتھ۔ میری زندگی کا سب سے یادگار دن جس دن میں نے 152 اسکولز میں سے رائٹنگ کمپٹیشن ون کیا اور فرسٹ پرائز ملا تھا اور میری فوٹو نیوز پیپرز میں فرنٹ پیج پر آئی تھی اس وقت میری خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی اور یہ سب میری امی کی دعاؤں کا اثر تھا' میری آئیڈیل میری امی ہیں۔ گھومنا پھرنا بہت اچھا لگتا ہے' آنچل سے میرا تعلق بہت پرانا ہے تقریباً 8 سال پرانا۔ سب رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں' نمیرہ احمد' نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور اور نادیہ فاطمہ رضوی بہت پسند ہیں۔ میں خود بھی اپنی تحریر لکھ رہی ہوں' ان شاء اللہ بہت جلد آپ لوگ پڑھ سکیں گے۔ پاکستانی ایکٹرز میں نعمان اعجاز' یمی خان' احسن خان' لڑکیوں میں صبا قمر' عائزہ خان۔ مجھے سونے کا بہت شوق ہے' بہت سوئی ہوں' سردی ہو' دھند پڑی ہو اور میں رضائی لپیٹ کر سوئی رہوں۔ اگر میں نے سب بہنوں اور کزنز کے نام نہ لیے تو وہ مجھے چھوڑیں گی نہیں۔ شازیہ' نازیہ' رعت' غزالہ' بشریٰ عندلیب' سمیرا' رحت' نمرہ' اقصیٰ' مدیحہ' راشدہ' صباء' عابدہ یہ سب میری کزنز اینڈ سسٹرز مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا گڈ بائے جی' جہاں رہیں خوش رہیں' دوسروں کو خوش رکھنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ خیال رکھیں کہ آپ کی ذات کسی کے لیے دکھ کا باعث نہ بنے' اپنے آپ کو ایسا بنائیں کہ آپ کے بعد بھی لوگ آپ کو اچھے لفظوں میں یاد کریں' آپ سب کی دعاؤں کی طلب گار۔

سمیرا غزل صدیقی

اسلام علیکم! قارئین آج ہم آپ کو ہماری اور آنچل کی پُرخلوص ساتھی اور سنجیدہ و پُروقاری نثر نگار اور شاعرہ سمیرا غزل صدیقی سے ملوانے جارہے ہیں۔ امید ہے آپ کو یہ نصف ملاقات پسند آئے گی۔

حجاب: السلام علیکم!

☆: وعلیکم السلام سباس! اور تمام قارئین کو چاہت بھرا اسلام۔

حجاب: آپ کا اصل نام کیا ہے اور کہاں پیدا ہوئیں؟

☆: اصل نام سمیرا غزل صدیقی ہے' کراچی میں پیدا ہوئی۔

حجاب: آپ کا تخلص کیا ہے؟

☆: میرا تخلص غزل ہے۔

حجاب: آپ کی تاریخ پیدائش اور اسٹار؟

☆: 13 نومبر تاریخ پیدائش ہے اسٹار Scorpio ہے۔

حجاب: تعلیمی قابلیت کیا ہے اور کہاں سے تعلیم حاصل کی؟

☆: میں نے ایم اے معاشیات کراچی یونیورسٹی سے کیا ہے اس کے علاوہ کمپیوٹر اور انگلش لینگویج سے ملحقہ کچھ کورسز کر رکھے ہیں۔

حجاب: ماشاء اللہ معاشیات جیسے خشک مضمون کو پڑھنے کے بعد اردو ادب میں کیسے دلچسپی ہوئی؟

☆: (ہاہاہا) بس وہ کہتے ہیں نہ کہ لکھنے کا ہنر اللہ کی طرف سے حسین تحفہ ہے' لکھنے کا شوق بچپن سے تھا اور رہی بات معاشیات کی تو یہ میرا فیوورٹ مضمون ہے۔

حجاب: بچپن کیسا گزرا؟

☆: بچپن بہت اچھا گزرا' گھر والوں اور اساتذہ کی محبتوں میں گزرا اور سچ پوچھیں تو بچپن سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

حجاب: یہ بتائیں پہلا افسانہ کب اور کہاں لکھا؟

☆: پہلا افسانہ ''ردا'' ڈائجسٹ میں لکھا تھا ''تم ملے'' کے عنوان سے سن اور مہینہ یاد نہیں' میں ہر بات جلدی بھول جاتی ہوں۔

حجاب: شاعری کی ابتدا کیسے ہوئی؟

☆: شاعری میں نے میٹرک کلاس سے لکھنی شروع کی پہلی دفعہ اساتذہ نے بہت حوصلہ افزائی کی تھی جو کچھ سیکھا ان سے ہی سیکھا ہے۔

حجاب: آپ ناولٹ کم اور مختصر افسانے زیادہ لکھتی ہیں اس کی کوئی خاص وجہ؟

☆: یہ جدید دور ہے اور کسی کے پاس اتنا ٹائم نہیں کہ پوری پوری کتابیں پڑھے' اسٹوڈنٹس بھی صرف مین ٹاپک ہی پڑھتے ہیں سو میری بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ کم وقت میں اپنی بات سمجھا سکوں اس کے لیے افسانہ نگاری سے بہترین چوائس کوئی نہیں۔

حجاب: کبھی مزاح پہ کچھ لکھا؟

☆: مزاح اور میرا تعلق کوسوں دور کا ہے لکھنا چاہوں تو بھی نہیں لکھ سکتی یہ میرا مزاج نہیں۔

حجاب: اتنی کم عمری میں آپ کی تحریریں اتنی پختہ ہوتی ہیں کوئی خاص وجہ؟

☆: وقت اور حالات انسان کے ذہن کو پختہ اور اس کے قلم کو طاقتور بنا دیتے ہیں' میں تجربات سے زیادہ مشاہدات پر غور کرتی ہوں۔

حجاب: کیا شاعری سچ بولتی ہے؟

☆: جی بالکل سو فیصد اور ہم شاعری کب لکھ لیتے

ہیں پتا بھی نہیں چلتا۔ سوچیں بیٹھے بٹھائے کب لفظوں کا تانا بانا بننے بیٹھ جاتی ہیں پتا بھی نہیں چلتا۔

حجاب: ایک لکھاری کے لیے تعریف و تنقید کتنی ضروری ہے؟

☆: تعریف سے پذیرائی ملتی ہے اور تنقید سے مزید بہتر لکھنے کا حوصلہ میرے خیال میں تنقید انسان کو بہت آگے لے جاتی ہے۔

حجاب: گھر والے سپورٹ کرتے ہیں' تنقید کرتے ہیں؟

☆: الحمدللہ! میری والدہ سمیت سب بہت حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

حجاب: رائٹرز میں کس سے متاثر ہیں؟

☆: سعادت حسن منٹو' اشفاق احمد' سیما غزل اور عمیرہ احمد۔

حجاب: کون سا شاعر زیادہ پسند ہے؟

☆: علامہ اقبال اور پروین شاکر۔

حجاب: آئیڈیل شخصیت اور آئیڈیل کتاب؟

☆: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب بلاشبہ قرآن پاک۔

حجاب: لکھنے کا مقصد کیا ہے آپ کا؟

☆: صرف اور صرف اصلاح' بس کسی ایک لفظ سے بھی کسی کی اصلاح ہو جائے سمجھیں قلم کا فرض ادا ہو گیا بلاشبہ جہاد بالقلم ایک بہترین جہاد ہے۔

حجاب: آپ کو اپنی کون سی تحریر پسند ہے؟

☆: ''روشنی کے استعارے'' جو آنچل میں شائع ہوئی اور ''سحر ضوفشاں'' جو کہ کرن میں شائع ہوئی۔

حجاب: زندگی سے کیا سیکھا؟

☆: ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا اور حالات کا مقابلہ کرنا دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر کرنا۔

حجاب: کھانے میں کیا پسند ہے؟

☆: دال چاول اور بریانی۔

حجاب: رنگ' لباس اور کھیل کون سا پسند ہے؟

☆: رنگ کالا' لباس ساڑھی اور کھیل کرکٹ پسند ہے۔

حجاب: شہرت اور عزت میں سے آپ کا انتخاب؟

☆: عزت' عزت اور صرف عزت' شہرت تو آنی جانی شے ہے۔

حجاب: دولت کتنی ضروری ہے؟

☆: اتنی جس سے بنا کسی کی محتاجی کے گزر بسر ہو سکے۔

حجاب: زندگی کا کوئی خوشگوار لمحہ؟

☆: جب پہلی دفعہ چھوٹے بھائی کو گود میں لیا۔

حجاب: لکھنے کے لیے موڈ کتنا اہمیت کا حامل ہے؟

☆: جی بالکل موڈ اچھا ہو تو میں پورا دن بھی لکھتی ہوں' موڈ نہ ہو تو ہفتوں نہیں لکھتی۔

حجاب: عورتوں کے لیے کوئی پیغام؟

☆: اپنی عزت کروائیں اور اپنا مقام بنائیں خود ہنر سیکھیں اور سکھائیں۔ اب وہ دور نہیں کہ عورت چار دیواری میں بند رہ کے مردوں کا تشدد سہتی رہے۔ بہتر یہ ہے کہ عورت عورت کا سہارا بنے۔

حجاب: اپنے کچھ شاعری کے نمونے قارئین سے شیئر کریں؟

☆: جی بالکل۔

تمہیں اس طرح سے چاہوں......
تمہیں اس طرح سے چاہوں......
کہ تمام چاہتیں تم پہ ختم ہوا ے جان!
کوئی حسرت وصال کی
کوئی لمحہ تشنگی کا
کوئی پھول غم کا
تیری راہ میں نہ کھل پائے۔

☆......☆

دو شعر......!

پشیمانی روح ذرا کم نہ ہوگی
تا عمر مجھ سے یہ سزا کم نہ ہوگی

سبب غفلت یہ حال ہوا ہے غزل
جتنا ادا کروں گی قضا کم نہ ہوگی

حجاب: پسندیدہ شعر؟

☆: پروین شاکر کا شعر بہت پسند ہے۔

حسن کو سمجھنے کو عمر چاہیے جاناں
دو گھڑی کی چاہت میں لڑکیاں نہیں کھلتیں

حجاب: پسندیدہ اداکار/اداکارہ؟

☆: وحید مراد' ہمایوں سعید' سعد یہ امام۔

حجاب: آپ کے مشاغل؟

☆: کوکنگ اور تحریریں لکھنا۔

حجاب: نئے لکھنے والوں کے نام کوئی پیغام؟

☆: اپنا مطالعہ وسیع کریں حالات و واقعات کا مشاہدہ کریں پہلے افسانہ لکھیں اس کے بعد ناولٹ وغیرہ کی طرف آئیں مطالعہ کبھی نہ چھوڑیں۔ سچ لکھیں سچ سنیں سچ کہیں' کامیابی آپ کی ہوگی۔

حجاب: کوئی خواہش جواب تک پوری نہ ہوئی ہو؟

☆: حج کرنا اور ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہونا۔

حجاب: پھولوں سے کتنا لگاؤ ہے؟

☆: بہت زیادہ...... میری کتابوں میں آپ کو سوکھے پھول ہی ملیں گے' گلاب بہت پسند ہے اور چنبیلی۔

حجاب: حجاب کی قارئین کے نام اچھا سا پیغام؟

☆: جی بالکل سباس! قارئین سے یہی التجا ہے کہ بڑوں کی عزت کریں۔ ماں باپ کی خدمت کریں' نماز پڑھیں قرآن کو سمجھیں' ملک کے لیے دعا کریں اور سب متحد یک جان ہو جائیں یہی وہ وقت ہے کہ اگر ہم اب بھی ایک نہ ہوئے تو یہ ملک ٹوٹ جائے گا۔

آخر میں حجاب کا بے حد شکریہ کہ اس نے اتنی عزت و تکریم سے نوازا۔ اللہ سے دعا ہے کہ حجاب کو یونہی ترقی و کامیابی سے نوازے آمین۔

منزل

تمہیں روشن جس سے
فکر و شعور کی قندیلیں
کہ جس کی گھنی چھاؤں
زمانے و بدی کی دھوپ سے
نوخیز کلیوں کو بچاتی تھی
جس کے وجود سے
علم و آگہی کے باب پھوٹتے تھے

وہی......
اک ننھا بیج جس نے چونتیس برس قبل
اپنی جڑیں اہل فکر و شعور کی
دنیا میں پھیلائی تھیں

ہاں وہی......
اک ننھا بیج دیکھتے ہی دیکھتے
وہ تناآور درخت بن گیا کہ......
جس کی چھاؤں سے علم و ادب کا نور پھوٹتا ہے
جس کا ایک ایک پھول
آگہی کے دور میں قدم رکھنے والوں پہ
وہ سحر طاری کرتا ہے

کہ......
خود آگہی کا در باسیوں پہ کھلتا چلا جاتا ہے
سوچیں بھی راہوں سے گزرتے گزرتے
پختگی تک پہنچتی ہیں

اور......
علم و ادب کا گہوارہ ''آنچل''
وہی فکر و شعور کی قندیلیں لیے
اپنی عمر کی اک اور منزل طے کرتا ہے

☆☆☆☆☆

سبز بال رعایا

ظلم و بربریت کی دوڑ میں
آمریت کی جیت ہوئی
حق مظلوم کو چھینا گیا
ازل سے یہی ریت ہوئی

آہ و پکار سسکیاں سب
گولیوں دھماکوں میں دفن ہوئیں
گرہن لگا اس سرزمین کو
جسے پنپنے میں کئی برس لگے
جمہوریت آمریت حاکمیت
سب کچھ ہی لے ڈوبا اسے
اور......
آج......
یہ وطن اپنے چھیاسٹھ برس
مکمل کرنے پر بھی ماتم کناں ہے
کہ......
جس کے حاکموں نے اسے لوٹا
رعایا نے رخ آمریت پر موڑا
جمہوریت کی آڑ میں
امداد زر کی باڑ میں
چپہ چپہ ہر شہر گلی
دھماکوں گولیوں سے گونج اٹھا
کہ آج......
جشنِ آزادی کے چراغاں پر بھی
ہر اک پل دل کو یہی دھڑکا ہے کہ
اب یہاں گولی چلے گی
بے گناہوں کی سولی چڑھے گی
سب بے زباں جانور نما
انسان کی مانند اپنے اپنے بے حسی کے
خول میں سمٹے ہوئے
سال کے صرف ایک دن
جھنڈیاں لگا کر
پرچم لہرا کر
بغلگیر ہو کے
اک دوجے کو "جشنِ آزادی"
مبارک کہتے ہیں
اور......
آمریت بے حسی بربریت
قہقہہ لگاتی
ہمارے حال پر ترس کھاتی ہے
کہ ہم
"بے زباں رعایا"
ظلم و ستم کے آہنی پنجوں میں
جکڑے ہوئے مفلوج ہو گئے!

☆☆☆☆

شامِ دلسوز، شہر اور دسمبر
ٹھٹھرتی سرد شاموں میں
شہر کے دھندلکے میں لپٹی وحشتوں کے ہمراہ
تمہارے بعد ٹھہرے ہم سفر
شامِ دلسوز، کہر اور دسمبر
تمہارے ساتھ سے تمہاری یاد تک
تمہارے عکس سے پرچھائی تک
میری نظروں میں پنہاں
عکس تیرا بھی رو پڑا
کہ جب رو یا دسمبر......
اور بھیگی پلکوں پر جان لیوا
بوندیں......
تمہاری یادوں کے زخموں پہ
اپنا زم زم رکھتی جائیں
اور اکیلا بالکل تنہا کرتی جائیں
اور میں......
اکیلے چاند کے ہمراہ
اپنی کھڑکی کے دریچے سے ٹیک لگائے
کافی کے ہمراہ......
یہ چاند بادلوں کی لکا چھپی کے کھیل میں گم ہوں کہ
پل بھر کو ہی سہی اپنا غم بھول ہی جاؤں!

آغوشِ مادر

سمیرا آوشین

جب سے حجاب ڈائجسٹ زیر مطالعہ آیا ہے کئی بار خواہش ہوئی کہ اس سلسلے میں شرکت کروں مگر سعی نہ کر سکی۔ آج ہمت کر کے کاغذ قلم تھام ہی لیا ہے اور آغوش مادر میں لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں مگر دست ولب لرزاں ہیں' آنکھوں سے اشک رواں ہیں' سمجھ نہیں آ رہا قلم سنبھالوں یا دل کیونکہ جس ہستی کی بابت لکھنے جا رہی ہوں وہ خزینۂ الفت و محبت ہے' سرتاپا مہربان ہی مہربان ہے جو سراپا چھاؤں ہے جو دلوں کا سرور اور آنکھوں کا نور ہے جی ہاں آپ بالکل درست سمجھے وہ پیاری ہستی ماں ہی ہو سکتی ہے۔

ماں تیرے پیار کی چادر
ہے اک گھنا شجر سایہ دار

میری ماں میری پیاری ماں میں کیسے آپ سے اپنی محبت و چاہت کا اظہار کروں۔ آپ سے عقیدت و احترام کو لفظوں میں کیسے سموؤں۔ الفاظ ماں کی محبت کو لکھنے سے عاری ہیں' مجھے ماں کے شایان شان الفاظ مل ہی نہیں پا رہے۔

ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں میں اظہار خیال کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں بہن بھائیوں میں سیکنڈ لاسٹ نمبر پر ہوں مجھ سے چھوٹا بھائی ہے ہم چار بہنیں ہیں' میں والدین اور بہن بھائیوں کی لاڈلی بیٹی ہوں سارے گھر والے مجھ سے بے پناہ پیار کرتے ہیں۔ ماں کی محبت کو تو بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی محبت سے اکثر فائدہ بھی اٹھایا جاتا' بڑی محبت بڑی چاہت سے پرورش کی۔

امی نے لفظوں سے کبھی اظہار نہ کیا کہ انہیں اولاد سے کس قدر محبت ہے' ہمیشہ عملی مظاہرہ کیا' اسکول و کالج جاتے ہوئے ناشتا لے کر پیچھے پیچھے پھرتیں کہ تھوڑا سا کھا لو خالی پیٹ نہ جاؤ اور میں غصے سے چلاتی کہ میرا دل نہیں چاہ رہا تو کیوں پیچھے پڑ جاتی ہیں (چلانے کا وصف مجھ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا) آہ! آج جب خود ماں بنی ہوں تو پتا چلا ہے کہ اولاد گھر سے بھوکی جائے تو ماں کے حلق سے بھی نوالہ مشکل سے اترتا ہے۔ واپسی پر ہمیشہ پسند کا کھانا تیار ملتا' کبھی سوتے سے نہ جگایا' کوئی کام نہ کروایا ہمیشہ خدمت میں ہی لگی رہیں۔

ماں کی کون کون سی خوبی کا ذکر کروں' ہاں سب کی مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں' ہر بیٹی کو یوں لگتا ہے میری ماں دنیا کی سب سے عظیم ہستی ہے۔ یہی حال میرا ہے' میری ماں ہمت و عظمت کی تصویر ہے ابو کے چلے جانے کے بعد انہوں نے ہماری تربیت احسن طریقے سے کی۔ فکر معاش' بچوں کی تعلیم و تربیت' ان کی شادیاں سب کام اپنی دانش مندی سے بحسن و خوبی پورے کیے۔ میں تعلیم سے فارغ ہوئی تو ہر ماں کی طرح امی کو بھی میری شادی کی فکر نے آ لیا۔ منگنی ہوئی شادی ہو گئی' شادی کے بعد جب بھی امی کے گھر جاتی امی کو اداس پاتی مگر منہ سے کبھی اپنے ملول ہونے کا ذکر نہ کیا۔ جب میں نے سسرال واپس آنا ہوتا تو پہلے سے فکر لگ جاتی کہ ساری چیزیں سمیٹ لو تیاری کر لو' کوئی چیز رہ نہ جائے اور دل اندر سے کٹ رہا ہوتا کہ یہ اب نظروں سے دور ہو جائے گی' کبھی یہ نہ کہا کہ کچھ دن اور رہ لو۔ تمہارے بغیر دل نہیں لگے گا کبھی اپنے جذبات کا اظہار نہ کیا مگر اپنی ماں کا کہا ہوا ایک جملہ میں ساری زندگی فراموش نہ کر پاؤں گی شاید اس جملے کو پڑھتے ہوئے ہر بیٹی تڑپ اٹھے اور دل رو دے۔

ایک دن میرے شوہر نے مجھے لینے آنا تھا' کھانا

تیار ہو رہا تھا اور میں اپنے جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ ایک دم امی اداس چہرہ اور آنکھوں میں نمی لیے مجھے دیکھ کر کہنے لگیں۔

"میں بھی کتنی پاگل ہوں میں نے تو یہ کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ اس کی منگنی کردی ہے تو ایک دن شادی بھی کرنی ہوگی اور مجھے چھوڑ کر یہ اپنے گھر چلی جائے گی۔ کاش میں اس کی منگنی ہی نہ کرتی' میں نے کون سا زیادہ عرصہ جینا تھا (امی بیمار رہتی ہیں) میں مرجاتی تو بہن بھائی اس کی شادی کردیتے۔ میری زندگی تک میری آنکھوں کے سامنے تو رہتی۔ آہ! ماں تیری بھولی محبت۔" میں یہ سن کر ششدر رہ گئی۔ آج امی نے محبت کا اظہار کیا بھی تو کن لفظوں میں' میں ہنس کر بولی۔

"امی آپ کو اپنی زندگی کا پتا ہے ابھی تو آپ بے شمار سال جئیں گی تو کیا آپ مجھے گھر پر بٹھا کر ہی بوڑھی کردیتیں۔" اور امی روتی ہوئی ہنس پڑیں۔

"بے وقوف یونہی ذہن میں ایک سوچ آئی تھی' میں نے کون سا ایسا کرنا تھا۔ ہائے ماؤں تمہاری محبت بھری سوچیں۔"

جب ہم بہنیں امی کے گھر جاتی ہیں تو ان کی خوشی دیدنی ہوتی ہے' امی بولتی رہتی ہیں ہم سنتی رہتی ہیں پھر یاد آنے پر کہتی ہیں۔

"آج تو میں نے صبح سے نہ بلڈ پریشر کی گولی لی' نہ شوگر کی اور نہ ہی دیگر گولیاں۔ آج تو ساری بیماریاں ہی رفع ہوگئیں تم لوگ آجاتی ہو تو یوں لگتا ہے مجھے کوئی تکلیف کوئی دکھ ہی نہیں۔ واہ میرے مولا! یہ اولاد اور والدین کے رشتے میں کیسی محبت کی چاشنی رکھی ہے کہ انسان رشتوں کے قریب رہ کر اپنے تمام دکھ ہی بھول جائے۔"

آج میری شادی کو گیارہ سال ہوچکے ہیں۔ امی شدید بیمار رہتی ہیں جن بھائیوں کے سہارے مجھے چھوڑ کے جانا چاہتی تھیں ان میں سے ایک بڑا بھائی اللہ کو پیارا ہوگیا' امی بہت مضمحل ہوگئی ہیں جوان بیٹے کو ابدی سفر پر روانہ کرنا آسان نہیں ہوتا مگر امی نے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا' ہمت اور حوصلہ کے ساتھ رب کی رضا پر راضی ہیں۔ بیٹے کی جدائی میں ہر گزرتا دن انہیں اندر سے توڑ دیتا ہے۔ بیماری سے بھی جنگ لڑ رہی ہیں اور بیٹے کی جانگسل جدائی بھی برداشت کر رہی ہیں۔ بہنوں سے التماس ہے کہ وہ میری امی کے لیے دعا کریں کہ اللہ انہیں صبر دے اور تندرستی والی زندگی دے۔ اب بھی روزانہ فون کرکے میرا اور میرے بچوں کا حال پوچھتی ہیں ہمارے لیے دعا گو رہتی ہیں۔

ماں ہے تو سب کچھ ہے' ماں کے دم سے میکہ آباد ہے۔ ماں کی بدولت خوشی خوشی محسوس ہوتی ہے اگر کوئی دکھ' غم پریشانی ہے تو ماں کے سامنے رکھ دو ماں کی دعاؤں سے سارے غم' تکلیفیں' راحتوں میں بدل جائیں گی۔ میرے اللہ نے ہمیں کیسا انمول تحفہ بخشا ہے کاش کہ ہم اس تحفے کی قدر کرسکیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کی ماؤں کو سلامت رکھے آمین۔

ماں ہے تو جہاں میں
رونق کا سماں ہے

ملاقات

ام مریم

ایک ملاقات ام مریم کے ساتھ
السلام علیکم۔

یوں تو لکھاری وادیب آج کل بہت کچھ لکھ رہے ہیں اور اکثر بہت عمدہ بھی لکھ رہے ہیں مگر کچھ لکھاری ایسے بھی آپ نے دیکھے ہوں گے جن کے قلم سے نکلے الفاظ آپ کے دل کے نہاں خانوں میں سرائیت کر جاتے ہیں اور آپ کی روح کو تازگی بخشتے ہیں۔ ان کے مختلف خیالات و نظریات آپ کو چونکا دیتے ہیں اور ان کے الفاظ خوشبو بن کر سرشار رکھتے' یہی لکھاری پسندیدہ ترین شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں جو اپنی تحریروں کے ذریعے لحہ بہ لحہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ ایسی ہی ایک لکھاری "ام مریم" ہیں جن کے الفاظ کا سحر ان کے شاہکار ناولوں کو پڑھنے سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔

آنچل ڈائجسٹ سے لکھنے کا آغاز کرنے والی یہ رائٹر بہت جلد ہی اپنے قارئین کے دلوں میں خاص مقام حاصل کرگئیں "بس ایک سجن ہرجائی" کے نام سے ان کا پہلا ناول آنچل ڈائجسٹ میں شائع ہوا اور اس کے بعد متعدد ناولز اسی ڈائجسٹ کی زینت بنے۔ انہیں دوشیزہ ڈائجسٹ کی طرف سے ناول "رحمٰن رحیم سدا سائیں" پہ ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ بے شمار تحریریں مختلف رسالوں میں لکھنے کے ساتھ اب ان کے بہت سے ناولز کتابی شکل کی صورت مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ جن میں سرفہرست "صبح کا نور ہمارا ہے' تیری چاہ میں تیری راہ میں' بس ایک سجن ہرجائی' زندگی خاک نہ تھی' شہر دل' دل ناداں' میرے گمشدہ دردگر" وغیرہ شامل ہیں اور ان شاء اللہ جلد ہی کچھ اور کتابیں بھی مارکیٹ میں دستیاب ہوں گی۔

آیئے اب چلتے ہیں قارئین کے سوالات اور ام مریم کے جوابات کی طرف۔

☆ فیم انجم: السلام علیکم مریم کیسی ہیں آپ؟ میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں اور آپ کے فینز بھی آپ کا پوچھتے رہتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بتائیں کیا فیس بک دوبارہ جوائن کرنے کا ارادہ ہے؟

ام مریم: وعلیکم السلام! اللہ پاک کا شکر بالکل ٹھیک آپ کیسی ہیں؟ مجھے بھی یاد تو آتی ہیں آپ! انسان دو لوگوں کو نہیں بھولتا اچھوں کو یا بروں کو، یعنی دوستوں کو یا دشمنوں کو، خوش رہیں ہمیشہ۔ جی نہیں ہے ارادہ ایف بی پہ آنے کا چھوڑ دیا تو بس چھوڑ دیا۔ جو میرا آپ سے پوچھتے ہیں انہیں سلام کہہ دیجیے گا دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ فیم! آپ بھی ہمیشہ خوش رہیں اور انتظار ترک کردیں ڈیئر۔

☆ فیم انجم: آپ کے دو ٹاپ ناولز حال ہی میں کتابی شکل میں مارکیٹ میں آئے ہیں "مجھے ہے حکم اذاں" اور "تم آخری جزیرہ ہو" ان دونوں ناولز میں سے کس ناول کا ریسپانس زیادہ ملا اور ان میں سے آپ کو کس ناول سے زیادہ امیدیں وابستہ تھیں؟ آپ کا فیورٹ کون سا تھا؟

ام مریم: دو نہیں تینوں بڑے ناول بک فارم میں آرہے ہیں۔ "میرے ساحر سے کہو" بھی ساتھ ہی آرہا ہے۔ مجھے تو تینوں کا ہی بہت اچھا ریسپانس ملا ہے آخری جزیرہ کا سب سے زیادہ ملا شاید۔ مجھے خود جو امیدیں تھیں وہ حکم اذاں سے تھیں۔

☆ فیم انجم: اپنے ناول "ہم مصطفوی ہیں" کے حوالے سے کچھ شیئر کریں۔ یہ ناول کب اور کس میگزین میں پبلش ہوگا؟

ام مریم: یہ ناول بھی اسلام کے موضوع پہ ہوگا کب شائع ہوگا؟ کہاں؟ اس بارے میں قبل از وقت کیسے کچھ کہہ سکتی ہوں اللہ بہتر جانتا ہے۔

☆ فیم انجم: کوئی ایسا ٹاپک جس پہ لکھنے کی خواہش ہو؟

ام مریم: وہ ناول "ہم مصطفوی ہیں" جسے لکھنے کی خواہش ہے۔

☆ فہیم انجم: کبھی بے جا تنقید کا سامنا کرنا پڑا یا کوئی ایسا ناول جس کے ساتھ آپ کے خیال میں آپ کی طرف سے کسی ادارے کی طرف سے یا فینز کی طرف سے زیادتی ہوئی ہو؟

ام مریم: جی سامنا کرنا پڑا ہے فہیم! وہ بہت مشکل وقت تھا مگر گزر گیا اور اس وقت کے صبر کا اللہ نے مجھے اجر اور انعام بھی عطا فرمایا۔ صبر کبھی رائیگاں نہیں جاتا جس ناول پہ میری طرف سے زیادتی ہوئی یا ادارے کی طرف سے ہوئی اس پہ دوبارہ محنت کی' مطلب اسے دوبارہ لکھ لیا' ہاں جن پہ قارئین نے زیادتی کی وہ بے جا تھی اس پہ دھیان نہیں دیا' کہ اس کا واحد حل یہی تھا۔

☆ سارہ خان: لکھنے کے سفر میں کس نے آپ کو ہمیشہ سپورٹ کیا؟ کوئی ایسی کہانی لکھنے کی خواہش ہو جو لکھ نہیں پائی ہوں؟

ام مریم: سارہ ڈیئر ہمارے خاندان میں دور دور تک کوئی نہیں لکھتا تھا تو میری اس چیز کو وہ بھی ہر کام کو ترک کر کے لکھنا' میرے گھر والوں اور امی کو پسند نہیں آسکا۔ شروع میں جنون بہت تھا تو مخالفت بھی تھی مگر میں نے نہیں چھوڑا مگر جب چھپوانے کا وقت آیا تو امی کی اجازت سے یہ کام کیا یہی وجہ ہے کہ آج کامیابی اللہ تعالیٰ نے دی ہے باقی آغاز کے علاوہ مخالفت نہیں ہوئی ہمیشہ سب نے ساتھ دیا۔ ایک ناول ہے جس کا نام "ہم مصطفوی ہیں" لکھنے کی خواہش ہے اور وہ میرا آخری ناول ہوگا ان شاء اللہ لکھ لوں گی مجھے اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے۔ باقی جو چاہا ہے لکھا ہے ایسا کچھ نہیں کہ لکھنا چاہا ہو اور نہ لکھ پائی۔

☆ فاطمہ زرین: آپ کا کوئی فیورٹ ناول جو آپ سب سے زیادہ پسند کرتی ہوں؟ آپ کا نیا ناول کب آئے گا تم آخری جزیرہ ہو جیسا؟

ام مریم: "رحمٰن رحیم سدا سائیں" زیادہ پسند ہیں۔ میرا نیا ناول آچکا ہے "آخری جزیرہ" سے بھی زیادہ اچھا ہوگا مجھے یقین ہے۔

☆ سحاب عاشو: سب سے پہلے تو "حکم اذاں" سپر ب ناول لکھنے پر مبارک باد' اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔

ام مریم: بہت شکریہ۔ "حکم اذاں" میرا فیورٹ ناول ہے پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

☆ سحاب عاشو: آپ نے تندنی کا کردار بہت اچھا لکھا کیا یہ کردار آپ کے ذہن کی تخلیق ہے یا آپ نے یہ کردار یا اس سے ملتا جلتا اپنے اردگرد دیکھا؟

ام مریم: نہیں سحاب! یہ کردار خالصتاً میرے ذہن کی تخلیق ہی تھا۔ اردگرد کہیں نہیں دیکھا بس خواہش تھی کہ ایسا کردار تخلیق کروں جو منفرد ہو' ہو بھی ہیروئن کی کا پورے ناول میں عباس اور تندنی کے کردار میرے سب سے زیادہ پسندیدہ تھے۔

☆ سحاب عاشو: آپ کے پسندیدہ شاعر' افسانہ نگار' ناول نگار کون ہیں جن سے آپ متاثر ہیں؟

ام مریم: پسندیدہ شاعر فرحت عباس شاہ' افسانہ نگار آمنہ مفتی' ناول نگار ہاشم ندیم' مستنصر حسین تارڑ۔

☆ سحاب عاشو: کس کی تحریریں بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے؟

ام مریم: ایسی رائٹر تو بس ایک ہیں رفعت سراج ان کا "دل دیا دہلیز" اور طائر لاہوتی بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے۔

☆ سحاب عاشو: پاکستان کے علاوہ کون سا ملک پسند ہے اور کیوں؟ اپنے ملک کی کون سی جگہ آپ کو دلکش لگی جہاں دل چاہے یہیں پر ایک خوب صورت گھر ہوتا؟

ام مریم: پاکستان کے علاوہ سعودی عرب پسند ہے وجہ وہاں بیت اللہ ہے۔ اسلام آباد کے علاوہ کشمیر اتنا خوب صورت ہے کہ وہاں گھر بنانے کو دل کرتا ہے۔

☆ سحاب عاشو: محبت کے پاکیزہ جذبے کے بارے میں آپ کے خیالات؟

ام مریم: آپ نے خود کہہ دیا پاکیزہ! محبت پاکیزہ جذبہ ہی ہے میرے نزدیک بہت پاکیزہ۔ اس جذبے کو

میں حکم اذاں میں تندنی کے کردار میں بیان کر چکی ہوں وہی خیالات ہیں۔

☆ سحاب عاشو: ڈپریشن کے وقت آپ کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟

ام مریم: بہت مختلف ردعمل ہوتا ہے' کبھی غصے میں بولتی ہوں' کبھی لڑ پڑتی ہوں۔

☆ حناء اشرف: پسندیدہ شاعری جو آپ اکثر گنگناتی ہوں؟

ام مریم: اداس شامیں اجاڑ رستے کبھی بلائیں تو لوٹ آنا
کسی کی آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب آئیں تو لوٹ آنا

☆ حناء اشرف: آپ اپنی تحریروں میں شاعری کا استعمال زیادہ کرتی ہیں اتنی زبردست شاعری آخر ڈھونڈتی کہاں سے ہیں؟

ام مریم: ہاں زیادہ کرتی ہوں شاعری کا استعمال' اچھا ذوق ہے تو مل جاتی جو ناول کے حساب سے محنت کر کے بھی ڈھونڈھنا پڑتی ہے۔

☆ حناء اشرف: ژالے آفریدی بلاشبہ ایک بہترین کردار' میری خواہش تھی کہ آپ کوئی اور ایسا ناول لکھتیں جہاں جہان صرف ژالے کا ہوتا مگر ہر خواہش پوری ہو یہ ضروری نہیں سو میں نے بھی صبر کیا۔ آپ کی ہیروئنز میں سب سے زیادہ مجھے ژالے پسند اور اسے دیکھ کر میں اکثر سوچتی ہوں کاش میں بھی ژالے ہوتی (ہاہاہا) کتنا کیوٹ نام ہے نا اس کا؟ میں بھی اسی کے جیسی ہوں محبت کرنے والی آہم آہم! آخر یہ کردار ملا کہاں سے آپ کو؟ آپ کا آخری جزیرہ مجھے صرف ژالے کی وجہ سے پسند اگرچہ زینب بھی بری نہ تھی مگر ژالے جیسا کوئی نہیں۔

ام مریم: ژالے کو آپ نے خراج تحسین پیش کیا یقین کریں وہ اس کی حق دار ہے مجھے خود وہ بہت پسند اور میں خود ایسی بننا چاہتی ہوں حناء اور یہ بھی چاہتی ہوں ہر لڑکی ایسی بن جائے جبھی یہ کردار لکھا' ژالے بھی وہیں سے ملی جہاں سے تندنی اور پریشے ملی تھیں۔

☆ حناء اشرف: "مجھے ہے حکم اذاں" میں لاریب اور سکندر اعظم میرے پسندیدہ کردار تھے آپ کو اس ناول میں سب سے زیادہ کون پسند؟

ام مریم: "حکم اذاں" میرا ابھی فیورٹ ناول ہے۔ اب دوبارہ اسے انہی دنوں لکھا ہے تو پھر اس ناول پہ مجھے پیار آنے لگا ہے۔ اس ناول میں میرا پسندیدہ کردار تندنی تھا' اسی کردار کی وجہ سے یہ ناول لکھا آپ سمجھ لیں۔

☆ کنول خان: ایک لکھاری کے لیے کیا چیز ذہن میں رکھنا سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے؟

ام مریم: ایک عام انسان کو جب قلم کا ہنر عطا ہوتا ہے تو ساتھ ہی قدرتی طور پر اس پہ بھاری ذمہ داری بھی عائد ہو جاتی ہیں مثلاً اصلاح کا بیڑہ اٹھانا پڑتا ہے' قلم سے جہاد کرنا پڑتا ہے تبلیغ کرنا پڑتی ہے۔ میں نے آغاز میں کیونکہ عمر چھوٹی تھی تو یہ کام شعوری طور پر نہیں کیا لیکن الحمدللہ قدرت نے غیر شعوری طور پہ مجھ سے یہ کام لے لیا جس کا ثبوت میرے پہلے ناول بس ایک بجن ہر جائی میں نمایاں ہے گو کہ انداز تب پختہ نہیں تھا مگر اصلاح کا رنگ پھر بھی نظر آتا ہے بعد میں یہ تاثر شعوری طور پہ بھی ابھارا' اللہ کی مدد شامل حال رہی کہ میں نے ایسے کئی ناول لکھے "مجھے ہے حکم اذاں' صبح کا نور ہمارا ہے' رحمٰن رحیم سدا سائیں' تیری چاہ میں تیری راہ میں' یہ راہ مشکل نہیں' وعدہ اور وفائیں' وطن کی مٹی گواہ رہنا" کے علاوہ باقی تحریروں میں بھی اصلاحی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ کنول خان یہی ایک لکھاری کے لیے میرے خیال میں سب سے زیادہ ضروری ہے۔

☆ کنول خان: کیا کبھی کسی نے حد سے زیادہ آپ کو یا کسی تحریر کو نشانہ بنایا؟

ام مریم جی مجھے اور میری تحریروں کو حد سے زیادہ اور ناجائز نشانہ بنایا گیا اور میں سمجھتی ہوں ایسا کر کے ایسے لوگوں نے صرف اپنی ذہنیت اور تنگ سوچ کو آشکار کیا ان کے ایسے پروپیگنڈے سے مجھے یا میری تحریروں کو کوئی فرق نہیں پڑا۔

☆ دلکش مریم: آپ نے لکھنا کیوں چھوڑ دیا؟ پلیز

آپ اچھی سی اسٹوری کے ساتھ حاضر ہو جائیں نا؟
ام مریم: میں نے ابھی لکھنا نہیں چھوڑا مریم! جس کا ثبوت دوشیزہ اور حنا میں چھپنے والے میرے ناول ہیں۔ میں آپ کا حکم مان چکی حنا میں میرا ناول شروع ہو چکا ہے۔

☆ دلکش مریم: کیا آپ کبھی ناامید ہوئیں ہیں؟ اگر آپ کی زندگی میں ایسا وقت آیا تو آپ نے کیا کیا؟
ام مریم: میں بھی عام انسانوں کی طرح ہر طرح کی کیفیات سے گزری ہوں۔ الحمدللہ مسلمان ہونے کے ناطے علم تھا کہ "مایوسی گناہ ہے" تو مایوسی سے ہمیشہ اللہ سے بچنے کی توفیق مانگتی رہی جب بھی کوئی معاملہ درپیش ہوتا ہے تو دعا مانگتی ہوں اگر حسب خواہش نہیں مل رہا تو تب بھی اللہ کی رضا میں راضی ہو جاتی ہوں مطمئن بھی ہوتی ہوں۔ مایوسی سے ہمیشہ پناہ مانگنی چاہیے۔

☆ انمول اعوان: کیا آپ نے آج تک کوئی ایسی تحریر لکھی جو آپ کی اپنی لائف کا عکس ہو؟
ام مریم: انمول ڈیئر! میں نے شعوری طور پر کبھی خود کو اپنے قلم سے اپنے کردار کو پورٹریٹ کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ رائٹر کی سوچ اس کی ذات کا عکس اس کی تحریر میں ضرور جھلکتا ہے۔ میں کسی انٹرویو میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ ہر وہ کردار چاہے وہ لڑکے کا ہو یا لڑکی کا ہو جہاں محبت کی شدت پائی جائے گی اسی میں مریم کی ذات کا رنگ اس کا عکس ہوگا۔

☆ رانیہ وجدان: آپ کا پسندیدہ ناول کون سا ہے جس پہ آپ کو فخر ہو؟
ام مریم: جی وہ ناول "رحمٰن رحیم سدا سائیں" ہے مجھے فخر ہے اس پہ۔

☆ بشریٰ خان: آپ نے فیس بک کا استعمال کرنا کیوں چھوڑ دیا؟
ام مریم: بشریٰ! فیس بک محض وقت کو ضائع کرنے کے علاوہ مجھے کچھ نہیں لگا جبھی چھوڑ دیا۔ انسان بہت سے تعمیری کاموں سے کٹ جاتا ہے جو میں نہیں چاہتی تھی۔

☆ ملائکہ خان: آپ کی زندگی کا مقصد؟
ام مریم: میری زندگی کا وہی مقصد ہے جس کے لیے اللہ نے انسان کی تخلیق کی یعنی تبلیغ۔

☆ ملائکہ خان: کون سا ناول لکھتے وقت آپ کو رونا آیا دکھ ہوا؟
ام مریم: "رحمٰن رحیم سدا سائیں" اور "میرے ساحر سے" کہو میں علیزے اور پریشے کے کردار لکھتے اور بھی اکثر ناولز کو لکھتے ہوئے روئی۔

☆ نزہت مبشر: کچھ عرصہ پہلے ایک پوسٹ کی تھی آپ نے کہ آپ کو لگتا ہے لکھنا گناہ ہے جو آپ لکھتی ہیں وہ گناہ ہے تو اور کوئی ناول نہیں لکھوں گی۔ ابھی آپ کا ایک اور ناول شروع ہوا ہے تو آپ نے اپنا ارادہ بدل دیا یا آپ کی سوچ بدل گئی؟
ام مریم: نجمہ میں نے وہ پوسٹ کی تھی اور صرف یہ مجھے نہیں لگتا جو میں لکھتی ہوں وہی گناہ ہے، میں نے کہا ناول لکھنا گناہ ہے اور یہ میں نہیں کہتی شریعت کے احکام کے مطابق ہے چاہیے ناول وہ کوئی بھی لکھے۔ دراصل جن دنوں میں نے یہ پوسٹ کی تھی ان دنوں میرا ایف بی ہمیشہ چھوڑ دینے کا ارادہ تھا، تو ان ہی دنوں آنچل میں میرا ناول ختم ہوا تھا، جس میں میرا وہ دو سال پرانا خط شائع کیا گیا جو میں نے اس ناول کے آغاز میں لکھا تھا تب میرے تین ناولز تھے اور میں سمجھتی تھی کہ دو سالوں میں میرے یہ ناول بھی چھپ جائیں گے تو کام ختم مگر وہ خط دو سال بعد چھپا تو اس دوران میرے باقی کے تین ناولز بھی نہیں چھپ سکے تھے اس خط کی وجہ سے سب لوگ مجھ سے اس متعلق سوال کرنے لگے میری وضاحتوں کے باوجود جو ابھی میں یہاں بھی دے چکی۔ پتا نہیں لوگ کیوں نہیں سمجھتے تھے اور سوال بار بار ہوتا تھا۔ ایف بی بھی چھوڑنے والی تھی، جبھی میں نے سوچا ایک بار ہی تفصیل سے بتا دوں؛ جب میں نے یہ بات پوسٹ پہ بتائی ساتھ تب ہی یہ بھی بتایا تھا کہ تین ناول ابھی باقی ہیں پھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گی ان شاء اللہ۔ میں حیران ہوں لوگوں نے پوسٹ پوری تو پڑھی، پوری بات پھر بھی نہیں سمجھے! بس ایک بات یاد رکھی لکھنا چھوڑ رہی؛ یہ بھول گئے کہ تین ناول مزید لکھ کے چھوڑوں گی تو یہ نیا شروع ہونے والا ناول انہی تین ناولز میں سے ایک ہے۔ مجھے امید رکھنی چاہیے کہ اب تو ضرور میری بات کو سمجھ لیا جائے گا اور مجھ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ میری سوچ یا ارادہ بدل گیا۔ میری سوچ ایک نیک ارادے کی ہے جو اللہ سے دعا کرتی ہوں کبھی نہ بدلے (آمین) اور مجھے اللہ پہ مکمل بھروسہ ہے۔ آپ سے اس سلسلے میں دعا کی درخواست گزار ہوں۔ ہاں آپ نوٹ کرلیں مزید دو ناول ہیں پھر ان شاء اللہ ہمیشہ کے لیے یہ کام ختم کر دوں گی۔

☆ حنین ملک: ام آپی! مجھے آپ سے پوچھنا ہے کہ آپ نے ترجمہ تفسیر کس قرآن پاک سے کیا ہوا ہے؟
ام مریم: حنین ڈیئر ہمارا قرآن پاک تو ایک ہی ہے نا تو اسی کا ترجمہ پڑھا ہے میں نے بھی ویسے "تفسیر نعیمی" سے تفسیر پڑھی۔

☆ حنین ملک: قلمی سفر کا آغاز کیسے اور کہاں سے شروع کیا؟ کیا رکاوٹیں پیش آئیں؟
ام مریم: پہلی تحریر شعاع کو بھیجی تھی جو رد ہو گئی۔ رکاوٹیں گھر والوں کی طرف سے نہیں غیروں کی طرف سے آئیں اور یہ فطرت ہوتی ہے ایسے لوگوں کی۔

☆ حنین ملک: کس رائٹر کو بہت زیادہ پڑھا ہے؟ کس سے امپریس ہوئی ہیں؟
ام مریم: زیادہ رفعت سراج کو ہی پڑھا ہے۔ ان ہی سے متاثر ہوں؛ مستنصر حسین تارڑ سے بھی بہت متاثر ہوں۔

☆ نورالہدیٰ: آپ نے لکھنا کیوں چھوڑا؟
ام مریم: میں نے ابھی لکھنا نہیں چھوڑا اسویٹ ہارٹ! وضاحت کر چکی ہوں نزہت صاحبہ کے سوال پر۔

☆ حمیرہ ندیم نفیس: مریم بہت مس کیا ہے آپ کو پلیز دوبارہ لکھنا شروع کر دو نا، اصلاحی لکھو پلیز؟
ام مریم: حمیرا جی! آپ کا نام کچھ حوالوں سے مجھے بہت پسند اور پیارا ہے ایک حوالہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے جن کا یہ "لقب" تھا حمیرا تو ڈیئر آپ کی محبت کے لیے بہت جزاک اللہ میں نے ابھی لکھنا نہیں چھوڑا۔ حنا ڈائجسٹ میں نیا ناول بھی شروع ہوا ہے پڑھ کر اپنی رائے ضرور دیجیے گا آپ کے معیار پر کس حد تک پورا اترا خوش رہیں۔

☆ بشریٰ خان: آپ دوستی کن بنیادوں پر کرتی ہیں؟
ام مریم: دوست کن بنیادوں پہ بناتی ہوں؟ مجھے ہنسی آنے لگی ہے، میں کیا کہوں؟ میری اوقات کیا ہے کہ میں بنیادوں کی ترجیحات پر دوست بناؤں؟ میں عام سی انسان ہوں۔ ہر سادہ مخلص؛ پرخلوص لڑکی میری دوست ہے جیسے سحر ندیم؛ حناء اشرف؛ نوشین اقبال؛ فوزیہ آپی؛ سدرہ مرتضیٰ؛ فلاح حیدر۔

☆ مس خان: ناول لکھتے وقت ذہن میں کیا ہوتا ہے کہ کیسا ہو جس کو پڑھ کر لوگ کیسا فیل کریں؟ اور آپ کو اپنا کون سا ناول پسند ہے؟ مجھے آپ کا ہر ناول پسند ہے۔
ام مریم: لکھتے ہوئے اگر ناول اگر اسلامی یا روحانی نہیں تو یقین کرلیں میں ایسا ہرگز نہیں سوچتی جو آپ نے پوچھا ہے میں نے بس وہ لکھا جو دل کیا جو میری مرضی تھی، اور لوگوں کو شکر ہے پسند بھی آیا لوگ کیسی باتیں کریں گے ایسی باتوں کی طرف تو کبھی دھیان بھی نہیں دیا۔ ہاں اگر اسلامی ناول ہو تو بہت دعا کرتی ہوں؛ مدد مانگتی ہوں اللہ کی پھر لکھتی ہوں۔ مجھے رحمٰن رحیم سدا سائیں ناول پسند ہے۔ "روشنی کی خواہش میں" بھی بہت پسند ہے۔

☆ نوشین رحمانی: آپ کس سٹی سے ہیں؟ کیا آپ کی شادی ہو گئی؟
ام مریم: میں جڑانوالہ سے ہوں۔ نہیں شادی ابھی نہیں ہوئی۔

☆ عائشہ پرویز صدیقی: آپی کیا حال ہیں؟ آپ کی دیوانی محفل میں حاضر ہے آج کل کیا مصروفیات ہیں فیس بک اور آنچل میں نظر نہیں آتیں؟
ام مریم: اللہ کا کرم ہے۔ آپ کی محبت ہے کہ آپ ایسے بات کر رہی ہیں، خوش رہیں ہمیشہ کامران ہوں،

آنچل میں اور فیس بک پہ پھر کبھی نظر بھی نہیں آؤں گی تحریریں ہی ختم ہوگئی ہیں کہ آنچل کو دوں۔

☆ عائشہ پرویز صدیقی: آپ کی تحریریں ہمیشہ (آٹومیٹک) ہوتی ہیں ہمیشہ اینڈ اچھا کرتی ہیں۔ کیا آپ اپنے ریڈرز کو مایوس نہیں کرنا چاہتیں یا اس لیے کہ امید اچھی چیز ہے یا پھر حقیقی زندگی سے آپ نے مشاہدہ کیا ہے کہ مشکلات چاہیں جتنی بھی ہوں ایک دن ختم ہو جاتی ہیں۔

ام مریم: اینڈ ہمیشہ اچھا نہیں کرتی عائشہ! بس یہی کہوں گی کہ پھر آپ نے میری ساری تحریریں نہیں پڑھی ہیں۔ آپ کی یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ میں اینڈ ہمیشہ اچھا کرتی ہوں جیسے "حکم اذاں" کا کیا۔ آخری جزیرہ کا کیا یہ شعوری کوشش ہوتی ہے کہ میں ریڈرز کو مایوس نہ کروں۔ بلکہ ان کے اندر اصلاح پیدا کروں امید جگاؤں۔

☆ عائشہ پرویز صدیقی: "مجھے ہے حکم اذاں" کی ہیروئن لاریب کی سب سے بڑی خوبی اور خامی؟

ام مریم: حکم اذاں کی لاریب کا کردار بہت الجھا ہوا تھا وہ بری نہیں تھی لیکن لوگ اسے برا سمجھتے تھے! اگر سمجھا جائے تو محبت کا نقصان کبھی بھی چھوٹا نہیں ہوتا، ورنہ فرحت شاہ کبھی بھی یہ نہ کہتا

میری دیوانگی پہ اس قدر حیران ہوتے ہیں
میرا نقصان تو دیکھو محبت گمشدہ میری

تو میرے نزدیک لاریب کی سب سے بڑی خوبی ہی اس کی محبت میں شدت اور دیوانگی تھی لیکن ایک دور ہوتا ہے جنون، دیوانگی کا وحشت کا بھی جو گزر جاتا ہے اللہ اس دور سے نکال لیتا ہے وہ بھی نکل گئی یہی اس کے کردار کا سبق تھا پڑھنے والوں کے لیے۔ شدتیں بھی بری نہیں ہوتیں وہ بھی آپ کو نواز سکتی ہیں۔

☆ عائشہ پرویز صدیقی: ہر مصنفہ کی ہیروئن اتنی تیز اور پھرتیلی کیوں ہوتی ہے کہ جب اس کے گھر مہمان آتے ہیں تو اس کے پاس پہلے سے ہی شامی کباب، گلا ہو اگوشت، اور صبح کا بچا ہوا ہی پڑا ہوتا ہے کیا وہ باسی اور خراب نہیں ہوتا؟

ام مریم: دیکھیں جہاں تک میری ہیروئنز کی خوبیوں کی بات ہے تو میری ہیروئنز ایسی نہیں ہوتیں شاید اس لیے کہ میں ایسی صلاحیتوں کی مالک نہیں ہوں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ابھی مجھ پہ یہ ساری ذمہ داریاں نہیں ہیں ورنہ اگر مصنفائیں ایسا لکھتی ہیں تو پھر غلط بھی نہیں لکھتیں۔ شادی شدہ خواتین میں واقعی یہ خوبیاں ہوتی ہیں وہ منٹوں میں بہت سے مہمانوں کو سنبھال لیتی ہیں۔ یہ خود میں نے اپنی آنکھوں سے اپنی بہنوں اور امی کو کرتے دیکھا ہے۔

☆ زینب زہرہ: اپنی فیملی میں سب سے زیادہ کس سے کلوز ہیں؟ آپ کی بیسٹ فرینڈ کون؟ دل کی باتیں کس سے شیئر کرتی ہیں؟ رائٹر بننے کے لیے کیا چیز سب سے زیادہ ضروری ہے؟

ام مریم: سب سے زیادہ قریب امی اور بہنوں کے ہوں سب سے زیادہ اچھا دوست اللہ ہے پھر بعد میں امی اور بہن۔ دل کی باتیں اللہ سے امی سے اور بہنوں سے شیئر کرتی ہوں کہ جانتی ہوں یہاں سے کبھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ رائٹر بنا نہیں جاتا زینب ثریا رائٹر قدرتی ہوتے ہیں، ہاں محنت فن کو سنوار دیتی ہے اور دعا نکھار دیتی ہے

☆ کشش ثنا: گھر کے کون کون سے کام کر لیتی ہیں؟

ام مریم: گھر کے تقریباً سبھی کام کر لی ہوں سوائے سالن پکانے کے وہ بھی کبھی کبھار کر لیا کرتی ہوں جب امی یا بہن گھر پر نہ ہوں۔

☆ کشش ثنا: کوئی ایسی خواہش جو ابھی تک تکمیل تک نہ پہنچ پائی ہو؟

ام مریم: ایسی خواہش بس ایک ہے بہترین لوگوں میں شمار یعنی خود قرآن سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا یہی سب سے شدید خواہش ہے جو ابھی تک تکمیل کو نہیں پہنچی۔

☆ کشش ثنا: آپ کے کتنے ناول کتابی شکل میں آچکے ہیں اور کون سا زیادہ پسند ہے؟

ام مریم: آٹھ نو تو آچکے ہیں کچھ ابھی انڈر پراسس ہیں۔ سب سے زیادہ پسند "رحمٰن رحیم سدا سائیں" ہے۔

☆ سحر ندیم: رحمٰن رحیم سدا سائیں آپ کی بہت خوب صورت تحریروں میں سے ایک ایسی تحریر ہے جو پڑھتے ہوئے ہمیشہ دل کے بہت قریب محسوس ہوتی ہے سب سے پہلے تو اتنے ہارٹ ٹچنگ ناول کو لکھنے کے لیے اور اس کے تھرڈ پارٹ کے لیے بہت مبارک باد۔ ایک رائٹر کے لیے اس کی ہر تحریر بلاشبہ بہت خاص ہوتی ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ یہ تحریر اسپیشلی آپ کے دل سے بہت قریب ہے اور بہت خاص ہے آپ کے لیے۔ سو اس ناول کو لکھنے سے متعلق پہلا خیال آپ کے دماغ میں کب اور کیسے آیا؟ اور اس خوب صورت ناول کو لکھتے ہوئے، ناول کے حوالے سے اپنی فیلنگز ہمارے ساتھ شیئر کیجیے پلیز۔

ام مریم: آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے سحر! مجھے واقعی یہ ناول بہت پسند ہے میری ساری تخلیقات میں سب سے زیادہ پسند ہے۔ اور مجھے اس پہ فخر بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے کردار عبدالغنی جیسا ساتھی، میں بھی خواہش رکھتی تھی کہ مجھے ملے! اس ناول کو لکھتے ہوئے میں بہت زیادہ کنفیوز تھی، بس چند نقطے میرے ذہن میں تھے، جن میں بریرہ، عبدالغنی، علیزے، کے کردار ہی سب سے زیادہ اہم تھے! عبدالغنی اور بریرہ کے کردار مثبت اور منفی کے طور پہ تھے تو علیزے ایسا متنازعہ کردار تھے جو رویوں سے جنم لیتے ہیں۔ یا پھر لاریب تھی، جو عبدالغنی جیسے انعام کے طور پہ معاشرے میں ابھرتے ہیں۔ یعنی چار تصور یا خیال تھے جن کو میں نے لیا تھا اور ایک ناول تخلیق کرنا چاہا، باقی تو سب اللہ کی مدد اور مہربانی تھی! میرا اس میں کہیں کمال نہیں تھا۔ آپ یقین کرو اس ناول کو لکھتے وقت مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں اس کو دوبارہ، سہ پارہ لکھوں گی، دوسرے حصے کے لیے دوشیزہ کے ایڈیٹر کاشی بھائی کی مشکور ہوں جنہوں نے اصرار کر کے لکھوایا کہ اس ناول کی ڈیمانڈ کافی زیادہ تھی۔

☆ ثنا مسرور: آپی آپ اتنا اچھا لکھتی ہیں کم کیوں لکھتی ہیں؟ مجھے آپ کے ناولز کا رومینس اور ہیرو اچھے لگتے ہیں آپ کی لائف میں آپ کے ہیرو کی انٹری کب ہوئی ہے؟

ام مریم: کم لکھتی ہوں؟ نہیں میں نے تو بہت لکھا تھا، آپ نے غالباً میرے سارے ناولز نہیں پڑھے رومینٹک ناولز کے ساتھ اسلامی ناولز ضرور پڑھیں مجھے یقین ہے آپ کو اس سے زیادہ پسند آئیں گے، جی بالکل مجھے بھی میرے والدین نے پکڑ کر ایک بندے سے باندھ دیا ہے زندگی کا ساتھی زندگی کا ہیرو ہی ہوتا ہے۔

☆ سنبل بٹ: آپ کی پہلی کہانی مجھے ہے حکم اذاں میں نے پڑھی تو آپ کی فین ہوگئی، ساتھ ہی ساتھ دکھی کہ اب پڑھ نہیں پاؤں گی۔ میرا سوال آپ سے یہ ہے کہ آپ نے لکھنا کس کے کہنے پہ چھوڑا؟ کیا آپ دوسرے شاعروں کی طرح اسلام اور پاکستان پہ شاعری کر کے اپنے مداحوں کے ساتھ جڑ نہیں سکتیں؟

ام مریم: حکم اذاں پسند کرنے کا بہت شکریہ سنبل! آپ میرے باقی اسلامک ناولز ضرور پڑھیں میں اوپر نام بتا چکی ہوں۔ دکھی نہ ہوں دو ناول چل رہے ہیں دو ابھی باقی ہیں۔ ڈیئر شاید میں دین کے متعلق کچھ خاص شخصیات پہ قلم اٹھانے کی سعادت حاصل کر سکوں، آپ دعا کیجیے گا۔

☆ سید عبادت کاظمی: حنا میں آپ کا ناول دل گذیدہ اسٹارٹ ہو گیا ہے، بہت خوشی ہوئی مجھے۔ یہ بتاؤ کہ میرے ساحرے کہو کو لکھتے وقت آپ کے کیا احساسات تھے؟ کیا آپ بھی پریشے کی موت پہ میری طرح روئی تھیں؟

ام مریم: شکریہ عبادت کاظمی! میرے ساحرے کہو لکھتے وقت میں جتنا جذباتی اور حساس تھی دوبارہ نہیں ہو سکی! وجہ کم عمری بھی تھی کہ یہ دونوں احساس اس عمر میں شدت پہ ہوتے ہیں، تب میں بہت روئی تھی اس کردار کو سوچتے، لکھتے یہاں تک کہ پڑھتے ہوئے بھی بہت آنسو بہے میں پریشے کا ہرگز یہ انجام نہیں کرنا چاہتی تھی! مگر مجھے اس انجام پہ مجبور کر دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ آخری جزیرہ میں اس کردار کو میں دوبارہ لائی اور وہ انجام ڈالے کا کیا جو میں پریشے کا کرنا چاہتی تھی مگر اس کا ردعمل بھی آپ نے دیکھ لیا، لوگوں نے کتنا شدید رویہ ظاہر کیا مجھے بہت افسوس ہے میں پوری کوشش کے باوجود لوگوں کی سوچ کو بدلنے میں کامیاب نہ

ہو سکی، مگر میں نے اپنے قلم کا حق ضرور ادا کیا

☆ سید عبادت کاظمی: ماہ نور کو اکیلا کیوں چھوڑ دیا تھا آپ نے یہ اس کے ساتھ ظلم ہوا ناں؟

ام مریم: نہیں یہ ماہ نور کے ساتھ ہرگز ظلم نہیں تھا۔ بلکہ اسے اس کی حرکتوں اور غلطیوں کی سزا ملی۔ ایسی خواتین ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ ہیں تنگ سوچ، تنگ دل، تنگ نظر، میں نے انہیں ماہ نور کے کردار میں اپنے طور پہ سمجھانے کی کوشش کی شاید کوئی عقلمند اصلاح کر لے ! کہ یہ شدید رویے ہمیشہ نقصان کا باعث ٹھہرتے ہیں۔

☆ فلاح حیدر: مایا آپی سب سے پہلے آپ کو منگنی کی بہت مبارکباد! اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

ام مریم: جزاک اللہ فلاح سویٹی! خیر مبارک۔

☆ فلاح حیدر: یہ بتائیں آپ کو فرحان صاحب کیسے لگے؟ آپ نے انہیں دیکھا ہے؟

ام مریم: جیسے وہ ہیں ویسے ہی لگے مجھے بھی، یعنی بہت اچھے! جی دیکھا ہے۔

☆ فلاح حیدر: دل گزیدہ کے لیے بہت شکریہ! ابھی سے اپنے سحر میں جکڑ رہا ہے مجھے تو غانیہ پسند ہے آپ کا فیورٹ کون ہے؟

ام مریم: اس پسندیدگی کے لیے بہت سا پیار فلاح جانو! مجھے اس ناول کا کردار سلمان خان یعنی مون بہت پسند ہے۔

☆ زینب علی خان: صبح کا نور ہمارا ہے آپ نے کس انسپائریشن سے لکھا تھا؟ مطلب کیا چیز آپ کو ایسی لگی؟ جس کی وجہ سے یہ کہانی لکھی؟

ام مریم: صبح کا نور ناول لکھنے کا اصل مقصد مسئلہ کشمیر تھا جو ہر محب وطن پاکستانی کی طرح میرے دل کا بھی رستا زخم ہے دوسری وجہ قارئین کو جہاد کی اہمیت سے آگاہ کرنا تھا۔

☆ ارمین زینب: کسی رائٹر کی تحریر جو آپ سوچتی ہوں کہ کاش یہ میں نے لکھی ہوتی؟

ام مریم: جی ارمین تحریر تو نہیں لیکن ایک کردار تھا عالیہ آپی کے ناول دیوار شب کا معاذ، اس کے لیے میری خواہش تھی کاش یہ میں نے لکھا ہوتا، رفعت ناہید سجاد کے ناول چراغ آخر شب کے فاروق کے لیے سوچا تھا کاش یہ میں نے تخلیق کیا ہوتا۔

☆ ارمین زینب: مجھے ہے حکم اذاں اور تم آخری جزیرہ، یہ دونوں ناول کتنے عرصے میں مکمل کیے؟

ام مریم: اب تو ٹھیک سے یاد نہیں کتنے عرصے میں لکھے مگر یہ یاد ہے تین مرتبہ لکھے تھے یہ دونوں ناول۔

☆ ارمین زینب: آخری جزیرہ میں آپ کا فیورٹ کردار کون سا ہے؟

ام مریم: آخری جزیرہ میں فیورٹ جہان اور معاذ۔ ناولز کی کن ہیروئنز کو اصل میں دیکھا ہے؟

ام مریم: کسی ہیروئن کو رئیل میں نہیں دیکھا۔

☆ ارمین زینب: کس شخصیت سے بے حد امپریس ہیں؟

ام مریم: متاثر بہت سی شخصیات سے ہوں جو موجود ہیں ان میں سے عمران خان سے بہت متاثر ہوں۔

☆ ارمین زینب: آپ کا کرن ۲۰۰۷ء میں عباس اور ہانیہ والا ناول بلاشبہ ایک یادگار ناول ہے۔ مجھے لگتا ہے آپ ہانیہ جیسی ہیں! میری بات کس حد تک درست ہے؟

ام مریم: کرن میں جو ناول تھا اس کے کردار عباس اور اریبہ تھے۔ ہانیہ تو میں نے کبھی نام نہیں رکھا۔ ناول کا نام تھا "کیسے کہوں اپنے جیا کی" یہ ناول مجھے خود بھی بہت پسند ہے مگر میں اس ہیروئن جیسی نہیں ہوں کسی بھی لحاظ سے۔

☆ مدیحہ منہاج: میں نے سنا ہے آپ اپنے کسی ناول کا سیکوئیل لکھ رہی ہیں؟ اگر ہاں تو کون سا ہے؟

ام مریم: میں نے تین ناول کے سیکوئیل لکھے ہیں" رحمٰن رحیم سدا سائیں، روشنی کی خواہش میں اور واپسی، جس کا بعد میں نام زندگی خاک نہ تھی، رکھا۔

☆ مدیحہ منہاج: آپ کے ناولز بہت اچھے ہیں لیکن ایک چیز مجھے اچھی نہیں لگتی! کہ آپ کے ناولوں میں زیادہ تر ہیرو ہیروئن پہ ہاتھ ضرور اٹھاتا ہے اسپیشلی آپ کے ناول "دردگر" میں تو حد ہوئی تھی، بنا قصور کے ہیروئن پہ اتنا ظلم؟

لیکن اینڈ میں ہیروئن سب کچھ معاف کر دیتی ہے ایسے کیسے ہو سکتا ہے اور بہت سے ناولز میں ایسا بھی لگا کہ آپ نے ہیرو کے تھپڑ مارنے کو جسٹی فائی کیا ہو۔ اس بات کو ذرا ایکسپلین کیجیے گا؟

ام مریم: شکریہ مدیحہ! آپ نے ٹھیک کہا میں نے تقریباً ہر ناول میں بے چاری لڑکی کو لڑکے سے پٹوا کر نازک دل لڑکیوں کو سہما دیا ہے جو واقعی اتنا اچھا عمل بھی نہیں، دردگر میں لڑکی پہ بہت ظلم ہوا کسی کے جرم کی سزا اسے خوامخواہ ملی! لیکن خود سوچیں ارد گرد دیکھیں، کیا یہ زیادتی یا یہ رویہ و بدسلوکی ہمارے معاشرے میں روا نہیں رکھا جا رہا؟ اسے المیہ کہا جائے یا کچھ بھی! رائٹر نے وہ لکھنا ہوتا ہے جو معاشرے میں ہو رہا ہے۔ جسٹی فائی اسی لیے کرنا پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں! مثلاً عورت نے معمولی غلطی بھی کی تو مرد نے تھپڑ مار دیا، بعد میں منا لیا، وضاحت کر دی تو عورت کو معاف کرنا پڑتا ہے۔ یہی اس کی اعلیٰ ظرفی کا تقاضا ہے اس کی قربانی ایثار کا تقاضا ہے جبھی اللہ نے عورت کو اتنا نرم دل بنایا ہے۔ یہ رویہ یا سلوک ہمارے معاشرے میں عام ہے ہم اپنے معاشرے سے کٹ نہیں سکتے جب کٹ نہیں سکتے تو اسے تبدیل کرنا ہے یا قبول کرنا ہے۔ تبدیل کرنا آسان نہیں قبول کرنا نسبتاً سہل ہے جبھی میں نے آسانی کا درس دینا مناسب سمجھا بس اتنی سی بات ہے کہ معافی کا راستہ سمجھا دیا۔ اسی معافی میں عظمت بھی ہے ورنہ ان معمولی باتوں پہ ناچاکیاں بڑھ کر گھر تباہ کر دیتی ہیں اور ہمارے معاشرے کی تنگ نظری کے باعث تو گھر پہلی بار بھی مشکلوں سے بستے ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اجڑ جائیں تو پھر گھر بسانا ناممکن ہو جاتا ہے امید ہے میں آپ کو مطمئن کر پائی ہوں گی۔

☆ طوبیٰ زیدی: نیو ناول پھر ہم کب پڑھ رہے ہیں؟

ام مریم: نیو ناول حنا ڈائجسٹ میں شروع ہو چکا ہے طوبیٰ ڈیئر۔

☆ ام ہانی: ام مریم آپ نے جب مجھے ہے حکم اذاں لکھا تو آپ کو کس کریکٹر پر زیادہ محنت کرنی پڑی؟ اور وہ آپ کے دل کے قریب ہو گیا؟

ام مریم: مجھے سب سے زیادہ محنت تندنی یعنی فاطمہ پہ کرنی پڑی وہی اس ناول کا مرکزی کردار تھا۔ وہی مجھے دل سے بہت قریب محسوس ہوئی۔

☆ ام ہانی: ایف بی فرینڈز اور فینز کو کتنا مس کرتی ہیں؟ کیا کبھی دل کیا دوبارہ آنے کو؟

ام مریم: جو فرینڈز خاص تھیں انہوں نے مجھے ایف بی چھوڑنے کے باوجود بھی نہیں چھوڑا، ہاں کچھ بہت خاص اور پیاری دوستیں تھیں جو یاد آتی ہیں جیسے انمول بٹ اور بھی کئی نام ہیں۔ دوبارہ آنا نہیں چاہتی۔

☆ صدف اسماعیل: مجھے کچھ نہیں کہنا بس اتنا کہنا ہے کہ پلیز پلیز اپنے ناولز کی تعداد بڑھا دیں پلیز...... میں نے اتنے لوگوں کو پڑھا ہے مگر آپ جیسا مجھے کوئی نہیں لگا جو لفظوں کو خوب صورتی دے پائے۔

ام مریم: صدف آپ کی محبت انمول ہے، آپ کے الفاظ بھی قابل قدر ہیں۔ خوش رہیں ڈیئر میرے دو ناول ابھی چل رہے ہیں دو ابھی باقی ہیں۔

☆ ماورہ اسد عالم: مجھے کچھ پوچھنا نہیں بٹ ایک ریکوئسٹ کرنی تھی! آپ پلیز ناول لکھنا نہ چھوڑنا۔ آپی میں آپ کے ناولز اور آپ کی بگ والی تو نہیں بٹ فین ہوں اور میں نے آپ کو اور آپ کے ناولز کو بہت مس کیا۔

ام مریم: ماورہ آپ کی محبت کا شکریہ خوش رہیں۔ ابھی لکھنا نہیں چھوڑا سویٹی! آپ کی محبت کے لیے پھر شکریہ

☆ ہانیہ پریشے: کیا آپ حافظ قرآن ہیں؟ ایسا میں نے سنا ہے۔

ام مریم: نہیں پریشے مجھے یہ سعادت ملتے ملتے رہ گئی میں نے کچھ پارے حفظ کیے مگر پھر ادھورا چھوڑ دیا۔

☆ لائبہ لاج: آپ کے موسٹلی ناولز رومینٹک ہوتے ہیں؟ آپ کبھی سوسائٹی کی حقیقت پر کیوں نہیں لکھتیں؟ محبت کی کہانی تو عام ہو چکی ہے آپ کچھ منفرد ٹرائی کیوں نہیں کرتیں؟

ام مریم: لائبہ میرا خیال ہے آپ نے بنا پڑھے یہ

بات کہہ دی، ورنہ نیو رائٹرز میں سے جن انگلیوں پہ شمار ہونے والی رائٹرز نے محبت سے لے کر علم اور کرنٹ افیئر ز پہ جنہوں نے لکھا میں سرفہرست ہوں مثلاً روشنی کی خواہش میں عمران خان کے دھرنے پہ میں نے قلم اٹھایا۔ اسلام کے حوالے سے متعدد ناول لکھے جن کے نام اوپر کہیں نہ کہیں بتا چکی ہوں۔ وطن عزیز پہ کہانیاں میں نے لکھیں، جہاد پہ بھی قلم میں نے اٹھایا، آپ وہ ناولز پڑھتیں تو یقیناً یہ رائے قائم نہ کرتیں۔

☆ فریحہ چوہدری: افسانہ، ناولٹ، مکمل ناول یا سلسلے وار ناول، کون سا لکھنا زیادہ مشکل؟

ام مریم: مجھے تو سب سے زیادہ مشکل کام افسانہ لکھنا لگتا ہے جبھی افسانے گنتی کے لکھے ہیں۔

☆ فریحہ چوہدری: اپنی شارٹ اسٹوریز میں سے کون سی آپ کو زیادہ پسند؟

ام مریم: افسانوں میں مجھے اپنا ایک افسانہ ”قافلے راہ بھول جاتے ہیں“ سب سے زیادہ پسند ہے۔

☆ شمی خان: آپ نے دو طویل سلسلے وار ناول میرے ساحر سے کہو اور تم آخری جزیرہ ہو لکھے اب آپ کا نیا ناول دل گزیدہ شروع ہوا ہے یہ بھی انہی کی طرح طویل ہوگا کیا؟ تینوں میں سے کون سے ناول پہ زیادہ محنت کی کون سا دل کے زیادہ قریب؟

ام مریم: دل گزیدہ طویل ناولز میں سے پانچواں ناول ہے ”تم آخری جزیرہ، حکم اذاں، رحمٰن رحیم سدا سائیں“ اور ”دل گزیدہ“ تو جہاں تک محنت کی بات ہے تو محنت تو سب پہ ہی کی ہے مگر حکم اذاں کے جتنی کسی پہ نہیں کی اسے میں نے اب پانچویں بار لکھا دل سے سب قریب مگر جو بات رحمٰن رحیم سدا سائیں اور حکم اذاں میں ہے وہ کسی اور میں کہاں۔

☆ شمی خان: دل ناداں کا اینڈ سیڈ کرنا ضروری تھا کیا؟

ام مریم: ہاں! دل ناداں کا یہ اینڈ نہ ہوتا تو دل ہی ناداں نہ ہوتا مطلب میں یہ ناول نہ لکھتی پھر سکندر بابا نے مرنا ہی تھا جبھی اس ناول کو لکھتے میرے آنسو نہ تھمتے تھے۔

☆ شبنم علی: مریم آپ کا ناول شہر دل پڑھا بہت پسند آیا ہمیشہ ایسے ہی اچھا لکھتی رہو۔

ام مریم: شہر دل کی پسندیدگی کے لیے جزاک اللہ شبنم! شہر دل میں نے اتنا اچھا تو نہیں لکھا مطلب مجھے خود زیادہ پسند نہیں تھا۔

☆ شبنم علی: پہلی تحریر شائع ہونے پر کیا ردعمل تھا؟

ام مریم: جب پہلی تحریر شائع ہوئی اس دن کسی وجہ سے بہت ہرٹ تھی جب ناول دیکھا جو آنچل میں تھا تو یقین نہیں آرہا تھا مگر بچپن سے بہت سنجیدہ مزاج ہوں ڈیسنٹ ہوں تو ہرگز شور شرابا نہیں مچایا، خوشی سے اس رات مجھے نیند نہیں آئی تھی کہ اب معروف ہستی بن جاؤں گی۔

☆ حنا مہر: حجاب ڈائجسٹ کے لیے انٹرویو دیتے ہوئے کیسے لگ رہا ہے مریم؟ آپ کے لیے ڈھیر ساری دعائیں سدا خوش رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت دونوں جہاں میں کامیابی عطا فرمائے۔

ام مریم: ویسے ہی جیسے انٹرویو دیتے ہوئے لگتا ہے یعنی اچھا۔ دعاؤں میں یاد رکھا کریں پلیز دعاؤں کی اشد ضرورت ہے کہ اللہ دین و دنیا میں فلاح و کامرانی اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے آمین۔

آپ لوگوں کی محبت ہے کہ آپ نے انٹرویو لیا ان لوگوں کو تھینکس کہ جنہوں نے ڈیمانڈ کی میرے لیے، جنہوں نے سوال کیے کوشش کی ہے کہ سب کو مطمئن کرسکوں جنہیں نہیں کرپائی ان سے معذرت! آپ سب بھی خوش رہیں آمین!

(بہت شکریہ پیاری ام مریم آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیت سے اپنے چاہنے والوں کے لیے وقت نکالا۔ ہم آپ کی اس محبت پر بہت مشکور ہیں جہاں بھی رہیں ہمیشہ خوش رہیں ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اللہ حافظ)۔

فوزیہ وقار

ثمن عروج

فوزیہ وقار، چیئرپرسن آف پنجاب کمیشن آن دی اسٹیٹس آف ویمن

☆ میڈم فوزیہ وقار صاحبہ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے قومی ڈائجسٹ کے لیے ہمیں خصوصی وقت دیا۔ سب سے پہلے ہم آپ کا پرسنل پروفائل جاننا چاہیں گے۔ آپ کب دنیا میں تشریف لائیں، فیملی بیک گراؤنڈ اور اپنے تعلیمی کیریئر کے حوالے سے ہمیں آگاہ کیجیے؟

☆ میں ۱۹۶۴ء میں راولپنڈی میں پیدا ہوئی، میرے والد کا نام دلاور پرویز گیلانی ہے۔ وہ آرمی میں تھے اور میرے دادا سید بلاول شاہ آرمی میں تھے۔ یوں میرا فیملی بیک گراؤنڈ آرمی سے منسلک ہے۔ میں نے راولپنڈی ہی میں اپنی پریزینٹیشن کونوینٹ سے اپنی زیادہ تر تعلیم حاصل کی، والد صاحب کی پوسٹنگ کی وجہ سے ادھر ادھر شفٹ ہونا بھی ہوتا رہا۔ اس کے بعد میں نے ماسٹرز، انٹرنیشنل ریلیشنز قائداعظم یونیورسٹی سے کیا۔ اس کے بعد پہلے میں نے ایک سرکاری نوکری جوائن کی۔ جو کہ نیشنل منسٹری میں تھی۔ پھر وہ کچھ عرصے کے بعد میں نے چھوڑی اور لاہور شفٹ ہوگئی اور شادی کے لیے پھر یہاں میں نے ٹیچنگ کی۔ کوئی چھ سات سال میں نے او لیول اور اے لیول کو پڑھایا جس میں ہسٹری اور انٹرنیشنل پالیٹکس کے مضامین شامل تھے۔ میں نے چھ سال کا عرصہ کینیڈا میں کام کیا۔ انسانی حقوق کے حوالے سے، جس میں زیادہ تر جنسی تفریق، صنفی تفریق پر کام کیا اور یہ کام میں نے وہاں کی حکومت میں رہتے ہوئے ان کی مشاورت سے کیا پھر کینیڈا میں رہتے ہوئے میں نے ایک اور ماسٹرز کیا، جو کہ پولیٹیکل سائنس اور پبلک پالیسی سے متعلق تھا۔ پھر میں پاکستان واپس آگئی۔ یہاں آکر میں نے چار سال انسانی حقوق کے لیے ایک ”شرکت گاہ“ تنظیم کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اس کے بعد مارچ ۲۰۱۳ء میں اس کمیشن میں میری تقرری ہوئی۔

☆ اس کمیشن میں آپ کی تقرری کیسے ہوئی؟

☆ ایسے ہوا تھا کہ ایک پوری سلیکشن کمیٹی بیٹھی تھی جس کو چیف سیکریٹری ہیڈ ڈیل کرتے تھے۔ اس کمیٹی

کے ممبرز میں حکومت اور اپوزیشن کی ایم پی اے بھی تھیں۔اس کے علاوہ اس کمیٹی میں گورنمنٹ کے کئی ہائی لیول کے سیکرٹری بھی تھے۔اس میں انہوں نے خود ڈھونڈا اور ایک فہرست تیار کی، جو کہ اس ادارے کو چلا سکتی ہو۔اس فہرست میں سے پھر سلیکشن ہوئی اور فائنل لاز کر کے پھر مجھے اپروچ کیا گیا۔فہرست جب تیار ہوئی تو مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا میں اس میں انٹرسٹڈ ہوں گی تو میں نے اپنا انٹرسٹ شو کیا تھا۔فائنل تین نام ہوئے تھے جن میں سے میرا نام منتخب کیا گیا۔اس سے پہلے میں ۲۰۱۰ء سے لے کر ۲۰۱۴ء کے فروری تک میں پاکستان میں خواتین کے حقوق پر کام کر رہی تھی۔

☆ آپ کی شادی کب ہوئی؟

☆ میری شادی ۱۹۸۹ء میں ہوئی، میری شادی مکمل ارینج میرج تھی اور میرے شوہر کا نام وقار خان ہے۔

☆ آپ کے بچے کتنے ہیں؟

☆ میرے ماشاء اللہ دو بیٹے ہیں ایک کا نام نوشیر خان ہے اور دوسرے کا اسفند یار خان ہے۔

☆ آپ کی ازدواجی زندگی کیسی ہے؟ اور خوشحال میرڈ لائف کا کیا راز ہے؟

☆ اگر آپ کو خود پر اعتماد ہو اور آپ دوسروں کو عزت دیتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ شادی شدہ زندگی خوشحال نہ بن سکے۔خوشحال شادی شدہ زندگی کے لیے عزت اور اعتماد یہ دو چیزیں ہی اس کا راز ہیں۔جہاں تک میری ذاتی زندگی کا تعلق ہے تو میں اس بات کا برملا اعتراف کرتی ہوں کہ مجھے بچپن میں اپنے والد صاحب کی طرف سے بہت سپورٹ ملی اور شادی کے بعد مجھے اپنے شوہر کی طرف سے بہت سپورٹ ملی ہے اور اب میرے دونوں بیٹے مجھ سے بھی زیادہ خواتین کے حقوق کے چیمپئن ہیں۔اس خوش نصیبی میں خاندان کے افراد کا ساتھ شامل ہو تو ہی چیزیں بہترین ہو جاتی ہیں۔ہاں کبھی کچھ کیسوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو اپنے کنویکشن (عزم وسوچ) کے حصول کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں اور مشکلات کو فیس کرنا پڑتا ہے۔میں شاید اتنی باہمت اور حوصلہ مند نہیں تھی مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنے خوب صورت فیملی ممبرز سے نوازا جن کی مجھے بے پناہ سپورٹ ملی ہے۔

☆ آج آپ اس مقام پر ہیں اس کا کریڈٹ اپنے والد صاحب کو دیتی ہیں یا اپنے شوہر کو یا اپنی کاوشوں کو؟

☆ میرے خیال سے سب سے بنیادی چیز انسان کی اپنی کمٹمنٹ ہوتی ہے اور پھر اس کے لیے انسان اپنے سپورٹرز ڈھونڈتا ہے پھر یہ کسی بھی انسان کی بڑی خوش قسمتی ہوتی ہے کہ اسے وہ مل جائیں۔ میں آج الحمدللہ جس مقام پر ہوں اس کا کریڈٹ دونوں کو ہی دیتی ہوں۔اپنے والد کو بھی اور شوہر کو بھی اور سب سے بڑا کریڈٹ میں اپنی والدہ کو دیتی ہوں کیونکہ جب ہم چھوٹے تھے تو میری والدہ ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ تمہارے لیے پڑھنا بڑا لازمی ہے اور شادی کے لیے اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ شادی سب کی ہوتی ہے۔وہ ایک ضروری امر ہے اس کی تیاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔تمہاری اصل تیاری اپنی تعلیم اور خود کو ایک مکمل انسان بنانے کے لیے ہونی چاہیے۔

☆ آپ کتنے بہن بھائی ہیں اور آپ کس نمبر پر ہیں؟

☆ ماشاء اللہ میرے دو بھائی اور ایک بہن ہے۔ مجھ سے بڑی ایک بہن ہیں وہ ڈاکٹر ہیں۔میرے چھوٹے دو بھائی ہیں جو پاکستان ہی میں ہوتے ہیں اور بزنس کرتے ہیں۔

☆ آپ بچپن میں کیسی تھیں؟ اور جب شعور آیا تو خود کے لیے کیا سوچا تھا کہ میں بڑی ہو کر کیا بنوں گی؟

☆ یہ جو آج میرے ساتھ ہو رہا ہے یہ تمام جراثیم

میرے اندر بچپن ہی سے موجود تھے۔

☆ آپ کو کب اس چیز کا ادراک ہو گیا تھا؟

☆ دراصل مجھے خود سے تو کبھی اس چیز کا ادراک نہیں ہوا تھا البتہ میرے بڑوں کو یہ ادراک ضرور ہو گیا تھا کیونکہ ہر بچے کا ایک لائف اسٹائل ہوتا ہے۔میں کھیلوں میں بڑی دلچسپی رکھتی تھی اور میرے بھائیوں کے ساتھ میری بڑی دوستی تھی میرا بیشتر وقت بھائیوں کے ساتھ سائیکل چلانا' کرکٹ کھیلنے میں گزرتا تھا۔ اس کے علاوہ میں اسکول و کالج لائف میں بھی اسپورٹس میں کافی ایکٹو تھی پھر مجھے کسی پر بھی ظلم ہوتا دیکھ کر بڑی تکلیف ہوتی تھی خواہ وہ انسان ہو یا جانور مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا۔مجھے یاد ہے کہ بچپن میں ہمیشہ دوسروں کے درد میں کچھ نہ کچھ بولتی رہتی تھی اور کئی بار میرے گھر والے میری ایسی باتوں سے تنگ بھی پڑ جاتے تھے۔ہر خاندان میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جو کہ خوامخواہ کسی کی گوسپ کرتے ہیں۔تب میں ہمیشہ جو کہ مظلوم کے لیے آواز اٹھاتی تھی اور اس علم کو بلند کرنے میں مجھے بہت بار ڈانٹ بھی پڑتی تھی میں یہ نہیں دیکھتی تھی کہ زیادتی کرنے والا یا گوسپ کرنے والا میرا کوئی اپنا عزیز یا قریبی ہے۔میں ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی تھی جس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہوتی تھی۔

☆ آپ مزاجاً سنجیدہ تھیں یا شرارتی؟

☆ میں ہمیشہ ہی سے بہت سنجیدہ تھی۔ضمیر جعفری صاحب جو کہ ہمارے بہت مشہور شاعر ہیں۔ان سے بچپن ہی سے ملاقات رہی ہے۔وہ ہمیشہ میرے لیے یہی کہا کرتے تھے کہ مجھے لگتا ہے کہ اس کے اندر کسی بہت بوڑھی عورت کی روح ہے۔جب میں چودہ سال کی تھی تو وہ کہتے تھے کہ یہ اپنی سوچ' باتوں کی بنا پر کوئی اسی سالہ بوڑھی خاتون لگتی ہے۔میں اکثر کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی تھی یا پھر جسمانی سرگرمیوں، کھیلوں میں مصروف رہتی تھی۔میں نے اپنے لیے کوئی خاص گول تو نہیں سیٹ کیا تھا البتہ اگر آج میں اپنے بچپن کی کھڑکی کھول کر جھانکوں تو میں یہ سوچتی تھی کہ میں فارن سروسز میں جاؤں۔یہ شاید میں نے اپنے لیے گول متعین کیا تھا لیکن فارن سروسز میں جانے کے لیے مجھے سی ایس ایس کا امتحان دینا چاہیے تھا مگر میں نے وہ نہیں کیا کیونکہ میرا دل اس طرف مائل نہیں ہوا۔مجھے لگتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ اس پر نہیں سوچا کہ میں

کیا بنوں گی البتہ میں نے یہ ضرور سوچا کہ میں نے کوئی ڈاکٹر، انجینئر نہیں بننا ہے کیونکہ میری بہن ڈاکٹر بن رہی تھی۔ اور بالآخر وہی ہوا کہ میں کسی بھی شعبہ میں نہیں گئی انسانی حقوق کی جانب آ گئی۔

☆ پنجاب جینڈر پیریٹی رپورٹ کے حوالے سے ہمیں آگاہ کریں؟

☆ اٹھارویں ترمیم کے بعد زیادہ تر خواتین اور سوشل سیکٹرز کے زیادہ تر علاقے صوبائی حکومتوں کے پاس آ گئے تب ساتھ ساتھ ان کو ادارے بھی بنانے کی ضرورت پڑی پھر باقی تمام صوبوں نے بھی اور پنجاب گورنمنٹ نے بھی ادارے بنائے جیسے کہ کمیشن ہے پنجاب ویمن development کا شعبہ ہے۔ صوبائی خاتون محتسب کا ادارہ بنایا گیا جس میں خواتین پر جنسی تشدد سے بچاؤ کے لیے کام شروع کیا گیا اور خواتین کی بہتری اور خوشحالی کے لیے پنجاب حکومت نے بہت سارے اقدامات کیے جس میں ۲۰۱۲ء میں پنجاب گورنمنٹ نے ایک بہت بڑے پیکیج کا اعلان کیا تھا جس کی وجہ سے بہت ساری تبدیلیاں بھی آئیں تھیں۔ جس کی وجہ سے قوانین میں تبدیلیاں آئیں، خواتین کے ملازمتوں میں کوٹے بڑھے، ان کی بورڈ اور کمیٹیوں میں تعداد میں اضافہ ہوا پھر اس قانون کے تحت skill development کے مواقع کی فراہمی، اس قانون کے تحت ہی مائنڈ سیٹ تبدیل ہوا، پھر خواتین کی ملازمتوں کی جگہوں کو بہتر کرنے پر کام ہوا، جیسا کہ آپ کو خود بھی معلوم ہے کہ کئی بار خواتین کے الگ واش رومز بھی نہیں ہوتے تھے۔ پولیس کے شعبہ میں بھی یہ دیکھا گیا مجھے خود سینئر لیڈیز پولیس آفیسر نے بتایا کہ پورے جاب کیریئر میں انہیں الگ واش روم نہ مل سکا' وہ ساتھ والے چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں میں جا کر واش رومز استعمال کرتی رہی ہیں کیونکہ جہاں ان کی ڈیوٹی ہوتی تھی وہاں کوئی الگ باتھ روم نہیں ہوتا تھا مگر اب شکر ہے کہ حالات کافی بہتر ہوئے ہیں۔ یہ سب اقدامات ۲۰۱۲ء میں لیے گئے اور ۲۰۱۴ء میں پنجاب گورنمنٹ کی جانب سے دوبارہ سے مزید اقدامات لیے گئے۔ وارثت میں عورت کو حصہ دلانے سے لے کر خاندان میں اس کی عزت و وقار کو بحال کروانے، اور شادی میں جو حقوق شرعاً و قانوناً ایک عورت کے ہیں وہ اسے دلانے کے لیے کاوشیں کی گئی ہیں۔ مگر مجھے یہ معلوم نہیں ہو پا رہا تھا کہ ان سب سے بہتری کیا آئی ہے کیونکہ کمیشن کا کام ہی یہی ہے کہ وہ مانیٹر کرے کہ پالیسیوں اور قوانین کا اطلاق ہو رہا ہے یا نہیں۔ پھر جب میں نے اس بارے میں انفارمیشن اکٹھی کرنی شروع کی تو مجھے یہ پتا چلا کہ انفارمیشن پھیلی ہوئی ہے جیسا کہ اگر ورک فورس کے حوالے سے بات کی جائے تو مثال کے طور یہ کہہ دیا جاتا کہ فلاں ادارے میں ہماری ورک فورس لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ ہے۔ وہاں یہ کلیئر نہیں کیا جاتا ہے کہ اس میں خواتین کی تعداد کا ریشو کیا ہے۔ جیسے ہمارے بورڈ اینڈ کمیٹیاں ہیں' اس میں خواتین ممبرز کتنی ہیں۔ اس لیے جب یہ ڈیٹا اکٹھا کرنے نکلے تو بہت مشکل کا سامنا ہوا۔ اس لیے کمیشن نے یہ طے کیا کہ اس کا باقاعدہ ایک طریقہ کار ہونا چاہیے۔ رپورٹ تو بعد میں آتی ہے اس سے پہلے پورا ایک سوفٹ فیئر بنانا ہے' ایک پورا ایم آئی این بنانا ہے جس کے تحت باقاعدہ ایک طریقہ کار کے ذریعے ایک اسٹینڈ ڈائز سطح پر مستند ڈیٹا اکٹھا کیا جائے پھر اس کے تحت ہم نے خواتین کے حوالے سے صنفی ڈیٹا اکٹھا کیا اور پھر جو اس کے نتائج آئے، جو ٹرینڈز نظر آئے، پھر ان کی بنا پر یہ رپورٹ تیار ہوئی ہے۔ اب یہ رپورٹ واضح کرتی ہے کہ عورتوں کے ملازمتوں میں کیا حقوق ہیں۔ اور ان کی تعداد کیا ہے۔ ان کی بورڈ کمیٹیوں میں کیا تعداد ہے۔ کتنی خواتین ذاتی جائیداد رکھتی ہیں، کتنی عورتیں گاڑیاں اون کرتی ہیں۔ کتنی عورتیں بینک اکاؤنٹس رکھتی ہیں' اسی طرح صحت و تعلیم میں خواتین

کے کیا اعداد و شمار ہیں۔ یہ سب اس رپورٹ کا حصہ ہے۔

☆ کیا اس تمام اعداد و شمار کو ٹیکس ادا کرنے میں بھی معاون سمجھا جا سکتا ہے؟

☆ میرا خیال ہے کہ اس اعداد و شمار کے براہ راست ٹیکس پر کوئی اثرات نہیں ہوں گے کیونکہ یہ ڈیٹا حکومت ہی سے ہم نے لیا ہے یہ ڈیٹا سرکاری ہی ہے۔ عام طور پر جو ہم خواتین کے حوالے سے ڈیٹا اکٹھا کرتے آئے ہیں وہ زیادہ تر این جی اوز کرتی تھیں۔ یہ پہلی بار حکومت خود کر رہی ہے۔ حکومت نے خود اعداد و شمار اکٹھے کیے ہیں اس لیے ان کی اونر شپ ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ اعداد و شمار غلط ہیں۔

☆ کیا اس ڈیٹا میں ان متاثرہ خواتین کا ڈیٹا اور نمبرز شامل ہیں جو کسی حادثہ یا زیادتی اور حق تلفی کا نشانہ بنی ہوں گی؟

☆ جی ہاں! بالکل وہ بھی اعداد و شمار ہمارے پاس آئے ہیں۔ ایک بڑی سادہ سی بات ہے کہ جو کم از کم پندرہ فیصد کوٹہ مختص کیا گیا ہے اس سے آگے عورتیں خواہ پچاس فیصد آ جائیں یا ساٹھ فیصد آ جائیں لیکن اس وقت عورتیں پندرہ سے بہت نیچے دس فیصد پر ہیں اگر ملازمتوں میں ہمارے پاس اس وقت دس فیصد عورتیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر بہت زیادہ کام کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ متاثرہ خواتین ہیں جو کہ آگے نہیں رہی ہیں اور وہ کیوں نہیں آ رہی ہیں۔ عین ممکن ہے کہ وہ عورتیں اس لیے نہ آ رہی ہو کہ کام کی جگہ ان کی محفوظ نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس وجہ سے نہ آ رہی ہو کہ ہمارا ٹرانسپورٹ سسٹم محفوظ نہیں ہے اب یہ چیزیں اس میں سے مزید نکل کر سامنے آئیں گی کہ کیا وجہ ہے کہ یہ نمبرز کم ہیں۔

☆ کیا تحفظ حقوق نسواں بل اور پنجاب جینڈر پیریٹی رپورٹ کا آپس میں کوئی تعلق ہے؟

☆ یہ تعلق اس طرح سے نہیں ہے۔ ہمارے پاس ایسی متاثرہ خواتین جن پر تشدد کیا گیا ہوگا ان کے اعداد و شمار آئے ہیں یہ صرف ایک سیکشن ہے۔ ہمارے پاس مزید پانچ سیکشن ہیں جن پر ہم نے اعداد و شمار اکٹھے کیے ہیں جس رپورٹ کی میں بات کر رہی ہوں اس میں یقیناً خواتین پر تشدد ایک سیکشن ہے۔

☆ ایک عام عورت' جو متاثرہ ہے جس کے حقوق

کی سلبی ہوئی ہے وہ آپ کے کمیشن تک کیسے رسائی کرے اس کا طریقہ کار کیا ہے؟

☆ کمیشن حکومت پنجاب کی ہیلپ لائن رن کرتا ہے اور اس ہیلپ لائن کا ابھی ہمیں چھوٹا نمبر مل گیا ہے، جو کہ ۱۰۴۳ ہے۔ اس کا لمبا نمبر جو کہ ابھی تک چلتا آرہا تھا وہ ۳۳۰۸۰۰۹ تھا۔

☆ کیا یہ ۱۰۴۳ ہیلپ لائن نمبر چوبیس گھنٹے کا ہیلپ لائن نمبر ہے؟

☆ جی نہیں، یہ چوبیس گھنٹے نہیں ہے اور وہ اس لیے نہیں ہے کیونکہ یہ کمیشن براہ راست خواتین کے ساتھ زیادتی کو ڈیل نہیں کرتا ہے۔ کمیشن کا کام ایک اوور سائیڈ باڈی (over Body) کا ہوتا ہے۔ چیزوں کا جائزہ لینا اور یہ دیکھنا کہ کام ہو رہا ہے یا نہیں جو تشدد کا شکار ہونے والی خواتین ہوتی ہیں انہیں ایک دم سے پہلے ہی مرحلے پر مدد پولیس کرتی ہے یہ پولیس کا کام ہے اور ہم پولیس کا کام نہیں لینا چاہتے ہیں کیونکہ یہ بہت زیادہ ہونا شروع ہوگیا ہے کہ ادارے براہ راست مداخلت کرنا شروع ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے جو بھی سرکاری وحکومتی ادارہ ہوتا ہے وہ اپنے ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ اچھا وہ لوگ کام کررہے ہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے بھاگ دوڑ کرنے کی۔ اب این جی اوز بھی یہی کررہی ہیں کہ وہ حکومت کے ساتھ کام کررہی ہیں۔ اس لیے میں اس پر یقین رکھتی ہوں کہ ہمیں پولیس کا کام کرنے کی ضرورت بالکل نہیں ہے۔ پولیس کو اپنا کام کرنے دیا جائے اور پولیس کو اپنا کام فعال طریقے سے کرنے کی ضرورت ہے البتہ اگر وہ کام نہیں کرتے ہیں تو پھر ہم مداخلت کریں گے۔

میں آپ کو ایک مثال دوں یہ جو ہماری ہیلپ لائن ہے یہاں بہت ساری کالز ایسی آتی ہیں، کہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور میں پولیس کے پاس گئی ہوں تو وہاں میری کوئی شنوائی نہیں ہوئی ہے۔ میری ایف۔ آئی۔ آر نہیں کٹی ہے۔ جیسے اگر کسی کے ساتھ کوئی جنسی زیادتی (ریپ) ہوا ہو۔ پھر ہم اس میں ٹیک اپ کرتے ہیں اور آئی جی کے لیول، اور ڈی پی او کے لیول پر ٹیک اپ کرتے ہیں۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ عورت آپ کے پاس آئی تھی تو اس کی ایف آئی آر کیوں نہیں کاٹی گئی ہے تو ان کا بڑا اچھا ہمیں فیڈ بیک ملتا ہے۔ وہ ایک دم سے انویسٹی گیشن کرواتے ہیں، اور پھر وہ ایکشن کرتے ہیں۔ ہم سرکاری اداروں سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے اپنا کام کیوں نہیں کیا ہے۔

☆ یہ جو تحفظ حقوق نسواں کا بل پاس ہوا ہے اس کے بارے میں الیکٹرانک میڈیا میں بہت ابہام پایا جاتا ہے۔ اس پر بہت سارے اعتراضات بھی اُٹھائے جارہے ہیں بہت ساری مذہبی جماعتیں بھی اس کو لے کر بہت شور مچا رہی ہیں کہ اس بل کی وجہ سے ایک مسلم گھرانے کی عورت کو باغی بننے کی ترغیب دی جارہی ہے آخر اس میں ایسا کیا ہے جو قابل اعتراض بن گیا ہے؟

☆ مجھے نہیں سمجھ آیا کہ ایسا کیوں ہورہا ہے۔ کہ اس میں ابہام کیوں ہے اور یہ کیوں ایشو بنایا جارہا ہے۔ اس لیے کہ اس بل کے مطابق اگر کسی عورت کو مارا جارہا ہے تو عدالت مارنے والے کو تنبیہ کرے گی کہ تم اس کو مت مارو اور اگر تم نے اس کو دوبارہ مارا تو تمہیں جیل ہوگی اور تمہیں جرمانہ بھی ہوگا۔

☆ کیا اس کی پیشی ہوگی یا اس کو سمن جائے گا؟

☆ سب سے پہلے ایک پروٹیکشن آفیسر (protection officer) جو کہ ضلع کے لیول پر ہوگا وہ جاکر اس متاثرہ عورت کو سپورٹ کرے گا اور پھر مقدمہ دائر کروائے گا۔ اس کے بعد کورٹ سمن بھیجے گی۔ پہلے مرحلے پر صرف اس کو وارننگ دی جائے گی اور صلح جوئی کی کوشش کی جائے گی۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کو یہ معلوم ہو کہ مجھے چیک کیا جارہا ہے

تو پھر وہ خود کو روک لیتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا اور ٹی وی پر بھی ایسی ڈاکو مینٹری وغیرہ چل رہی ہوتی ہے، اگر کوئی شوہر نشہ کرتا ہے، اس نے بیوی سے نشے کے لیے پیسے مانگے، بیوی نہ دے سکی تو اس شوہر نے پٹرول، مٹی کا تیل چھڑک کر اس کو آگ لگادی۔ ایسے واقعات ہمارے ملک میں بے شمار ہوتے ہیں۔ اب مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی ہے کہ اس پر اتنا شور کیوں مچایا جارہا ہے۔ اس شور کے ذریعے ہم یہ میسج دے رہے کہ کیا اسلام یہ اجازت دیتا ہے کہ عورتوں کو مارا پیٹا جائے، اور اسلام اجازت دیتا ہے کہ بلاوجہ عورتوں کو مارا جائے، کیا ہماری معاشرتی اقدار یہ ہیں کہ مظلوم کو مزید ظلم کا شکار بنایا جائے اور ریاست اس کے لیے کوئی قدم نہ اٹھائے۔ یہ سمجھ سے بالاتر ہے کہ ابہام کس چیز پر ہے اور کس طریقے سے یہ غیر اسلامی ہے۔ میرے خیال سے بہت زیادہ شور وہ لوگ مچا رہے ہیں جنہوں نے بل کو بالکل نہیں پڑھا ہے۔ میں آپ کو ایک مثال دوں میں ایک ڈسکشن میں تھی، وہاں ایک خاتون تھی جو کہ یہ کہہ رہی تھی کہ اس بل کے ذریعے آپ نے شوہر اور بیوی کے درمیان لڑائی کروانے کا سامان رکھا ہوا ہے۔ میں نے انہیں یہ کہا کہ ہمارے اس قانون میں تو بالکل کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ ظلم کرنے والا شوہر ہے، اس میں شوہر کا کہیں کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ ظلم کرنے والی کوئی عورت بھی ہوسکتی ہے، اس کی ساس، بہن، ماں، کوئی میل آفیسر، شوہر، بھائی، بیٹا اور کبھی کبھار باپ بھی ہوسکتا ہے۔ متاثر ہونے والی یقیناً عورت ہی ہوگی البتہ تشدد کرنے والی یا والا کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ مگر وہ خاتون مجھ سے بدستور بحث کرتی رہی کہ نہیں جو میں کہہ رہی ہوں یہ اس میں لکھا ہوا ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے دکھائیں کہ کہاں ہے، میں نے تو بل پاس ہونے سے پہلے اس پر بہت کام کیا ہے۔ جب میں نے وہ بل دیکھا جو ان خاتون کے پاس تھا تو وہ انہوں نے کسی اور صوبے کا پکڑا ہوا تھا۔ اور وہ خاتون کوئی جاہل یا ان پڑھ نہیں بلکہ بہت پڑھی لکھی خاتون تھیں۔

☆ آپ اس قسم کے لوگوں کو کیا پیغام دیں گی، جو ابہام کو بڑھا کر کنفیوژن کو بڑھا رہے ہیں؟

☆ اس بل کو ایشو عموماً مرد بنا رہے ہیں اور ایسا کرنے والے لوگوں کو میرا یہ پیغام ہے کہ اسلام

کے خلاف، مظلوم آبادی میں کنفیوژن نہ پھیلائیں۔ ہم مسلمان ہونے کے ناطے یہ بتانا پسند کریں گے کہ اسلام عورتوں کو تحفظ دیتا ہے اور اسلام سب سے زیادہ عورتوں کو تحفظ دیتا ہے۔ قرآن میں ہر جگہ ذکر ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، تقویٰ کرنے والے مرد اور تقویٰ کرنے والی عورتیں اور حدیث شریف ہے جو کہ حدیث ترمذی ہے۔ ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔''

ہمارے پاس قرآن اور سنت ﷺ ہے جس میں خواتین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ترغیب ہے۔ تو پھر مسئلہ کیا ہے یقیناً ان شور مچانے والوں نے یہ بل نہیں پڑھا ہے اور اگر پڑھا ہے تو پھر وہ پدر شاہی نظام کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلامی اقدامات کے برخلاف، اپنی مرضی دکھانا چاہتے ہیں اور اپنی پسند کا اسلام چاہتے ہیں ورنہ تو اسلامی ہسٹری اٹھا کر دیکھیے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ با قاعدہ تجارت کرتی تھیں اور حضرت عائشہؓ سے نبی پاک ﷺ مشورہ کیا کرتے تھے۔ نبی پاک ﷺ نے کبھی اپنی کسی زوجہ کو اونچا بول کر جھڑکا نہیں، کبھی کسی برے القاب سے نہیں پکارا، مارنا تو بہت دور کی بات ہے تو پھر ہم کیا پیغام دینا چاہ رہے ہیں کہ ہمارا اسلام یہ ہے کہ ہم عورتوں پر ظلم کرتے ہیں اور اگر ریاست اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائے، اور اس کے خلاف کوئی اقدامات کرے تو ہم اسے غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔ میرے خیال سے یہ ایک بڑی کنفیوژن کی طرف ہم جا رہے ہیں جو کہ اسلام کے لیے بڑی ڈس سروس (big disservice) ہے۔ یہ بات اسلام کے لیے کوئی اچھی بات، اچھی خدمت نہیں ہے۔ یہ کوئی دین کی خدمت اور کوئی اسلامی پیرائے میں آتی بات نہیں ہے لہٰذا وہ بل کو غور سے پڑھے کہ وہ کہتا کیا ہے۔

☆ اس رپورٹ میں یہ بھی شامل ہے کہ حکومت پنجاب کی طرف سے مختلف اضلاع میں ورکنگ ویمن کے لیے ہوسٹل کا اجرا کیا جا رہا ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیجیے؟

☆ پنجاب حکومت نے ۲۰۱۲ء میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ ۱۳۶اضلاع میں ورکنگ ویمن ہوسٹل ہوں گے۔ حکومتی ہوسٹل تو پنجاب کے تمام اضلاع میں ہی ہوں گے اس کے علاوہ پنجاب حکومت کی ایک رہائشی واؤچر سکیم بھی ورکنگ ویمن کے لیے ہوں گی۔ جس میں حکومت ضروری نہیں ہے کہ عمارات ہی تعمیر کرے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ورکنگ ویمن کسی پرائیویٹ ہوسٹل میں رہنا چاہیے گی تو گورنمنٹ اس کو سبسڈائزڈ سروس فراہم کرے گی۔ میں اپنی ہی مثال دوں کہ اگر کل میرا کسی اور جگہ تبادلہ ہو جاتا ہے اور میں اگر کسی پرائیویٹ ہوسٹل میں رہنا چاہوں تو حکومت میرا خرچہ اٹھائے گی اور یوں وہ حکومت کی طرف سے میری مدد ہوگی۔

☆ ہوسٹل پیکیج اخراجات کے حوالے سے جن کا آپ نے ابھی بتایا ہے وہ کتنی مقدار میں ہوں گے؟

☆ وہ اتنا ہوگا کہ خاتون کی کچھ مدد ہو جائے۔ وہ مقدار میں تو بہت کم ہوگا مگر خاتون کے ساتھ تعاون اور اس کو رعایت دینے کی غرض سے ہوگا۔ حکومت اس خاتون کو سبسڈی دے گی۔

☆ اس کا اجرا کب سے ہوگا؟

☆ اس کا اجرا شروع ہو چکا ہے اور سولہ اضلاع میں ہوسٹلز بن چکے ہیں اور ابھی باقی ۲۶ اضلاع میں بھی اس پر کام ہو رہا ہے۔

☆ وہ سولہ اضلاع کون سے ہیں؟

☆ ☆ اس میں مین شہروں میں لاہور، پنڈی، گوجرانوالہ، ملتان، سیالکوٹ شامل ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی کئی اضلاع میں بن رہے ہیں وہ مجھے ریکارڈ دیکھ کر آپ کو بتانا پڑے گا۔

☆ ایک ورکنگ ویمن گورنمنٹ ہوسٹل کے لیے

اپلائی کب اور کیسے کر سکتی ہے؟

☆ اس کا طریقہ کار یوں ہے کہ ایک ادارہ (Woman development department) کے نام سے بن چکا ہے۔ وہ خاتون اس ڈیپارٹمنٹ کو درخواست دے گی اور پھر اس کو عملہ اس حوالے سے سہولت فراہم کرے گا۔ اس ادارے کا اَپر مال روڈ لاہور میں دفتر ہے جو ہمارا بھی ایک متعلقہ ڈپارٹمنٹ ہے۔

☆ پاکستانی عورت کو کیا میسج دیں گی؟ اور مردوں کے لیے کیا کہیں گی؟

☆ پاکستانی عورت کو میں یہ پیغام دوں گی جو کہ میں پوری امانت داری سے بتا رہی ہوں اور یہ میری اپنی زندگی کا نچوڑ ہے اگر آپ کو اپنے آپ پر اعتماد ہے اور آپ اپنا قبلہ سیدھا رکھتے ہیں، اپنی کنویکشن (سوچ وعزم) پر قائم رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی توقع سے زیادہ اس کا ثمر عطا کرتا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے جانا کہاں ہے۔ اللہ پر، خود پر، اپنے ارادوں پر بھرپور یقین ہونا چاہیے۔ اپنے آپ پر اعتبار کرے، دوسروں کو عزت دے اور اپنی عزت کروائے۔ اپنے آپ کو بالکل کسی سے کم تر نہ سمجھے۔ اپنی صلاحیتوں کو بھرپور طریقے سے بروئے کار لائے۔

☆ سب سے اہم نقطہ آج کا بچہ اور کل کا مرد اس کو جنم دینے والی اس کی تربیت کرنے والی عورت ہی ہے۔ اگر آج معاشرے میں مردوں کا کردار برا ہے۔ کیا اس کا سارا کریڈٹ اس عورت کو جائے گا جو سب سے پہلے اس مرد کی زندگی میں ماں کے روپ میں آئی اور اپنا کردار پوری امانت داری سے ادا نہیں کر پا رہی ہے یا یہاں سسٹم ہی خراب ہے۔

☆ دیکھیے وہ ماں بھی تو آخر اسی معاشرے کی پیداوار ہے اس ماں نے اپنی ماں پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھا ہوگا اس کو معلوم ہے کہ میری طاقت اور میرا تحفظ دونوں ہی میرے باپ کے ذریعے سے آتے ہیں اور اس کے بعد میرے بھائی کے ذریعے سے اس کے بعد شوہر کے ذریعے سے اور آخر میں بچہ وجہ سپورٹ ہے اور یوں یہ سلسلہ ہوتے ہوتے پوتے تک جاتا ہے لہٰذا وہ عورت سمجھتی ہے کہ عورتیں خود ہی کسی قابل نہیں ہیں۔ ایسے ماحول اور مائنڈ سیٹ والی خاتون جب دیگر خواتین کو کام کرتا دیکھتی ہے تو وہ یہ سمجھتی ہے کہ شاید وہ معاشرے سے بغاوت کر رہی ہیں۔ اس طرح وہ نہ تو خود حوصلہ کرتی ہے اور نہ ہی دوسری عورت کو ہمت اور دلاسا دے پاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے بچے کی حوصلہ افزائی اور ٹھیک تربیت نہیں کر پاتی ہے۔ میں تو یہ کہوں گی کہ آج معاشرے میں عورت کسی حد تک اپنا کردار ادا کر رہی ہے بھی اور نہیں بھی اگر وہ پورے طور پر اپنا مکمل کردار ادا نہیں کر پاتی تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ ایسا دل سے چاہتی ہے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے چونکہ وہ اس معاشرے کا حصہ ہے جو کہ صدیوں سے ایسے ہی بتاتا، سکھاتا چلا آ رہا ہے کہ عورت کچھ نہیں کر سکتی ہے۔ عورت کمزور ہے، حکومت کرنا مرد کا ہی کام ہے اور اسی مائنڈ سیٹ کے ساتھ پروان چڑھتے وہ اپنی انہی خطوں پر اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے کہ فیصلہ سازی تمہارا ہی کام ہے اور تم نے ہی اقتدار پر آنا ہے۔ یہ سب عورت کے کام نہیں ہیں حالانکہ ایسا درحقیقت نہیں ہے جب سوچ تبدیل ہوگی تو معاشرہ بھی بدلے گا۔ میں اگر آپ کو اپنی مثال دوں، میں ایک ایسے فیملی بیک گراؤنڈ سے ہوں کہ میرے والد بھی بہت مجھے سپورٹ کرتے تھے، مددگار تھے اور پھر اسی طرح میرے دونوں بھائی بھی اور جب میری شادی ہوئی تو مجھے شوہر بھی مددگار، تعاون اور سپورٹ کرنے والا ہی ملا۔ میرے والدین نے جب میری شادی کا فیصلہ لیا تو ان لوگوں کا انتخاب کیا جو کہ پڑھے لکھے تھے، سلجھے ہوئے تھے اور کشادہ ذہنوں والے تھے۔

☆ آپ کو شوہر کے ساتھ انڈر سٹینڈنگ میں کوئی دشواری پیش آئی؟

☆ نہیں کوئی دشواری، رکاوٹ اور پرابلم نہیں ہوا اور اس کا کریڈٹ میں اپنی ساس کو دیتی ہوں، وہ دراصل ایک پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی خاتون تھیں بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے کہیں زیادہ کشادہ ذہن کی مالک تھیں اور میرے سسر اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے وہ بہت ہی ڈیسنٹ اور ہمیشہ ہی سپورٹ کرنے والے انسان رہے۔

☆ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ اگر آپ کی ساس اتنی اچھی نہ ہوتی تو آپ کی زندگی میں دشواریاں ہوتیں، چونکہ آپ ایک ورکنگ ویمن رہی ہیں تو آپ کو اپنے شوہر کے ساتھ ہم آہنگی میں ایشوز ہوتے؟

☆ جی بالکل! یقیناً ایسا ہوسکتا تھا اگر میری ساس اچھی نہ ہوتی تو میری زندگی بہت زیادہ مشکل ہوسکتی تھی۔ یہاں ماں کا کردار بحیثیت ساس سامنے آتا ہے اور ماں کا کردار بحیثیت ساس نہایت اہم ترین اور حساس ہے۔ وہ اپنے بچوں کو پرموٹ بھی کرسکتی ہے اور اگر وہ چاہے تو انہیں بالکل زمین سے بھی لگا سکتی ہے۔ (پنجابی: کسے گل جوگا نہ چھڈے)

مگر میں ایک بات یہ ضرور کہوں گی کہ جب آپ کسی چیز پر یقین رکھتے ہیں تو پھر آگے راستے خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ آپ کو ہر چیز ہی اچھی اور بہترین ہی ملے۔ اس میں انسان کی اپنی چوائسز ہوتی ہیں۔ اپنی ترجیحات' پسند اور ناپسند ہوتی ہے۔ جیسے میں نے آپ کو بتایا کہ میرے والد بہت اچھے تھے مگر وہ میری اپنی چوائس کے نہیں تھے یعنی والدین تو اللہ تعالیٰ ہمیں عطا کرتا ہے وہاں ہماری اپنی کوئی مرضی پسند، ناپسند نہیں ہوتی ہے مگر جب شادی کا مرحلہ آیا تو وہاں میرے پاس چوائس کی آپشن تھی' میرے بہت سارے رشتے آئے ان میں سے دو فائنل لسٹ کیے گئے پھر ان دو میں یہ دیکھا گیا کہ ایک تو بہت امیر کبیر تھا مگر دوسرا اتنا امیر نہیں تھا مگر وہ سلجھا ہوا اور اچھے فیملی بیک گراؤنڈ والا تھا اب وہاں میری چوائس تھی، میں نے پیسے کو ترجیح نہیں دی تعلیم کو، کردار اور ذہنیت کو میں نے منتخب کیا۔ ہر انسان پوری زندگی چوائسز کرتا ہے اور وہ چوائس اس کی اپنی کنویکشنز سے آتی ہیں اور یہ بات میں بہت کلیئرلی کہہ رہی ہوں۔ میں نے زندگی میں بہت سارے کام کیے ہیں میرے شوہر ہی سب کچھ کرتے ہیں، سب سنبھالتے ہیں مگر میں نے پھر بھی کام کیا، کیونکہ میرا یہ یقین ہے کہ میں نے کام کرنا ہے۔ اور یہ کام میں نے صرف پیسے کمانے کے لیے ہی نہیں بلکہ سلف گرومنگ کے لیے بھی کرنا ہے۔ اور اس کا مجھے سب سے زیادہ فائدہ یہ ہوا کہ جب میں ملک سے باہر گئی تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوا کام ملنے اور بہت زیادہ اعلیٰ کام ملنے میں، چونکہ صلاحیتیں بڑھ چکی تھیں تو پھر وہاں بھی وہ تسلیم کی گئیں اور سراہی گئیں۔ چوائسز انسان خود بناتا ہے۔ اپنا حوصلے بلند رکھے اپنے اوپر اعتماد کرے اور ڈٹے رہے۔ جب یقین پختہ ہوتو پھر راستے، وسیلے خود بخود بنتے ہیں۔

☆ زندگی میں کبھی کوئی چوائس غلط ثابت ہوئی یا کبھی مایوسی ہوئی؟

☆ ایسا بہت بار ہوا مگر مایوسیاں' پریشانیاں اور چیلنجز سب زندگی کا حصہ ہے مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان سب چیزوں کو برداشت کرے، ان کا سامنا کرے، میرے خیال سے یہ سب چیزیں انسان کو بہت باشعور بنا دیتی ہیں۔ اس کا ویژن اوپن ہوتا ہے کبھی زندگی بہت ٹھیک ٹھاک چل رہی ہوتی ہے او رکوئی بہت بڑا اسیڈ بیک آجاتا ہے یوں کہیے کہ زندگی کی گاڑی پٹڑی سے اتر جاتی ہے تب انسان کو یہ یاد آتا ہے کہ حالات کبھی ایک جیسے نہیں رہتے اس کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ ہر پوزیشن کے لیے تیار ہوں۔ میرے اس شعبے میں، انسانی حقوق کی فیلڈ میں کام کرتے ہوئے آپ ہر دو قدم پر کبھی آگے آتے

ہیں اور کبھی پیچھے جاتے ہیں کیونکہ یہاں آپ کی ٹانگ بھی کھینچی جاتی ہے۔ اس لیے میں یہ سمجھتی ہوں کہ اگر آج مجھے بہت شاباش مل رہی ہے تو یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے بلکہ کبھی میری مخالفت بھی ہوسکتی ہے' یہ بات مجھے ہمیشہ ذہن میں رہتی ہے اور اس کو بھی میں نے فیس کرنا ہے' برداشت کرنا ہے میں آپ کو یہ بھی واضح کروں کہ یہ جو بل پاس ہوا ہے وہ ایک آدمی نے پاس کروایا ہے۔ ہم نے اس میں ان کو ان پٹ دیا انہیں سپورٹ کیا۔ تحفظ حقوق نسواں کا بل پاس ہونا یہ دو مردوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ ایک تو چیف منسٹر کے ایڈوائزر ہیں وہ ایک مرد ہوتے ہوئے بھی' وہ یہ سب ظلم دیکھتے تھے انہوں نے اس درد کو محسوس کیا' یہ ان کی کنویکشن تھی۔ تو انہوں نے اس قانون کو پاس کروایا کہ گھر کے اندر جو تشدد ہوتا ہے اس کو روکنا چاہیے اور انہیں صرف مُلاؤں سے ہی نہیں بلکہ ہر طبقے کے لوگوں سے بے پناہ تنقید ملی اور تو اور سو کولڈ لبرل طبقہ سے بھی تنقید ملی کیونکہ یہ پدرشاہی کو اٹیک کرتا ہے اور دوسرا آدمی چیف منسٹر شہباز شریف صاحب خود' میں یہ بات بغیر کسی مبالغہ کے کہہ رہی ہوں انہوں نے اپنے قریبی حلقے میں سے بہت بھرپور تنقید کے باوجود انہوں نے یہ سٹینڈ لیا کہ یہ کام ضرور ہونا ہے تو اس کا سارا کریڈٹ ان دو حضرات کو جاتا ہے، انسانی حقوق والے تو ہمیشہ ہی سے کام کررہے تھے۔ ۲۰۰۹ء سے میں اس بل پر باقاعدگی سے کام کررہی ہوں مگر آخر میں اس کا کریڈٹ ان دو آدمیوں کو جاتا ہے صرف یہی ایک مثال نہیں ہے بلکہ ایسی کئی مثالیں ہیں۔ خالی صرف تنقید ہی نہیں بلکہ کئی بار آپ کو سماجی نقصان اٹھانا پڑتا' کبھی مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

☆ آپ کیسی ماں ہیں؟

☆ یہ آپ کا اچھا سوال ہے۔ میں نے بحیثیت ماں اپنے فرض کو تو بہت اچھی طرح سے نبھایا۔ اس تناظر میں کہ میں نے انہیں پڑھایا' اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ڈالا، بڑی محنت کرکے مگر میں ایک روایتی ماں نہیں ہوں، مجھے کبھی کبھی افسوس ہوتا ہے کہ میں ایک روایتی ماں کیوں نہیں ہوں، جیسے ایک مشفق ماں جو کہ گھر پر بیٹھی ہوتی ہے اولاد کے انتظار میں اس کو بٹھا کر کھانا کھلاتی ہے۔ اس کی نظریں ہر وقت اپنے بچوں پر لگی ہوتی ہیں۔ بچوں کی کردار سازی میں، ہم دونوں میاں بیوی نے بہت زیادہ اس پر توجہ دی ہے' الحمد اللہ میں اپنے بچوں سے اس وقت مکمل طور پر مطمئن ہوں۔ اولاد اللہ کی دین ہے، میرے بچے ایک خدا ترس اور منصف بچے ہیں۔ وہ ہمیشہ غریب اور مظلوم کا ساتھ دیتے ہیں اگر کبھی آپ میرے گھر آکر دیکھیں تو میرے گھر میں جو ملازم موجود ہیں میرے بچے انہیں بالکل فیملی ممبرز' اپنے بہن، بھائیوں کی طرح سے ٹریٹ کرتے ہیں۔ میرے گھر میں صاحب اور ملازم کا فرق بالکل نہیں ہے۔ ایک خاتون میرے پاس بہت عرصے سے کام کرتی ہے میرے بچے اس کو بالکل اپنی بڑی بہن کی طرح سمجھتے ہیں۔ میرے گھر میں کوئی تالے اور چابیوں کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے بلکہ میری جیولری تو سنبھالتے ہی میرے ملازم ہیں۔ میرے پیسے اوپن پڑے ہوتے ہیں، یہ صرف اس لیے ہے کہ ہمیں ان پر اعتماد ہے اگر میں اپنے بچپن میں دیکھوں تو میری والدہ جب ہم سکول سے آتے تھے تو وہ کھانا لاکر رکھتی تھیں۔ وہ سب شاید میں نہیں کرپائی، میرے خیال سے کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے مگر کبھی مجھے اس کا افسوس بھی ہوتا ہے جب میرے بچے چھوٹے تھے تو میں نے ایک بڑا احساس فیصلہ کیا تھا کہ میں فل ٹائم کام نہیں کروں گی جب تک میرے بچے پانچویں چھٹی جماعتوں تک نہیں پہنچ گئے تب تک میں نے فل ٹائم کام نہیں کیا ہے تب میں اسکول میں پڑھاتی تھی' جب میرا بڑا بیٹا آٹھویں جماعت میں اور چھوٹا بیٹا چھٹی جماعت میں تھا۔ میں نے فل ٹائم کام شروع کیا۔ اسی طرح جب کبھی وہ خدانخواستہ بیمار

ہوئے تب بھی میں نے انہیں بھرپور توجہ دی۔ میرے بچوں کا یہ گلہ ہوتا ہے ماما تھوڑی سخت ہیں اور گھر پر کم وقت کے لیے ہوتی ہیں۔

☆ چیئر پرسن پنجاب انفارمیشن حقوق نسواں کی حیثیت سے آپ کے کیا فرائض ہیں اور اس ادارے کا مقاصد اور ترجیحات کیا ہیں؟

میں پنجاب انفارمیشن حقوق نسواں کی چیئر پرسن ہوں۔ یہ ایک نیا ادارہ ہے، جسے حکومت پنجاب نے باقاعدہ قانون پاس کرنے کے بعد بنایا ہے۔ یہ قانون ۲۰۱۴ میں پاس ہوا تھا اور میں اس کی پہلی چیئر پرسن ہوں اور اپنی اس حیثیت میں اس ادارے کو استحکام دینے کی کوشش میں سرگرداں ہوں۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ خواتین کے حقوق اور انہیں بااختیار کرنے کے لیے کام کرنا اگر انہیں کوئی تکلیف ہے تو اسے دور کرنا اور اس کو فنکشنل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام مقاصد کا جائزہ لے اور بنیادی قوانین و پالیسوں کا جائزہ لیا جائے اور اگر وہاں کوئی تفریق ہے تو اس کو ثابت کرنے کے بعد سفارشات پیش کرے اور اگر کسی نئی پالیسیوں یا قوانین کو وضع کرنے کی ضرورت ہے تو اس کے لیے سفارشات پیش کرے۔ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ مانیٹر کرے جو قوانین پاس ہورہے ہیں ان پر کہاں تک عمل درآمد ہورہا ہے اور ایسے ادارے جہاں متاثرہ خواتین کو رکھا جاتا ہے جیسا کہ مثال کے طور پر ہمارے دارلامان یا جیلیں ہیں وہاں خواتین کا حال کیا ہے۔ ان سب چیزوں کی مانیٹرنگ کرنا شامل ہے۔ اس بارے میں باقاعدہ ایک انفارمیشن سیل یونٹ قائم کیا گیا ہے۔

تیسرا مقصد یہ ہے کہ اس چیز کو یقینی بنایا جائے کہ خواتین ہیں کہاں پر۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک خواتین کے حقوق کے حوالے سے کیا کیا developments ہوئی ہیں۔ یہ ہمارے لیے یہ دیکھنا نہایت اہم ہے کہ کیا خواتین اس مقام پر پہنچی ہیں کہ جس کے لیے کام ہوتا رہا ہے۔ یا اس کے خلاف صرف تفریق کی جاتی رہی ہے خواہ وہ جمہوریت کے دوران آئیں یا آمریت کے دوران اور اس کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ نمبرز اکٹھے کریں کیونکہ ہوتا یہ ہے کہ آپ سب اپنے اطراف میں خواتین کی مشکلات بھی دیکھتے ہیں اور ان کا استحصال بھی دیکھتے ہیں اور پھر ایسی تنقید بھی سامنے آتی ہے کہ جی یہ تو آپ ویسٹ کا ایجنڈا کو پرموٹ کررہے ہیں۔ خواتین تو پاکستان میں بہت خوش ہیں یہاں تو خواتین کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہورہی ہے آپ صرف دوسرے ملکوں کو خوش کرنے کے لیے کام کررہے ہیں اور گورنمنٹ بیرونِ ممالک کو خوش کرنے کے لیے ایسے ادارے قائم کررہی ہے لہٰذا احتساب کرنے کے لیے ہمارے لیے ضروری تھا کہ ہم باقاعدہ ایک ایسا managerment deta base سسٹم بنائیں۔ ایک ایسا ڈیٹا بیس بنائیں جس میں ہم ایک ایسی انفارمیشن اکٹھی کریں جس میں جتنے عناصر خواتین کی زندگیوں کو ٹچ کرسکتے ہیں اور پھر اس کی بنیاد پر ایک رپورٹ جوکہ قانون بھی ہمیں یہی کہتا ہے کہ پہلے خواتین کا ریشو نا پا جائے گا پھر اس پر جینڈر رپورٹ مرتب کی جائے گی کہ خواتین و مردوں کے مابین برابری کہاں تک ہے یا نہیں ہے کیونکہ اگر پاکستان کے آئین کو دیکھیں تو اس میں تمام شہریوں کی بنیادی برابری گارنٹی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ آئین کے مطابق آرٹیکل ۲۵ سب سیکشن ۳ یہ کہتا ہے کہ نہ صرف تمام شہریوں کو برابری و تحفظ دیا جائے گا بلکہ خواتین و بچوں کے لیے خصوصی قوانین بنانا بھی جائز ہے اور یہ قانون کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کچھ خصوصی قوانین بنائے جاتے ہیں یا جو چیلنجز آتے ہیں ان کا سدباب کرنا کیوں ضروری ہے اگر میں واپس آؤں ایجنڈا انفارمیشن ڈیٹا بیس کی طرف، تو ایک ڈیٹا بیس بن چکا

ہے جس کا لانچ 7 مارچ ۲۰۱۶ء کو وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کی زیر صدارت ہوا۔

☆ اس کی تفصیل سے آگاہ کریں؟

☆ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ یہ تمام چیزیں ایک بڑے سلسلے کی کڑی ہیں اور وہ ہیں "حکومت پنجاب کا ویمن ان پاور منیٹ پیکج" یہ ۲۰۱۲ء میں آیا تھا اس کے تحت بہت ساری تبدیلیاں آئیں جن میں کچھ نئے قوانین بنے کچھ قوانین تبدیل ہوئے کچھ پالیسیوں میں تبدیلیاں آئیں بہت سارے خواتین کی بااختیاری کے لیے اقدامات اٹھائے گئے جیسا کہ "development policyskill" پھر ہر ادارے کے بورڈ اینڈ کمیٹیز میں خواتین کا ۳۳ فیصد ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ "آسان قرضے" اور پاکستان میں صرف پنجاب کے اندر خواتین کا کوٹہ سب سے زیادہ مختص کیا گیا ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں پندرہ فیصد خواتین کا ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ خواتین پر تشدد کے حوالے سے کچھ ایسے ادارے بنائے گئے ہیں جس سے خواتین کو استحکام دیا جائے گا۔ ۲۰۱۴ء میں ہی اور بہت سارے قوانین پاس کیے گئے تھے اور بہت اچھے اقدامات اُٹھائے گئے اور اب یہ عملی قدم اٹھایا گیا ہے کہ جو فیصلے لیے گئے تھے وہ کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اور کہاں تک ان پر عمل درآمد ہورہا ہے۔ پنجاب جینڈر مینجمنٹ انفارمیشن ڈیٹا بیس سسٹم بنا ہے اس کے لیے اربن یونٹ کے بہت زیادہ شکرگزار ہیں کیونکہ اس خواب کو اربن یونٹ نے پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے کیونکہ ہماری بہت مدد کی ہے جینڈر مینجمنٹ سسٹم بنانے میں اور سالانہ جینڈر پیرٹی رپورٹ بنانے میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے اور اس کے لیے میں بہت زیادہ شکرگزار گورنمنٹ کی بھی ہوں کیونکہ ہمیں حکومت کے تمام اداروں اور وزراء سے مکمل سپورٹ حاصل ہے جس کی وجہ ہی سے میرے لیے یہ کام کرنا ممکن ہوسکا ہے ورنہ یہ ناممکن تھا۔

جو مینجمنٹ سسٹم بنایا ہے یہ تین سو عناصر کو فالو کرتا ہے جس میں صحت، تعلیم، گورنینس اور فیصلوں میں اپنی رائے کا حق، معاشی طور پر حصہ داری، دیگر حقوق اور خواتین کے خلاف تشدد شامل ہے۔ اس میں جو اعداد و شمار آئے ہیں کہ کون سی ایسی متاثرہ خواتین ہیں اور وہ ہیں کہاں پر۔ ہمارے ذہنوں میں کچھ غلط تاثرات موجود تھے جو کہ ان اعداد و شمار سے دور ہوگئے ہیں۔ عام تاثر یہ تھا کہ ۵۲ فیصد خواتین ہیں اور ۴۸ فیصد مرد ہیں لیکن جب ڈیٹا اکٹھا کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرد ۵۲ فیصد ہیں اور خواتین ۴۸ فیصد ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چار فیصد خواتین مسینگ ہیں یہ کہاں ہیں؟ اس کے لیے اگر ہم پسماندہ اضلاع میں جائیں تو یہ جو فرق بڑھ جاتا ہے جیسے اگر وہاں ایک سو آٹھ آدمی ہیں تو سو خواتین ہیں اور جب ترقی یافتہ علاقوں میں آئے تو وہاں یہ فرق تقریباً برابر ہوجاتا ہے اور جیسے یہ رجحان بھی ہے کہ حمل کے دوران اگر معلوم ہوجائے کہ بچی ہے تو اسے پیدا ہونے سے پہلے ہی ضائع کردیا جاتا ہے یہ بہت گلوبل فنومینا ہے جو کہ اکثر پسماندہ ممالک میں ہوتا ہے اور ہمارے ملک میں بھی بیشتر ایسا ہوتا ہے۔

پنجاب میں ۵۲ فیصد مرد ہیں اور ۴۸ فیصد خواتین ہیں اسی طرح لوگوں کو اسکولوں، کالجوں میں داخلہ نوکریوں میں آسانی' پاسپورٹ بنوانے' ووٹ کاسٹ کرنے میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ وہاں پر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ فرق موجود ہے اور اسی فرق کی بنا پر جو ووٹ بنے اور اس کے لیے ضروری ہے شناختی کارڈ کیونکہ شناختی کارڈ کے بغیر ووٹ نہیں ڈالا جاسکتا ہے اور اس اعداد و شمار کے مطابق کل آبادی کے ۵۶ فیصد مرد تھے جو کہ ووٹ کاسٹ کرنے کے قابل مرد ہیں اور خواتین کے کل آبادی کے ۴۴ فیصد ووٹ تھے۔ تیرہ فیصد کی ابھی مس پیرٹی موجود ہے۔ جبکہ بالکل برابری ہونی

چاہیے تھی۔ یہ اعداد وشمار ۲۰۱۳ سے بہتر ہیں جو ابھی لوکل گورنمنٹ الیکشن ۲۰۱۵ میں بنے ہیں۔ اسی میں جو جنرل سیٹیں ہیں ان پر جب حالیہ لوکل گورنمنٹ کے الیکشن ۲۰۱۵ء میں ہوئے۔ اس میں بہت ہی کم خواتین جنرل سیٹیوں پر آئیں۔ ہاں ان کے لیے پندرہ سے بیس فیصد کوٹے مختص ضرور ہیں مگر جنرل سیٹیوں پر بہت ہی کم عورتیں آئیں۔ پھر جو قانون پاس ہوا تھا ۲۰۱۴ء میں اس کے تحت ۳۳ فیصد خواتین کا پبلک سیکٹر میں بورڈ اینڈ کمیٹیوں میں ہونا لازمی تھا۔ وہ جو ایم آئی ایس کے لیے جو ڈیٹا اکٹھا ہوا اور جو پیپرٹی رپورٹ تیا رہوئی، اس میں یہ نظر آیا کہ خالی سات فیصد عورتیں بورڈ اور کمیٹیاں ڈیل کرتی ہیں باقی ۹۳ فیصد بورڈ اینڈ کمیٹیاں مرد ہی ڈیل کرتے ہیں اور ممبرز میں بھی دو فیصد خواتین اور آٹھ فیصد مرد ہی ہوتے ہیں اگر آپ بہت ہی باعزت، پر وقار ادارے جہاں سے انصاف مہیا ہوتا ہے۔ عدالتوں میں چودہ فیصد خواتین جج ہیں اور ۸۶ فیصد مرد جج ہیں اور وہ چودہ فیصد خواتین جج بھی جونیئر وسول لیول کی جج ہیں۔ سینئر لیول جج میں ۵۵ فیصد مرد جج تعینات ہیں اور تین خواتین جج ہیں، جو کہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے کوئی ایک بھی عورت اس لیول میں جج نہیں تھی۔ پانچ سال سے بھی پیچھے جائیں تو ایک ایسا ٹائم بھی آیا تھا کہ بیس سالوں کے دوران کوئی ایک بھی خاتون جج نہیں تھی۔ اسی طرح گورنمنٹ کے ہائیسٹ گریڈ میں؛ گریڈ اکیس اور بائیس میں صرف ایک خاتون ہے۔ گریڈ انیس میں صرف پانچ فیصد خواتین ہیں ان تمام اعداد وشمار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خواتین کے لیے جو گورنمنٹ کام کررہی ہے وہ بالکل صحیح کررہی ہے اور ابھی جو ادارے بنائے جارہے ہیں وہ کتنے ضروری ہیں مگر یہ تنقید کی جاتی ہے کہ حکومت خوامخواہ میں یہ ادارے بنا رہی ہے لیکن ان اعداد وشمار اور نمبرز سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ سب جائز ہے اور بہت ضروری ہے چیزیں آہستہ آہستہ ٹھیک ہورہی ہیں مگر ابھی خواتین کے حوالے سے پالیسیاں بنانے کی مد میں بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جو اضلاع ساؤتھ پنجاب میں واقع ہیں۔ وہاں صحت کے معاملات کمزور ہیں برعکس ناؤتھ پنجاب کے اضلاع کے اور ذہنی صحت کے لیے پورے پنجاب میں صرف ایک ہیلتھ یونٹ موجود ہے جو کہ لاہور میں ہے اور اسی طرح تعلیم کے شعبے میں بھی بہت جینڈر ڈسپیرٹی (صنفی عدم مساوات) فرق پایا جاتا ہے۔ خاص طور پر پرائمری اور مڈل کے لیول پر، خاص طور پر ساؤتھ پنجاب کے اضلاع بہت پسماندہ ہیں۔ جیسا کہ راجن پور میں اگر چالیس فیصد لڑکیاں پڑھ رہی ہیں تو ستر فیصد لڑکے پڑھ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارا شرح خواندگی کا ریٹ بھی ہمیں یہ آگاہی دیتا ہے کہ مرد وعورت کے مابین تعلیمی میدان میں بھی ایک گہرا فرق موجود ہے کیونکہ پنجاب کا شرح خواندگی ریٹ ۶۹ فیصد ہے جو کہ باقی صوبوں کی نسبت زیادہ ہے مگر اس میں خواتین کا خواندگی ریٹ صرف پچاس فیصد ہے۔

اس کے علاوہ کچھ روشنی اگر میں خواتین کو ملنے والی معاشی مواقعوں پر ڈالوں تو اس میں خواتین کی معاشی لیبر فورس، کی شرکت پنجاب میں تقریباً ۲۶ فیصد ہے جب کہ مردوں کی ستر فیصد سے اوپر ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ خواتین کام کم کررہی ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہاں پر کام کررہی ہیں؛ وہ نظر نہیں آرہی ہیں بیشتر خواتین گھروں میں کام کررہی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ کسی شمار میں نہیں آتی ہیں۔ وہ بحیثیت ورکرز رجسٹرڈ نہیں ہو پاتیں ہیں انہیں کوئی بھی ایک مڈل مین کام پکڑا دیتا ہے اور ان کی کوئی ڈاکومنٹیشن نہیں ہوتی ہے نہ وہ ورکرز میں شمار ہو پاتی ہیں یوں وہ محروم رہ جاتی ہیں ان فوائد سے جو کہ ورکرز کو ملتے ہیں۔ اس وقت ایک کروڑ لوگ گھروں میں بیٹھ کر کام کررہے ہیں، جن میں ستر فیصد خواتین ہیں۔ اسی

طرح جب ڈیٹا اکٹھا کیا گیا تو یہ بات بھی سامنے آئی کہ پانچ ہزار ماہانہ یا اس سے بھی کم پر کام کرنے والی خواتین کی تعداد کافی زیادہ ہے، جو تقریباً پچاس فیصد خواتین ایسی ہیں جو کہ پانچ ہزار ماہوار سے بھی کم پر کام کررہی ہیں اور اس کے برعکس صرف ۷ء۷ فیصد مرد پانچ ہزار یا اس سے کم پر کام کرتے ہیں اور جب تشدد کا ڈیٹا اکٹھا کیا گیا تو بدقسمتی سے یہ بات سامنے آئی خواتین پر تشدد بجائے کم ہونے کے بڑھ رہا ہے۔ یہ جو شرمین عبید چنائے کو آسکر ایوارڈ ملا ہے، اس نے ایک غیرت کے نام پر قتل کردی جانی والی خاتون پر دستاویزی فلم بنائی، وہ فلم ایک ایسے پہلو کی نشاندہی کررہی تھی جو کہ نہایت شرم ناک ہے جس میں ہائی لائٹ کیا گیا ہے ہمارے معاشرے کی اس تلخ حقیقت کو جو کہ غیرت کے نام پر کبھی جائیداد کی وجہ سے تو کبھی پسند کی شادی کی وجہ سے جو کہ ہر عورت کا شرعی وقانونی حق ہے اگر کوئی عورت یہ حق استعمال کرتی ہے تو اس کو غیرت کے نام پر قتل کردیا جاتا ہے جو کہ سراسر ایک کھلی بے غیرتی ہے جب اس کا ڈیٹا اکٹھا کیا گیا تو وہ کافی زیادہ ہے۔ پنجاب میں ۲۰۱۵ء میں ۱۷۳ عورتوں کا قتل ہوا غیرت کے نام پر ان میں سے بہت سے کیسز ایسے بھی ہوں گے جو کہ رپورٹ ہی نہیں ہوئے ہوں گے۔ پنجاب حکومت اس ایشو کے حوالے سے بہت زیادہ کام کررہی ہے اور غیرت کے نام پر قتل کو بالکل معاف نہیں کیا جائے گا۔ مگر پھر بھی اس قسم کی فرسودہ رسمیں ہمارے کلچر میں بہت زیادہ سرایت کرچکی ہیں۔ یہ غیرت کے نام پر قتل کا عمل جاری ہے اور اس کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ خواتین پر تشدد کے حوالے سے، تیزاب پھینکنا، جلا دیا جانا، قتل کردیا جانا' خواتین کے ریپ' عورتوں پر جسمانی تشدد (اعضا کاٹ دیئے جانا) ان سب کیسوں کے نمبرز اگر اٹھا کر دیکھے جائیں تو وہ پنجاب میں کافی بڑی تعداد میں ہیں۔ ۲۰۱۱ء میں یہ نمبرز ۵۳۹۱ تھے تو ۲۰۱۵ء میں اس میں بیس فیصد اضافہ ہوا ہے اور یہ تعداد ۶۵۰۵ ہے۔ یہ میرے لیے بہت اہم ہے اس لیے نہیں کہ یہ نمبرز بڑھ رہے ہیں بلکہ اس لیے کہ اب خواتین خود کو اتنا محفوظ محسوس کرتی ہیں کہ وہ آکر اپنا کیس رپورٹ کرتی ہیں یعنی پہلے بھی یہ سب ہورہا تھا مگر عورتوں کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ جاکر اپنا کیس بتا سکیں کہ مجھے اتنی مار پڑی ہے کہ میرا بازو توڑ دیا گیا ہے۔ اب عورت یہ سمجھتی ہے کہ حکومت اس کا ساتھ دے گی اور ادارے اس کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ ۲۰۱۲ء سے لے کر ۲۰۱۵ء تک رحیم یار خان، وہاڑی، سرگودھا وغیرہ کے اضلاع کے سب سے زیادہ کیسز ہیں خواتین پر تشدد کے جو رپورٹ ہوئے۔ اس کے برعکس چکوال، چنیوٹ، اٹک میں ۲۰۱۲ء سے لے کر اب لو نمبرز کے کیسز آئے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سارے اضلاع میں جہاں شرح خواندگی زیادہ ہے وہاں تشدد کے کیسوں کی تعداد اور نمبرز کم ہیں لہٰذا یہ بات میں پورے وثوق سے کہتی ہوں کہ شرح خواندگی اور خواتین پر تشدد کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے جن علاقوں میں عام طور پر لوگ زیادہ باشعور اور پڑھے لکھے ہیں وہاں تشدد بھی خاصا کم ہے۔

گلوبل رپورٹ کے مطابق جہاں بھی خواتین پر تشدد کے کیسز کی رپورٹوں پر ریسرچ ورک کیا گیا ہے وہاں ۱۳۶ ممالک میں پاکستان کا نمبر ۱۳۵ نمبر ہے اور پاکستان کی جو سب سے بری حالت ہے وہ ہے معاشی طور پر خواتین کا اکنامک سرکل میں حصہ لینے کا عمل ہے یعنی معاشی استحکام عورت کو بالکل بھی حاصل نہیں ہے اس میں ابھی بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔

نزہت جبین ضیاء

"اف...... بہت گرمی ہے باہر۔" سجاد صاحب تھکے ہارے گھر لوٹے تو پلنگ پر بیٹھتے ہوئے رومال سے پسینہ صاف کرتے ہوئے بولے۔

"یہ لیں ابا جی۔" نغمہ فوراً ہی لیموں کا شربت لے آئی۔

"ارے واہ جزاک اللہ۔" سجاد صاحب نے بیٹی کو پیار سے دیکھتے ہوئے گلاس اس کے ہاتھ سے لیا۔ صحن میں ایک طرف صوبیہ اور سنجیدہ بیٹھے ہوئے تھے اور مہندی کے ڈیزائن کی کتاب سے ڈیزائن پسند کیے جا رہے تھے۔ سدرہ مایوں بیٹھ چکی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی سہیلیاں نمرہ اور شہلا کمرے میں اس کے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی سے خوب صورت بیل بوٹے بنا رہی تھیں' ساتھ ساتھ آپس میں چھیڑ چھاڑ بھی ہو رہی تھی اور سدرہ شرم سے سر جھکائے دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھی۔ کبھی کبھی آنکھیں نکال کر مصنوعی غصہ بھی کرتی اور شہلا اور نمرہ کھلکھلا کر ہنس دیتیں۔

دو دن بعد سدرہ بابل کا آنگن چھوڑ کر پیا گھر جانے والی تھی۔ ایک جانب نئی زندگی' نیا سفر اور نئے ہم سفر کی سنگت کی خوشی تھی تو دوسری جانب ایک اداسی اور اپنا گھر چھوڑنے کا دکھ بھی تھا' کتنی عجیب رسم تھی' یہ کیسا دستور تھا کہ ایک گھر جہاں آنکھ کھولی' پہلا قدم اٹھایا' پہلا جملہ ادا کیا' پہلی نماز پڑھی' پہلی بار سبق پڑھا' بچپن کی شرارتوں بھرپور اور آزاد زندگی گزاری' جہاں کے کونے کونے سے قلبی لگاؤ' وابستگی ہو جاتی ہے' جہاں پیارے پیارے بےلوث رشتے استوار ہوتے ہیں' باپ کا کاندھا' ماں کی گود' لاڈ' نخرے' خواہشات اور ضدیں منوائی جاتی ہیں پھر اچانک سے یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اجنبی لوگ' اجنبی جگہ' نئے ریت و رواج اور نئی زندگی' نئے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ماں باپ کس طرح اپنا جگر گوشہ کسی دوسرے کے حوالے کر دیتے ہیں' ان کے دل کی حالت وہی جان سکتے ہیں' صرف یہی نہیں بلکہ بیٹیوں کو رخصت کرنے کے لیے ان کے جہیز اور دیگر اخراجات کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں' یہی حال سجاد صاحب کا بھی تھا۔ وہ کتنی محنت کر رہے تھے' کتنے جتن کر رہے تھے نہ جانے نہ پیسے کی فراوانی تھی نہ ہی کوئی کام کرنے والا ساتھ دینے والا تھا' اوپر تلے چار بیٹیاں ہی تھیں' سدرہ' نغمہ' صوبیہ اور سنجیدہ' سجاد صاحب سرکاری دفتر میں اکاؤنٹنٹ تھے۔ سیدھے سادے شریف اور نیکی کی راہ پر چلنے والے جو کہ بیشتر مواقع ہونے کے باوجود بھی اوپر کی کمائی کا ایک پیسہ بھی خود پر حرام سمجھتے' وہ کہتے کہ رشوت کی ایک پائی بھی لینے سے بہتر ہے کہ انسان بھوکا مر جائے' فریدہ بیگم اور ان کی چاروں بیٹیاں بھی ہر حال میں خوش رہنے والی تھیں' کبھی بھی کوئی فرمائش' کوئی ناجائز خواہش نہ کی' جو ملا اللہ پاک کا شکر ادا کرتیں' نغمہ' صوبیہ اور سنجیدہ تو صاف رنگت اور اچھی شکل صورت کی مالک تھیں مگر سدرہ کا رنگ ذرا دبتا ہوا تھا گو کہ پرکشش تھی لیکن رشتے کے لیے آنے والی خواتین کو اس کے مقابلے میں نغمہ اور صوبیہ زیادہ اچھی لگتیں کیونکہ اس کا سانولا رنگ اس کے چہرے کی کشش کو پیچھے چھوڑ دیتا۔ اس کی سانولی رنگت اس کے اندر موجود ساری خوبیوں اور صلاحیتوں کو پس پشت ڈال دیتی۔ اب فریدہ بیگم نے نغمہ اور صوبیہ کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ رشتے کے سلسلے میں آنے والی خواتین کے سامنے ہرگز نہ آئیں۔

فریدہ بیگم نے رشتے لگانے والی خاتون سے کہہ رکھا تھا' رشتے تو کئی آئے مگر کچھ لوگ گھر کی حالت اور کچھ سدرہ کی سانولی رنگت دیکھ کر دوبارہ نہ آئے۔ سدرہ ہر کام میں ماہر تھی' بی اے کے بعد اس نے سلائی' کڑھائی کے کورسز بھی کر لیے تھے۔ پھر رشتے والی صغریٰ خالہ معین احمد کا رشتہ لے آئیں۔ معین احمد تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ ابا انتہائی شریف اور اماں انتہائی تیز طرار اور چالاک خاتون

تھیں۔ معین احمد کی والدہ اور بہنوں نے سدرہ کو پسند کرلیا تھا' دیگر مراحل بھی طے ہوگئے اور اب سدرہ کی شادی ہونے والی تھی۔ آہستہ آہستہ شادی کے دیگر امور نمٹائے جارہے تھے۔

"آپ جس کام کے لیے گئے تھے وہ ہوگیا؟" سجاد احمد نے شربت کا گلاس خالی کرکے نغمہ کو واپس کیا تو فریدہ بیگم نے ان سے پوچھا۔ وہ بارات کے کھانے کا فائنل کرکے کچھ ایڈوانس دینے گئے تھے۔

"ہاں الحمدللہ! یہ کام بھی ہوگیا۔ بیٹیاں کتنی جلدی بڑی ہوجاتی ہیں سدرہ کی ماں......! ابھی کل کی بات لگتی ہے جب ہمارے اس چھوٹے سے آنگن میں ہماری چاروں شہزادیاں تتلیوں کی طرح اڑی اڑی پھرتی تھیں اور آج...... دیکھو تو...... ماشاء اللہ ان کو گھر سے رخصت کرنے کا وقت آگیا۔" سجاد احمد نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ بیٹیوں کی جدائی کے خیال سے وہ افسردہ ہوگئے تھے۔

"ہاں سجاد احمد' ٹھیک کہا تم نے' یہ وقت بھی پر لگا کر گزر گیا ہے بس اللہ پاک ہماری بچیوں کے نصیب اچھے کرے وہ اپنے اپنے گھروں میں شاد آباد رہیں آمین۔"

"آمین ثم آمین۔" سجاد احمد نے جلدی سے کہا۔ تب ہی دروازے کے باہر سے یاسر صاحب نے آواز لگائی۔

"آجاؤ یاسر دروازہ کھلا ہے۔" سجاد احمد نے کہا تو یاسر صاحب پردہ ہٹا کر اندر آگئے۔

"السلام علیکم بھائی صاحب۔" فریدہ بیگم نے جلدی سے دوپٹہ سر پر ڈالا۔

"وعلیکم السلام بھابی۔" بچیوں نے بھی سلام کیا۔

"جیتی رہو۔" یاسر صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں یار! تیاریاں کہاں تک پہنچیں......" یاسر صاحب سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سجاد احمد سے مخاطب ہوئے۔

"ہاں شکر ہے اللہ پاک کا ہو رہی ہیں۔" فریدہ بیگم اٹھ کر کمرے کی طرف چلی گئیں۔

یاسر صاحب سجاد احمد کے بہت اچھے اور مخلص دوست تھے۔ دونوں ایک ہی دفتر میں کام کرتے تھے' یاسر صاحب کی پوسٹ زیادہ اچھی تھی۔ مگر ان کو سجاد احمد کی فطرت' اور ایمان داری نے بہت متاثر کیا تھا۔ وہ چار بیٹیوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود بھی ایمان داری اور سچائی سے اپنا کام کرتے' کوئی رشوت دینا بھی چاہتا تو منع کردیتے۔ یہی بات یاسر صاحب کو بہت اچھی لگی اور وہ سجاد صاحب کے بہترین دوست بن چکے تھے۔ فطرتاً ہمدرد اور پُرخلوص تھے اس لیے کسی نہ کسی بہانے سے ان کی مدد کردیا کرتے تھے۔ اب اس شادی کے سلسلے میں بھی' سجاد احمد کے ساتھ سگے بھائیوں کی طرح کام اور تعاون کررہے تھے۔ صوبیہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"ارے واہ...... ثریا جیتی رہو اس وقت چائے کی سخت طلب محسوس ہورہی تھی۔" یاسر صاحب نے چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے مسکراتے ہوئے دعا دی۔

تب ہی دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔ فریدہ بیگم نے کھولا تو ہانپتی کانپتی حواس باختہ سی صغریٰ خالہ برآمد ہوئیں۔

"خالہ خیریت تو ہے' کیا ہوا آپ پریشان کیوں ہیں؟" ان کے چہرے کو دیکھ کر فریدہ بیگم نے پریشان ہوکر کئی سوال کرڈالے۔

"فریدہ...... میں بہت بری خبر لے کر آئی ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

"ہائے خالہ اللہ رحم کرے' کیا ہوگیا......؟ جلدی بتاؤ۔ میرا تو دم نکلا جارہا ہے۔" فریدہ بیگم سراسیمہ ہورہی تھیں۔ یہی حال سجاد احمد اور یاسر صاحب کا بھی تھا۔ کسی انجانے خوف کا شکار تھے۔

"فریدہ...... مجھے معاف کردو' میں بہت شرمندہ ہوں۔ بہت نادم ہوں' میں تمہارے سامنے کیسے...... کیسے بتاؤں......" اس بار صغریٰ خالہ رونے لگی تھیں۔

"ہائے صغریٰ خالہ کیوں ہمارے ضبط کا امتحان لے رہی ہیں' جو بھی بات ہے بتادوناں جلدی سے۔" فریدہ بیگم کی آواز بھرا گئی تھی۔

"معین کی ماں نے سدرہ سے شادی کرنے سے انکار کردیا ہے۔"

"کک...... کیا...... کیا......؟" فریدہ بیگم چیخ کر بولیں۔ ساتھ ہی سجاد احمد اور یاسر صاحب بھی گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔

"خالہ خدا کے لیے ایسی بدفال تو نہ نکالو اپنے منہ سے۔" فریدہ بیگم نے بہ مشکل کہا ان کی آواز میں لغزش نمایاں تھی۔

"مگر کیوں...... انہوں نے یہ فیصلہ کیوں کیا؟" سجاد احمد اٹھ کر صغریٰ خالہ کے قریب آگئے۔

"یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے انہوں نے؟ ہم شریف لوگ ہیں' اس طرح وہ کیسے کرسکتے ہیں۔ یہ کہاں کی شرافت ہے؟ کوئی کھیل ہے' ہماری بچی مایوں بیٹھ چکی ہے۔ سارے انتظامات ہوچکے ہیں۔ اب وہ ایسی گھٹیا حرکت کیسے کرسکتے ہیں۔" یاسر صاحب غصے سے بے قابو ہوکر صغریٰ خالہ پر برس پڑے۔

"اے بھیا...... کچھ پتہ نہیں اور نہ ہمیں اندازہ تھا کہ وہ لوگ اتنی گھٹیا حرکت کرسکتے ہیں۔ سجاد میاں' فریدہ بیگم سچ میں ہمیں معلوم ہوتا کہ وہ لوگ اتنی نیچ حرکت کرسکتے ہیں تو کبھی بھی رشتہ نہ کرواتے۔ ہمیں معاف کردو......" وہ ہاتھ جوڑے بے تحاشہ روتے ہوئے معافیاں مانگ رہی تھیں۔ سجاد احمد دل پر ہاتھ رکھے اس نازک صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کررہے تھے۔ فریدہ بیگم دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر چارپائی پر گر سی گئیں۔

"سجاد اٹھو...... ہم ابھی اسی وقت ان کے گھر جاکر بات کرتے ہیں۔ ان سے پوچھیں تو سہی کہ آخر مسئلہ کیا ہے؟ یہ ایک بچی کی زندگی کا سوال ہے۔ دو دن بعد اس کی بارات آنے والی تھی اور...... یوں اچانک سے منع کردینا۔ ہمیں بے وقوف سمجھ رکھا ہے کیا؟ یہ شریف لوگوں کے اطوار تو نہیں' ان کے گھر میں بھی تو تین' تین بیٹیاں کنواری بیٹھی ہیں...... کسی کی بچی کا یوں تماشا بنانا انہیں زیب نہیں دیتا۔ کل کو ان کی بیٹیوں کے ساتھ بھی خدانخواستہ ایسا کچھ ہوسکتا ہے' کوئی

وجہ بتائے بنا وہ اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتے ہیں؟"

"ہائے اللہ میں تو مر جاؤں گی۔" فریدہ بیگم روتے ہوئے بولیں۔ یاسر صاحب نے سجاد احمد کو ہمت دلائی اور ان کو لے کر معین کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

فریدہ بیگم نے مصلی بچھا کر خیر کی دعائیں مانگنا شروع کردیں۔ بچیاں سہم کر ایک طرف ہوگئیں۔ کچھ دیر بعد سجاد احمد اور یاسر صاحب گھر میں داخل ہوئے ایسے جیسے اپنا سب کچھ ہار کر لوٹے ہوں۔ بکھرے بال، چہرے پر دکھ اور کرب واضح تھا۔ یاسر صاحب نے سنبھالا دیا ہوا تھا۔ وجہ یہی بتائی گئی تھی کوئی اور مال دار لڑکی مل گئی ہے جو معین کو باہر بھی بھیجے گی اور بھاری جہیز کے ساتھ گھر بھی ملے گا۔

"میں کیا جواب دوں گی رشتے داروں کو، دوست احباب کو؟ بچی مایوں بیٹھ چکی ہے اور شادی سے انکار ہوگیا...... دنیا تو ہمیں جینے نہیں دے گی، کیسے کیسے سوالات پوچھے گی...... کیا بولوں گی میں؟" فریدہ بیگم باقاعدہ بین کررہی تھیں۔ سجاد احمد نے نم آنکھوں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اس وقت وہ خود بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہوچکے تھے۔ انہی حالات کا سامنا تو ان کو بھی کرنا پڑے گا، ان کے دوست احباب، کولیگ سب کو پتہ تھا کہ دو دن بعد بیٹی کی شادی ہے، کارڈ تقسیم ہوچکے تھے۔ نہ جانے کہاں کہاں سے قرضہ لے کر شادی کے سارے انتظامات کیے تھے، کس کس طرح راتوں کو جاگ جاگ کر سارا کچھ ارینج کیا تھا۔ مایوں کی رسم پر بھی اچھے خاصے اخراجات کر بیٹھے تھے۔ رشتہ دار دنیا والے تو معمولی بات کو بھی ہوا دے کر پوری فلم بنا لیتے ہیں اور اتنی بڑی بات......! کس طرح برداشت کرپائیں گے؟ سجاد احمد کا بی پی شوٹ کرنے لگا۔ فریدہ بیگم کی حالت ابتر تھی۔ سدرہ نے سنا تو وہ سن ہوگئی۔ یہ کیا ہوگیا تھا؟ نغمہ، صوبیہ اور سنجیدہ کتنے خوش تھے۔ اس کی سہیلیاں چھیڑ چھیڑ کر تنگ کرتی رہتی تھیں۔ اب یوں اتنی بڑی بدنامی، وہ دنیا کا سامنا کیسے کرپائے گی؟ جب لوگ پوچھیں گے کہ بارات کیوں نہیں آئی تو؟ شہلا اور نمرہ دم بخود تھیں، تسلی کے لیے الفاظ تک نہ رہے تھے۔ نغمہ، صوبیہ اور سنجیدہ کی سمجھ سے باہر تھا کہ اپنی آپا کی تقدیر پر روئیں، یا ماں باپ کو تسلی دیں۔

یاسر صاحب کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس موقع پر کیا کہیں......؟ کیسے اپنے دوست کو تسلی دیں۔ کس طرح سے بچیوں کے دکھ بانٹیں، ان سے دیکھا نہ گیا آنسو خود بخود آنکھوں سے نکل آئے اور وہ اٹھ کر تیزی سے گھر سے باہر نکل گئے۔

❀......●❀●......❀

پرانے طرز کے بنے ہوئے بڑے سے مکان کے کچے صحن میں سائرہ بیگم نے ابھی ابھی پانی کا چھڑکاؤ کرکے جھاڑو لگائی تھی۔ پھر چارپائیاں بچھا کر ان پر سفید چادریں بچھادی تھیں۔ برآمدے کے ایک کونے میں بنے چبوترے پر دری اور چادر بچھی ہوئی تھی، جس کے ایک کونے پر سطوت آپا مشین رکھے سلائی کررہی تھیں۔ رومانہ بیگم رات کے کھانے کے لیے سبزی بنارہی تھیں۔ اماں جان صحن میں چارپائی پر بیٹھی آٹے کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنا کر وہاں پھرتے چوزوں اور مرغیوں کو کھلارہی تھیں۔ جھاڑو صفائی کے بعد سائرہ بیگم نے صحن میں رکھے مٹکوں کو پانی سے بھرا اور چائے بنانے کی غرض سے صحن کے ایک جانب بنے ہوئے بڑے سے باورچی خانے میں آگئیں۔ حسنات احمد کام کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے جبکہ کلیم باہر اپنے دوستوں کے ساتھ ٹائم پاس کررہے تھے تب ہی یاسر صاحب گھر میں داخل ہوئے، وہ خاصے مضمحل اور پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ رومانہ بیگم ان کے لیے ٹھنڈا پانی لے آئیں۔

"کیا ہوا یاسر...... تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟" اماں جان نے ان کے بجھے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھ کر سوال کیا۔

"جی اماں جان، بات ہی کچھ ایسی ہے کہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کروں؟" وہ ٹھنڈی سانس لے کر دکھی لہجے میں بولے۔

"کیوں کیا ہوگیا ہے ایسا؟" اماں جان نے پوچھا۔

"میں نے بتایا تھا نا کہ ہمارے آفس میں سجاد صاحب ہیں ان کی بیٹی کی شادی ہورہی ہے، جن کی چار چار بیٹیاں ہی ہیں اور پہلی بیٹی کی شادی پرسوں ہونے والی تھی؟"

"ہاں ہاں، تم نے بتایا تھا۔" اماں جان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ سائرہ بیگم چائے بنا کر لے آئی تھیں۔

"اماں جان ان بے چاروں کے ساتھ بہت برا ہوا۔" یاسر صاحب کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"خیریت تو ہے؟" سطوت آپا بھی مشین چھوڑ کر قریب آگئیں۔

"لڑکے والوں نے بارات لانے سے منع کردیا۔" وہ آہستگی سے بولے۔

"ہائیں......!" اماں جان کے ساتھ رومانہ بیگم، سطوت آپا اور سائرہ بیگم کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "مگر کیوں؟"

"بس اماں جان، میں اور سجاد ان لوگوں کے گھر گئے، بہت لالچی، خبیث اور گھٹیا لوگ نکلے وہ تو۔"

"اب ان لوگوں کی کس قدر بدنامی ہوگی۔" اماں جان نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"کیا حالت ہوگی ان لوگوں کی؟" سطوت آپا بھی تاسف سے بولیں۔

"جی آپا! ابھی وہیں سے آرہا ہوں میں، مجھ سے ان لوگوں کی حالت دیکھی نہیں جارہی تھی، لگتا تھا جیسے گھر میں کسی کی موت ہوگئی ہو، اتنی مشکلوں سے سجاد احمد نے قرض لے کر شادی کے اخراجات کیے تھے۔" یاسر صاحب کی آواز شدت جذبات سے رندھ گئی۔

"ایک بات کہوں اماں جان۔" ایک لمحے کے توقف کے بعد یاسر صاحب نے اماں جان سے پوچھا۔

"ہنہ......" اماں جان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اگر...... اگر ہم کلیم میاں کی شادی سدرہ سے کردیں؟" رک کر اماں جان کے چہرے کو غور سے دیکھا جہاں حسب توقع اتار چڑھاؤ اور ناگواری کے آثار نمایاں تھے۔

"پاگل ہوگئے ہو کیا......؟ تمہیں پتا ہے کہ کلیم کی کیسی پسند ہے؟ اس نے ہمیشہ اپنے معیار کی لڑکی سے شادی کی خواہش کی ہے۔ اس کو خوب صورت لڑکی چاہیے۔" اماں جان نے سختی سے انکار کردیا۔ جب کہ سطوت آپا، سائرہ اور رومانہ کے چہرے سپاٹ تھے۔

"اماں جان! یہاں ایک مجبور اور بے بس ماں باپ کی غیرت کا سوال ہے اور پھر میں نے سدرہ کو دیکھا ہے اماں جان، وہ اچھی بھلی شکل صورت کی ہے، نیک شریف، سگھڑ ہے ہر کام میں طاق، مجھ سے سجاد اور اس کی بیوی کی حالت دیکھی نہ گئی اماں جان۔ بہت شریف ہیں وہ لوگ، سیدھے سادے بھی ہیں اس وقت بہت مجبور اور سخت ذہنی اذیت کا شکار ہیں۔ آپ کلیم سے بات کرکے تو دیکھیں۔ آپ اگر اسے کہیں گی تو شاید وہ مان بھی جائے۔" یاسر صاحب کی بات پر اماں جان نے گہری نظروں سے انہیں دیکھا، ان کے چہرے پر کئی رنگ ٹھہر گئے ان کی آنکھوں میں ماضی کی پرچھائیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ اسی طرح کی صورت حال سے وہ بھی ماضی میں گزر چکی تھیں۔ بالکل یہی سچویشن تھی جب ان کی اور ان کی بڑی بہن نسیمہ خاتون کی شادی طے ہوچکی تھی۔ شادی کے سارے انتظامات ہوچکے تھے وہ بھی پانچ بہنیں تھیں لیکن...... عین شادی کے وقت کسی معمولی سی بات اور بحث پر نسیمہ کا نکاح ہوتے ہوتے رہ گیا۔ لڑکے والوں نے بات اتنی بڑھائی کہ دہلیز سے بارات واپس لی گئی۔ ابا، اماں نے ہاتھ پیر جوڑے، رشتہ داروں نے دہائیاں دیں مگر لڑکے والوں نے ایک نہ سنی نسیمہ بھی عام سی شکل کی تھیں، آناً فاناً گھر میں ماتم کا سماں ہوگیا ایک بارات موجود تھی ایک واپس جاچکی تھی تب احمد صاحب کے قریبی دوست کمال سے احمد کی والدہ نے کچھ بات کی اور کمال نے نسیمہ سے اسی وقت نکاح کرنے کی حامی بھرلی...... اگر اس وقت کمال، بڑے دل اور ہمدردی سے یہ عمل نہ کرتے تو وہ بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ اماں جان کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ وہ جھرجھری لے کر ماضی سے حال میں واپس آئیں ان کے چہرے پر سختی کی جگہ نرمی آچکی تھی۔

''ہم بات کر کے دیکھتے ہیں کلیم میاں سے۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔

سطوت آپا' یاسر صاحب' اور سائرہ کے چہروں پر اطمینان جب کہ رومانہ بیگم کے چہرے پر بے زاری کے آثار تھے۔ یاسر نے تشکر بھری نظروں سے اماں جان کو دیکھا۔

''کاش کلیم میاں مان جائیں۔'' وہ دل ہی دل میں بولے۔

''اماں جان! کیا ہوگیا ہے آپ کو......؟ کیا میں فالتو ہوں جو جاکر ایسی صورت حال کو سنبھالوں اور ایسی لڑکی کو یوں ایمرجنسی میں شادی کر کے لے آؤں' میرے اپنی شادی کو لے کر بہت سے خوب ہیں اور میں یوں ان خوابوں کو توڑ نہیں سکتا۔'' اماں جان نے کلیم سے سدرہ کے حوالے سے بات کی تو انہوں نے صاف انکار کردیا۔ یاسر بھی اماں جان کے کمرے میں آگئے تھے۔ یاسر نے باپ کے مرنے کے بعد کلیم کو باپ بن کر پالا تھا' ان کی ہر خواہش ہر ضرورت بنا کہیے پوری کردیتے' کبھی بھی ان کو یہ احساس ہونے نہیں دیا تھا کہ ان کے والد حیات نہیں ہیں' کلیم بھی یاسر کی بہت عزت کرتے تھے' بہت احترام تھا کلیم کے دل میں یاسر کے لیے۔

''بھائی...... یہ اماں جان کیا کہہ رہی ہیں؟'' کلیم نے یاسر کو تاؤ دیکھ کر ان کے پاس جاکر کہا۔

''ہاں کلیم...... سجاد کی طبیعت بہت خراب ہے' ایک باپ کے لیے بیٹی کا اس طرح سے یوں بیٹھ کر رخصت نہ ہونا کتنا دکھ ہے' کتنی اذیت ہے' اس بات کا احساس وہی کرسکتا ہے جس پر یہ برا وقت آئے۔ سجاد اور اس کی بیوی فریدہ بھابی بہت پریشان ہیں' میرے بھائی' تمہیں اللہ پاک اجر دے گا' بے شک تم نے اپنی شادی کو لے کر بہت کچھ سوچا ہوگا' لیکن...... سدرہ بھی بدصورت یا کسی عیب کی حامل نہیں ہے وہ نیک' سیدھی سادی اور سگھڑ لڑکی ہے' وہ آکر یقیناً ہم سب کا دل جیت لے گی۔ ایک نیک عمل سمجھ کر تم یہ نکاح کرسکتے ہو۔ آگے تمہاری مرضی ہے' میری جانب سے صرف گزارش ہے کوئی زبردستی یا حکم نہیں' تم جو بھی فیصلہ کرو وہ رات تک اماں جان یا سطوت آپا کو بتا دینا' تاکہ میں مطمئن ہوجاؤں' ہاں یا ناں دونوں صورتوں میں۔'' یاسر کلیم سے ملائمت سے کہہ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ کلیم کسی صورت دل سے راضی نہ تھے مگر یاسر' اماں جان اور سطوت آپا کے سمجھانے پر حامی بھرلی۔ گو کہ وہ دل میں سدرہ کے لیے رتی برابر بھی محبت انسیت یا میٹھے جذبے نہ تھے۔ سادگی سے رخصت ہوکر سدرہ کلیم میاں کے ساتھ آگئیں۔ سجاد احمد اور فریدہ یاسر کے آگے بچھے جارہے تھے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یاسر صاحب ایسا کچھ کرسکتے ہیں۔ وہ گھر جس میں ماتم کا سماں تھا' اس اچانک ملنے والی خوشی سے زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ سدرہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ قدرت کے اس مذاق پر ہنسے یا روئے۔

کلیم میاں کو کوئی خوشی نہیں تھی وہ انتہائی خوب صورت تھے۔ شروع سے ہی ان کے ذہن میں خوب صورت دلہن کا تصور تھا' شادی کو لے کر خوب شور شرابہ اور دھوم دھڑکا کرنے کا خیال تھا۔ یوں اچانک سے ایک دن میں شادی کرلینا اور اس کو ذہنی طور پر قبول کرنا ان کے لیے بہت دشوار کن مرحلہ تھا' گو کہ انہوں نے سدرہ سے شادی تو کرلی تھی۔ رومانہ بیگم اور سائرہ بیگم نے سدرہ کو کلیم کے کمرے میں پہنچادیا۔ کلیم کا دل ہی نہیں کررہا تھا کہ وہ کمرے میں جائیں جہاں آج سے سدرہ نام کی عورت ان کے کمرے کی حصے دار بن کر رہنے والی تھی۔ جس سے ان کو لگاؤ تھا نہ دلچسپی' بلکہ ان کے ذہن پر ایک بوجھ کی صورت تھیں۔ جنہیں نہ چاہتے ہوئے بھی اب ان کو برداشت کرنا تھا۔ عجیب سے ڈرامائی انداز میں ان کی زندگی میں یہ بدلاؤ آیا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے آئے۔ آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہوگئے۔ لال کپڑوں میں ملبوس سر کے آگے تک دوپٹے کا گھونگھٹ نکالے سدرہ ابھی تک اسی طرح بیٹھی ان کی منتظر تھی۔

''سنو! یہ گھونگٹ ہٹالو اپنا' مجھے وحشت ہورہی ہے تمہیں اس طرح یہاں دیکھ کر میرے لیے تمہاری کوئی اہمیت نہیں ہے' نہ ہی اس شادی میں میری خواہش اور مرضی کا کوئی دخل ہے' یہ تو بھائی اور اماں جان کی وجہ سے راضی ہوا ہوں' اس لیے مجھ سے یہ امید مت رکھنا کہ میں تمہارے ساتھ پیار محبت کی جذباتی باتیں کروں گا۔'' یہ تھا ان کی طرف سے سدرہ سے پہلا تخاطب' نئی دلہن کے ساتھ ان جملوں سے انہوں نے بات کا آغاز کیا تھا۔ سدرہ نے ایک جھٹکے سے دوپٹہ پیچھے کرلیا۔ کلیم نے اچٹتی نگاہ ڈالی' عام سے نین نقش' سانولی رنگت' عام سی لڑکی ان کی بیوی کے روپ میں ان کے سامنے موجود تھی۔

سدرہ دکھ اور حیرت سے اپنے حسین و جمیل شوہر کو دیکھ رہی تھی۔ واقعی وہ تو کلیم کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی۔ عام سی شکل والی اوپر سے ان حالات میں ان کی زندگی میں زبردستی آگئی تھی۔ کلیم نے سدرہ کو دیکھا تو ان کے چہرے پر مزید بیزاری آگئی۔

''یہ تو میری پسند اور معیار ہرگز نہ تھا۔'' انہوں نے اسے دیکھ کر تلخ لہجے میں کہا۔

''کلیم......! مجھے معاف کردیں' مجھے اندازہ ہے کہ میں آپ کے لیے ناپسندیدہ ترین ہوں' میں زبردستی آپ کی زندگی میں لائی گئی ہوں۔ خدا نہ کرے کہ کسی کے ساتھ بھی اتنا برا ہو جتنا کہ میرے اور میرے ماں باپ کے ساتھ ہوا ہے۔ ایسا برا وقت کبھی بھی کسی پر نہ آئے' اگر یاسر بھائی ہماری مدد نہ کرتے تو شاید ابا جی اس غم میں مرجاتے' اماں اس بے عزتی پر پاگل ہوجاتیں۔ میری تین بہنوں کے رشتے کبھی نہ ہوتے شاید میں...... میں بھی خودکشی کرلیتی۔ آپ لوگوں کی بہت مہربانی ہے کہ آپ لوگوں نے اتنے کھلے دل اور بڑے پن کا ثبوت دیا اور ہم سب کی عزت رکھ لی۔ آپ نے مجبور ماں باپ کا خیال کیا' ایک بے بس اور بے کس لڑکی کو نام دیا سہارا دیا' عزت' مقام دیا' میرے ماں باپ ساری زندگی آپ لوگوں کو دعائیں دیتے رہیں گے۔ میں ساری عمر آپ کا' آپ کے گھر والوں کے احسان کا بدلہ نہیں اتار سکوں گی۔ میں ساری زندگی آپ کی اور آپ کی اماں جان کی خدمت کروں گی' بدلے میں مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے کلیم۔ پیار نہ محبت' نہ التفات' بس مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دیجیے' میرے لیے یہی بہت ہوگا۔'' سدرہ روتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے التجا کررہی تھی۔ کلیم نے اس کے جڑے ہوئے ہاتھ کھولے انہیں ایک لمحے کے لیے وہ واقعی مجبور اور بے بس لگی' جو خود قسمت کے چکر میں گھری آج اس حالت میں اس طرح ان کے ساتھ تھی۔

''بے شک تم میری پسند نہیں ہو میری مرضی' منشاء کے بنا میری زندگی میں آگئی ہو لیکن یاسر بھائی میرے لیے باپ کی جگہ ہیں۔ اماں جان میرے لیے قابل احترام ہیں' بڑی آپا میری ماں جیسی ہیں اور ان سب کی وجہ سے میں تمہیں بیوی کی حیثیت دوں گا لیکن وہ محبت' چاہت اور والہانہ پن نہ دے سکوں گا جو بیوی کا حق ہوتا ہے۔'' کلیم نے سدرہ کے جڑے ہاتھ کھولتے ہوئے سچائی سے کہا۔

''بس مجھے آپ کا نام چاہیے' کلیم اس کے علاوہ میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی کبھی نہیں۔'' سدرہ کے لیے یہی کافی تھا کہ کلیم نے بیوی کی حیثیت دی تھی۔ کلیم ٹھنڈی سانس لے کر بیڈ کے کونے پر ٹک گئے۔

❁......●❁●......❁

رومانہ بیگم کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے' کیونکہ رومانہ کی چھوٹی بہن شبانہ کلیم میاں سے محبت کرنے لگی تھیں اور چپکے چپکے ان کی دلہن بننے کے خواب دیکھنے لگی تھیں۔ ان تمام باتوں کا علم رومانہ بیگم کو تھا اور انہوں نے بہن کو تسلی دی تھی کہ وہ کچھ نہ کچھ کر کے کلیم میاں کی شادی شبانہ سے ہی کروائیں گی۔ حالانکہ کلیم بیچارے ان سب باتوں سے بے خبر تھے۔ ان کو پتہ بھی نہ تھا کہ شبانہ بیگم ان کے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔

سدرہ بیگم کی زندگی کی شروعات ہوچکی تھی۔ وہ سیدھی سادی کم گو اور خاموش طبع تھیں' جب کہ رومانہ بیگم ایک تو بڑی بہو تھیں اور فطرتاً تیز طرار' چالاک اور باتونی بھی تھیں' سائرہ

بیگم بھی سیدھی تھیں ان کے میاں حسنات نوکری کے سلسلے میں زیادہ تر شہر سے باہر رہتے گھر کے سارے کرتا دھرتا یاسر ہی تھے اسی وجہ سے رومانہ بیگم مکمل طور پر گھر' گھریلو امور پر اپنی گرفت رکھے ہوئے تھیں۔ ان کو ویسے بھی سدرہ بالکل اچھی نہ لگی تھی۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ ان کو لگتا تھا کہ سدرہ نے ان کی بہن کے حق پر ڈاکا ڈالا ہے' وہ جو یہ خواب دیکھ رہی تھیں کہ دونوں بہنیں مل کر گھر پر راج کریں گی وہ سدرہ کے اچانک آ جانے سے مٹی میں مل گیا۔ ان کی بہن کا دل الگ ٹوٹا اور ان کے خواب الگ چکنا چور ہوئے اور دوسری وجہ یاسر کا اس شادی کے لیے اتنا اصرار کرنا' بھائی کو سمجھانا' ایڑی چوٹی کا زور لگانا' یاسر کا اتنا انوالو ہونا ان کو قطعی پسند نہ آیا تھا۔ سدرہ ویسے بھی بزل بزل رہتی تھیں کہ وہ کس طرح اور کن حالات میں اس گھر کی بہو بن کر آئی تھیں وہ خود کو نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم اور قصوروار سمجھتی تھیں۔

وہ چار دن تو یونہی گزر گئے اس روز سدرہ بیگم اماں جان کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ اماں جان کے سر میں تیل لگانے کا خیال آیا یہ سوچ کر تیل کی بوتل لے آئیں اور سر میں خوب سارا تیل لگا کر اماں جان کے سر کی آہستہ آہستہ مالش کرنے لگیں۔ اماں جان کو اچھا لگ رہا تھا۔ سدرہ کی نرم و نازک انگلیوں سے ہوتا ہوا ہلکا ہلکا مساج جس سے انہیں سکون مل رہا تھا' اماں جان آنکھیں بند کیے پُرسکون بیٹھی تھیں۔ وہ ناشتے کی منتظر تھیں' اسی وقت رومانہ آ گئیں' انہیں سدرہ کو یوں اماں جان کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر آگ لگ گئی۔

"سدرہ اس گھر میں اماں جان کی خدمتوں کے علاوہ بھی کام ہوتے ہیں۔" ان کی تیز آواز پر اماں جان نے آنکھیں کھولیں۔ "اب یہ دلہناپے کے دن ختم کرو تمہیں پتہ ہے میرے بچے مجھے تنگ کرتے ہیں۔ سائرہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اب تمہیں گھر داری سنبھال لینی چاہیے۔ یہ بات تمہیں خود سمجھنی چاہیے مجھے احساس دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اماں جان کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھ کر رومانہ بیگم نے سدرہ کی کلاس لے ڈالی۔

"رومانہ ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں شادی کو ہفتہ بھی تو نہیں ہوا۔" اماں جان نے تھوڑے تیز لہجے میں کہا۔

"اماں جان' بے شک چار دن ہی ہوئے ہیں یہ جس حالات کا شکار ہو کر آئی ہے آ تو گئی ہے ناں؟ اب یہ گھر کا حصہ ہے اس کو چاہیے کہ گھر کے کاموں میں حصہ لے یہاں کے ماحول میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کرے۔ کم از کم ہمارا خیال تو کرے ناں۔" رومانہ بیگم نے طنزاً سے بے بھاؤ کی سنا ڈالی۔ سدرہ نے شرمندگی اور بیچارگی سے جٹھانی کی طرف دیکھا' بات تو ان کی ٹھیک ہی تھی۔

"اوہ ہو بھابی' آپ رہنے دیں میں بنا دیتی ہوں ناشتہ۔" کہہ کر وہ جلدی سے پلنگ سے نیچے اتر آئیں۔

"رہنے دو اب' ناشتہ بنا دیا ہے میں نے' تم دوپہر کا کھانا پکا لینا۔" تیزی سے کہتی ہوئی رومانہ بیگم کمرے سے نکل گئیں۔ سدرہ سر ہلا کر رہ گئی۔ اماں جان کو رومانہ کا تلخ لہجہ اور طنزیہ جملے بالکل پسند نہ آئے تھے۔

سائرہ بیگم کی طبیعت آج کل کافی خراب تھی کسی وقت بھی ہاسپٹل جانے کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ پھر حسنات صاحب بھی یہاں پر نہیں تھے اس لیے سائرہ کافی پریشان تھیں' ناشتے سے فارغ ہو کر سدرہ باورچی خانے میں آ گئیں' کلیم بھی کام پر جانے لگے تھے۔

"بھابی دوپہر میں کیا پکے گا؟" سدرہ نے باورچی خانے میں موجود رومانہ بیگم سے پوچھا۔ کیونکہ گھر کے سارے معاملات وہی طے کرتی تھیں۔

"ایسا کرو کڑھی' قیمہ مٹر اور چاول پکا لو اور ہاں کھانا ایک بجے تک تیار ہو جانا چاہیے۔ بچے اسکول سے آتے ہی کھانا مانگتے ہیں۔ اماں جان بھی ظہر کی نماز کے فوراً بعد کھانا کھاتی ہیں۔" وہ ہدایات دے رہی تھیں۔

"جی بھابی۔" سدرہ نے آہستگی سے کہا۔ سدرہ فوراً ہی کھانا پکانے میں لگ گئیں تاکہ وقت مقررہ پر کھانا تیار ہو جائے' کھانا تیار کر کے سدرہ نہانے چلی گئیں۔ اماں جان نماز سے فارغ ہونے تک یاسر اور بچے بھی آ گئے۔ سدرہ نے دسترخوان لگا دیا تھا۔

"ارے واہ...... آج تو دسترخوان خوب سجا ہوا ہے ایک تو پسندیدہ کھانا اوپر سے بہترین سجاوٹ بھوک تو دو چند ہو گئی ہے۔" کلیم بھی آ گئے تھے۔ رومانہ بیگم نے تیز اور چبھتی ہوئی نظروں سے میاں کو گھور کر دیکھا۔ سب لوگ دسترخوان پر آ کر بیٹھ گئے۔

"واہ بھئی بڑا مزے دار کھانا پکایا ہے۔" یاسر اور کلیم دونوں نے ہی بے ساختہ تعریف کر ڈالی اور سوالیہ نظروں سے رومانہ اور سائرہ کو دیکھا۔

"بھئی آج کا سارا کھانا سدرہ نے پکایا ہے۔" اماں جان نے سدرہ کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کلیم نے بھی ستائشی نظروں سے بیوی کی جانب دیکھا۔ رومانہ بیگم کو میاں کا اس طرح سے سدرہ کی تعریف کرنا اور سراہنا بری طرح کھل رہا تھا۔

"بس بھی کریں' لگتا ہے زندگی میں پہلی بار اچھا کھانا کھانے کو مل رہا ہے۔ ہم نے پچھلے آٹھ سالوں سے بھاڑ جھونکا ہے۔" رومانہ کے تلخ اور دل جلے انداز پر یاسر صاحب کھسیا گئے۔

"ارے نہیں بیگم...... ہم نے کب کہا کہ آپ اچھا نہیں پکاتی کھانا۔" سدرہ جلدی سے اپنی پلیٹ پر جھک گئی' سب ہی جانتے تھے کہ رومانہ بیگم نہ صرف مزاج کی بلکہ زبان کی بھی بہت تیز ہیں جو منہ میں آئے بنا سوچے سمجھے کہہ دیتی ہیں نہ موقع محل کا خیال کرتی ہیں نہ ساس اور میاں کے رشتے کا پاس۔

یاسر صاحب' سدرہ کو بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح چاہتے اور خیال کرتے تھے' ان کے خیال میں سدرہ ان کی وجہ سے یہاں آئی ہے تو اسے یہاں پر کوئی تکلیف نہ ہو اور دوسری بات یہ کہ سجاد احمد ان کے اچھے دوستوں میں سے تھے مگر رومانہ بیگم کو یہ سب کچھ ایک آنکھ نہ بھاتا تھا' وہ گاہے بگاہے یاسر کو طعنے مارتی رہتی تھیں۔ سدرہ محسوس کر کے بزل ہو جاتی۔ اسے یاسر بڑے بھائی جیسے لگتے تھے ان کی ہمدردی اچھی لگتی تھی۔ لیکن رومانہ بیگم کا رویہ بہت دل شکن اور تکلیف دہ ہو جاتا تھا۔ وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہونے لگتی۔

یاسر کے دوست کپڑوں کا کاروبار کرتے تھے اماں جان نے یاسر سے کہہ کر گرمیوں کے کچھ لیڈیز سوٹ منگوائے تھے اس روز رات کے کھانے کے بعد اماں جان نے سب کو اپنے کمرے میں بلوالیا۔

"یہ لو بچیوں میں نے یہ کچھ کپڑے منگوائے ہیں' تم لوگ اس میں سے اپنی پسند کے دو دو جوڑے نکال لو۔" انہوں نے تینوں بہوؤں کو مخاطب کر کے کہا۔ سدرہ نے کچھ لمحے سوچا پھر ایک ہلکے جامنی کلر کے سوٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ارے ارے سدرہ! یہ سوٹ تم مت لو یہ کلر تم پر بالکل اچھا نہیں لگے گا یہ تو میں یا سائرہ بنا لیں گے' اس کلر میں تو تم اور زیادہ سانولی لگو گی' بہت ہلکا کلر ہے یہ۔" رومانہ نے ہنستے ہوئے مضحکہ خیز انداز میں اس کے سانولے رنگ پر بھرپور چوٹ کی۔ سدرہ کے بڑھتے ہاتھ ایک دم رک گئے اور چہرے پر دکھ اور شرمندگی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ وہ خجل سی ہو گئی۔

"ارے بھابی' کوئی بات نہیں اگر سدرہ کو پسند ہے تو اسے لینے دیں ناں۔" سائرہ بیگم کو جٹھانی کا یوں سدرہ کو طنز کا نشانہ بنانا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ سدرہ بیچاری یک دم چپ ہو گئی تھی۔

"ارے بھئی مجھے کیا......؟ میں نے تو ایک صحیح بات کی تھی اور مشورہ دیا تھا بنا لے کوئی بھی' مجھے کیا۔ بھئی اماں جان مجھے تو کوئی سا بھی دے دیں مجھ پر تو ہر رنگ ہی اچھا لگتا ہے۔" انہیں اپنی گوری رنگت اور خوب صورتی پر بڑا ناز تھا۔ اماں جان کا چہرہ بھی بجھ سا گیا تھا انہیں بھی رومانہ کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔ انہوں نے ہی آگے بڑھ کر سدرہ کے لیے دو سوٹ الگ کر کے اس کی طرف بڑھا دیے۔

"جلد ہی میں شریفہ کو بلوا کر سینے کے لیے دے دوں گی۔" اماں جان نے تینوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں اماں جان! سلوانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں خود ہی سلائی کر دوں گی۔" سدرہ نے اماں جان سے کہا۔

"ارے واہ سدرہ' تم کو یہ فن بھی آتا ہے۔" سائرہ بیگم

نے خوش دلی سے کہا۔ "ایسا کرو تم اپنے اور اماں جان کے کپڑے سلائی کر دینا' ہم اپنے کپڑے شریفہ سے سلوالیں گے تم پر بوجھ پڑے گا خوامخواہ۔"

"نہیں بھابی کیسا بوجھ؟ میں نے تو سلائی سیکھی ہوئی ہے فائدہ ہی دوں گی۔" سدرہ نے پہلے سائرہ اور پھر رومانہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہ بھئی' ہم تو اپنے کپڑے شریفہ سے ہی سلوالیں گے۔ ویسے ہی تمہارے آنے کے بعد تمہارے جیٹھ کو تمہاری بنائی ہوئی چیزیں بہت پسند آنے لگی ہیں اب تمہارے ہاتھ کے سلے ہوئے کپڑے ہمیں پہنے ہوئے دیکھیں گے تو پتہ نہیں کیا سننے کو ملے۔" رومانہ نے سدرہ کو گھورتے ہوئے طنز سے کہا اور اپنے کپڑے لے کر منہ بناتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔ اماں جان اور سائرہ نے انہیں تاسف سے دیکھا۔

"نہ جانے کیوں رومانہ بھابی کا رویہ میرے ساتھ اتنا ہتک آمیز ہوتا ہے ہر بات میں کوئی نہ کوئی طنز کرنا اپنا فرض کیوں سمجھتی ہیں۔" اپنے کپڑے سمیٹتی ہوئی سدرہ دل میں سوچ رہی تھی۔

سائرہ بیگم کی طبیعت خراب ہوئی تو رومانہ بیگم نے بچوں کا بہانہ بنا کر ہاسپٹل نہ جانے کا جواز ڈھونڈ لیا۔ اماں جان اکیلی کیسے جاسکتی تھیں ایسے میں سدرہ نے جھٹ اپنی خدمات پیش کر دیں۔ سائرہ کے یہاں گڑیا جیسی بیٹی پیدا ہوئی' گول مٹول اور گوری چٹی' بالکل سائرہ جیسی۔ گھر میں سب لوگ ہی بہت خوش تھے حسنات بھی آئے ہوئے تھے' سائرہ کا میکے میں کوئی بھی نہ تھا۔ اس موقع پر سدرہ نے بالکل بہنوں کی طرح اس کا خیال رکھا۔ اسے ذرا بھی یہ محسوس نہ ہوا کہ سدرہ اس کی دیورانی ہے۔ وہ لوگ تین دن بعد ہاسپٹل سے لوٹے تو رومانہ نے اکیلے سارے کام کرنے کا احسان جتایا ساتھ ہی گھر کا حشر بھی برا کر کے رکھا ہوا تھا۔ ان کے اپنے دو بچے روحانہ اور چار سالہ عبیل تھے پھر گھر میں ننھی شازیہ کے آجانے سے بچے بھی بہت خوش تھے انہیں کھلونا مل گیا تھا۔ آہستہ آہستہ روحانہ اور عبیل بھی سدرہ سے گھل مل گئے کیونکہ سدرہ ان کا خیال رکھتی تھی ان کے چھوٹے چھوٹے کام کرتی' کہانیاں سناتی' روحانہ کی گڑیا کے کپڑے سیتی' بچے بھی اپنا ہر کام چھوٹی چاچی سے کرواتے۔ سدرہ ذرا بھی جھنجلاہٹ یا اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتی' وہ بڑوں سے لے کر بچوں تک کے سارے کام خوشی خوشی بنا ماتھے پر بل لائے کرتی تھی۔ اس کے ساتھ اماں جان کی دوا وقت پر دینا' ان کے کھانے کا خیال رکھنا ان کے کپڑے دھونا استری کرنا' ان کے سر میں تیل لگانا یہ سارے کام وہ پابندی اور تندہی سے سرانجام دیتی۔ گھر کے تمام افراد اس سے خوش تھے کلیم بھی کافی حد تک اس کے حسن واخلاق اور بے لوث خدمت کے معترف ہو گئے تھے اس نے کم وقت میں اپنے حسن سلوک اور مثبت رویے سے سارے گھر کا دل جیت لیا تھا سوائے رومانہ کے' وہ ہمیشہ ہر قدم پہ سدرہ سے شاکی رہتی تھیں۔ اس کی ہر بات میں کیڑے نکالنا' نقص نکالنا اور پھر کام میں عیب نکالنے کے ساتھ وقتاً فوقتاً اس کی رنگت پر اس کی شادی کے حوالے سے طنز کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھیں۔ ایسا کر کے ان کو تسکین ملتی تھی' پھر سدرہ کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی اللہ اللہ کر کے دن گزرنے لگے ایک تو اس کی طبیعت حد درجہ خراب اوپر سے بار بار رومانہ کا یہ احساس دلانا کہ اللہ پاک جو بھی ہو وہ رنگ وروپ میں دوسرے بچوں کے جیسا ہو' اسے بہت ٹینشن میں رکھتا پورے نو ماہ سدرہ نے اللہ پاک سے خیر کی ساتھ یہ دعا بھی مانگی کہ بیٹی ہو تو وہ کلیم کے جیسی ہو میرے جیسی بالکل نہ ہو' عجیب الجھن اور پریشانی کی حالت میں دن گزرے اور پھر نوال کی شکل میں حسین ترین بیٹی اس کی گود میں آ گئی۔

"ماشاء اللہ ہماری بیٹی تو بہت حسین ہے۔" کلیم نے دیکھا تو خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"شکر ہے خدا کا کہ مجھ پر نہیں گئی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی سدرہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے تم کو کیا ہوا ہے؟ تم بھی اچھی بھلی ہو۔" سائرہ بھابی نے جھٹ سے کہا تو سدرہ کے لبوں پر پھیکی سی ہنسی پھیل گئی۔

❀......●❀●......❀

رومانہ بیگم کے دو بچے روحانہ اور عبیل تھے' سائرہ بیگم کے جاسم اور شازیہ اور سدرہ بیگم کی ایک بیٹی نوال تھی وقت تھوڑا آگے سرکیا تھا۔ بچوں کے آپس میں بہت اچھے تعلقات تھے سب آپس میں پیار' محبت اور انڈر اسٹینڈنگ سے رہتے' کبھی بھی ان کے درمیان کوئی جھگڑا کوئی فساد نہ ہوتا' ہوتا بھی تو خود ہی تھوڑی دیر میں پھر سے گھل مل جاتے۔ وقت کے ساتھ ساتھ گھر میں اور حالات میں تبدیلی آتی گئی تھی۔ کل کے بچے آج کے جوان تھے۔ روحانہ سب سے بڑی تھی۔ اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ عبیل ایم بی اے کر چکا تھا اور اچھی جاب کر رہا تھا۔ جاسم کی پڑھائی آخری مراحل میں تھی شازیہ اور نوال بی ایس سی کر رہے تھے۔

اماں جان' یاسر اور حسنات صاحب کی موت کے بعد سب کچھ روحانہ بیگم کے ہاتھ میں تھا۔ کلیم کچھ بولتے ہی کم تھے اور ان سب کی اموات کے بعد وہ بے حد چپ اور بیمار رہنے لگے تھے پھر ایک دن وہ بھی چند سالوں کے بعد اپنے اُن پیاروں سے جا ملے تھے۔ سائرہ اور سدرہ بھی اخراجات کے معاملے میں چپ ہی رہتیں' ویسے بھی بقول رومانہ کے گھر میں زیادہ حصہ اور زیادہ پیسہ تو یاسر صاحب کا ہی لگا ہے۔ حاکمانہ مزاج تو ویسے بھی پایا تھا' اس پر خود مختاری بھی عروج پر تھی۔ گھر اور گھر والوں پر مکمل ہولڈ تھا۔ ہر کام' ہر فیصلہ' رومانہ کی مرضی سے ہی ہوتا تھا۔ ان کے معاملات میں کوئی دخل بھی نہ دیتا تھا۔

گھر کے انتظامی امور سارے آج بھی رومانہ بیگم ہی کے پاس تھے۔ روحانہ کی شادی طے ہو چکی تھی اور اس وقت نوجوان پارٹی بڑے کمرے میں جمع ہو کر خوب ہنگامہ کر رہی تھی' موضوع تھا کہ روحانہ آپی کی شادی پر کیسے کپڑے بنوائے جائیں......؟ تب ہی رومانہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

"بچو...... روحانہ اور عبیل تم لوگوں کے لیے خوش خبری ہے۔" انہوں نے آتے ہی خوش گوار لہجے میں اپنے بچوں کو مخاطب کیا۔

"جی مما......" ان دونوں کے ساتھ ساتھ سارے بچے بھی رومانہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "بھئی تمہاری شبانہ آنٹی اپنے بچوں کے ساتھ روحانہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے امریکہ سے پاکستان آ رہی ہیں۔" انہوں نے بے تحاشہ پُرجوش لہجے میں ہنستے ہوئے اطلاع دی۔

دونوں کے ہی منہ بن گئے تھے۔ شبانہ کے نام پر تو نوال بھی چونکی تھی' ان کے حوالے سے کافی تلخ باتیں سننے کو ملی تھیں۔ روحانہ اور عبیل کو اپنی یہ اکلوتی خالہ ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ جب کبھی اسکائپ پر بات ہوتی تو وہ لوگ ان کو دیکھتے رہ جاتے' شبانہ خالہ اور ان کے دونوں بچے رہن سہن اور باتوں کے حوالے سے انتہائی بے باک اور بے حجاب لگتے تھے۔ ان کی ایک ایک بات سے امارت اور تکبر کی بو آتی تھی۔ ان کی بیٹی جس کا نام جازیہ تھا وہ جیزی اور بیٹا جوذ کا تھا وہ صرف "ذک" رہ گیا تھا۔ اتنی ادا سے اور منہ بنا بنا کر بات کرتے کہ ان لوگوں کے ٹیڑھے منہ کو دیکھ کر لگتا خدانخواستہ فالج نے اٹیک کر دیا ہو۔ اب شادی میں مسلسل ان لوگوں کو برداشت کرنا بہت مشکل اور صبر آزما کام تھا۔ ایک واحد رومانہ بیگم تھیں جو خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں۔ کئی سال بعد بہن لوٹ کر ان کے گھر آ رہی تھی۔ سارے گلے شکوے ختم کرنے کا موقع تھا۔ شادی کی تیاریوں سے زیادہ ان لوگوں کی آمد کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

"افوہ...... مما لگتا ہے کہ امریکہ کے صدر آ رہے ہیں' تائی اماں کی تیاریاں دیکھ کر تو ایسا ہی لگتا ہے۔" نوال نے سدرہ بیگم کے سامنے کہا تو سدرہ نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

نوال اور عبیل بچپن سے ہی ایک دوسرے سے اٹیچ تھے اور یہی اٹیچمنٹ آہستہ آہستہ پسند میں بدل گئی' جوان ہوتے یہ پسند محبت بن چکی تھی۔ عبیل کو سیدھی سادی معصوم نازک اور خوب صورت سی نوال یوں بھی پسند تھی کہ اسے آج کل کی لڑکیوں کی طرح نازنخرے اور خود کو پوز کرنا

نہیں آتا تھا۔ وہ سیدھی اور صاف ستھری بات کرتی، صلح پسند اور کم گو تھی؛ شازیہ تھوڑی سی شرارتی اور نٹ کھٹ تھی مگر نوال سے اس کی اچھی دوست تھی۔ نوال اکثر اپنی چیزیں بھی شازیہ کو دے دیتی تھی۔ جاسم کا چکر شازیہ کی دوست صبوحی سے تھا جب کہ نوال اور عبیل ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے یہ دونوں باتیں بڑوں کے علم میں تھیں۔

"ارے یار! یہ شبانہ اینڈ فیملی مصیبت کی صورت کہاں سے آن ٹپکی؟ کون ان کے لیے مرا جا رہا تھا یا یہ کہ روحانہ آپی ان کے بغیر اپنا نکاح منسوخ کروا دیتیں۔" اماں کے جاتے ہی عبیل نے اپنا سر پیٹ کر کھلم کھلا بے زاری اور اکتاہٹ کا ثبوت پیش کیا۔

"ہاں سچ میں مجھے بھی شبانہ آنٹی اور ان کے بچے بالکل بھی اچھے نہیں لگتے نہ جانے اتنے سالوں بعد ان کی محبت نے کیوں جوش مارا اور آ کر خوامخواہ ہماری تقریبات خراب کریں گی۔" روحانہ کے ایک ایک لفظ سے بیزاری عیاں تھی۔

"نہیں آپی! ایسے مت کہیں کچھ دن کی بات ہے انہوں نے کون سا یہاں ہمیشہ کے لیے رکنا ہوگا۔ ان کا دل بھی کر رہا ہوگا کہ اپنا وطن دیکھ لیں۔ تائی اماں سے مل لیں، کچھ عرصہ رہ کر لوٹ جائیں گی۔" نوال نے ملائمت سے کہا۔

"ارے یار قسم سے یہ کچھ دن ہی تو گزارنے مشکل ہو جائیں گے۔"

"ارے بھئی چھوڑو یہ باتیں پہلے ہم اپنے کپڑے تو ڈیسائیڈ کرلیں تم لوگ پتہ نہیں کہاں کہاں لے جاتے ہو بات کو کہ...... کام کی بات رہ جاتی ہے۔" شازیہ نے جھنجلاتے ہوئے سب کی توجہ دوبارہ سے شادی کی جانب مبذول کروائی۔

❀......●❀●......❀

گھر میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں کہ شبانہ بیگم کے آنے کی خبر بھی آ گئی اور ان کو ایئرپورٹ سے لانے کا فرض بھی عبیل کے ذمہ ٹھہرا۔

"یار جاسم میرے ساتھ ایئرپورٹ چل مجھ اکیلے ناتواں بندے سے تین تین لوگ کہاں ہضم ہوں گے۔" عبیل کے بے ساختہ معصوم لہجے پر جاسم کا قہقہہ ابل پڑا۔ ساری فارملیٹیز پوری کر کے وہ لوگ جیسے ہی باہر نکلے تو کارٹون جیسے حلیوں والے جازیہ اور ذکاء کو دیکھ کر عبیل نے جاسم کو ٹہوکا مارا "جیزی" نے ٹخنوں سے اونچی پینسل جینز پہن رکھی تھی جس پر شاکنگ پنک سلیولیس گہرے گلے کی ٹی شرٹ تھی۔ شولڈر کٹ بلیچ زدہ بالوں کے گھونسلے کے ساتھ وہ عجیب نمونہ نظر آرہی تھی۔ ذک نے گھٹنوں تک ریڈ چیک کا انتہائی ڈھیلا برمودا جس کے ساتھ ڈھیلی ڈھالی ریڈ ٹی شرٹ جس کے شولڈر کہنی کو چھو رہے تھے۔ بڑے بڑے جیل سے اکڑے ہوئے بال آنکھوں پر سن گلاسز لگائے وہ آٹھواں عجوبہ لگ رہا تھا۔

شبانہ آنٹی نے انتہائی باریک جارجٹ کی بلیک ساڑھی جس پر بلیک سلیولیس بلاوز پہن رکھا تھا۔ بھاری میک اپ کے باوجود چہرے پر ڈھلتی عمر کی واضح نشانیاں موجود تھیں۔

"ہائے کیوٹ......" شبانہ نے فرط محبت سے آگے بڑھ کر عبیل کو گلے لگایا اور اس کے گال پر کس بھی کرلیا۔ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں شبانہ کا یوں والہانہ انداز عبیل کو شرمندہ کیے جا رہا تھا۔

"سو کیوٹ......" اس باران کی نظر کرم جاسم پر تھی اسی والہانہ انداز سے آگے بڑھ کر جاسم کو گلے لگالیا۔ قبل اس کے کہ وہ جاسم کے گالوں پر بھی لپ اسٹک کا نشان چھوڑ جاتیں جاسم بوکھلا کر ان کے آہنی چنگل سے نکل گیا۔ اس بار عبیل اس کی حالت پر ہنسا تھا۔

"ہائے ہینڈسم......" جازیہ کے آگے بڑھنے سے پہلے ہی عبیل نے اپنا ہاتھ آگے کر کے گویا حد مقرر کردی۔

"کیوٹ......" جازیہ نے عبیل کے گال پر چٹکی بھری۔ ذک بھی آگے بڑھ کر گلے لگ گیا۔

"یااللہ ہمیں ان بلاؤں کے شر سے بچائے رکھنا۔ ہماری عزتوں کی حفاظت کرنا اور ہمیں اپنی امان میں رکھنا، آمین۔" جاسم کی سرگوشی پر عبیل کو ہنسی آگئی۔ (آمین ثم آمین) وہ زیر لب بڑبڑایا۔

روما نہ بیگم کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنا دل نکال کر بہن اور ان کے بچوں کے قدموں میں رکھ دیں۔ سائرہ اور سدرہ بھی بہت گرم جوشی اور خلوص کے ساتھ ان لوگوں سے ملیں۔ نوال اور شازیہ حیرت سے دونوں کارٹون ٹائپ نوجوانوں کو دیکھ رہی تھیں جو مکمل طور پر مغربی طور طریقے اپنائے ہوئے تھے۔

"ہائے سویٹی تم کون ہو؟" نوال جو ابھی جیزی میں گم تھی ذکا کو اپنے بالکل قریب دیکھا تو چونک گئی۔ وہ ہاتھ آگے بڑھائے بڑی محویت سے اسے گھور رہا تھا۔ پنک چوڑی دار پاجامہ سفید باریک پنک پھولوں والی لانگ فراک اور پنک ٹائی اینڈ ڈائی کے بڑے سے دوپٹے کو شانوں پر پھیلائے سرخ وسفید اور خوب صورت مشرقی حسن ذکا کے دل میں اتر گیا تھا۔

"جی...... جی...... میں نوال ہوں۔ نوال کلیم۔" نوال نے جلدی سے اپنا تعارف کروایا۔

"ہاؤ کیوٹ بہت سویٹ ہو تم۔" وہ ابھی تک نوال کو ہی گھورے جا رہا تھا۔

"آہم آہم......" عقیل نے پاس آ کر خاصی زور سے اسے مخاطب کیا۔

"یہ میری بڑی چاچی یہ چھوٹی چاچی ہیں۔" عقیل نے اس کی توجہ ہٹائی۔ اسے یوں ذکا کا نوال میں گہری دلچسپی لینا قطعی پسند نہ آیا تھا۔ نوال خود بھی پزل ہوگئی تھی کیونکہ عقیل سے زیادہ رومانہ بیگم کی تیز اور خطرناک نظروں کی زد میں تھی۔ ملنے ملانے کے مرحلے سے فارغ ہوئے تو رومانہ نے شبانہ سے کہا۔

"تم لوگ فریش ہو جاؤ تھکے ہوئے آئے ہو تھوڑا آرام کرلو رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی۔"

اوکے کہہ کر وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ سدرہ کو دیکھ کر شبانہ نے برا سا منہ بنایا تھا۔ شبانہ اور جازبیہ کے لیے ایک کمرہ اور ذکا کے لیے الگ کمرہ سیٹ کر دیا گیا تھا۔ نوال نے ایک طویل سانس لی۔

"یہ تم میں زیادہ انٹرسٹڈ لگ رہا ہے کارٹون ذرا بچ کر رہنا اس سے کہیں ایسا نہ ہو کہ بیچارے کا قتل پاکستانی ہیرو عقیل کے ہاتھوں ہو جائے۔"

"میں اتنا موقع ہی کب دوں گی۔ مجھے تو وحشت ہو رہی ہے ان صاحب کو اور ان کے حلیے کو دیکھ کر۔" نوال کی بات پر شازیہ مسکرا دی۔

❀......●❀●......❀

رات کے کھانے پر رومانہ بیگم نے خاصا اہتمام کروایا تھا۔ کھانے پر رومانہ بہت آؤ بھگت کر رہی تھیں۔ شبانہ نے سدرہ کا عجیب وغریب نظروں سے جائزہ لیا تھا۔ ان کی نظروں میں حقارت تھی کیونکہ انہیں سدرہ ذرا بھی اچھی نہ لگی تھی اور بقول ان کے اور رومانہ بیگم کی سوچ کے مطابق سدرہ بیگم نے ڈرامائی انداز میں انٹری مار کر ان کے حق پر ڈاکا ڈالا تھا۔ شبانہ بیگم نے رو رو کر ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا' رومانہ بہن کے دکھ پر خود بھی نڈھال تھیں مگر کیا کر سکتی تھیں سوائے اس کے کہ ساری زندگی سدرہ سے نفرت کریں' قدم قدم پر انہیں تضحیک اور ہتک کا نشانہ بنائیں۔ لفظوں سے ان کو زخمی کرتی رہیں۔ ایسا کر کے ان کو تشفی ملتی۔ سدرہ کا بجھا ہوا چہرہ' خجالت اور شرمندگی دیکھتی تو انہیں سکون ملتا جیسے وہ بدلے لے رہی ہوں' پھر شبانہ کا رشتہ قدرے بڑی عمر کے مگر امیر ترین شخص نواز سے ہو گیا اور وہ شادی کے بعد امریکہ شفٹ ہو گئیں لیکن سدرہ کو لے کر شبانہ اور رومانہ کے دل میں جو پھانس چبھی تھی اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی آج تک اس میں کمی محسوس نہیں ہوتی تھیں۔ سدرہ بے چاری ان تمام باتوں سے بے خبر تھی' دو دن بعد روحانہ کی شادی کے فنکشنز اسٹارٹ ہونے والے تھے۔ رومانہ' جازبیہ اور شبانہ کو لے کر مارکیٹ گئی تھیں تاکہ وہ لوگ یہاں کے حساب سے شادی میں پہننے کے لیے کپڑے لے سکیں۔

سائرہ اور سدرہ دونوں مل کر شادی کے امور پر باتیں کر رہی تھیں' نوال اور شازیہ لان کی طرف آ گئے دونوں مل کر صفائی کرنے لگیں۔ مایوں کا فنکشن یہیں پر ہونا تھا۔ ذکا کانوں میں ہینڈ فری لگائے موسیقی سے لطف اندوز ہو رہا تھا' یونہی اٹھ کر وہ کھڑکی میں آ کھڑا ہوا یہاں سے لان کا منظر

صاف دکھائی دے رہا تھا۔ شازیہ اور نوال کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ ذکا کی نظر اٹھی تو جیسے نوال پر جم کر رہ گئی گرین اور میرون کومبینیشن والے کاٹن کے عام سے سوٹ میں وہ مشرقی حسن کا مکمل شاہکار نظر آ رہی تھی۔ ذکا کا دل بے ایمان ہونے لگا تھا۔ اس کو دیکھ کر دل میں عجیب سی ہلچل ہونے لگی۔ مکروہ اور فحش خیالات جنم لینے لگے تھے وہ کچھ دیر دیکھتا رہا اور آخر کار کمرے سے نکل کر لان میں آ گیا۔

"ہائے کیوٹی۔" شازیہ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اسی والہانہ انداز میں نوال کے قریب آ کر اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ذکا بھائی میرا نام نوال ہے...... نوال کلیم۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہاؤ آر یو نوال......؟"

"الحمدللہ۔" نوال نے روکھے لہجے میں کہا۔

"ایک کپ چائے ملے گی؟" اس بار وہ شازیہ سے مخاطب ہوا۔

"شیور۔" شازیہ نے کہا۔ نوال سمجھ گئی کہ ذکا شازیہ کو وہاں سے بھیجنا چاہتا ہے۔ زیادہ بدتمیزی وہ کر بھی نہیں سکتی تھی' کیونکہ تائی اماں کی ناراضگی مول لینا آسان بات نہ تھی۔ وہ بادل ناخواستہ وہیں پودوں کے سوکھے پتے توڑنے لگی۔

"تم پڑھتی ہو؟" سوال کیا۔

"جی میں بی ایس سی کر رہی ہوں۔" بنا دیکھے جواب دیا۔

"واؤ میں سمجھا تم 9th یا 10th میں ہوگی' چھوٹی سی کیوٹ سی ہو۔" اس کے انداز پر نوال کو غصہ آ گیا۔ اسی وقت عقیل بھی آ گیا۔ عقیل کو دیکھ کر نوال کی جان میں جان آئی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

"ایکسکیوزمی۔ مجھے کچھ کام ہے آپ عقیل سے باتیں کریں۔" نوال جلدی سے کہہ کر اندر کی طرف چلی گئی۔ عقیل عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔ عقیل نے محسوس کیا تھا کہ ذکا کی کوشش ہوتی کہ زیادہ وقت نوال کے آس پاس رہے اس کی حرکتوں سے نوال کو جھنجلاہٹ ہوتی وہ جتنا اگنور کرتی ذکا اتنا ہی قریب آ جاتا۔ یہی حال جازبیہ کا تھا' وہ عقیل پر یونہی مہربان رہتی۔

آج روحانہ کے مایوں کی رسم تھی۔ نوال اور شازیہ نے ایک جیسے ڈریس پہنے تھے۔ ملٹی کلر بنارسی چوڑی دار پاجامے یلو جارجٹ کی لمبی فراکیں جس پر ملٹی کلر نازک ستاروں کا کام تھا اس پر ملٹی کلر چنریاں تھیں پھولوں کے زیور پہنے لمبے لمبے بالوں میں ملٹی کلر پراندے ڈال کر چٹیا بنائے ہلکے میک اپ میں دونوں بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ عقیل نے نوال کو تیار دیکھا تو ہاتھ کے اشارے سے پرفیکٹ کا نشان بنایا۔ نوال شرما گئی عقیل نے اس کی بے شمار پکس اپنے موبائل میں قید کر لیں۔ نظروں نظروں میں دونوں ایک دوسرے سے اظہار پسندیدگی کر رہے تھے کہ اچانک ذکا دونوں کے درمیان آ گیا۔

"واؤ آج تو بہت سوئٹ لگ رہی ہو۔" نوال کو دیکھ کر والہانہ انداز میں کہا۔

"عقیل پلیز ایک پک تو بنا دو۔" بے باکی سے کہتا ہوا نوال کے بالکل قریب ہو کر اپنا موبائل عقیل کی طرف بڑھایا۔ عقیل کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا۔ اس کو ذکا کی حرکت پر غصہ آ گیا۔ نوال بھی یوں اچانک ذکا کی قربت سے گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ عقیل کا بگڑتا موڈ دیکھا تو ایکسکیوزمی ابھی آئی کہہ کر جلدی سے وہاں سے کھسک لی۔

"او یار جلدی سے واپس آؤ۔" ذکا نے کہا۔ عقیل برا سا منہ بنا کر موبائل ذکا کے ہاتھ پر رکھ کر آگے کی طرف نکل گیا۔ عقیل منہ کھول کر کچھ کہہ بھی تو نہیں سکتا تھا۔ مما کی فیملی (میکے) سے پہلی دفعہ کوئی آیا تھا' یوں ناراض کرنا بھی اچھی بات نہ تھی۔ اس کے خیال میں نوال کو خود ہی احتیاط کرنا چاہیے تھی۔ وہ آگے بڑھا تو سامنے سے جازبیہ آتی دکھائی دی۔

"عقیل یو آر سو بیوٹی فل۔" اوپر سے نیچے تک دیکھ کر بے باکی سے کہا۔

"یک نہ شد دو شد۔" عقیل نے سر پیٹ لیا۔ "تھینک

یو۔" بادل ناخواستہ مسکرایا۔

"میں کیسی لگ رہی ہوں؟" گھوم کر باقاعدہ ماڈلنگ اسٹائل میں خود کو پوز کیا۔ ٹخنوں تک ٹراؤزر' شاٹ شرٹ اور دوپٹے سے بے نیاز' اونچی ہیل کی سینڈل میں کھلے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ عجیب ہی لگ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ عبیل کوئی جواب دیتا سامنے کمرے سے شبانہ تیار ہو کر باہر آئیں۔

"پلیز' پلیز ون منٹ دونوں کلوز ہو جاؤ' میں پکس لے لوں' بہت کیوٹ لگ رہے ہو ساتھ ساتھ۔" انہوں نے موبائل نکال کر والہانہ انداز میں کہا۔

"وائے ناٹ مما۔" جازیہ عبیل سے چپک کر کھڑی ہوگئی' عبیل گڑبڑا گیا۔ اتنی دیر میں شبانہ کے ساتھ جازیہ نے بھی دو تین سلفیاں لے لی تھیں۔

شادی کے تمام فنکشنز کے دوران ذکا مسلسل نوال کے آگے پیچھے رہا' نوال عجیب سی الجھن کا شکار رہی' شادی کا سارا مزا کرکرا ہو گیا تھا۔ کچھ بولنا بھی مشکل تھا اور نہ بولنا بھی عذاب تھا۔ اللہ اللہ کر کے شادی خیر سے ختم ہوئی' روحانہ شکیل کے ساتھ رخصت ہو کر چلی گئیں۔ عبیل نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ کھل کر روحانہ سے اپنے اور نوال کے رشتے کے لیے بات کرے گا۔

❁......●❁●......❁

شادی کے دو تین دن کے بعد سب نے پکنک کا پروگرام بنالیا۔ نوال کسی صورت پکنک پر جانا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے بھی سدرہ کی طبیعت کچھ خراب رہنے لگی تھی۔ اس بہانے سے نوال نے بھی جانے سے انکار کر دیا تھا۔ نوال کچن میں تھی کہ عبیل آ گیا۔

"تم پکنک پر نہیں جاؤ گی......؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں' مما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ نہیں جا پائیں گی تو مجھے گھر میں ان کے ساتھ رکنا ہوگا۔"

"ارے کیا ہوا سدرہ چچی کو بتایا بھی نہیں کسی نے؟" وہ پریشان ہوا۔

"کچھ خاص نہیں تھوڑا سا فیور ہے' میں نے دوا دے دی ہے ٹھیک ہو جائیں گی۔" نوال نے کہا۔

"اچھا...... کل زمان انکل کی مسز کیوں آئی تھیں؟" کل سے عبیل کو مسز زمان اور سدرہ چچی کو باتیں کرتے دیکھ کر عجیب سا احساس ہوا تھا' اس کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی۔

"وہ اپنے بھانجے کا رشتہ لے کر آئی تھیں' میرے لیے۔" وہ بدستور سالن میں چمچ چلاتے ہوئے بولی' آواز میں لغزش نمایاں تھی۔

"یہاں اتنا سب کچھ ہو رہا ہے اور...... اور...... مجھے بتانے کی زحمت بھی نہیں کی جا رہی...... واہ بہت خوب۔" وہ اس خبر سے خاصا پریشان ہوا تھا۔ یہ بات اس کے لیے باعث تشویش تھی۔

"مجھے بھی پتہ نہیں تھا' مما نے مجھے ابھی بتایا ہے' میں انہیں شادی میں اچھی لگی اور وہ رشتہ لے آئیں۔"

"تم...... تم کتنے اطمینان سے یہ سب دیکھ اور سن رہی ہو؟" اسے پکڑ کر گھمایا اور عین اس کے سامنے کھڑا ہو کر پوچھا۔ "سب کچھ جانتے ہوئے بھی کہ میں......"

"ہاں عبیل میں...... نے مما سے بات کی تھی' تمہارے حوالے سے مگر...... مما بیچاری خود جانتی ہیں کہ ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا۔ تائی اماں یہ بات ہرگز نہیں مانیں گی۔" اس کے لہجے میں مایوسی' دکھ اور اذیت نمایاں تھی۔

"ارے یار...... مجھے اپنی آخری کوشش تک تو موقع دو ناں' میں ہر حال میں تمہیں حاصل کروں گا' اپنی ساری کوششیں لگا دوں گا نوال تم...... مجھے بہت عزیز ہو' تمہیں کھونے کا تصور ہی میرے لیے جان لیوا ہوگا۔"

"عبیل...... میں...... میں بھی بھلا ایسا کب چاہتی ہوں۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"بس تم انہیں منع کر دو' میں موقع دیکھ کر جلد ہی مما سے بات کروں گا۔" عبیل نے اس کی نم آنکھوں کو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں کہا تو نوال مسکرا دی۔ عبیل کو لگا کہ اب اسے اس معاملے میں سیریس ہو کر کوئی اسٹیپ لینا ہوگا۔ نوال خوب صورت ہے' آج نہیں تو کل پھر اس کے لیے اچھے رشتے آ سکتے ہیں' سدرہ چچی کب تک کسی کو منع کریں گی۔

ادھر ذکا کی مہربانیاں اور کرم نوازیاں نوال پر کچھ زیادہ ہی ہونے لگی تھیں۔ وہ اٹھتے بیٹھتے' ادھر ادھر موقع دیکھ کر کوئی نہ کوئی بات کر جاتا۔ اس کے حسن پر کھل کر کوئی جملہ کہہ دیتا' ایک آدھ بار اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی' ایک بار چلتے چلتے نوال کا دوپٹہ پکڑ لیا' نوال کا دماغ اس کی حرکتوں پر گھوم جاتا۔ وہ بچ کر نکل جاتی۔ مبادا کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ ہنگامہ کھڑا ہو جائے۔ اس نے سدرہ کو یہ بات بتائی' سدرہ نے یہی کہا کہ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں یا شازیہ کے ساتھ رہے۔ نوال محتاط رہنے لگی تھی۔ کلیم بھی زندہ نہ تھے' وہ کس سے مدد مانگتی۔

اس روز تو حد ہی ہوگئی' نوال پڑھائی کر رہی تھی' روحانہ' جازیہ اور شبانہ شاپنگ کرنے گئی تھیں۔ سدرہ کو لے کر سائرہ ہاسپٹل گئی ہوئی تھیں۔ سدرہ کو ڈاکٹر نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیئے تھے وہی کروانے تھے۔ شازیہ کی دوپہر میں تھوڑی دیر کے لیے آنکھ لگی۔ ذکا بھی گھر پر نہیں تھا' نوال کے سر میں درد سا محسوس ہوا تو اس نے سوچا کہ ایک کپ چائے بنا کر پی لے وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر جیسے ہی پلٹی' اس کا سانس اوپر کا اوپر رہ گیا اس کے بالکل سامنے ذکا کھڑا تھا۔ وہی والہانہ اور چیپ انداز میں گھور رہا تھا۔

"آپ کب آئے کچھ چاہیے آپ کو؟" گھبرا کر نوال نے کئی سوال کر ڈالے۔

"ہاں جو چاہیے وہ تم دو گی مجھے؟" عامیانہ انداز میں آنکھ مار کر سوال کیا۔ نوال کو پسینے آ گئے۔ اس وقت گھر میں کوئی تھا بھی نہیں اور...... شازیہ بھی گہری نیند میں تھی۔

"جی...... جی...... کیا مطلب ہے آپ کا؟" آواز میں سختی پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی۔

"نوال آئی لو یو۔" اس نے گھٹیا انداز میں کہہ کر نوال کو کاندھے سے پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔

"پلیز...... پلیز...... تھوڑی دیر کے لیے میرے کمرے میں......؟"

"چٹاخ......" نہ جانے کہاں سے نوال کے اندر اتنی ہمت آ گئی تھی۔ "ذکا ہٹ جائیں میرے راستے سے' کیا سوچ کر اتنی گھٹیا بات کی آپ نے؟" اس نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا اور اس کو دھکا دے کر اپنے کمرے کی سمت بھاگی۔

وہ گال پر ہاتھ رکھے ہکا بکا اس دو فٹ کی لڑکی کی جرأت پر حیران رہ گیا۔ دل میں پیچ و تاب کھاتا ہوا وہ غصے سے بے قابو ہو رہا تھا اس کا بس چلتا تو اس لڑکی کو چڑیا کی مانند دبوچ لیتا' لیکن اسی وقت روحانہ وغیرہ بازار سے لوٹ آئے تھے۔

نوال دوڑ کر اپنے کمرے میں گئی دروازہ بند کیا اور بری طرح رو دی۔ باہر سے روحانہ وغیرہ کی آوازیں آ رہی تھیں' نوال نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ عبیل کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دے گی۔ جب تک سدرہ وغیرہ آئیں' نوال نے خود کو کسی حد تک نارمل کر لیا تھا۔ یہ بات اس نے شازیہ تک کو نہیں بتائی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ذکا اس حد تک گر سکتا ہے۔ چھیڑ چھاڑ کرنا' فقرے بازیاں' راستہ روکنا' یہ دیگر باتیں تھیں وہ سوچتی کہ جس ماحول سے آیا ہے اس لیے ایسی حرکتیں کرتا ہے مگر آج...... آج...... تو حد کر دی تھی اس نے' نہ جانے کب وہ لوگ واپس لوٹیں گے اور مجھے اس عذاب سے چھٹکارا ملے گا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

❁......●❁●......❁

"عبیل پاگل ہو گئے ہو کیا؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا...... تمہیں سارے جہاں میں کوئی اور لڑکی نظر نہ آئی۔ اس کی ماں نے پہلے کیا کم اذیت دی ہے' ہمیں کہ اب بیٹی کو اپنے سینے پر بٹھا لوں۔ ساری زندگی عذاب میں گزاروں میں؟" توقع کے عین مطابق جب عبیل نے نوال کے حوالے سے بات کی تو روحانہ بیگم ہتھے سے اکھڑ گئیں۔ "مجھے اندازہ تھا کہ ایسا کچھ ہونے والا ہے مگر کان کھول کر سن لو میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔ اپنی معصوم اور بھولی شکل کا فائدہ اٹھا رہی ہے وہ۔"

"مما جو کچھ بھی ہوا وہ گزر گیا' وہی ہم سب کے نصیب میں تھا۔ جس طرح سے سدرہ چچی اس گھر میں آئیں مگر

انہوں نے کبھی بھی شکایت کا موقع نہ دیا' ان کے ساتھ تو خود انہونی ہوئی تھی۔ وہ خود مظلوم اور بے گناہ تھیں اور کلیم چاچا نے ان سے شادی کر کے نیک کام کیا۔ اب ان سب باتوں کو یاد کر کے ایشو بنانے کا کیا مطلب ہے اور...... اور...... ان سب باتوں میں نوال کا کیا قصور؟" عمیل نے ٹھہرے لہجے میں ملامت سے کہا۔

"عمیل مجھے ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے اور تم جانتے نہیں بیٹا وہ چلتر باز ہے' اس کی معصوم شکل پر مت جاؤ' تم' وہ اندر سے بہت تیز ہے' وہ کسی صورت میری بہو بننے کے لائق نہیں۔"

"مگر مما......"

"اگر مگر کچھ نہیں بیٹا' تمہیں پتہ نہیں وہ لڑکی کس کس طرح ذکا پر بھی ڈورے ڈال رہی ہے۔ بہانے بہانے سے اس کے کمرے میں جاتی ہے۔" رومانہ بیگم نے تیر پھینکا۔

"نہیں مما' یہ سراسر الزام ہے۔ زیادتی ہے' نوال ایسا کچھ نہیں کر رہی' ذکا کی حرکتیں ٹھیک نہیں ہیں' میں نے خود نوٹس کیا ہے۔" عمیل نے ماں کی بات کاٹی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ذکا آوارہ ہے اور اسے ایسی حسین و جمیل لڑکی زندگی میں پہلی بار نظر آئی ہے۔" رومانہ کا لہجہ جاہلانہ تھا۔

"نہیں مما' بٹ ذکا جس ماحول سے آیا ہے' اسی وجہ سے وہ نوال سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا ہے۔" عمیل نے تنا ہستگی سے کہا۔

"صرف نوال سے ہی کیوں بے تکلف ہوتا ہے وہ؟ شازیہ بھی تو ہے گھر میں' اس سے تو فری نہیں ہوتا ذکا' ایسی کیا خاص بات ہے نوال میں؟" رومانہ کے سوال پر عمیل لاجواب ہوگیا۔

"مجھے اس کا نہیں پتہ بس میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ میں نوال سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور آپ کو گزشتہ تمام تلخیوں کو الجھے ہوئے تعلقات کو ختم کر کے ایک نیا اور مضبوط رشتہ بنانا ہوگا۔" عمیل حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا کر کمرے سے جا چکا تھا۔

"ایسا تو میں کسی صورت ہونے نہیں دوں گی بیٹا' تم کیا سمجھتے ہو تمہاری ماں اتنی آسانی سے تمہارے سامنے ہتھیار ڈال دے گی۔ اس وقت رومانہ بیگم مجبور تھیں جب سدرہ اس گھر میں آئی تھی' مگر اب...... اب رومانہ بیگم بھی ایسی چال چلیں گی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" دل ہی دل میں سوچتی ہوئی رومانہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

❁......●❁●......❁

نوال کو رات دیر تک نیند نہ آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ عمیل نے نہ جانے تائی اماں سے بات کی یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ ذکا کی اوچھی حرکت کے بارے میں جلد ہی موقع دیکھ کر عمیل کو بتا دے گی۔ سدرہ دواؤں کے زیر اثر گہری نیند میں تھی۔ تب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور جازیہ کا مسکراتا چہرہ نمودار ہوا۔

"نوال جاگ رہی ہو؟"

"ہاں...... آجاؤ۔" نوال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی نیند نہیں آ رہی' ذک بھی گھر پر نہیں ہے' بور ہو رہی ہوں تو سوچا ذک کے کمرے میں بیٹھ کر لیپ ٹاپ یوز کرلوں' مما بھی سو گئیں' وہاں بھی نہیں کر سکتی' تم پلیز ایک کپ چائے بنا کر لا دو گی؟" لمبی چوڑی تمہید کے بعد چائے کی فرمائش کر ڈالی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں' لاتی ہوں ابھی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"تھینکس ڈیئر۔" مسکرا کر کہتی ہوئی ذکا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ نوال چائے بنا کر لائی' ناک کر کے آواز دی' ایک قدم اندر رکھا ہی تھا کہ اچانک دروازے کے پیچھے سے ذکا نکل آیا۔

"تم خود آ گئیں واہ۔" اسے دیکھ کر خباثت سے ہنستا ہوا بولا۔

"آپ...... آپ کب آئے؟ مجھے تو جازیہ نے چائے کا کہا تھا۔ میں وہ لے کر آئی ہوں۔" خود پر کنٹرول کرتے ہوئے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر وہ تیزی سے پلٹی۔

"ارے ارے...... اتنی جلدی کس بات کی ہے' دراصل چائے میں نے ہی منگوائی تھی جازیہ کی ہیلپ لے کر۔" وہ خباثت سے قہقہہ لگا کر بولا۔ "ویسے تو تم ٹائم دیتی نہیں ہو مجھے یہ جھوٹ بولنا پڑا۔" وہ راستہ روکے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ جازیہ بھی نہیں تھی۔ جازیہ نے کتنی گھٹیا حرکت کی تھی۔ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"راستہ چھوڑیں میرا...... یہ کیا بدتمیزی ہے......؟" وہ ذرا سخت لہجے میں بولی اور نکلنا چاہا۔

"ارے واہ اتنے دنوں کی کوششوں کے بعد تو آج ہاتھ لگی ہو۔ بھلا کیسے جانے دیں تم کو۔"

"شرم کریں' کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"کس بات کا گھمنڈ ہے تم کو...... خود کو آخر کیا سمجھتی ہو تم......؟" ذکا نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑ لی......

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ چھوڑو میرا ہاتھ۔" تڑپ کر اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑانے کی ناکام کوشش کی۔

"بدتمیزی...... ابھی دکھاتا ہوں تم کو بدتمیزی اپنی...... میں تم کو آوارہ لگتا ہوں ناں؟ ہاں میں آوارہ ہوں۔ تمہیں آوارگی دکھاتا ہوں اپنی' تم جیسی لڑکیاں تو میری جیب میں پڑی رہتی ہیں۔ تم خود کو بہت حسین سمجھتی ہو' میں تم پر مرتا نہیں ہوں' تمہارا گھمنڈ' تمہارا غرور خاک میں ملانا چاہتا ہوں' میں تم سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا ہوں' بہت شریف بنتی ہو ناں تم' اپنی شرافت اور معصومیت سے لوگوں کو پاگل بناتی ہو۔ سب نکالتا ہوں تمہاری شرافت' پاکیزگی اور معصومیت' میں تمہیں بدنام کر دوں گا' تم میری نہیں تو تمہیں کسی اور کے قابل بھی نہیں چھوڑوں گا۔" کلائی کو زور سے جھٹکا دے کر وہ انتہائی مکروہ انداز میں بولا۔

"پلیز......" نوال کے پیروں تلے زمین نکل گئی اس کی آنکھوں میں وحشت تھی' عجیب سا جنونی انداز تھا اس کا۔

"میں چلاؤں گی' مجھے چھوڑو۔" وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔

"ہاں ہاں تو چلاؤ ناں' میں بھی تو یہی چاہتا ہوں۔" ذکا نے زور سے جھٹکا دے کر اسے اپنے قریب کیا' وہ لڑکھڑاتی ہوئی خود کو کنٹرول کرنے کی ناکام کوشش میں ذکا کے سینے سے آ لگی۔ ذکا اسی لمحے زور سے بولا۔

"یہ...... یہ کیا کر رہی ہو نوال' خود کو قابو میں رکھو۔" عین اسی لمحے رومانہ بیگم عمیل کو لیے دروازے پر موجود تھیں۔ ان کے پیچھے جازیہ اور شبانہ بھی تھے۔

"عمیل...... عمیل...... میں تو...... میں تو چائے لے کر آئی تھی یہاں پر جازیہ کے لیے۔" وہ دوڑ کر عمیل کے پاس پہنچی اور اس کا ہاتھ تھام کر سسک پڑی۔ عمیل خوف ناک نظروں سے نوال کو گھور رہا تھا۔

"دیکھا ناں تائی آپ نے خود ہی دیکھ لیا' آپ کو یقین نہیں آتا تھا ناں میری بات پر یہ بہانے سے میرے کمرے میں آتی ہے' جازیہ کے لیے چائے میرے کمرے میں کیوں لے کر آئی ہے یہ۔" ذکا نے مسکین شکل بنا کر رومانہ بیگم کو مخاطب کر کے بات بھی ان پر ہی رکھ دی۔

"نہیں تائی اماں...... نہیں...... یہ جھوٹ بول رہا ہے' میں نہیں آئی......" وہ التجا کر رہی تھی' شازیہ' شبانہ اور سدرہ بھی آوازوں سے جاگ گئے تھے اور وہاں پہنچ گئے تھے۔

"بکواس بند کرو۔"

"اگر ایسا ہوتا تو یہ تمہارے کمرے میں جاتا' تم خود اس کے کمرے میں نہیں آتیں۔" رومانہ بیگم نے اس کی بات کاٹ کر زہر خند لہجے میں کہا۔ "میں ہی پاگل تھی' کہ ذکا کی بات کو غلط سمجھا' تم کو پارسا سمجھتی رہی مگر تم تو گری ہوئی نیچ لڑکی ہو۔"

"تائی اماں یہ جھوٹ ہے' ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ گڑگڑائی۔

"بکواس بند کرو اپنی۔" رومانہ نے اس کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"عمیل...... عمیل' خدا کے لیے تم اس بات کا یقین مت کرنا۔ میں' جازیہ کے کہنے پر چائے بنا کر لائی تھی

بس۔ میں سچ کہہ رہی ہوں عجیل...... جازیہ تم بتاؤ ناں تم خود میرے کمرے میں آئی تھیں اور اپنے لیے چائے بنانے کو کہا تھا۔" وہ جازیہ کی جانب پلٹی۔

"یہ کیا بک رہی ہو تم......؟ جازیہ پچھلے دو گھنٹے سے میرے ساتھ سو رہی تھی۔" اس بار شبانہ بیگم نے تیز لہجے میں کہا۔

"اف......!" نوال کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"عجیل...... تم...... تم کو تو میری بات کا یقین ہے ناں۔" وہ تڑپ کر عجیل کے پاس پہنچی۔ اسے یقین تھا عجیل اس کی بے گناہی کا یقین کرلے گا' وہ اسے بچپن سے جانتا تھا اس سے پیار کرتا تھا۔

"نوال مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔" عجیل کے ایک جملے نے گویا اس کی جان نکال دی تھی۔ جس پر اسے سب سے زیادہ یقین تھا اس نے ایک جملے میں اسے بے وقعت اور ذلیل کر دیا تھا۔ اس کے ایک جملے نے ساری امیدوں اور اعتماد کا خون کرڈالا تھا۔

"عجیل...... عجیل......" وہ چیخ کر آگے بڑھی مگر...... عجیل کمرے سے جاچکا تھا۔ جاتے جاتے یہ کہہ گیا تھا۔

"تمہارا اس کے کمرے میں اس وقت آنا کیا معنی رکھتا ہے۔" نوال کی رہی سہی ہمتیں ختم ہوچکی تھیں۔ نوال کا دل چاہ رہا تھا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

"مما' تائی امی' شازیہ' پلیز پلیز میں ایسی نہیں ہوں۔" ذکا' جازیہ اور شبانہ چہروں پر حقارت لیے کھڑے تھے۔ سدرہ آنکھیں پھاڑے منہ کھولے اس افتاد پر حیران' پریشان تھیں' انہیں اپنی بیٹی پر پورا بھروسہ تھا' وہ مر تو سکتی ہے مگر کبھی بھی ایسی گری ہوئی گھٹیا حرکت کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ نوال کو عجیل کے برتاؤ نے ختم کرڈالا تھا۔ اوپر سے تائی اماں کے الفاظ کسی زہر کی مانند اس کی رگ و پے میں اترتے جارہے تھے۔

"عجیل آج خود دیکھ لیا ناں اپنی آنکھوں سے اس لڑکی کے کرتوت' اس کو میں اپنی بہو بناؤں' تیرا اصرار تھا ناں؟ آج سے بیس سال پہلے اس کی ماں نے بھی نہ جانے کیا کیا' کہ اس کی بارات نہ آئی اگر ہم ایک غلطی اس وقت نہ کرتے تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ ہم نے سوچا بھی نہ تھا' ہمارے گھر کی لڑکی' ہمارا خون اتنا نیچ' اتنا گھٹیا ہوسکتا ہے' ہمارے گھر کی لڑکی آوارہ اور بدچلن ہوسکتی ہے' جیسی ماں ویسی بیٹی۔" آج روما نہ اپنے اندر کا برسوں سے بھرا ہوا زہر نکال رہی تھیں۔ وہ بھی اس بہن کے سامنے جس کی وجہ سے وہ سدرہ سے جلتی تھیں۔ ان کو اپنے اندر کا برسوں پرانا غبار نکالنے کا موقع بیس سال بعد ملا تھا۔ وہ عورت جس سے ساری زندگی جلتی رہیں' نفرت کرتی رہیں اس عورت کی بیٹی کو اپنی اکلوتی بہو بنانے کا وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھیں اور اس خوب صورتی سے آج یہ پتہ صاف ہو رہا تھا۔

"میں آوارہ...... بدچلن نہیں ہوں مما...... میں نے کچھ نہیں کیا تائی امی...... شازیہ......" وہ ہذیانی انداز میں روتے ہوئے تیورا کر گر پڑی' سدرہ خود ایسے کھڑی تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو نوال کو گرتا دیکھ کر وہ دوڑیں۔

اس کے ساتھ سائرہ اور شازیہ بھی بھاگی' جاسم بھی جاب کے سلسلے میں باہر چلا گیا تھا' وہ ہوتا تو عجیل کو سمجھانے کی کوشش کرتا۔ سائرہ اور شازیہ کو یقین تھا کہ نوال کبھی بھی ایسا نہیں کرسکتی وہ بچی ہے اور یہ سارا کھیل ان لوگوں نے مل کر عجیل کو بدظن کرنے کے لیے کھیلا ہے۔ وہ لوگ بہ مشکل نوال کو ہوش میں لائے۔ ذکا مسکراتے ہوئے واک مین لگائے میوزک سن رہا تھا آج اس کے اندر کی آگ بھی سرد پڑ گئی تھی۔ دو فٹ کی لڑکی نے تھپڑ مارا تھا اس روز سے ذکا کا خون کھول رہا تھا۔

وہ رات نوال اور سدرہ پر کسی قیامت سے کم نہ تھی۔ سدرہ گزشتہ بیس سالوں سے رومانہ بیگم کے طنز' نفرت اور قدم قدم پر طعنے برداشت کرتی آئی تھی مگر آج...... آج تو انہوں نے نیچ حرکت کی تھی کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کسی کی پاک دامنی پر یوں دھبہ لگانا' جھوٹا الزام لگا کر یوں رسوا اور بدنام کردینا کتنی غلیظ اور گھناؤنی حرکت تھی۔ انہوں نے اپنی نفرت کا اتنا بڑا انتقام لے لیا تھا کہ

سدرہ اور نوال کو لگ رہا تھا کہ زندگی ان پر تنگ ہوگئی ہو انہیں لگ رہا تھا وہ ایک پل بھی زندہ نہ رہ سکیں گی' دونوں ماں بیٹی سسک رہی تھیں' نہ نیند تھی نہ پل بھر کا سکون۔ اس گھر میں ایک پل بھی رہنا ان کے لیے مرجانے کے مترادف تھا' جہاں ان کی عزت پر حرف آ گیا تھا۔ وہ کسی صورت ان لوگوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ جن لوگوں نے ان کی رگ رگ میں زہر بھرے نشتر جیسے الفاظ بھر دیئے تھے۔ جن کی آنکھوں میں نفرت' حقارت اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ اتنی تذلیل' اتنی تضحیک کے بعد یہاں رہنا بہت مشکل تھا۔ ایک ایک لمحہ ایک صدی بن کر گزر رہا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے انہوں نے کچھ ضروری چیزیں سمیٹیں اور گھر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

❁......●❁●......❁

صبح روشنی ہونے سے پہلے نوال سائرہ بیگم کے کمرے میں تھی۔ وہ اور شازیہ دونوں اٹھ کر ان کے کمرے میں آئے تھے۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو؟ تم جوان ہو' خوب صورت ہو تم اس طرح کہاں ماری ماری پھرو گی' کہاں جاؤ گی؟ تم بیمار ماں کو لے کر کہاں ٹھوکریں کھاتی پھرو گی۔"

"تائی امی اللہ بہت بڑا ہے' ایک در بند کرتا ہے تو ستر کھول دیتا ہے اور مجھے پتہ ہے کہ میرے پاپا نے جو کمایا تائی اماں کے ہاتھ پر دھر دیا ہے نہ حساب مانگا' نہ اپنا حق...... اور آج...... میرے پاپا نہیں ہیں تو یہ لوگ دو وقت کا کھانا کھلا کر بھی احسان کرتے ہیں ہم پر......" نوال روتے ہوئے بولی اور شازیہ اور سائرہ تڑپ کر آگے بڑھے وہ دونوں بھی رونے لگی تھیں۔

"نوال یہ اتنا آسان نہیں ہے' جیسا تم سمجھ رہی ہو۔" شازیہ نے روتے ہوئے کہا۔

"شازیہ میں یہاں ایک پل بھی رکی تو گھٹ گھٹ کر مرجاؤں گی۔ تم...... تم...... تو جانتی ہو ناں میرے اور عجیل کے بارے میں ایک ایک بات تمہیں بتائی ہے میں نے' اب...... میں کس طرح رہ پاؤں گی یہاں' تم خود سوچو۔"

نوال کی بات پر شازیہ نے سسکی لی' نوال ٹھیک کہہ رہی تھی' عجیل کے رویے نے اس کو توڑ ڈالا تھا۔

"اچھا ایک بات سنو۔" اچانک سائرہ کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ "میری دور کی ایک رشتے دار ہیں' ان کا ایک بیٹا ہے وہ باہر رہتا ہے' ان کو کوئی اچھی اور بھروسے کی خاتون چاہیے جو ان کے ساتھ رہ سکے میں تم لوگوں کو ان کا پتہ دیتی ہوں۔ وہاں جا کر تم میرے حوالے سے بات کرلینا' وہ بہت اچھی اور نیک خاتون ہیں ان کو صحیح حالات کا بتا دینا وہ ضرور تمہاری مدد کریں گی۔" سائرہ نے ان کا پتہ اور فون نمبر لکھ کر دے دیا۔ سائرہ اور شازیہ خود بھی بہت دکھی اور افسردہ تھیں اور مسلسل رو رہی تھیں۔

گھر سے نکلتے وقت سدرہ کی حالت بہت بری تھی۔ اس نے اس گھر میں بیس سال گزارے تھے۔ کلیم کے ساتھ' اماں جان کی شفقت کے سائے میں' رومانہ بھابی کی نفرت' سائرہ کی محبت اور یاسر بھائی نے ہمیشہ بہنوں کی طرح خیال رکھا تھا۔ سدرہ کے ماں باپ کا انتقال ہوچکا تھا' تینوں بہنیں ملک سے باہر تھیں' میکے کے نام پر بھی کوئی نہ تھا۔ یہاں سدرہ کو اس بڑے سے گھر کے ایک ایک کونے سے انسیت ہوگئی تھی۔ نوال نے یہاں پر بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ جاسم' روحانہ' عجیل اور شازیہ کے ساتھ مل کر بہت مزے کیے تھے۔ عجیل کی آنکھوں سے خوب صورت پیغام پڑھتی اور شاد ہوجاتی تھی گو کہ اس کو لگتا تھا کہ تائی اماں عجیل کی شادی اس سے کرنے میں بہت ہنگامہ کریں گی مگر ایک امید...... ایک آس تھی کہ شاید عجیل ان کو منالے اور سب کچھ اچھا ہوجائے مگر...... مگر...... یہاں تو کچھ بھی اچھا نہیں ہوا تھا...... سب کچھ برا ہوگیا تھا۔ تکلیف دہ اور اذیت ناک...... نوال کا دل کر رہا تھا کچھ کھا کر مرجائے لیکن...... پھر سدرہ کی شکل دیکھ کر چپ ہوجاتی مجبور اور بے بس ماں کو کس کے سہارے چھوڑ جاتی۔ رومانہ اور شبانہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوچکی تھیں۔ رومانہ پہلے ہی سدرہ کی وجہ سے بہن کے سامنے شرمندہ تھیں اب انہیں بیٹے سے بھی خطرہ لاحق تھا وہ بھلا یہ کیسے برداشت کرسکتی

تھیں‘ ان کے شاطر دماغ نے خوب کام کیا پھر ساتھ شبانہ‘ ذکا اور جازبہ جیسے فتنے بھی شامل ہوگئے تو ان کا پلان فٹ ہوگیا تھا۔

عمیل بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ اس کا ذہن یہ ماننے سے انکار کر رہا تھا کہ نوال ایسا کرسکتی ہے‘ مگر...... دوسرے ہی لمحے وہ سین...... کہ نوال ذکا کے سینے سے لگی ہوئی تھی اور ذکا کے الفاظ...... اگر ذکا قصوروار ہوتا تو وہ نوال کے کمرے میں جاتا...... نوال اس کے کمرے میں نہ ہوتی...... اور...... جب نوال کو یہ لگتا تھا کہ ذکا اس کے ساتھ اوچھی حرکتیں کرتا ہے تو سب کچھ جان کر سمجھ کر وہ رات کو اس کے کمرے میں کیوں گئی؟ اسے ذکا سے دن میں بھی بچ کر رہنا چاہیے تھا نا کہ وہ رات کے اس پہر اس کے روم میں جاتی...... اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کھوچکا تھا دونوں مٹھیاں بھینچے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ نوال کو اس نے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا نوال کی خاطر اپنی ماں سے ٹکر لینے کو بھی تیار تھا۔ وہ ہر حال میں اپنی آخری سی کوشش کرکے نوال کو اپنانا چاہتا تھا۔

”نوال تم نے بہت غلط کیا...... ایسا کرنے کا کیا مطلب تھا...... تمہیں دولت سے پیار تھا یا پھر......؟“ عمیل نے اپنے بال مٹھی میں جکڑ لیے...... اور ڈھیر سارے آنسو آنکھوں سے بہہ نکلے۔

❁......●❁●......❁

سدرہ آنے والے حالات کا سوچ کر بہت متفکر تھیں کہ ان لوگوں نے اتنا بڑا فیصلہ تو کرلیا تھا‘ گھر چھوڑنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ ایک جوان بیٹی کو لے کر کسی اجنبی جگہ‘ اجنبی گھر میں جا کر رہنا کیا یہ صحیح ہوگا......؟ جب کہ نوال بھی یہ فیصلہ کرکے خاصی پریشان تھی لیکن اس قدر تذلیل کے بعد اتنا سب کچھ سننے کے بعد وہ ایک پل بھی وہاں نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ دونوں نے خود کو اللہ کے حوالے کردیا تھا۔

”تائی اماں آپ نے یہ سب ٹھیک نہیں کیا...... ساری زندگی آپ کو مما سے بیر رہا اور اب...... اب آپ نے میرے ساتھ اتنا گھناؤنا کھیل کھیلا ہے آپ کو یہ سب کرنا زیب نہیں دیتا۔ مجھے آپ نے میرے ناکردہ گناہ کی بہت بھیانک سزا دی ہے۔ مجھے صفائی کا موقع بھی نہ دیا...... مجھے میری نظروں میں ہی ذلیل کرکے رکھ دیا آپ نے......“ ٹیکسی میں بیٹھ کر بھی وہ مسلسل روئے جارہی تھی۔ ان کے بتائے ہوئے پتے پہ جا کر ٹیکسی رک گئی۔ وہ دونوں مختصر سامان کے ساتھ نیچے اتریں‘ چیک کیا تو گیٹ پر بھی پتہ لکھا تھا۔ اللہ کا نام لے کر بیل بجائی‘ تو ایک ادھیڑ عمر کی بردبار خاتون نے دروازہ کھولا۔

”میں سدرہ ہوں اور یہ میری بیٹی نوال۔“

”آئیں آئیں۔“ خاتون نے بات پوری ہونے سے پہلے ہی ہٹ کر راستہ دیا اور خوش دلی سے اندر بلایا‘ ان کو سائرہ بیگم نے کال کرکے تھوڑا بہت بتادیا تھا۔ چھوٹا سا لان عبور کرکے وہ لوگ اندر کی طرف آگئے۔

”بیٹھیں۔“ لاؤنج میں رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کرکے وہ خاتون بھی بیٹھ گئیں۔ سدرہ اور نوال بھی صوفے پر ٹک گئے۔ ”اختری بوا ٹھنڈا پانی لے آئیں۔“ خاتون نے آواز دے کر کہا تو ایک چالیس پینتالیس سالہ بھاری جسم کی عورت ٹھنڈے پانی کی بوتل اور دو گلاس ٹرے میں رکھ کر لے آئی۔

”اختری بوا یہ میری دوست ہیں سدرہ اور یہ ان کی بیٹی نوال‘ یہ لوگ ہمارے ساتھ رہیں گے‘ آپ ان کے لیے کمرہ سیٹ کردیں۔“

”جی اچھا۔“ کہہ کر اختری بوا نے گلاسوں میں پانی ڈال کر ان دونوں کو تھمایا اور پھر دوسری جانب چلی گئیں۔

”میرا نام ثروت خانم ہے۔ مجھے سائرہ نے سب کچھ بتادیا ہے‘ سائرہ میری دور کی رشتہ دار ہے‘ کسی زمانے میں ہم بہت اچھے دوست بھی تھے اب زیادہ بات چیت نہیں ہوتی۔ سائرہ بہت نیک‘ مخلص اور ہمدرد ہے‘ اگر اس نے تم لوگوں کو بھیجا ہے تو یقیناً تم لوگ ایسے ہوگے جن پر آنکھ بند کرکے اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ میرا ایک بیٹا ہے جو باہر رہتا ہے‘ میں اور اختری بوا ہی ہوتے ہیں بس۔ تم لوگ یہاں آرام اور اطمینان سے رہ سکتے ہو اپنا گھر سمجھ کر‘ یہاں تم لوگوں کو کوئی مشکل نہیں ہوگی ان شاءاللہ۔“ ثروت خانم کی بات سے سدرہ بیگم کے ساتھ ساتھ نوال کو بھی دلی سکون ہوا۔

”بہت شکریہ ثروت آپا اگر اللہ کے بعد آپ کا سہارا نہ ہوتا تو پتہ نہیں ہم ماں بیٹی کہاں دھکے کھا رہے ہوتے۔“ سدرہ بیگم کی آواز شدت جذبات سے بھرا گئی تھی۔

”نہیں نہیں سدرہ‘ ایسی بات مت کرو۔ یہ سب اللہ پاک کا کرم ہے‘ تم لوگ بے قصور ہو‘ مجبور ہو اس لیے اللہ پاک نے مجھے وسیلہ بنایا کہ میں تمہارے کام آسکوں۔ تم لوگ کچھ دیر آرام کرلو فریش ہوجاؤ‘ لنچ پر ملاقات ہوگی۔“ ثروت خانم نے بات مکمل کرکے اٹھتے ہوئے کہا۔ اختری بوا نے کمرہ صاف ہوجانے کا کہا تو دونوں اٹھ کر اختری بوا کے پیچھے کمرے کی جانب چل دیں۔

”واقعی اللہ کی ذات بڑی کارساز ہے وہ کس طرح سے وسیلے بنادیتا ہے لیکن میں بہت جلد ہی ٹیوشن یا کچھ کام وغیرہ کرکے سیٹ ہونے کی کوشش کروں گی۔“ نوال دل ہی دل میں سوچتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

❁......●❁●......❁

گو کہ رہنے کے لیے مناسب اور محفوظ جگہ مل گئی تھی لیکن وہ لوگ اس طرح کب تک رہ سکتے تھے یوں کسی پر بوجھ بن جانا بھی تو اچھی بات نہ تھی۔ نوال نے سوچ لیا تھا کہ وہ جاب کرے گی۔ اس نے بی ایس سی کے پیپرز دیے تھے۔ رزلٹ کا انتظار تھا اسے کہیں جاب مل سکتی تھی‘ کافی دوڑ دھوپ کے بعد اسے ایک فرم میں جاب مل گئی۔ نوال نے ثروت خانم سے بات کی کہ اوپر کے پورشن میں آدھا حصہ انہیں دے دیں جہاں وہ کرائے دار کی حیثیت سے رہ کر زیادہ کمفرٹیبل محسوس کریں گے۔ ثروت خانم ان کی کیفیت سمجھ سکتی تھیں ان کو اندازہ تھا کہ ماں بیٹی بہت خوددار ہیں اور مجبور بھی۔ انہوں نے اوپر کا پورشن سدرہ اور نوال کو دے دیا۔ گھر کے استعمال کا کچن کا کچھ سامان ثروت خانم نے دے دیا اور مختصر سا سامان نوال نے کمپنی سے ایڈوانس لے کر باقی کا انتظام کرلیا تھا۔ یوں دو کمرے‘ چھوٹا سا صحن‘ واش روم اور چھوٹا سا کچن ان کے زیر استعمال آگیا۔ اتنے بڑے گھر سے آئے تھے وہ‘ وہ گھر میں بھی حصے دار تھے‘ مگر یہاں کون حصے کی بات کرنے کے قابل تھا‘ اس پر تو رومانہ اپنا حق ہی جماتی تھیں۔ کچھ عرصے تو سدرہ اور نوال کو اس طرح سے رہنا کچھ عجیب سا لگا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ لوگ نارمل ہوتے گئے۔ ویسے بھی اب تو ان کو اس طرح سے ایسے ہی حالات میں گزارا کرنا تھا نہ جانے کب تک؟ آہستہ آہستہ ان کی زندگی میں ٹھہراؤ آتا گیا۔ اس طرح سے زندگی کے عادی بنتے گئے۔ نوال نے اپنی روٹین بنالی تھی۔ دونوں ماں بیٹی فجر کی نماز کے وقت جاگتیں‘ نماز سے فارغ ہوکر نوال دونوں کے لیے ناشتہ بناتی‘ کبھی کبھی ثروت خانم کے لیے بھی بنادیتی۔ اختری بوا اتنی جلدی ناشتہ نہیں کرتی تھیں وہ ناشتہ لے کر نیچے جاتی تو ثروت خانم اسے بہت ساری دعائیں دیتیں۔

”بوا آپ کے لیے چائے لادوں؟“ اختری بوا سے بھی پوچھ لیتی۔

”نہیں بچے جیتی رہو۔ ہم خود بنالیں گے۔“ وہ بھی دعا دے دیتیں۔

ناشتے سے فارغ ہوکر نوال آفس جانے کی تیاری کرتی اور آفس چلی جاتی۔ سدرہ کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو وہ صفائی کرکے کھانا پالیتیں ورنہ نوال شام کو آکر کھانا پکاتی تھی‘ سدرہ کبھی نیچے چلی جاتیں تو کبھی ثروت خانم اوپر کا چکر لگالیتیں۔ اور یوں گپ شپ بھی چلتی رہتی۔ نوال کو شدت سے عمیل کی یاد آتی‘ کبھی کبھی راتوں کو خود بخود آنکھیں بھیگ جاتیں۔ مگر دوسرے ہی لمحے نوال سر جھٹک دیتی اور سدرہ بیگم کو دیکھ کر سوچتی کہ میرا مما کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔

❁......●❁●......❁

”میں نے تمہاری رائے نہیں پوچھی‘ اپنا فیصلہ سنا رہی ہوں‘ سنا تم نے......؟“ رومانہ بیگم نے اخبار پڑھتے ہوئے عمیل کو مخاطب کرکے تیز لہجے میں کہا۔

"مما...... مجھے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنی' اس لیے آپ یہ ذکر نہ ہی کریں تو بہتر ہے' مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔" عجیل نے بدستور اخبار پر نگاہیں جمائے بیزار لہجے میں کہا۔

"ارے واہ...... ایسے کیسے ذکر نہ کروں...... کیسے بات نہیں کرنی ہے تم کو اس موضوع پر؟ ساری زندگی یونہی سوگ میں گزار دو گے؟ میرے دل میں تمہیں لے کر کوئی ارمان' کوئی خواہش نہیں ہے' تمہاری بہن کے دل میں کوئی ارمان نہیں ہے؟"

"مگر مما میرے دل میں کوئی ایسی خواہش نہیں ہے' کوئی جذبہ' کوئی چاہ بھی نہیں۔" عجیل دوٹوک لہجے میں بولا۔

"مجھے ہر حال میں تمہاری شادی کرنی ہے تم ایک ایسی لڑکی کے لیے اپنی زندگی برباد کر رہے ہو جو کسی طور تمہارے قابل نہ تھی۔ نہ جانے آج بھی کہاں ہوگی؟ وہ اس قابل تھی ہی نہیں کہ میری بہو بن سکے' وہ آوارہ' بدچلن اور......"

"پلیز مما...... ہزار بار کہی ہوئی باتیں مجھے نہیں سننی' وہ کیا تھی' کیسی تھی' مجھے سب پتہ ہے پلیز اس کا ذکر چھوڑ دیں' جو دل چاہے کریں آپ۔" اخبار زمین پر پھینک کر عجیل زور سے کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ روحانہ کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ نوال ایسا نہیں کر سکتی اسے اپنی ماں پر تو نہیں البتہ ذکا اور جازیہ پر شک تھا کہ انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہوگا۔

"مگر آپی...... میں نے خود اس کو ذکا کے ساتھ دیکھا ہے' اگر ذکا خراب لڑکا تھا تو نوال کو آدھی رات کو وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی......؟" یہی وہ سوال تھا جس کو لے کر عجیل تڑپ جاتا تھا۔ روحانہ دکھ سے سر ہلا کر رہ گئی۔

رومانہ نے برسوں پہلے ہونے والی کمی کو اس طرح پورا کرنے کا فیصلہ کیا کہ جازیہ اور عجیل کی شادی کر دی جائے' اس طرح وہ دکھ جو بہن کو ملا تھا' کسی حد تک اس کا ازالہ ہو سکتا تھا' جازیہ بہت خوش تھی اسے تو عجیل بہت اچھا لگتا تھا۔

"عجیل تم...... تم' جازیہ سے شادی کرنے پر خوش ہو؟" روحانہ نے عجیب سا سوال کر ڈالا تھا۔

"آپی میں نے ہمیشہ نوال کو ہی چاہا تھا' اسے ہی لائف پارٹنر کی حیثیت سے سوچا' آپ کو بھی تو اس بات کا علم ہے ناں؟ اب اگر وہ نہیں تو کوئی بھی ہو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا' میری خواہش' میری آرزو تو پوری نہ ہو سکی تو کم از کم مما کی خوشی ہی پوری کر دوں۔ وہ تو خوش ہو جائیں گی ناں؟ میرے اندر تو شادی کو لے کر نہ کوئی جذبہ ہے نہ خواہش اور نہ ہی ارمان۔" عجیل کے لہجے میں بے پناہ دکھ بول رہے تھے اس کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھ کر روحانہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"نوال...... تم کہاں چلی گئیں' اس طرح سے غائب ہو جانا تمہیں اور مشکوک بنا رہا ہے' تم یہیں رہتیں تو بہت کچھ ہو جاتا' شاید کوئی حل نکل آتا۔" روحانہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

❁......●❁●......❁

شبانہ' ذکا اور جازیہ واپس امریکہ جا چکے تھے کیونکہ اب سارا کاروبار ختم کر کے وہ پاکستان شفٹ ہونا چاہتے تھے اور پھر عجیل اور جازیہ کی شادی بھی ہو جانی تھی وہ سال بعد لوٹ آنے والے تھے۔ شازیہ کی شادی اس کے ننھیال میں ہو گئی تھی۔ وہ اپنے میاں کے ساتھ جرمنی چلی گئی تھی' سائرہ بیگم بھی جاسم کے پاس چلی گئی تھیں۔ اب سارے گھر پر صرف اور صرف رومانہ بیگم کا ہی راج تھا' راج تو شروع سے ہی تھا مگر اب وہ مکمل مالک و مختار بن بیٹھی تھیں۔

❁......●❁●......❁

چار پانچ دن سے سدرہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ان کو ہارٹ کا مسئلہ تھا' ساتھ ساتھ استھما پرابلم بھی تھی۔ آج صبح سے ہی سانس بہت تیز تیز چل رہا تھا۔ نوال کو بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے آج آفس سے چھٹی کر لی تھی۔ صبح سے دو بار نیبولائز بھی کر چکی تھی۔ ثروت خانم کا بیٹا بھی امریکہ سے آیا ہوا تھا۔ سدرہ بیگم کا سانس زیادہ

اکھڑنے لگا تو نوال روتی ہوئی نیچے کی طرف بھاگی۔

"آنٹی...... آنٹی مما کی طبیعت بہت خراب ہے' کسی ایمبولینس کو بلوا دیں' ان کو ہاسپٹل لے جانا ہوگا۔"

"تم فکر مت کرو سارب ہے ناں وہ گاڑی میں لے جائے گا۔ تم پریشان مت ہو۔" انہوں نے ناشتہ کرتے ہوئے بیٹے کی طرف اشارہ کیا جو چند دن پہلے ہی گھر لوٹا تھا۔

نوال نے پلٹ کر دیکھا گرین ٹراؤزر اور بلو ٹی شرٹ میں وہ انہی کی طرف متوجہ تھا۔

"انہیں زحمت ہوگی اور یہ ناشتہ بھی کر رہے ہیں۔ مما کی حالت بہت خراب ہے۔" وہ بے صبری سے بولی۔

"زحمت کیسی بیٹا تم اکیلی پریشان ہوگی۔ اٹھو سارب گاڑی نکالو۔" انہوں نے کہا تو سارب چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر اٹھ گیا۔

"اوہ بہت شکریہ۔ میں مما کو لے کر آتی ہوں۔" واپس اوپر کی طرف بھاگی۔

"مما' چلیں انہیں ہاسپٹل جانا ہے۔" مگر...... سدرہ کی حالت کافی خراب ہو رہی تھی۔

"ن...... ن...... نوا...... ل۔" انہوں نے بہ مشکل بے ترتیب سانسوں کو جمع کر کے نوال کو پکارا۔

"جی...... جی مما ہمت کریں پلیز۔" سدرہ کی پل پل بگڑتی حالت نوال کے لیے اذیت ناک تھی۔

"مجھے...... معاف کر دینا میری...... بچی......" وہ بہ مشکل کہہ پا رہی تھیں۔

"مما ایسا مت کہیں' مما پلیز......" وہ زارو قطار رو رہی تھی۔ سدرہ نے کانپتا ہوا ہاتھ آگے بڑھایا نوال کو پکڑ کر قریب کیا اس کے ماتھے پر آخری بوسہ لیا اور...... آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کر لیں۔

"مما...... مما......" وہ اتنی زور سے چیخی تھی کہ ثروت خانم' اختری بوا اور گاڑی نکالتا ہوا سارب بھی بری طرح چونکا۔ سب لوگ بے حد تیزی سے اوپر کی جانب بھاگے۔ نوال سدرہ کے بے جان وجود کو جھنجوڑ رہی تھی۔

"مما...... مما...... آنکھیں کھولیں مما...... یہ کیا ہو گیا......؟ مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں مما؟ میں کیسے رہ پاؤں گی آپ کے بنا...... میں مر جاؤں گی......" ثروت خانم نے بے اختیار روتے ہوئے کرسی کا سہارا لے لیا۔ اختری بوا نے آگے بڑھ کر نوال کو سنبھالا...... سارب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے' اسے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوا تھا' آج پہلی بار اس نے نوال کو دیکھا تھا' نوال اختری بوا کی بانہوں میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ ثروت خانم بھی دکھ اور غم سے نڈھال تھیں ان کو یہ ماں بیٹی بہت اچھی لگی تھیں' ان کے حالات سن کر ان سے شدید ہمدردی بھی ہو گئی تھی۔ اور اب نوال...... نوال کو اس کی واحد غم گسار' دوست جیسی ماں بھی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ نوال پر غم کا پہاڑ ٹوٹا تھا' ثروت خانم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس کو بلائیں کس کو اطلاع دیں؟ وہ صرف سائرہ بیگم کو جانتی تھیں اور وہ بھی پاکستان میں موجود نہ تھیں۔ نوال کی حالت دیکھ کر ثروت خانم نے ڈاکٹر کو بلوایا کچھ دیر بعد نوال کو ہوش آیا تو وہ ثروت خانم سے لپٹ کر تڑپنے لگی۔

"آنٹی...... آنٹی' میں کیسے جی پاؤں گی؟ مما مجھے کس کے سہارے چھوڑ گئی ہیں...... کون میرا خیال رکھے گا......؟" وہ تڑپ رہی تھی' بلک رہی تھی' یہی حال ثروت خانم کا بھی تھا۔

"بیٹی ایسا نہیں کہتے' یہ اللہ پاک کی مصلحت ہے' اس کی رضا کے آگے ہم سب بے بس ہیں' وہ جسے چاہے بلائے اس کی رضا پر راضی رہنا ہے میری بچی...... اللہ پاک ہے ناں وہ مدد کرنے والا ہے' خود کو اکیلا کیوں سمجھتی ہو' میں ہوں ناں...... مجھے تم بیٹی کی طرح عزیز ہو...... تم مجھے اپنی ماں سمجھ سکتی ہو...... خود کو سنبھالو ہمت و حوصلے سے کام لو اگر کسی کو اطلاع کروانی ہے تو کر دو ورنہ ہم تدفین کا بندوبست کرواتے ہیں۔"

"میرا کوئی نہیں ہے آنٹی' ایک ماں تھی وہ بھی چلی گئی' اب آپ کو اختیار ہے آپ تدفین کروا دیں۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔ سدرہ بیگم کی آخری رسومات بھی ادا

ہوگئیں۔ وہ خشک خشک آنکھوں سے سب کچھ دیکھتی رہی بس قرآن پاک پڑھتی اور ماں کے لیے دعائیں مانگا کرتی۔ ثروت خانم کو اس چھوٹی سی مظلوم لڑکی پر بہت ترس آتا تھا نوال کے آفس کے کچھ لوگ بھی آئے تھے پرسہ دے کر چلے گئے تھے۔

"بیٹی کبھی بھی خود کو اکیلا مت سمجھنا میرا گھر تمہارے لیے ہمیشہ کھلا رہے گا جب تک چاہو ساری زندگی بھی رہ سکتی ہو میں رہوں یا نہ رہوں تم کو کوئی اس گھر سے نہیں نکالے گا۔ میں تمہیں تمہاری ماں جیسا پیار تو نہیں دے سکتی مگر وعدہ کرتی ہوں کہ پوری کوشش کروں گی کہ ایک ماں کی طرح تمہیں اپنی بیٹی سمجھوں ایک ماں اپنی بیٹی کے حوالے سے جو کچھ سوچ سکتی ہے میں وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کروں گی میری کوشش ہوگی کہ تم کو میری ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچے بلکہ جتنا ممکن ہو سکون اور تحفظ ملے۔" نوال کے ہاتھ تھام کر ثروت خانم نے ملائمت اور دل کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ رندھے ہوئے لہجے میں یقین دلایا تو نوال نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور ان کے گلے لگ کر رو پڑی۔

"اللہ پاک آپ کو اجر دے آنٹی کہ آپ غیر ہو کر بھی میرے لیے اتنا سوچتی ہیں میرے لیے بھی آپ ہمیشہ ماں کی طرح قابل احترام رہیں گی۔" نوال نے کہا تو ثروت خانم نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ لیا۔

نوال کسی حد تک مطمئن ہوگئی تھی اللہ تعالیٰ نے ثروت خانم کی صورت میں نیک اور ہمدرد خاتون سے ملوادیا تھا ورنہ آج وہ نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہوتی۔ چار دن بعد نوال نے آفس جانا شروع کردیا تھا۔ ثروت خانم نے اسے سختی سے منع کردیا تھا کہ وہ رات کا کھانا نہیں پکائے گی بلکہ نیچے آکر ان کے ساتھ کھایا کرے گی۔ اسے یہ کچھ عجیب لگا مگر ثروت خانم کی محبت کے آگے وہ چپ ہوگئی۔ ویسے بھی سارب اکثر ہی رات کو اس وقت گھر پر نہ ہوتا اختری بوا کھانا لگانے سے پہلے آواز دے دیتی اور وہ نیچے آجاتی ثروت خانم اختری بوا اور وہ تینوں مل کر کھانا کھاتے ثروت خانم اس سے جاب کے حوالے سے دن بھر کی باتیں کرتیں وہ کبھی ثروت خانم کے سر میں تیل لگا دیتی تو کبھی پیروں کی مالش کردیتی ثروت خانم ڈھیروں دعائیں دیتیں۔ زندگی ایک طریقے سے گزرنے لگی تھی۔

اس روز اتوار کا دن تھا۔ نوال کی چھٹی تھی۔ آج نوال نے گھر کی تفصیلی صفائی کی تھی۔ پھر سارے ہفتے کے کپڑے دھوئے ناشتہ کافی لیٹ کیا اس لیے لنچ کا موڈ نہیں ہوا تو دوپہر میں نہا کر ڈائجسٹ لے کر لیٹ گئی۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ اختری بوا اس کو بلانے آگئیں۔

"ثروت بی بی نے آپ کو نیچے بلوایا ہے۔"

"جی اچھا۔" وہ اٹھ کر فوراً ہی نیچے آگئی۔ ثروت خانم اپنے کمرے میں تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ اختری بوا نوال کے لیے بھی چائے لے آئیں۔

"ارے بوا میں بنا دیتی چائے آپ نے کیوں تکلیف کی۔" کپ ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے نوال نے کہا۔

"نہیں بچے ہمیں عادت ہے کام کرنے کی اگر ہم کام نہ کریں تو بیمار ہوجائیں گے۔" اختری بوا نے مسکراتے ہوئے کہا اور واپس کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"جی آنٹی بولیں آپ نے یاد کیا تھا مجھے؟" نوال نے ثروت خانم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹی۔" انہوں نے کچھ دیر رک کر اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی آنٹی!" وہ ہمہ تن گوش تھی۔

"نوال گو کہ مجھے تمہارے لیے کوئی فیصلہ لینے کا حق نہیں ہے مگر میں تم کو دل سے اپنی بیٹی مانتی ہوں تو کیا اس حیثیت سے میں تمہیں کچھ کہہ سکتی ہوں؟" انہوں نے جملہ مکمل کر کے سوالیہ نظروں سے نوال کی جانب دیکھا۔

"ارے آنٹی...... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ کو پورا پورا حق ہے آپ نے جن حالات میں پہلے میرا اور مما کا

اور مما کے بعد میرا خیال رکھا...... آپ مجھے حکم دے سکتی ہیں کیونکہ مجھے امید ہے کہ آپ میرے لیے کبھی غلط سوچ ہی نہیں سکتیں اور میں آپ کا ہر حکم مانوں گی۔"

"بس تو پھر تم میری سچ مچ بیٹی بن جاؤ۔" اس کی بات مکمل ہوتے ہی ثروت خانم نے جلدی سے کہا۔

اس نے نا سمجھتے ہوئے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

"میرے سارب کی دلہن بن جاؤ۔ سارب نے امریکہ میں شادی کی تھی مگر لڑکی انتہائی آزاد خیال اور خود مختار تھی اس لیے بہت کم عرصے میں سارب نے اس کو طلاق دے دی۔ میرا بیٹا کھویا کھویا رہنے لگا ہے۔ وہ اندر سے ٹوٹ گیا ہے تم چاہو تو وہ زندگی کی طرف لوٹ سکتا ہے۔ وہ شادی شدہ ہے تم کنواری ہو میں تم پر زبردستی نہیں کر رہی ہوں صرف اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے میرے لیے تم بھی بہت اہمیت رکھتی ہو میں سمجھتی ہوں کہ اب تم بھی میری ذمے داری ہو میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں میں مرنے سے پہلے اپنا یہ فرض پورا کرنا چاہتی ہوں تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو مجھے تمہارا فیصلہ مقدم رہے گا اگر نہیں تو میں خود لوگوں سے کہہ کر تمہارے لیے اچھا سا لڑکا دیکھ کر تمہیں اپنے گھر سے بیٹی کی طرح باعزت طریقے سے رخصت کرنا چاہوں گی تاکہ مجھے بھی سکون اور اطمینان حاصل ہو کیونکہ اگر خدانخواستہ کل کو مجھے کچھ ہوگیا تو تمہیں اس طرح یہاں رہتا دیکھ کر دنیا ہزار باتیں بنائے گی۔ زمانہ بہت خراب ہے تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں......؟ اس لیے ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر مجھے جلد ہی اپنے دل کی بات اور فیصلہ سنا دو جو تم چاہو گی جیسا چاہو گی ویسا ہی ہوگا۔"

نوال نے بہت غور سے ان کی باتیں سنی تھیں کتنا سچ اور حقیقت سے قریب ترین بول رہی تھیں کتنے خیال سے اس کے بارے میں سوچ رہی تھیں اس کے مستقبل کو لے کر کتنی فکر مند تھیں وہ...... دفعتاً اس کے ذہن میں [illegible] آگیا۔ دل سے ایک آہ نکلی دوسرے لمحے اس نے اپنا سر جھٹکا اور حال میں واپس آگئی ایک لمحے میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

"آنٹی مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے مجھے کہیں نہیں جانا یہیں رہنا ہے آپ کے پاس آپ کے ساتھ آپ کی خدمت کرتے کرنی ہے۔" بات ختم کر کے اس نے ثروت خانم کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر بے تحاشا خوشی کے آثار تھے۔

"جیتی رہو میری بچی اللہ پاک تم کو خوش رکھے۔" انہوں نے نوال کو سینے سے لگالیا۔

"اب میں سکون سے مر سکوں گی کہ میرے سارب کی زندگی میں اچھی اور باحیا لڑکی آگئی ہے مجھے دونوں کی طرف سے اطمینان ہوگیا ہے۔" شدت جذبات سے ثروت خانم رو پڑیں۔

نوال یہ فیصلہ کر کے کچھ مطمئن تھی کہ اسے مستقل اور بہتر پناہ گاہ مل جائے گی یہاں رہنے کا مدلل اور ٹھوس جواز بن جاتا اس نے نہ تو سارب کو غور سے دیکھا تھا نہ کبھی اس سے بات کی تھی وہ لاابالی اپنے آپ میں مگن رہنے والا پراؤڈ سا بندہ لگتا تھا عمر بھی زیادہ تھی۔

"اگر تم چاہو تو سارب سے بات کر سکتی ہو۔" ثروت خانم نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔

"نہیں آنٹی اس کی ضرورت نہیں۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ اگلے دن ہی ثروت خانم اسے اپنے ساتھ بازار لے گئیں اچھا سا جوڑا خریدا ساتھ میچنگ جیولری چوڑیاں اور دیگر سامان لیا اور پھر چار دن کے بعد کچھ گواہوں کی موجودگی میں نوال کا نکاح سارب سے ہوگیا۔ وہ اوپر کے پورشن سے نیچے سارب کے بیڈ روم میں شفٹ ہوگئی۔

سارب کے کمرے میں آکر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر چاروں طرف دیکھا کافی اچھا کمرہ تھا بڑا سا بیڈ الماری ڈریسنگ ٹیبل کمپیوٹر ٹرالی ایزی چیئر وہ بیڈ پر ٹک گئی اور گزشتہ سال اس کی نظروں میں آگئے۔ اپنے گھر سے بے عزت ہو کر نکلنا ثروت خانم کے یہاں آنا جاب کے لیے ماری ماری پھرنا سدرہ بیگم کی بیماری ان کی موت

موت کے بعد کے حالات اور اب...... اب...... وہ...... شادی شدہ ہوچکی تھی۔ سب ایک ڈرامے کی صورت میں ہوا تھا۔ سارب کمرے میں آیا تو نوال نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔ اونچا لمبا سانولا سا سارب خاصا پرکشش اور اسمارٹ تھا اس وقت عام سے براؤن شلوار قمیص میں تھا۔

"تم خوش تو ہوناں؟" آتے ہی پہلا یہ سوال کیا۔

"جی ہاں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"میرے بارے میں تمہیں سب پتہ ہے ناں؟"

"جی......" مختصر سا جواب دیا۔

"مجھے تمہارے بارے میں مما نے سب کچھ بتادیا ہے کہ تم اور تمہاری مما کن حالات میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں تک آئے تھے' تمہارے گھر والوں کا رویہ تم لوگوں سے اچھا نہ تھا۔ بہر حال مجھے اس سے کوئی غرض نہیں' تم میری مما کی پسند ہو اس لئے میرے لیے قابل عزت ہو۔ میں تمہارے بارے میں کچھ اور نہیں پوچھوں گا تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں کہ میں کچھ عرصہ پہلے امریکہ میں تھا' تو بہت بگڑا ہوا تھا۔ وہاں پر میری دوستیاں ایسے پاکستانی لڑکے اور لڑکیوں سے تھی جن کے پاس روپے پیسے کی کمی نہیں تھی اور میں نے مما کو بتائے بنا ایسی ہی ایک لڑکی سے شادی بھی کرلی مگر وہ لڑکی شادی کے بعد بھی ویسی ہی رہی' ذرا سا بھی نہیں بدلی' میں نے بہت سمجھایا اسے لیکن وہ کسی صورت نہ مانی اور میں نے کچھ عرصے بعد اسے ڈیورس دے دی میں بہت بددل ہوگیا تھا۔ لڑکیوں پر سے میرا یقین اور بھروسہ اٹھ گیا تھا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ کبھی بھی شادی نہیں کروں گا پر مما کے اصرار پر شادی کے لیے راضی ہوگیا۔ مما نے تمہاری بہت تعریف کی ہے اور تمہارے بارے میں مجھ سے بہت باتیں کرتی ہیں اس لیے میں نے سوچا کہ مما نے انتخاب کیا تو غلط نہ ہوگا اور میرے خیال میں بقول مما کے پاکستانی لڑکیوں میں جن کی تربیت اچھی مائیں کرتی ہیں ان میں شرم' پاکیزگی اور حیا ہوتی ہے وہ قابل بھروسہ اور قابل اعتبار ہوتی ہیں' امید ہے کہ تم میرے اس خیال کو سچ اور صحیح ثابت کرکے اس گھر اور میرے دل پر حکومت کروگی۔"

"ان شاء اللہ۔" سارب چپ ہوا تو نوال نے جلدی سے کہا' سارب کی باتوں سے وہ جہاں مطمئن ہوئی تھی وہاں تھوڑی سی پریشان بھی...... شاید مما نے سارب کے سامنے سارب کی فطرت کو سمجھتے ہوئے یہی بات نہ بتائی تھی کہ وہ کیوں گھر سے نکلے تھے۔ مطلب مجھے بھی یہ بات چھپانی ہوگی۔

"کیا سوچ رہی ہو......؟" سارب کی آواز پر وہ چونکی۔

"کک...... کچھ نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔

سارب نے اس کی جاب چھڑادی اب وہ مکمل طور پر گھرداری اور ثروت خانم کی خدمت میں لگی رہتی۔ اس کی وجہ سے اختری بوا کو بھی بہت سہولت ہوگئی تھی۔ اب وہ بھی بوڑھی ہوگئی تھیں۔ زیادہ کام کرتیں تو سانس پھولنے سے تھک جاتی تھیں' پھر کمر اور گھٹنوں میں درد کی شکایت بھی رہتی تھی۔ نوال نے سب کچھ بڑی اچھی طرح سے سنبھال لیا تھا ثروت خانم دعائیں دے دے کر نہ تھکتی تھیں۔ گو کہ سارب اس سے والہانہ انداز میں چاہت کا اظہار نہیں کرتا' ناز نخرے اور لاڈ نہیں اٹھاتا تھا لیکن خیال رکھتا تھا' بات بھی نرمی سے کرتا' گھر میں ایک سسٹم بن گیا تھا اکثر چھٹی والے دن سارب اور نوال شاپنگ کرنے چلے جاتے' کبھی کبھی راشن اور سبزی بھی لے آتے' کبھی گھومنے پھرنے چلے جاتے' نوال کسی حد تک مطمئن اور خوش تھی۔ کچھ دنوں سے ثروت خانم کی طبیعت کچھ خراب رہنے لگی تھی ایک روز ہلکا سا چیسٹ پین بھی ہوا تھا' نوال اور سارب ان کو لے کر ہاسپٹل گئے تو ڈاکٹر نے دل کا مسئلہ بتایا' دونوں پریشان ہوگئے۔ ڈاکٹر نے دوائیں تجویز کردیں' نوال اب اور زیادہ خیال رکھنے لگی تھی۔

اس روز بھی حسب معمول نوال فجر کی اذان کے ساتھ ہی اٹھ گئی۔ وضو کرکے باہر آئی تو خلاف معمول ثروت خانم ابھی تک سو رہی تھیں۔

"ارے بوا مما نہیں اٹھیں ابھی تک۔" نوال نے اختری بوا کو اپنے کمرے سے نکلتا دیکھ کر پوچھا۔

"جی بیجے دیکھتی ہوں۔" کہہ کر اختری بوا ثروت خانم کے کمرے کی طرف چلی گئیں اور اسی لمحے اختری بوا کی چیخ سنائی دی۔

"نوال...... بیٹا سارب جلدی سے آؤ۔" وہ زور سے چلائی تھیں' آواز اتنی تیز تھی کہ سارب بھی جاگ گیا' نوال اور سارب بھاگتے ہوئے ثروت خانم کے کمرے میں جا پہنچے۔ ثروت خانم دنیا ومافیہا سے بے خبر بے حس وحرکت پڑی تھیں' آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر گہری اور آسودہ مسکراہٹ تھی' جانے رات کے کس پہر ان کی سانسیں ختم ہوگئی تھیں۔

"مما...... مما......" سارب پاگلوں کی طرح ان کے بے جان وجود کو ہلا رہا تھا۔ نوال آنکھیں پھاڑے یہ دیکھ رہی تھی یہ سب کیا ہوگیا تھا؟ رات کو سونے سے پہلے ثروت خانم نے کتنی ڈھیر ساری باتیں نوال سے کی تھیں' اپنی زندگی کے نشیب و فراز' خوشیاں اور غم سب نوال کے ساتھ شیئر کیے تھے' کیسے ان کی شادی ابصار صاحب سے ہوئی' پھر سارب کے بچپن میں ہی ابصار صاحب کا انتقال ہوگیا' تو انہوں نے کس طرح سے سارب کو سنبھالا بھری جوانی میں بیوگی کے ساتھ معصوم بچے کو سنبھالنا کس قدر مشکل ہوتا ہے' کن کن مسائل کا سامنا کرنا پڑا' نوال کا دل بھی ان کو چھوڑ کر جانے کا نہیں چاہ رہا تھا' رات کے دو بج گئے تو انہوں نے ہی زبردستی نوال کو سونے کے لیے بھیجا تھا' نوال کو کیا خبر تھی کہ وہ ثروت خانم سے آخری بار مل رہی ہے' یہی آخری خدمت ہے' آخری بار باتیں کررہی ہے' اسے کیا خبر تھی کہ صبح سب کچھ ختم ہوجائے گا؟ وہ اختری بوا کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ سارب بھی عجیب قسم کی صورت حال سے حیران و پریشان تھا۔ غم زدہ اور ماں کے یوں چلے جانے پر ششدر بھی تھا۔

ثروت خانم کی آخری رسومات بھی ادا کردی گئی تھیں۔ گھر پر عجیب قسم کی وحشت کا راج تھا۔ نوال کو بے تحاشا رونا آرہا تھا۔ ثروت خانم سے وابستہ ایک ایک بات یاد آرہی تھی' وہ بہت اداس ہوئی تو ثروت خانم کے کمرے میں آگئی۔ ہر چیز اسی طرح جگہ پر موجود تھی چھوٹا سا بیڈ جس پر سفید چادر بچھی ہوئی تھی' چادر پر ننھے ننھے کاسنی کلر کے پھول تھے' ایک طرف خاصی بڑی لکڑی کی الماری رکھی تھی۔ جس میں ان کے دھلے دھلائے استری شدہ کپڑے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ کتنی ویرانی اور وحشت برسنے لگی تھی ثروت خانم کے انتقال کے بعد' ہر چیز سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ سارب بالکل چپ ہوکر رہ گیا تھا۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' صرف ثروت خانم کو ہی دیکھا۔ ثروت خانم نے سارب کی ہر ضد' ہر خواہش پوری کی حتیٰ کہ اس نے اپنے دوستوں کی باتوں میں آکر امریکہ کی رنگینیوں اور آزادی کے قصے سن کر امریکہ جاکر پڑھنے کی ضد پر اسے خود سے دور بھی کردیا' امریکہ جاکر سارب پڑھنا وڑھنا چھوڑ کر عیش کرنے لگا اس نے اس وقت ثروت خانم کا پیسہ اڑایا' بے جا اخراجات بھی کیے کافی عرصہ وہاں سے الگ رہا' آج اسے یہ بھی احساس ہورہا تھا۔ وہ بہت مضمحل ہوگیا تھا۔ رہ رہ کر ثروت خانم کا پیار' محبت' خیال رکھنا سب کچھ یاد آرہا تھا۔ وہ خود بھی بہت ٹوٹ گیا تھا۔

نوال نے ایسے وقت میں بہت پیار اور حسن سلوک سے اس کا غم بٹایا۔ اس کی کوشش سے سارب بھی رفتہ رفتہ نارمل ہوگیا تھا۔ یہ تو زندگی کی اٹل حقیقت ہے' ہر کسی کو اپنے عزیزوں کا جان سے پیاروں کا دکھ تو سہنا ہی پڑتا ہے' وقتی طور پر لگتا ہے جیسے زندگی تھم سی گئی ہو' مرنے والے کو بھولنا بھی اپنی موت جیسا لگتا ہے' لیکن یہ بھی اللہ پاک کی قدرت اور کرم ہے کہ رفتہ رفتہ انسان نارمل ہونے لگتا ہے' زندگی کا جمود ٹوٹ جاتا ہے اور ان کے سامنے آس پاس رہنے والوں کے لیے خود کو زندہ رکھنے کا جواز پیدا ہوجاتا ہے' اسی طرح نوال اور سارب بھی آہستہ آہستہ نارمل ہوتے گئے۔ سارب آفس جانے لگا' آفس کے کاموں میں مصروف ہوگیا اور نوال نے خود کو گھر کے کاموں میں مصروف کرلیا۔

❁......●❁●......❁

روما نہ بیگم آج بہت خوش تھیں' کیونکہ ان کے اکلوتے

بیٹے عبیل کی شادی تھی۔ ان کی لاڈلی اور اکلوتی بہن کی بیٹی جازبیہ ان کی بہو بن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے گھر آنے والی تھی اور یہ تو ان کی آرزو تھی کہ وہ امریکہ پلٹ اپنی لاڈلی بھانجی کو ہی بہو بنا کر لائیں گی۔ خوب دھوم دھام سے ساری رسومات ادا ہوئیں' آخر کار شادی کا دن بھی آ گیا' شبانہ نے بھی دل کھول کر اپنے ارمان نکالے تھے۔ رخصتی کے بعد جب سب لوگ ہال سے گھر واپس آئے تو رومانہ بیگم نے بیٹے اور بہو پر سے بکروں کے صدقے اتارے اور پھر روحانہ سے کہا کہ دلہن دلہا کو اندر لے جاؤ۔ روحانہ آگے بڑھی تو جازبیہ نے ہاتھ اٹھا کر روحانہ کو آگے بڑھنے سے روک دیا......!

"کیوں کیا ہوا؟" روحانہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"آپی آپ رہنے دیں' ہم خود چلے جائیں گے۔" جازبیہ نے باقاعدہ روحانہ کو ہاتھ سے پرے کیا اور خود عبیل کا ہاتھ تھام آگے بڑھ گئی۔

"ہائیں......" رومانہ نے حیرت سے جازبیہ کو دیکھا۔ "بیٹی تم دلہن ہو اور ہمارے یہاں ایسا ہی ہوتا ہے...... کیوں شبانہ......؟" رومانہ نے پہلے جازبیہ کو کہا اور پھر شبانہ سے تصدیق چاہی۔

"ارے آپا چھوڑیں' آپ بھی کن دقیانوسی اور فرسودہ رواج اور روایات کی بات کر رہی ہیں' آج کل کا دور ان سب فضولیات کا نہیں ہے۔ یہ آج کے دور کے بچے ہیں' ان لوگوں کو ان کی مرضی پر چھوڑ دو اب یہ میاں بیوی ہیں' اپنی مرضی کے مالک ہیں' ہم کیوں کباب میں ہڈی بنیں۔" شبانہ قہقہہ لگا کر بولیں۔ رومانہ حیرت سے بہن کا منہ تکنے لگیں۔ اس سے پہلے کہ کوئی مزید کچھ کہتا جازبیہ عبیل کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی' روحانہ منہ پھاڑے دیکھتی رہی۔

"لو بھئی دلہن بیگم نے پہلے دن ہی رنگ دکھانا شروع کر دیا۔" رومانہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ شبانہ بھی آگے بڑھ گئی تھی۔ ولیمہ کی تقریب بھی ہو گئی' جازبیہ کے تو تیور ہی بدل گئے تھے۔ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لا رہی تھی۔ اس کے تو ناز اور نخرے دیکھنے والے تھے وہ تو بالکل ہی بدل گئی تھی۔ عبیل تو چپ ہو کر رہ گیا تھا۔ شبانہ اور ذکا واپس امریکہ چلے گئے تھے کیونکہ بقول ذکا کے یہاں مستقل نہیں رہ سکتے' وہ بچپن سے امریکہ جیسے آزاد ماحول کے عادی تھے...... انہیں یہاں کی زندگی پسند نہ آئی تھی اور ذکا جیسا لڑکا جس کی فطرت میں آوارگی تھی وہ بھلا کہاں عزت اور چین کی زندگی گزار سکتا تھا۔ جازبیہ بھی عبیل کو پسند کرنے لگی تھی اس لیے شبانہ نے اس کی شادی کر دی تھی اور ماں بیٹا واپس امریکہ لوٹ گئے۔ روحانہ بھی کچھ عرصہ رہ کر اپنے سسرال واپس چلی گئی تھی۔ اب گھر میں رومانہ' عبیل اور جازبیہ رہ گئے تھے۔

گھر کے کام کے لیے ماسیاں تھیں' جو سارے کام کر دیا کرتی تھیں۔ اس روز بھی صبح صبح جھاڑو والی ماسی آئی وہ ابھی باہر کی صفائی کر رہی تھی کہ کسی کام سے اپنے کمرے سے جازبیہ نکلی' انتہائی باریک سلیولیس کپڑے پہنے ہوئے تھی' رومانہ بیگم کی نظر پڑی تو انہیں بے حد شرم آئی۔

"جازبیہ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" رومانہ بیگم نے قدرے تیز آواز میں کہا۔

"کیوں کیا ہو گیا؟" الٹا سوال کر ڈالا۔

"اس حلیے میں تمہارا یوں باہر آنا انتہائی غیر مناسب ہے۔" رومانہ بیگم نے بدستور تیز لہجے میں کہا۔

"اگر آپ کو غیر مناسب لگتا ہے تو میری طرف مت دیکھیں۔" بدتمیزی سے کہتی ہوئی وہ واپس کمرے میں چلی گئی۔ اس روز رومانہ بیگم نے موقع دیکھ کر عبیل سے جازبیہ کی اس حرکت کے لیے بات کی۔

"یہ آپ کا اور اس کا معاملہ ہے مما' وہ آپ کی پسند' آپ کی چاہت اور آپ کی خواہش پر آپ کی بہو بن کر آئی ہے نہ میں نے پسند کیا تھا اور نہ ہی خواہش' اب آپ کو برداشت تو کرنا ہوگا وہ جیسی ہے جو بھی کرتی ہے آپ کی بہو ہے۔" عبیل کے دوٹوک اور صاف جواب پر رومانہ بیگم دم بخود رہ گئیں۔

جازبیہ تو شادی کے بعد بالکل ہی بدل گئی تھی۔ گرگٹ بھی اتنی جلدی رنگ نہیں بدلتا جتنی تیزی سے جازبیہ نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیئے تھے۔ شادی سے پہلے ہر وقت آنٹی آنٹی کر کے رومانہ بیگم کے آگے پیچھے پھرتی تھی' ہر بات میں' ہر چیز میں' رومانہ بیگم سے مشورہ لیتی مگر اب تو رومانہ کو کسی گنتی میں ہی نہیں لاتی تھی۔ عبیل بھی بالکل خاموش رہتا رومانہ بیگم کو لگتا کہ وہ مکمل طور پر جازبیہ کی گرفت میں آ چکا ہے' جازبیہ نے اس کو کوئی تعویذ گھول کر پلا دیا ہے۔ روزانہ شبانہ کی کال آ جاتی' کبھی ویڈیو کال' دونوں ماں بیٹی گھنٹوں اندر کمرے میں نہ جانے کیا کیا باتیں کرتی رہتیں' پہلے شبانہ رومانہ بیگم سے کتنی کتنی دیر بات کرتی تھی مگر اب صرف جازبیہ سے باتیں' کبھی کبھار رومانہ بیگم سے سلام دعا کر لیتیں اب وہ ذکا کے لیے لڑکیاں تلاش کر رہی تھیں۔ اس سلسلے میں جازبیہ کو لڑکیوں کی پکس دکھائی جاتیں اور کبھی کبھی لڑکیوں سے بات بھی کروائی جاتی تھی۔ جازبیہ ڈیلی تیار ہو کر نکل جاتی' کبھی کبھار عبیل ہوتا' ورنہ وہ تنہا ہی شاپنگ کرنے کبھی واک کرنے نکل جاتی۔ پیچھے اتنے بڑے گھر میں رومانہ بیگم بولائی بولائی پھرتی رہتیں' شادی کے بعد جازبیہ کا یوں بدل جانا' عبیل کی مسلسل چپ اور اکیلے پن کی وجہ سے رومانہ بیگم چڑچڑی ہو گئی تھیں' وہ کتنے پیار اور ارمان سے جازبیہ کو یہ سوچ کر بیاہ کر لائی تھیں کہ بھانجی ہے میرا خیال رکھے گی' مجھے پیار کرتی ہے میرے ساتھ یقیناً ایڈجسٹ ہو جائے گی' مگر...... مگر...... ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔

پھر شبانہ بیگم ذکا کے ساتھ نہ جانے کیوں مستقل پاکستان آ گئیں۔ پوش ایریے میں گھر لے لیا تھا۔ اب تو جازبیہ کے انداز مزید بدل گئے تھے اور مصروفیت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ رومانہ بیگم بھی فطرتاً تیز طرار اور منہ پھٹ تھیں وہ بھلا جازبیہ سے پیچھے کیوں رہتیں' کچھ نہ کچھ کہتی رہتیں اور جواب بھی ضرور سنتی تھیں۔ روحانہ نے کہا تھا کہ وہ چھٹی والے دن صبح سے شام تک کے لیے آئے گی اور رومانہ بیگم نے اس بات کا ذکر جازبیہ کے سامنے کر دیا تھا۔

عبیل صبح سے کہیں گیا ہوا تھا' ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر جازبیہ بھی تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلی تو رومانہ بیگم نے اسے غور سے دیکھا۔

"کہاں جا رہی ہو تم......؟"

"مما نے بلوایا ہے شاپنگ کرنی ہے انہیں۔" شان بے نیازی سے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر میں نے بتایا تھا ناں کہ آج روحانہ آ رہی ہے کافی دن بعد تو آنے کا کہا ہے اس نے' اس لیے تم شاپنگ کرنے نکل چلی جانا' اس کے ساتھ احتراز بھی آ رہا ہے اچھا نہیں لگے گا کہ تم گھر پر نہ ملو۔" رومانہ بیگم نے نرم لہجے میں کہا۔

"اوہو آنٹی' یہ کون سی اتنی اہم بات ہے' روحانہ آپی امریکہ سے تو نہیں آ رہی کہ دوبارہ نہیں آ سکتیں' وہ پھر آ سکتی ہیں اور میرا کوئی اتنا ضروری نہیں ہے کہ ان سے ملوں...... ویسے بھی مما میرا ویٹ کر رہی ہوں گی۔" وہ تیز لہجے میں کہتی ہوئی مزید کچھ سنے تیزی سے آگے کی طرف بڑھ گئی۔ رومانہ بیگم مٹھیاں بھینچے دم بخود اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ کس قدر بدتمیز تھی وہ' رومانہ بیگم جو پورے خاندان میں تیز' ہٹ دھرم اور حاکمانہ طبیعت کی مشہور تھیں' اس دو فٹ کی لڑکی کے آگے بے بس ہو گئی تھیں۔ وہ کوئی بات نہ مانتی' کسی بات پر عمل نہ کرتی' وہی کرتی جو دل کرتا' جو اس کی مما کی طرف سے ہدایات ہوتیں اور رومانہ بیگم چیخ چلا کر خاموش ہو جاتیں' کہتی بھی تو کس سے؟ شکایت کرتی بھی تو کس سے......؟ اس روز رومانہ بیگم کی طبیعت خراب تھی۔ ناشتہ کر کے دوا لیتی تھی' آج اتفاق سے ماسی بھی نہیں آئی تھی۔ عبیل ان کے کمرے میں آیا تو انہیں بخار میں دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"ارے آپ کو تو اچھا خاصا فیور ہے مما' آپ ناشتہ کر کے ٹیبلٹ لے لیں۔" اس نے رومانہ بیگم کا ماتھا چھو کر کہا۔

"ہاں بیٹا...... ابھی زلیخا آئے گی تو ناشتہ بنا کر دے گی' پھر لے لوں گی ٹیبلٹ۔" رومانہ بیگم نے نحیف آواز میں

کہا۔ عبیل سر ہلا کر کمرے سے نکل گیا۔ سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور گہری نیند سوتی ہوئی جازبیہ کو آواز دی۔

”جازبیہ...... جازبیہ......“

”ہمنہ......“ جازبیہ نے کروٹ بدل کر بہ مشکل اپنی خمار آلود آنکھیں کھولیں۔ جن میں نیند کا خمار اور بوجھل پن موجود تھا۔

”مما کو بہت تیز بخار ہے ان کے لیے اٹھ کر ایک کپ چائے بنا دو وہ سلائس کھا کر دوا لے لیں گی۔“ عبیل نے ملائمت سے تفصیلی بات کی۔

”آئی ایم سوری عبیل! مجھ سے اتنی صبح نہیں اٹھا جاتا‘ تم خود بنالو۔“ وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے مطمئن انداز میں بولی اور دوبارہ چادر تان لی۔

”جازبیہ......؟“ اس بار عبیل کی آواز تھوڑی تیز تھی۔

”مجھے بنانا ہوتا تو تمہیں نہیں اٹھاتا‘ چائے بنا کر دوبارہ نیند پوری کر لینا اپنی۔“

”افوہ بھئی! کیا مصیبت ہے؟“ جازبیہ نے جھنجلا کر چادر پرے پھینکی...... وہ بڑبڑ کرتی کچن کی طرف چلی گئی۔

”حرام خور ہو گئے ہیں آج کل کے نوکر بھی اپنی اوقات بھول جاتے ہیں! آنے دو ذرا دماغ درست کر کے رکھ دوں گی ہزاروں کی رقم اس لیے تو نہیں دیتے کہ ہم خود کام کریں۔“ ایک کپ چائے کا بناتے ہوئے ڈھیروں باتیں بھی سنا ڈالیں۔ پلیٹ میں دو سلائس اور چائے کا کپ رکھ کر رومانہ بیگم کے کمرے میں آئی اور میز پر پٹخنے کے انداز میں رکھ دیا۔ رومانہ کا حال تک نہ پوچھا۔

رومانہ بیگم نے غور سے اس کے اکتائے ہوئے نیند اور بیزاری میں ڈوبے چہرے کی جانب دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کتنا جچ آمیز رویہ لگا تھا جازبیہ کا‘ ذرا سا بھی خیال تھا نہ عزت تھی اس کے دل میں رومانہ بیگم کے لیے رومانہ بیگم ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں۔ کر بھی کیا سکتی تھیں؟ سارا کیا دھرا ہی ان کا اپنا تھا۔

❁......●❁●......❁

اس روز نوال بہت اداس تھی۔ عجیب سی بے چینی اور بے کلی محسوس کر رہی تھی۔ طبیعت میں نہ جانے کیوں بے تحاشہ بیزاری اتر آئی تھی۔ بے چینی جب حد سے زیادہ بڑھی تو وہ اسٹور روم میں آ گئی‘ سوچا آج اسٹور روم کی صفائی کر لوں‘ وہ کافی عرصے سے بند تھا۔ موسم بھی بدل رہا تھا اور ایسے موسم میں ثروت خانم اسٹور روم سے گرم کپڑے‘ شالیں‘ سوئٹرز اور بستر نکلوا کر دھوپ لگاتی تھیں۔ اسٹور روم میں پرانے سوٹ کیس‘ الماری اور گھر کا بیکار سامان رکھا ہوا تھا۔ نوال اندر آ گئی سامنے رکھی لکڑی کی بڑی سی الماری کھولی سامنے ہی ثروت خانم کے سوئیٹرز‘ شالیں اور گرم سوٹس رکھے ہوئے تھے۔ ثروت خانم کے کپڑے دیکھ کر اسے بے تحاشہ رونا آ گیا۔ دو سال پہلے کی سردیاں یاد آ گئیں۔ جب اس نے ثروت خانم کے ساتھ مل کر سارے کپڑے نکلوائے تھے۔ وہیں ساتھ میں سارب کے کچھ پرانے کوٹ اور جیکٹس بھی تھیں‘ وہ کپڑے سمیٹنے لگی تب ایک کوٹ اس کے ہاتھ سے سلپ ہو کر نیچے فرش پر گر گیا۔ کپڑے سائیڈ پر رکھ کر اس نے جھک کر کوٹ اٹھایا...... ایک لفافہ سلپ ہو کر نیچے گرا ساتھ ہی کچھ تصاویر بھی لفافے سے نکل کر فرش پر پھیل گئیں۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر نوال نے جھک کر تصاویر اٹھالیں یہ تو شبانہ خالہ کی بیٹی کی تصاویر تھیں جازبیہ...... جازبیہ وہ بھی سارب کے پہلو میں کھڑی اور سارب...... سارب اور وہ دلہا‘ دلہن کے لباس میں تھے...... نکاح کی رسم کی بھی تصویر تھی جس میں سارب دستخط کر رہے تھے۔ پھر...... ایک تصویر میں سارب اسے غالباً بریسلیٹ پہنا رہے تھے۔ مطلب یہ کہ...... سارب نے امریکہ میں جازبیہ سے شادی کی تھی۔ اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ جلدی جلدی سارے فوٹوز اسی طرح جیب میں رکھ کر کوٹ الماری میں اسی جگہ پر ہینگ کر کے وہ گرم کپڑے لیے جلدی سے باہر آ گئی۔ کپڑے چھت پر پھیلا کر نیچے آ گئی‘ دماغ مسلسل گردش میں تھا۔ شبانہ آنٹی نے اتنی بڑی بات چھپائی تھی۔ سارب کو تو یہ بات پتہ بھی نہ تھی کہ نوال اور جازبیہ کا کہیں کوئی رشتہ بھی ہے وہ اسے جانتی ہے‘ وہ تو

جازبیہ سے دلی نفرت کرتا تھا اس کے نام پر سارب کا غصہ عروج پر پہنچ جاتا تھا۔ نہ صرف جازبیہ بلکہ جازبیہ سے تعلق رکھنے والی ہر چیز اور ہر شخص سے نفرت تھی اسے حتیٰ کہ اب امریکہ کے نام سے بھی وہ نفرت کرتا تھا‘ کہ وہاں پر اسے جازبیہ ملی تھی۔ یہ سوچ کر اور جان کر نوال کے دل میں ڈھیروں دکھ اور اداسی اتر آئی کہ سارب پہلے جازبیہ کا شوہر تھا اور جازبیہ نے اسے چھوڑا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ اس وقت سارب گھر پر نہیں تھا۔ پتہ نہیں یہ کیسا کھیل کھیل رہی تھی تقدیر اس کے ساتھ؟ وہ سوچنے لگی کہ اب پتہ نہیں جازبیہ کہاں ہوگی؟ کیسی اور کس کے ساتھ ہوگی؟ نوال کے دل میں ایک پھانس سی چبھ کر رہ گئی تھی۔ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ سوچ سوچ کر شام تک اس کے سر میں شدید درد ہو گیا۔ شام کو سارب آیا تو وہ لیٹی ہوئی تھی۔

”ارے کیا ہو گیا ہے تمہیں......؟“ اس کی سرخ آنکھیں اور اترا ہوا چہرہ دیکھ کر سارب نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”سر میں درد ہے صبح سے۔“ نوال نے کہا۔

”اوہ......! کوئی دوا لی تم نے......؟ چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔“ سارب نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”جی لے لی تھی...... ابھی ٹھیک ہو جائے گا فکر مت کریں آپ۔“ سارب نے پریشان ہوتے ہوئے اصرار کیا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

”تم اندر چلو میں سی این جی بھروا کر آتا ہوں تب تک تم نمبر لے لو اندر جا کر۔“ کلینک کے باہر اسے گاڑی سے اتارتے ہوئے سارب نے کہا۔

”جی اچھا۔“ کہہ کر وہ گاڑی سے اتر کر کلینک کی طرف بڑھ گئی اور سارب گاڑی لے کر سی این جی اسٹیشن کی جانب نکل گیا۔

وہ نمبر لے کر ویٹنگ روم میں بیٹھی تھی کہ ڈاکٹر کے روم سے نکلتی روحانہ پر نظر پڑی۔ روحانہ کی نظر اسی وقت نوال کی سمت اٹھی‘ وہ دوڑ کر نوال کی طرف آئی اور بے ساختہ اس سے لپٹ کر رو دی۔

”میری بہن‘ میری جان...... تم کہاں ہو؟ کہاں چلی گئی تھیں تم؟ مجھے...... مجھے بتا بتائیے...... بتا بات کیسے؟“ روحانہ بولے جا رہی تھی۔ نوال بھی لاکھ ضبط کے باوجود رو پڑی تھی۔

”آپی حالات ہی ایسے ہو گئے تھے کہ میں وہاں رہتی تو...... مر جاتی۔“ آس پاس کے لوگ متوجہ ہوئے تو ان لوگوں کو موقع اور جگہ کی نزاکت کا احساس ہوا......

”ایسا کرو تم میرا نمبر لے لو مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ ابھی موقع نہیں ہے‘ باہر اعتزاز کھڑے ہیں۔ میں جانتی ہوں گڑیا...... مجھے شازیہ نے سب کچھ بتایا تھا۔ اور...... اور...... سب لوگ اپنے اپنے کیے کا بھگت رہے ہیں میری جان۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ مجھے جلدی کال کرنا۔“ کہہ کر روحانہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ نوال نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی‘ روحانہ آج بھی اسے کتنا چاہتی تھی۔ سارب سامنے سے آتا دکھائی دیا تو نوال نے جلدی سے آنکھیں صاف کر ڈالیں۔ نوال جانتی تھی کہ وہ روحانہ سے بات کبھی بھی سارب کی موجودگی میں نہیں کر سکتی۔ وہ تو جازبیہ کے رشتہ داروں سے نوال کے رابطے کا سن کر ہی بے قابو ہو جائے گا۔ اتنا اندازہ تو نوال کو بھی تھا۔ کہ وہ جازبیہ سے کس حد تک نفرت کرتا ہے اور اس کے بعد سے اسے عورت ذات سے بھی نفرت ہو چکی تھی۔ مگر ثروت خانم کے اعتماد‘ بھروسے اور یقین دہانی پر اس نے نوال سے شادی کی تھی۔ نوال نے سوچ لیا تھا کہ صبح جب سارب آفس چلا جائے گا تب وہ سارب کے تعلق سے ساری بات اور جازبیہ کے متعلق سب کچھ تفصیل سے روحانہ کو بتا دے گی۔

اس رات سارب نے اسے کوئی کام نہیں کرنے دیا تھا۔ کھانا بھی باہر سے لے آیا تھا۔ وہ کھانا کھا کر دوا لے کر لیٹی تو جلد ہی آنکھ لگ گئی۔ صبح اٹھی تو طبیعت کچھ بحال تھی۔ سارب آفس چلا گیا کام والی آئی اور اپنے کام نبٹا کر چلی گئی تو وہ سیل لے کر کمرے میں آ گئی اور روحانہ کو کال ملائی۔

''اوہ تھینکس! میں کل سے کس قدر بے چینی اور بے تابی سے تمہاری کال کا ویٹ کر رہی تھی نوال۔'' روحانہ نے بے تابی سے کہا۔

''تمہیں دیکھ کر کل رات سے پرانی یادیں ایک ایک کر کے میرے ذہن میں تازہ ہو گئی ہیں تم کیسی ہو کہاں رہتی ہو تم خوش تو ہو ناں......؟ تمہاری شادی کب ہوئی؟ کیسا ہے تمہارا ہسبینڈ وہ تمہیں پیار تو کرتا ہے ناں؟'' بے تابی سے بے شمار سوالات ایک ہی سانس میں کر ڈالے۔

''جی آپی اللہ کا کرم ہے تائی امی (سائرہ) کے توسط سے ہم لوگ ان کی کزن کے گھر رہ رہے تھے ان کے بیٹے سے ہی میری شادی ہو گئی ہے۔'' اس کا لہجہ افسردہ تھا۔ ''مما کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔'' وہ رونے لگی تھی۔ ''آپی...... بس مما کی ڈیتھ کے بعد ہی ثروت آنٹی نے مجھے اپنی بہو بنایا اب ثروت آنٹی بھی اس دنیا میں نہیں مگر...... سارب بہت اچھے ہیں میرا خیال رکھتے ہیں۔''

''یہاں پر تمہارے جانے کے بعد جب مجھے سب کچھ پتہ چلا اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ تمہیں ڈھونڈیں مگر ہمیں سائرہ چچی نے بھی کچھ نہ بتایا۔'' روحانہ کے لہجے میں شکایت تھی۔

''آپی مما نے تائی امی کو اپنی قسم دے دی تھی کہ وہ کسی کو بھی ہمارے حوالے سے کچھ نہیں بتائیں گی کیونکہ ہم لوگ بہت دل برداشتہ ہو چکے تھے۔''

''اوہ۔'' روحانہ نے کہا۔ ''یہاں پر سائرہ چچی بھی جاسم کے پاس چلی گئیں شازیہ کی بھی شادی ہو گئی اور...... اور...... مما نے عقیل کی شادی بھی جازیہ سے کر دی۔'' روحانہ نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ج...... جا...... زیہ...... شبانہ آنٹی کی بیٹی؟'' دوسری جانب سے نوال نے تقریباً چیخ کر سوال کیا۔

''اوہ...... آپی...... جازیہ نے امریکہ میں سارب سے بھی شادی کی تھی۔'' وہ بہ مشکل کہہ پائی۔

''کک...... کیا...... کیا کہہ رہی ہو تم؟ یہ بات تو شبانہ آنٹی نے یا جازیہ نے بھی نہیں بتائی۔'' روحانہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

''جی آپی وہ سارب کی پہلی بیوی رہ چکی ہے۔ وہ بہت بے حیا اور بگڑی ہوئی لڑکی تھی اور سب سے بڑی بات یہ ہے وہ اپنی آزادی میں خلل نہ پڑے اس لیے بچہ بھی نہیں چاہتی تھی۔ شادی کے بعد بھی اس کا تعلق دوسرے لڑکوں سے تھے۔ اسی وجہ سے سارب نے اسے طلاق دے دی تھی اور آپی ایک بات سن لیں کہ میں آئندہ آپ سے بھی بات نہیں کر پاؤں گی کیونکہ سارب کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ جازیہ ہماری رشتے دار ہے اگر انہیں اس بات کا پتہ لگ گیا تو وہ بہت ناراض ہوں گے کیونکہ وہ جازیہ کی طرح اس کے سارے خاندان کو غلط اور بگڑا ہوا سمجھتے ہیں۔ انہیں ہر اس شخص سے نفرت ہے جس کا تعلق جازیہ سے ہو...... اگر ان کو اس بات کا پتہ لگا تو وہ میری زندگی عذاب کر دیں گے......'' جملہ مکمل کر کے نوال نے جیسے ہی سر اٹھایا اس کا سانس اوپر کا اوپر رہ گیا...... سارب دروازے میں کھڑا غصے بھری نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''آپ...... آپ ک...... کب آئے۔'' ایک ایک لفظ اس کے حلق میں اٹکنے لگا تھا اور وہ...... خوف زدہ ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''تو...... تو یہ سب کرتی ہے بے حیا عورت......'' سارب کی آواز شاید روحانہ تک جا پہنچی تھی۔

''ہیلو...... ہیلو'' روحانہ پکار رہی تھی۔ ''کون آ گیا......؟ نوال کیا ہوا بولو......؟'' سارب نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے سیل چھینا اور اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ قیمتی سیل فون دو ٹکڑے ہو کر فرش پر بکھر گیا۔

''میرے جانے کے بعد یہ سب کچھ ہوتا ہے یہاں؟'' سارب کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ کام والی کے جانے کے بعد وہ شاید دروازہ بند کرنا بھول گئی تھی۔

''سارب...... آپ...... آپ بات سنیں میری......!'' وہ تھر تھر کانپنے لگی تھی۔ الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

''یہ دروازہ کیوں کھلا ہوا تھا کون آ کر گیا ہے ابھی اور یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟'' لہجہ ہی زہر آلود تھا۔

''کس سے بات ہو رہی تھی اس وقت اور روزانہ کس کس سے ہوتی ہے بات اور یہ...... جازیہ کا نام کیوں آیا...... کیا تعلق ہے تمہارا اس فاحشہ اور آوارہ عورت سے؟'' وہ غیض و غضب کی آخری حدوں پر تھا۔

''سارب! پلیز میری بات سن لیں، میں...... میں اپنی تایا زاد روحانہ آپی سے بات کر رہی تھی، قسم لے لیں آج پہلی بار بات ہو رہی ہے ان سے وہ مجھے کل ہاسپٹل میں ملی تھیں اور نمبر دیا تھا اپنا...... اور...... اور...... جازیہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے وہ میری تائی اماں کی بہن کی بیٹی ہے۔'' وہ صفائی دینے لگی۔

''کیسے تعلق نہیں ہے تم سے؟ رشتہ داری ہوئی ناں تم سے بھی اس کی؟'' وہ چیخا۔

''اوہو......'' ایک لمحے کو رکا اور پھر سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹوں کو سکیڑا۔ ''تم اس کی خالہ کی رشتہ دار ہو نئیں ناں...... جو ان کے ساتھ رہتی تھی...... اور...... اور...... جس نے جازیہ کے بھائی ذکا کے ساتھ...... اف...... تم...... تم وہی لڑکی ہو ناں۔'' وہ ہذیانی انداز میں آگے بڑھا اور اس کو کاندھے سے پکڑ کر جھنجوڑتا ہوا چلایا۔

''خدا کے لیے سارب یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ایسا کچھ بھی نہیں ہے ذکا بھی آوارہ اور بگڑا ہوا لڑکا تھا۔ اس نے مجھ سے فری ہونے کی کوشش کی تھی اور...... میں نے...... اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا تھا۔ یہ جھوٹا الزام ہے مجھ پر، ہم دونوں کے درمیان کچھ ایسی بات تھی ہی نہیں۔'' اچانک ہی صورت حال بری طرح بگڑ چکی تھی۔ معاملہ تو کہاں سے کہاں پہنچ رہا تھا۔ یہ کیسی بات کر رہا تھا۔ سارب کو بھی اس کے بارے میں ایسی الٹی سیدھی باتیں بتائی گئی تھیں۔

''بس کرو اپنی پارسائی کی کہانیاں سنانا...... اسی لیے مجھے عورت ذات سے نفرت ہو گئی تھی جازیہ کے بعد میں نے سوچ لیا تھا کہ عورت کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں؟ مگر...... مما کے اصرار پر...... ان کے بار بار یقین دلانے پر کہ ہر لڑکی جازیہ جیسی نہیں ہوتی' میں نے ایک بار پھر تم پر ٹرسٹ کیا۔ تم کو نیک اور شریف لڑکی سمجھ کر تمہارے ساتھ خلوص اور محبت سے پیش آیا۔ تم پر بھروسہ کیا لیکن...... لیکن......'' سارب غصے سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اس نے کرسی اٹھا کر دیوار پر دے ماری اور دونوں ہاتھوں میں اپنے بال جکڑ لیے...... ''تم میرے جانے کے بعد یہ سب کچھ کرتی ہو......؟''

''سارب...... پلیز...... خدا کے لیے خود پر قابو رکھیے...... میرا یقین کریں...... آج پہلی بار اتنے سالوں کے بعد میری بات ہوئی وہ بھی اپنی بہن سے...... اور...... اور میں غلط نہیں ہوں۔'' وہ روتے ہوئے اسے یقین دلانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

''چپ ہو جاؤ! آوارہ بدچلن عورت۔'' سارب نے نوال کو زور سے بیڈ کی سمت دھکا دے کر چیختے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل گیا نوال بیڈ پر جا کر گری تھی۔

''اف خدایا...... یہ سب کیا ہو گیا؟ کتنی بار مجھے میرے ناکردہ گناہ کی سزا ملے گی؟'' اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ سارب کو اس کے ماضی کے بارے میں اس طرح سے بتایا گیا ہوگا' حالانکہ ثروت خانم نے کوئی ایسی بات' کوئی ایسا ذکر نہ کیا تھا کہ جس سے اس کے کردار کی نفی ہوتی' آج اس بات کو لے کر سارب کا یہ روپ...... یہ رویہ نوال کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ اتنا جنونی' اتنا شدت پسند ہوگا یہ تو نوال نے سوچا بھی نہ تھا۔ وہ غصے اور جذبات میں بالکل پاگل ہو چکا تھا کچھ سوچنے' سمجھنے اور سننے تک کی صلاحیتوں سے محروم ہو کر نہ جانے اس وقت کہاں چلا گیا تھا۔ کہیں کچھ الٹا سیدھا نہ کر لے......؟ نوال گھٹنوں میں سر دیئے مسلسل روتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''کاش...... کاش' مجھے روحانہ آپی نہ ملتیں...... کاش میں ان سے بات نہ کرتی' جیسے گزر رہی تھی گزرتی رہتی۔'' سارب بہت زیادہ والہانہ محبت نہیں کرتا تھا' مگر خیال تو رکھتا تھا' بھروسہ تو کرتا تھا اس پر...... لیکن اب...... وہ کس طرح سارب کو اپنی پارسائی کا ثبوت دیتی کہ وہ بالکل نیک' باحیا اور شریف لڑکی ہے آج گھر سے نکلے چار سال

ہو چکے تھے ان چار سالوں میں اس نے کیا کھویا کیا پایا......؟ ایک چیز آج بھی ہنوز اس کے ساتھ موجود تھی وہ لفظ وہ بات جس سے پیچھا چھڑا کر وہ گھر سے نکلی تھی وہی الفاظ آج بھی چار سال بعد بھی اس کے ساتھ بازگشت بن کر اس کے کانوں میں گونج رہے تھے جو ابھی چند لمحے پہلے سارب کہہ کر گیا تھا۔ آوارہ بدچلن...... وہ بے تحاشا سسک پڑی جازیہ ذکا میں نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا تھا آج بھی تم دونوں بہن بھائی نے مل کر مجھے اسی مقام پر لا کھڑا کیا ہے جس پر میں چار سال پہلے تھی۔ تائی اماں کاش کاش آپ ایسا نہ کرتیں تو میں...... اس مقام پر...... یوں اس حالت میں نہ ہوتی۔ عمیل...... عمیل...... تم تو میری نس نس سے واقف تھے کم از کم تم ہی میرے حق میں دو لفظ بول دیتے۔ اسے رہ رہ کر ایک ایک بات یاد آ رہی تھی اسی طرح روتے روتے نہ جانے کب تھک کر اس کی آنکھ لگ گئی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب نوال کی آنکھ کھلی دیکھا تو سارب بیڈ پر موجود نہ تھا۔ الٰہی خیر! وہ گھبرا کر اٹھی باہر آئی تو دیکھا لاؤنج میں صوفے پر پڑا سو رہا تھا۔ اس کی جان میں جان آئی۔ ایک بار پھر سب کچھ ذہن میں آتا چلا گیا۔

"سارب...... سارب مجھے غلط نہ سمجھیں پلیز میں نے کبھی بھی کچھ بھی غلط نہیں کیا۔" وہ ایک بار پھر سسک پڑی۔ صبح اٹھ کر نوال نے ناشتہ بنایا سارب اٹھا خاموشی سے ناشتہ کیا اور وقت سے پہلے آفس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

"آج سے میں صبح گھر سے نکلتے وقت دروازہ لاک کر کے چابی ساتھ لے جایا کروں گا۔" اس کے لہجے میں نفرت تھی۔

"مگر...... کام والی آئے گی؟" اس نے کہا۔

"کوئی کام والی نہیں آئے گی؟ باہر سے کوئی بھی اندر نہیں آئے گا سمجھیں تم...... تم نے میری آزادی اور بھروسے کو کھیل سمجھ کر توڑا ہے اب...... اب...... میں بھی تمہیں لمحہ لمحہ توڑوں گا تم سے سب کچھ چھین لوں گا۔" کہہ کر وہ مین گیٹ پر تالا لگا کر چلا گیا۔

"یااللہ! یہ کیسی سزا ہے؟" زندگی اس نہج پر آ جائے گی یہ تو سوچا بھی نہ تھا۔ وہ اس پر کس حد تک شک کر رہا تھا۔ اس کے کردار کی دھجیاں اڑا رہا تھا۔ یہی اس کا معمول بن گیا تھا۔ وہ اسے قید کر کے رکھ رہا تھا جس کے پاس ضروریات زندگی کی سہولتیں نہ تھیں۔ اس کی زندگی قیدیوں سے بدتر تھی۔ سارب کوئی بات نہ کرتا اگر کبھی کوئی بات کرتا تو صرف طعنے اور طنز ہوتے اس کی کردار کشی کرتا اسے آوارہ اور گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کہتا ہفتے میں ایک بار سودا سلف لا دیتا بس...... نہ کوئی بات...... نہ کوئی احساس تھا...... وہ پاگلوں کی طرح سارا سارا دن گھر میں بولائی بولائی پھرتی اور ساری رات ماضی کو یاد کر کے اور الٹے سیدھے خیالات میں گھر کر سسکتی رہتی۔ اسے گھر سے وحشت ہونے لگی تھی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آتا جاتا...... دل کرتا کچھ کھا کر مر جائے...... یہ کیسی سزا تھی...... کیسی زندگی تھی خود پر رونا بھی آتا تھا۔ اکیلے میں وہ دل بھر کر رو لیا کرتی اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

❁......●❁●......❁

روحانہ بے حد پریشان تھی نوال سے بات کرتے کرتے اچانک سے کسی مرد کے غصے اور چیخنے کی آوازیں آئی تھیں اور پھر...... ایسا لگا تھا جیسے موبائل کو اٹھا کر پٹخ دیا گیا ہو۔ وہ بہت ٹینشن میں تھی نوال کو لے کر اسے لگا تھا کہ جیسے نوال اپنے شوہر کے ساتھ خوش اور مطمئن نہیں اور پھر...... جازیہ کے متعلق اتنی بڑی بات...... اتنی بڑی سچائی کا پتہ چلا تھا کہ وہ...... پہلے سے شادی کر چکی تھی اتنا بڑا دھوکا دیا تھا شبانہ آنٹی اور جازیہ نے مل کر...... اتنی بڑی بات چھپائی تھی...... نہ عمیل اپنی زندگی میں مطمئن اور آسودہ تھا نہ وہ نوال...... اور یہ جازیہ...... کتنی چالاک اور شاطر لڑکی تھی اور عمیل اس خبر سے بے خبر تھا اور جازیہ کو ہٹ دھرمی من مانیوں اور ڈھیٹ پن سمیت برداشت بھی کر رہا تھا۔ یہ کیا کچھ ہو رہا تھا اُف مما! ایک آپ کی ضد اور غلط فیصلے نے کتنی

زندگیوں کو داؤ پر لگا دیا۔ کتنا غلط اقدام تھا آپ کا اس وقت جس کا خمیازہ ہم سب بھگت رہے ہیں۔ روحانہ کو رونا آ رہا تھا حالات نہ جانے کس دوراہے پر کھڑے تھے نوال کی طرف سے وہ اتنی فکر مند تھی کہ کھانا پینا تک محال لگ رہا تھا۔ اوپر سے جازیہ کی یہ حرکت...... اعتزاز بہت سوفٹ نیچر کا بہت اچھا انسان تھا وہ روحانہ کی کیفیت سے اچھی طرح واقف تھا اور اسے حالات کا علم بھی تھا۔ وہ روحانہ کو تسلیاں دیتا کہ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔

روحانہ اسی شام میکے پہنچ گئی تھی۔ حسب معمول جازیہ گھر پر نہیں تھی رومانہ بیگم اپنے کمرے میں لیٹی تھیں اور عمیل اپنے کمرے میں لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ایک وقت تھا اس بڑے سے گھر میں کتنی رونق ہوا کرتی تھی بے شک رومانہ بیگم کا رویہ اور مزاج حاکمانہ تھا وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھیں مگر بچے آپس میں کتنے کلوز تھے ہنسنا بولنا لڑائی جھگڑے اور کھیل...... سائرہ چچی اور سدرہ چچی بھی ان لوگوں کے ساتھ ہمیشہ شامل ہو جاتی تھیں اور پھر جب کھیل میں شرطیں لگتیں ہار جیت کے فیصلے ہوتے تو چائے ہمیشہ سدرہ چچی بنا کر لاتیں جھگڑوں کے فیصلے کروانا سائرہ چچی کی ذمہ داری تھی کتنی رونق کتنی چہل تھی لان کی صفائی تقریباً روز ہوتی پودوں کو پانی دینے کی ذمہ داری نوال کی ہوتی تھی آج سارے پودے اجڑے ہوئے سوکھے پڑے تھے لان میں ہر جانب سوکھے پتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ بیلیں بڑھ کر بے ترتیب ہو گئی تھیں عجیب وحشت اور ویرانی سی برسنے لگی تھی۔ اتنا بڑا گھر اور گھر میں صرف تین افراد تھے جس میں سے بھی اکثر ہی جازیہ موجود نہ ہوتی۔

روحانہ کو دیکھ کر رومانہ بیگم کے چہرے پر رونق سی آ گئی تھی۔ سلام دعا کے بعد روحانہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کی بہو بیگم کہاں ہیں؟"

"ہوں گی کہاں اس نے نہ اس گھر کو کبھی اپنا سمجھا ہے نہ یہاں کے لوگوں کو...... لگتا ہی نہیں کہ وہی جازیہ ہے جو شادی سے پہلے ہمارے آگے پیچھے پھرتی تھی مگر اب تو اس کے لچھن ہی بدل گئے ہیں۔ نہ جانے کیا سمجھتی ہے خود کو ایک بولو تو آگے سے ستر سنا دیتی ہے۔" رومانہ بیگم نے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"مما...... میں سوچتی ہوں کہ کہیں ہم سے کوئی غلطی کوئی کوتاہی تو نہیں ہو گئی جو گھر کا ماحول ایسا ہو گیا ہے۔ جازیہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔" روحانہ نے ماں کے چہرے کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے تیر پھینکا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا ہم نے کہاں غلطی کی ہے؟" رومانہ بیگم جو روحانہ کے سوال پر چونکی تھیں قدرے سنبھل کر کچھ تند لہجے میں الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔

"میرا مطلب ہے کچھ غلط نہیں بس ایک بات ذہن میں آ گئی تو شیئر کر لی آپ سے۔" روحانہ نے جلدی سے بات بنائی۔

"اوہ آپی آپ کب آئیں؟" عمیل جو اسی وقت کمرے میں آیا تھا روحانہ کے ننھے سے بیٹے سروش کو گود میں لیتے ہوئے روحانہ کو دیکھ کر پوچھا۔

"ابھی آئی ہوں پانچ منٹ پہلے...... کیسے ہو تم؟" روحانہ نے لہجے کو خوش گوار بناتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں اور اعتزاز بھائی؟" عمیل نے پوچھا۔

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔" روحانہ نے غور سے عمیل کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھا وہ کتنا بدل گیا تھا۔ پچھلے کچھ سالوں نے عمیل کو مکمل چینج کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر شادی کے بعد پوری ہو گئی تھی ہر دم ہنستا مسکراتا شرارتیں کرتا بات بات پر چھیڑ چھاڑ شوخیاں نہ جانے وہ سب کچھ کہاں گم ہو گئی تھیں۔ اب چہرے پر ہر دم سنجیدگی افسردگی اور گہری چپ نظر آتی آنکھوں میں شرارت کی جگہ اداسی نظر آتی تھی۔ لہجے کی شوخی اور کھنک کی جگہ ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ روحانہ تاسف سے دیکھنے لگی۔

"عمیل...... جازیہ کو ذرا پابند کرو کہ وہ باہر جانے کے لیے کوئی وقت رکھے یہ کیا ہر وقت شاپنگ اور اپنی مما کی یاد ستاتی رہتی ہے اسے...... دیکھو آج کل مما کی طبیعت

خراب رہتی ہے تم آفس جاتے ہو خدانخواستہ مما کی طبیعت زیادہ خراب ہوجائے تو کوئی تو ان کے پاس ہونا جو تم کو فوراً انفارم کرسکے۔ ملازم پر اتنا ٹرسٹ تھوڑا کیا جاسکتا ہے۔" ابھی روحانہ نے جملہ مکمل کیا ہی تھا قبل اس کے کہ عمیل کوئی جواب دیتا پیچھے سے جازیہ کمرے کے دروازے میں کھڑی نظر آئی۔

"واہ بھئی واہ ایک اماں کم تھیں کیا جو اب آپ بھی آگئیں ہیں انہیں میرے خلاف بھڑکانے کے لیے۔ اپنی مما کے گھر جاتی ہوں میں؛ آپ بھی تو آتی ہیں ناں یہاں...... میں نے کبھی اعتراض کیا ہے کیا؟ پھر آپ کو کیا تکلیف ہوتی ہے اگر میں اپنی ماں سے ملنے جاؤں تو......؟" جازیہ جاہلانہ انداز میں ڈائریکٹ روحانہ سے مخاطب تھی۔

"جازیہ یہ کیسی باتیں کررہی ہو تم...... یہ کون سا انداز ہے تمہارا اس طرح سے بات کرتے ہیں۔" عمیل نے جازیہ کی طرف دیکھ کر تیز لہجے میں کہا۔

"کیوں میں نے ایسی کون سی غلط بات کہہ دی؟ تمہاری اماں بھی تو ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کرتی ہیں اور اب تمہاری بہن بھی......!"

"جازیہ، عمیل کی بہن ہی نہیں تم سے بھی کوئی رشتہ ہے اس کا جسے تم شادی سے پہلے آپی آپی کہتے نہ تھکتی تھیں...... اگر مجھے علم ہوتا کہ تم شادی کے بعد اتنی جلدی بدل جاؤ گی اس طرح سے ہمارے ساتھ رویہ رکھوگی کہ کوئی غیروں سے بھی نہ رکھتا ہوگا...... مجھے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو......"

"تو...... تو...... کیا؟ آپ میرے خلاف بھی کوئی ڈرامہ رچالیتیں...... ہاں؟" جازیہ نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے رومانہ بیگم کی بات درمیان سے اچک لی۔

"جازیہ...... جازیہ...... چپ ہوجاؤ...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟ روحانہ آپی کے ساتھ ساتھ تم مما سے بھی یہ کس قسم کی واہیات گفتگو کررہی ہو۔ اپنی زبان کو لگام دو...... اور اپنی حد میں رہو۔"

"حد...... کیسی حد......؟ عمیل مجھے نوال مت سمجھو جو تم لوگوں کی اونچی آواز اور زیادتیاں برداشت کرلوں۔"

"ہاں تم نوال جیسی ہو بھی نہیں سکتیں۔" اس بار روحانہ بولی تھی نوال کے ذکر پر اس کے اندر ابال سا آگیا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا ہاں...... بولیں کیا کہنا چاہتی ہیں۔" روحانہ کی بات پر جازیہ کو پتنگے لگ گئے تھے۔

"جازیہ اتنا بڑبڑ کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو تم...... تم...... کتنی پارسا ہو...... تم نے کیا کیا گل کھلائے ہیں...... امریکہ میں کیا کیا حرکتیں کی ہیں؟ وہاں شادی بھی کی اور اور...... اپنے ہونے والے بچے کو بھی ختم کروایا کہ تمہیں آزادی اور آوارگیاں زیادہ عزیز تھیں...... وہاں سے طلاق لے کر یہاں آئیں اپنی حرکتوں اور باتوں سے میری مما کو پٹالیا؛ تم نے جھوٹ اور فریب سے یہاں شادی رچائی ہے۔ کتنا بڑا فراڈ کیا ہے میرے معصوم بھائی کے ساتھ کہ اتنا بڑا سچ چھپا کر اس سے شادی کی......"

"کیا...... کیا؟" رومانہ بیگم کے ساتھ ساتھ عمیل بھی بری طرح چونکا۔

"اتنا بڑا دھوکا......!" سچائی کو چھپا کر شبانہ بیگم نے کس طرح سے اپنی بیٹی کو بیاہ دیا تھا اور رومانہ جیسی چالاک، تیز طرار اور شاطر عورت کس آسانی سے ان کے جھانسے میں آگئی تھیں۔

"شبانہ...... اتنی گھٹیا حرکت کرے گی...... میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کرے گی؛ اتنی بڑی سچائی کو چھپا کر۔" رومانہ بیگم اتنے بڑے انکشاف پر حواس باختہ ہوگئی تھیں؛ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ شبانہ ایسا کرسکتی ہیں۔

"میری مما کو کچھ کہنے سے پہلے اپنی حرکتوں پر بھی ایک نظر ڈال لیں؛ اگر میں نے یا مما نے جھوٹ بولا؛ مکاری کی؛ غلط بیانی سے کام لیا تو آپ کون سی پارسا ہیں؟ آپ نے کون سی عبادتیں کیں؛ ثواب کمایا؟ دھوکا؛ فریب اور مکاری تو آپ نے بھی دکھائی ہے۔ گھٹیا حرکت تو آپ نے بھی کی ہے۔" جازیہ نے زہر خند لہجے میں ایک ایک لفظ چباتے ہوئے ادا کیا۔

"جازیہ...... بکواس بند کرو اپنی تم...... سوچ سمجھ کر بولو...... دماغ خراب ہوگیا ہے کیا تمہارا؟" عمیل جو پہلے ہی اس انکشاف پر دم بخود تھا؛ جازیہ کی حد درجہ زبان درازی اور غلط جملوں کی ادائیگی پر مزید سیخ پا ہوکر بولا۔

"ہوگئی ہوں میں پاگل میرا دماغ خراب ہوگیا ہے؛ لیکن جب بات نکل گئی ہے تو تم حوصلہ پیدا کرو اور سچ کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا کرو؛ چلو میں بری سہی...... میری تربیت غلط ماحول میں ہوئی۔ میں بگڑی ہوئی لڑکی تھی...... میں نے وہاں پر شادی بھی کی؛ ڈیورس بھی لی...... یہ میرے ماحول کا اثر تھا۔ میرے آس پاس رہنے والوں کی وجہ تھی...... لیکن یہاں پر جو کچھ ہوا جو ڈرامہ تمہاری مما نے کھیلا؛ وہ جائز تھا؟" جازیہ نے تقریباً چیختے ہوئے عمیل کو مخاطب کیا۔

"کیا...... کیا...... یہاں پر کیا ہوا؟" عمیل نے حیرت سے اس کے آخری جملے کی تصحیح چاہی۔ روحانہ بھی حیرت زدہ تھی جبکہ رومانہ بیگم کی چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"جازیہ...... جازیہ چپ ہوجاؤ۔" رومانہ بیگم بمشکل کہہ سکیں...... ان کے چہرے کے بدلتے تاثرات اور پریشانی عمیل کے ساتھ ساتھ روحانہ کے لیے بھی باعث تشویش تھی۔

"وہی...... جو تمہاری مما نے نوال کے ساتھ کیا۔" جازیہ کی بات پر عمیل نے رومانہ بیگم کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوچکے تھے۔ چہرے کا رنگ فق ہوگیا تھا؛ جیسے وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہوگئی تھیں۔

"عمیل یہ بات سچ ہے کہ ذکا نوال کو پسند کرتا تھا مگر یہ علم بھی سب کو تھا کہ نوال اور تم ایک دوسرے کو چاہتے ہو؛ ذکا نے کئی بار نوال کے ساتھ بدتمیزی کرنے کی کوشش کی ایک بار شاید کچھ زیادہ ہی کر گیا تھا تو نوال نے اسے تھپڑ مار دیا تھا ذکا خودسر بدتمیز اور ضدی لڑکا ہے جسے یہ بات بہت بری لگی اور اس نے تمہاری مما کو یہ بات بتائی تھی جب کہ میں تمہیں پسند کرتی تھی۔ تمہاری مما کو بھی تمہارے ارادوں کا علم تھا اور جب تم نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ صرف نوال سے شادی کروگے تو تمہاری مما کے شاطر ذہن نے یہ منصوبہ بنایا تھا کیونکہ وہ بھی تمہارے راستے سے نوال کو ہٹانا چاہتی تھیں اور ذکا بھی نوال سے بدلہ لینا چاہتا تھا اور میں تم سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ اس رات جو کچھ بھی ہوا وہ سب ایک ڈرامہ تھا۔ نوال بے قصور تھی؛ اس کو میں نے ہی چائے کا کہا تھا؛ تو وہ چائے لے آئی تھی۔ اسے تمہاری نظروں سے گرانا تھا اور وہ گرچکی تھی۔"

"اف...... !مم...... مما...... آپ...... آپ اس حد تک جاسکتی ہیں؟" روحانہ کی حالت بھی عمیل سے مختلف نہ تھی اسے ماں سے یہ امید نہ تھی کہ وہ ایسا ڈرامہ کرسکتی ہیں؛ وہ تو سمجھتی تھی کہ ذکا نے ایسا کیا ہوگا۔

"مما...... آپ......؟" عمیل کی حالت پاگلوں جیسی ہورہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چکراتا سر تھام لیا۔ ادھر رومانہ بیگم احساس شرمندگی اور ندامت سے رونے لگیں تھیں۔ ہمیشہ اپنی آواز اونچی رکھنے والی امارت، تکبر اور غرور سے سر کو اٹھا کر چلنے والی رومانہ بیگم آج کتنی بے بس؛ کم ظرف بن گئی تھیں۔ اپنی اولاد کی نظروں میں گرچکی تھیں۔ کتنی تذلیل محسوس کررہی تھیں۔ کوئی لفظ...... کوئی جملہ بھی تو ایسا نہ تھا کہ وہ ادا کرسکیں؛ دو کوڑی کی حیثیت ہوگئی تھی ان کی...... سارا غرور...... انا اور ضد مٹی میں مل گئی تھی۔

"اف مما......! یہ کتنا بڑا ظلم کر ڈالا آپ نے ایک معصوم کو در بدر کر ڈالا۔" روحانہ بس اتنا کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عمیل کی حالت بھی دیکھنے کے قابل تھی اسے رومانہ بیگم پر اتنا غصہ آرہا تھا کہ ماں ہوکر انہوں نے کتنی گھٹیا حرکت کی تھی۔ ایک شریف اور باحیا لڑکی کو آوارہ؛ بدچلن؛ اور نہ جانے کیا کیا بنادیا تھا۔

"اب تم کہتے ہو کہ میں حد میں رہ کر بات کروں؛ وہ عورت جس نے ساری زندگی ایک معصوم عورت سے

نوکروں کی طرح خدمت کرائی' اس پر حکومت کی' مرضی چلائی' اس عورت کو دربدر کرنے والی یہ عورت...... کیا عزت کے قابل ہے؟" ایک تو عبیل پہلے ہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو رہا تھا' اوپر سے جازیہ کے الفاظ نے جیسا سے مزید آگ لگادی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ آگے بڑھ کر زوردار طمانچہ جازیہ کے منہ پر جڑ دیا۔

"تم...... تم...... بھی برابر کی شریک ہو ذلیل عورت......" عبیل کی برداشت ختم ہو رہی تھی۔ حقیقت جان کر اس کے اندر جیسے آگ بھر گئی تھی وہ اندر جلنے والی آگ کی تمازت سے جھلسنے لگا تھا۔

"بدتمیز' جاہل انسان...... تم نے...... تم نے مجھے تھپڑ مارا۔" جازیہ کے لیے عبیل کا یہ تھپڑ غیر متوقع اور حیران کن تھا' اس نے آگے بڑھ کر عبیل کا گریبان پکڑ لیا۔

"مجھے نوال مت سمجھو...... میں جازیہ ہوں...... جازیہ...... تم میری ضد تھے تم کو حاصل کرنا تھا سو میں نے کرلیا' ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں ایسے ڈرامے باز لوگوں کے گھر میں رہنے کا' یہ گھر نہیں' قبرستان ہے قبرستان...... ویران اور خاموش' مجھے نہیں رہنا یہاں' مجھے ابھی اور اسی وقت طلاق چاہیے۔" جازیہ کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا تھا' وہ غصے سے بے قابو ہو رہی تھی۔

"جازیہ...... جازیہ ہوش کرو...... یہ کیا کہہ رہی ہو؟" روحانہ اس بگڑتی صورت حال سے گھبرا کر دونوں کے درمیان آگئی اور جازیہ کو بازو سے پکڑ کر سمجھانا چاہا۔

"ہٹ جاؤ تم میرے سامنے سے...... یہ سارا فساد تم نے پھیلایا ہے۔" جازیہ نے چلاتے ہوئے کہا اور روحانہ کو پکڑ کر زور سے دھکا دیا۔ روحانہ کا سر الماری کے کونے پر جا کر لگا تھا وہ درد کی شدت سے چیخی۔

"جازیہ......" عبیل پلٹا اور جازیہ کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ "ذلیل عورت' ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ۔ میں نے تمہیں طلاق دی' میں نے تمہیں طلاق دی' میں نے تمہیں طلاق دی۔ نکل جاؤ ابھی اور اسی وقت۔" عبیل نے اسے دھکا دے کر کمرے سے باہر نکال دیا۔

"میں بھی لعنت بھیجتی ہوں' اس گھر پر اور یہاں کے لوگوں پر۔" جازیہ نے نفرت اور حقارت سے کہا اور روتے ہوئے کمرے سے نکل کر باہر کی جانب نکلتی چلی گئی۔ رومانہ بیگم چہرہ چھپائے بے تحاشہ رو رہی تھیں۔ روحانہ روتے ہوئے سروش کو سنبھالنے لگی جو اس صورت حال سے گھبرا کر بری طرح رو رہا تھا۔ عبیل نے ایک تیز اور غصیلی نظر رومانہ بیگم پر ڈالی اور بنا کچھ کہے تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

روحانہ عبیل کے کمرے کی طرف آئی' عبیل مٹھیاں بھینچے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کتنی بے چینی اور اضطرابی کیفیت تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی مما کو کیا کہے؟ کتنی گری ہوئی حرکت کی تھی انہوں نے وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روحانہ' سدرہ چچی اور نوال سے اس حد تک نفرت کرتی ہیں کہ اس حد تک جا سکتی تھیں' انہوں نے کتنا گھناؤنا کھیل کھیلا تھا۔ ایک معصوم اور باحیا لڑکی کو کس طرح بدنام کر کے اس کی نظر میں مشکوک بنادیا تھا اور وہ معصوم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر...... یااللہ! مجھ سے کتنی بڑی بھول ہوگئی تھی' نہ جانے وہ کہاں ہوگی......؟ کس حال میں ہوگی؟ یااللہ اس وقت میرے دل و دماغ پر غفلت کا پردہ کیوں پڑ گیا تھا۔ میں جو بچپن سے اسے جانتا تھا اس کی ایک ایک بات سے واقف تھا' اس کی فطرت کو سمجھتا تھا' کیوں...... کیوں؟ میں نے اس کی بات نہیں سنی؟ اس کی سچائی پر' اس کی پارسائی پر کیوں شک کیا میں نے؟ میں...... نے اس کی بات کیوں نہیں سنی......؟ روحانہ نے قریب آ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آپی......" وہ روحانہ سے لپٹ کر بری طرح رونے لگا۔ "آپی...... یہ سب کیا ہوگیا' مما نے ایسا کیوں کیا؟ اگر مما اس کی شادی مجھ سے نہیں کرنا چاہتی تھی تو نہ کرتیں مگر' مما اس حد تک چلی گئیں' ایک معصوم لڑکی کو بے عزت کر ڈالا' اس پر آوارگی کا الزام لگا دیا یہاں تک کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہی اور نہ جانے سدرہ چچی کے ساتھ

کہاں کہاں بھٹک رہی ہوگی' آپی ہم سب نے مل کر ظلم کیا ہے۔ ہم سب نے ہی بلا سوچے سمجھے ان کی بات پر یقین کرلیا......!" وہ بے تحاشہ رو رہا تھا۔

"ہاں میرے بھائی واقعی اس وقت بہت بڑی غلطی ہوگئی تھی لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ نوال کراچی میں ہے۔ سدرہ چچی کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور نوال کی شادی ہوگئی ہے اور نوال کی شادی جس سے ہوئی ہے وہ جازیہ کا پہلا شوہر ہے جس نے امریکہ میں جازیہ سے شادی کی تھی۔"

"آپی نوال کی بھی شادی ہوگئی۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ "اور...... آپ کو یہ سب کیسے پتہ چلا' وہ کہاں ہے' اس کا گھر کہاں ہے اور سدرہ چچی کی ڈیتھ کب ہوئی' اس کا فون نمبر اس سے کوئی رابطہ؟" وہ بے تابی سے سوال پر سوال کیے جا رہا تھا۔ تب روحانہ نے اس کو ہاسپٹل میں ملنے سے لے کر فون پر بات ہونے تک کی ساری باتیں بتادیں اور یہ بھی کہ اس کا شوہر جازیہ سے وابستہ ہر شخص سے نفرت کرتا ہے اور اس روز شاید ہماری بات اس نے سن لی کیونکہ مجھے کسی آدمی کے چیخنے چلانے کی آواز آئی۔ اس کے بعد سے میں نے کتنی بار کوشش کی مگر...... اس کا نمبر بند جا رہا ہے۔" روحانہ نے روتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"اوہ آپی' یہ سب کیا ہوگیا؟ وہ ملی بھی اور بچھڑ بھی گئی۔ آپی کاش' کاش ایک بار وہ مجھے کہیں مل جائے تو میں اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گا۔" ایک طرف جازیہ کا رویہ اس کو طلاق دینا' مما کے بارے میں اتنی بڑی سچائی سننا اور پھر نوال کے بارے میں یہ سن کر عبیل بے حد آزردہ اور بے قرار ہوگیا تھا۔

"صبر کرو میرے بھائی ہم ویسے بھی شاید نوال سے کبھی نہ مل سکیں کیونکہ اس کے شوہر کو پسند نہیں ہے' ہم صرف اس کے لیے دعا کرسکتے ہیں کہ اللہ پاک اسے جہاں بھی رکھے سلامت اور اپنے حفظ وامان میں رکھے۔" روحانہ بھی بے حد دل برداشتہ اور مضمحل تھی۔

"آپی میں...... میں...... مما کو کبھی بھی معاف نہیں کرسکتا۔" عبیل نے حتمی لہجے میں کہا۔ "میں ان سے بات نہیں کروں گا انہوں نے ہم سب پر ظلم کیا ہے آپی...... سدرہ چچی جو کہ بیمار تھیں' نوال جوان' خوب صورت لڑکی' وہ بیمار ماں کے ساتھ کس طرح نکلی ہوگی' اس وقت اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی؟ کاش...... میں...... اس وقت مما کو سمجھ لیتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔" وہ حد درجہ پشیمان تھا' رہ رہ کر اپنی کوتاہی اور سنگ دلی پر غصہ آ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ رومانہ بیگم کی طرف سے اس کا دل بہت برا ہوگیا تھا۔

روحانہ بہت مضمحل اور اداس سی اپنے گھر لوٹ گئی تھی' ادھر رومانہ بیگم کا بھی رو رو کر برا حال تھا۔ جازیہ نے ان سے ٹھیک بدلہ لیا تھا۔ رومانہ بیگم خود کو کتنا بے بس تصور کر رہی تھیں جب کہ ان کی اولاد ہی ان سے ناراض ہوگئی تھی۔ ان کی آنکھوں سے غرور' تکبر' انا اور ضد کی پٹی اتر چکی تھی۔ وہ سخت پشیمان اور نادم تھیں۔ انہیں رہ رہ کر اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا آج اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد جب وہ اپنی اولاد کے سامنے ہی شرمندہ ہوگئی تھیں۔ انہیں یہ خیال آ رہا تھا کہ انہوں نے اس وقت بہت غلط کیا تھا۔ ایک ایک بات یاد آ گئی اور اب وہ پچھتا رہی تھیں۔ عبیل نہ ان کے کمرے میں جاتا نہ بات کرتا' گھر کی نوکرانی ہی ان کا خیال رکھتی تھی۔ تین دن بعد روحانہ آئی تو رومانہ بیگم اس کو دیکھ کر بری طرح رو دیں۔ روتے روتے نہ جانے کیا ہونے لگا۔ ہاتھ پاؤں اکڑ سے گئے تھے' زبان بھی جیسے لڑکھڑانے لگی تھی۔ روحانہ نے چیخ کر عبیل کو بلایا۔ عبیل آیا تو رومانہ بیگم اس کے ہاتھ تھام کر بری طرح سسک پڑیں۔

"میرے بچے...... میں...... میں بہت گناہ گار ہوں' نہ جانے اس وقت میرے ذہن پر صرف شبانہ اور اس کے بچے ہی کیوں سوار رہتے تھے...... میں...... اچھے برے کے فرق کو بھول چکی تھی میں نے بے گناہ اور معصوم بچی کے ساتھ بہت ظلم کیا' میرا گناہ قابل معافی نہیں' اب یہ پشیمانی' ندامت مجھے لمحہ لمحہ مار رہی ہے' پچھتاوے کا زہر قطرہ قطرہ میری رگ رگ میں اتر رہا ہے۔ میں پل پل اذیت اور تکلیف کا شکار ہوں۔ اگر...... کہیں سے نوال آجائے...... سدرہ مل جائے تو میں ان کے پیروں پر سر رکھ کر معافی مانگ لوں

گی۔ میں اب اس ندامت کے احساس کے ساتھ جینا نہیں چاہتی۔ مجھے معاف کردو میرے بچوں۔" وہ روتے ہوئے بے ترتیب جملے ادا کررہی تھیں۔ ان کو بولنے میں تکلیف ہورہی تھی۔ سر عجیب انداز میں ٹیڑھا ہونے لگا تھا۔ ہاتھ پیر سن ہونے لگے تھے۔

"مما...... مما......!" دونوں آخر اولاد تھے کیسی بھی تھیں ان کی ماں تھیں وہ دونوں تڑپ کر چلائے۔

"مما ہم نے معاف کیا' آپ آپ کو کیا ہورہا ہے؟" رومانہ بیگم کے جسم پر رعشے جیسی کیفیت طاری ہوئی اور...... وہ بے ہوش ہوگئیں۔ فوراً ہی ایمبولینس منگوا کر ہاسپٹل لے کر بھاگے۔ انہیں فوراً ایمرجنسی میں پہنچا دیا گیا۔ رومانہ بیگم کو فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ وہ کچھ دنوں میں ٹھیک ہوکر واپس تو آ گئی تھیں لیکن ان کا آدھا جسم مفلوج ہوچکا تھا۔ زبان میں اس قدر لکنت آ گئی تھی کہ بات نہ کی جارہی تھی۔ بس زندہ لاش کی صورت کونے میں پڑی رہتی تھیں۔ ہر دم دندناتی پھرنے والی بھاری بھرکم اور تمکنت والی رومانہ بیگم بستر پر پڑی رہتیں' آواز کی کرختگی' چہرے کا جاہ وجلال' رعب دبدبہ سب کچھ مٹی میں مل چکا تھا۔ اب بستر پر پڑی ہر دم اللہ اللہ کرتی رہتیں اور رو رو کر اللہ پاک سے معافیاں مانگتی رہتی تھیں۔ اماں کی ایسی حالت دیکھ کر روحانہ مستقل طور پر یہیں شفٹ ہوگئی تھی۔ عمیل بالکل چپ ہوکر رہ گیا تھا۔ ہر دم خاموش رہتا' اپنے کام سے کام رکھتا' آفس سے آتا تو تھوڑی دیر سروش سے کھیلتا' پھر اپنے کمرے میں چلا جاتا۔ ہر دم ایک وحشت ایک اداسی برستی رہتی تھی۔ سائرہ' جاسم اور شازیہ بھی کبھار بات کرلیا کرتے تھے پھر وہی اداسی اور خاموشی کا راج تھا۔ عمیل جب حد سے زیادہ اداس ہوجاتا' وحشتیں عروج پر ہوتیں تو وہ گاڑی لے کر نکل جاتا' یونہی بے مقصد سڑکوں پر گھومتا رہتا' ہر شاپنگ سینٹر' ہاسپٹل اور پکنک پوائنٹ جاتا کہ شاید کہیں کسی شاپ پر' کسی ہاسپٹل کے گیٹ پر' کسی پکنک پوائنٹ پر اسے نوال نظر آجائے' ساحل سمندر پر گھنٹوں گھومتا رہتا مگر ہر بار اس کی نگاہیں مایوس ہوکر لوٹ آتیں۔ کہیں پر بھی' کسی جگہ بھی نوال کی جھلک تک نظر نہ آتی۔ عجیب سی زندگی ہوگئی تھی بے چینی' بے قراری' بے کلی' ندامت اور بہت کچھ کھودینے کے احساس نے عمیل کو بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا۔

❁......●❁●......❁

نوال بیڈ پر لیٹی چھت کو تک رہی تھی۔ کیسی زندگی ہوگئی تھی اس کی' بے کیف اور بے مزہ نہ جینے کی خواہش باقی رہی تھی نہ دل میں کوئی ارمان تھے' زندگی تو ایک مجرم ایک قیدی سے بھی بدتر ہوکر رہ گئی تھی۔ صرف سانسیں اس کی اپنی تھیں ورنہ تو وہ سارب کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی تھی۔ اس کا اور سارب کا رشتہ صرف ضرورتوں کی حد تک تھا۔ وہ سارب کے سارے کام وقت پر کردیا کرتی' نہ اسے کھانے کے لیے انتظار کرنا پڑتا' نہ کپڑے دھلنے اور استری کی فکر ہوتی' ہر چیز وقت پر تیار ملتی' وہ بات کرتا تو صرف اس کو ٹارچر کرتا' طعنہ زنی ہوتی' اس کے ماضی کو لے کر زہر آلود جملے اس کی سماعتوں میں انڈیلتا' اس کی کردار کشی کرتا اور ساتھ اپنے گھر میں رکھنے کا احسان بھی جتاتا رہتا۔ نوال رو رو کر اسے اپنے ماضی کی صفائیاں دیتی خود کو بے گناہ اور باحیا ہونے کی دہائیاں دیتی مگر...... وہ...... ہر بات کے جواب میں اسے ایک اور گندے لفظ سے نواز دیتا۔ نوال تو مکمل طور پر سارب کی نظر میں بدکردار اور بے حیا ہوچکی تھی۔ اس روز بے چینی حد سے زیادہ بڑھی...... پرانے رشتے اور ماضی کی خوش گوار یادوں نے دل پر دستک دی' ساتھ ہی کچھ اپنے یاد آ گئے تو وہ پرانی ڈائری نکال کر بیٹھ گئی۔ پرانی خوش گوار یادوں کے ساتھ' مما کے ساتھ گزرے ہوئے ایک ایک پل کی داستان رقم تھی۔ وہ زار وقطار رونے لگی۔ سدرہ کی یاد نے اس کی بے چینی میں مزید اضافہ کردیا۔

"مما آپ کی بیٹی کن حالات میں جی رہی ہے......؟ اس کا کردار آج بھی مشکوک ہے...... میرا شوہر مجھے تالے میں بند کرکے رکھتا ہے کہ میں کہیں بھاگ نہ جاؤں...... یا کوئی گھر میں نہ آجائے...... کتنی تنہا ہوں میں...... کتنی اکیلی......" وہ اس قدر کھوگئی کہ اسے شام ڈھل جانے کا بھی احساس نہ ہوا...... کمرے میں اندھیرا پھیل گیا تھا۔ مگر اسے باہر کے اندھیروں سے اب خوف نہیں آتا تھا' اندر جو اتنا گہرا اندھیرا تھا۔ اس کے روم روم میں اندھیرا اور اداسی بسی ہوئی تھی۔ کوئی روزن' کوئی راستہ اور کوئی روشنی کی کرن نہ تھی' کس سے گلہ کرتی' بس اللہ کے آگے ہی وہ دل بھر کے رولیتی' اس سے ہی مدد مانگتی' اچانک کمرے کی لائٹ جلی تو وہ خیالات سے چونکی۔

"اوہو...... تو گزشتہ باتوں' واقعات اور لمحات کو یاد کرکے آنسو بہائے جارہے ہیں۔ سوگ منایا جارہا ہے اپنے یاروں سے بچھڑنے کا......؟" زہر میں بجھا ہوا تیر اس کی جانب پھینکا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"یہ...... یہ کیا ہے؟" آگے بڑھ کر ڈائری اس کے سامنے سے اٹھالی۔

"سارب یہ ڈائری مجھے واپس کردیں۔ اس میں میری مما کی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ان سے وابستہ بہت سی یادیں ہیں' یہ مجھے بہت عزیز ہے۔ مجھے جان سے پیاری ہے' مجھے واپس دے دیں۔" وہ تیزی سے اٹھی اور ڈائری سارب کے ہاتھ سے لینی چاہی۔

"مما...... یا پھر تمہارے پرانے عاشق کی عشق بازیوں کے قصے ہیں۔ وہی تمہارا کزن' تمہارا پرانا عاشق' جس سے تمہاری عشق کی داستانیں مشہور تھیں۔" طنز سے ہنستے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے جاہلانہ لہجے میں بولا۔

"سارب پلیز...... آپ پڑھ سکتے ہیں اس میں جو کچھ لکھا ہے۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"ہاہاہا' میں پڑھوں...... کیوں پڑھوں میں؟ میں کیا...... آج کے بعد یہ ڈائری اس قابل نہیں رہے گی کہ میں تو کیا تم بھی اسے پڑھ سکو۔" وہ ڈائری کا ایک ایک پیج پھاڑنے لگا۔

"سارب...... سارب خدا کے لیے...... ایسا مت کریں' میری مما کی یادیں ہیں...... پلیز...... پلیز۔" وہ پاگلوں کی طرح اس سے ڈائری لینے کی کوشش کررہی تھی ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔

"یہ لو......" وہ ادھر سے ادھر کرتا...... قہقہے لگاتا اور ساتھ ساتھ پیج بھی پھاڑ رہا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح اسے روکنے کی ناکام کوشش کررہی تھی لیکن وہ...... پوری ڈائری کے صفحے پرزے پرزے کرکے ہوا میں اچھال چکا تھا۔ وہ چلاتی رہی' منتیں کرتی رہی' مگر سارب پر تو جیسے جنون سوار تھا وہ ڈائری کے خالی کور کو پھینک کر کمرے سے باہر چلا گیا' ڈائری کے چھوٹے چھوٹے بے شمار بکھرے ہوئے ٹکڑے ہوا سے ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔ وہ بے بسی سے روتی ہوئی زمین پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے بکھرے ہوئے صفحات اکٹھا کرنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ یہ اذیت دینے کا کون سا طریقہ تھا؟ کتنی اذیت دے رہا تھا وہ...... نہ جانے کتنی دیر وہ وہیں اسی حالت میں بیٹھی اپنی مما کی یاد میں آنسو بہاتی رہی۔

"اٹھو بس کرو اب یہ سوگ اپنا' منحوس عورت مجھے کھانا دو بھوک لگی ہے۔" نہایت سفاک آواز پر وہ اٹھی اور آنسو پونچھتی ہوئی کچن کی سمت بڑھ گئی۔ کھانا کھا کر وہ ٹی وی دیکھنے بیٹھ گیا...... نوال چائے بنا کر لائی تو اس نے کہا۔

"ادھر بیٹھو یہ ڈراما دیکھو یہ تمہاری اسٹوری ہے۔ ایک لڑکی اور دو عاشق واؤ۔" طنزیہ لہجے میں کہا۔ وہ بنا جواب دیئے پلٹی...... سارب نے اس کی کلائی پکڑ لی...... درد کی شدت سے نوال کی سسکی نکل گئی۔

"بیٹھو اور پورا ڈراما دیکھو۔" یہ اذیت کا کون سا انداز تھا وہ صوفے پر ٹک گئی۔

"یااللہ یہ کیسا امتحان ہے میرے مالک اس شخص کی سوچ کتنی غلیظ ہوگئی ہے' خوامخواہ کیوں مجھ پر زندگی تنگ کررہا ہے......؟ اسے ٹھیک کردے یا مجھے موت دے دے۔" جب کچھ نہ سجھائی دیتا تو وہ اپنے لیے موت مانگتی کہ شاید وہاں جاکر کچھ پرسکون ہوجائے۔

سارب دن بہ دن ٹارچر کرنے کے نت نئے طریقے ڈھونڈنے لگا تھا۔ ہر بات میں اسے آوارہ اور بدچلن ٹھہرانا اس کا اولین فرض ہوگیا تھا' کبھی کبھی نوال کا دل کرتا کہ

سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے بھاگ جائے مگر...... وہ تو تالے میں بند رہتی ...... اور...... جاتی بھی تو کہاں جاتی......؟ کون سا ٹھکانہ تھا اس کا...... روحانہ آپی سے مل کر اسے تھوڑی تسلی ہوئی تھی۔

"میرا کون ہے...... کس کے پاس جاسکتی ہوں' کون مجھے سہارا دے گا؟" یہ دکھ بہت اذیت ناک اور تکلیف دہ تھا۔ عورت اپنے سسرال والوں کا ظلم زیادتی بھی برداشت کرلیتی ہے' شوہر بھی اگر زیادتی کرے تو وہ میکے کا سہارا لے لیتی ہے۔ عورت عمر کی کسی منزل پر ہو اس کے لیے "میکے" کا غرور اور مان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ سسرال میں ظلم' زیادتی اور جبر برداشت کرنے والی عورتیں جب کچھ دیر کے لیے میکے جاتی ہیں تو سسرال کے سارے درد' دکھ' ساس کی صلواتیں' نندکی طنزیہ باتیں' کام کا بوجھ سب کچھ بھول جاتی ہیں لیکن یہاں تو ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ ایک قیدی کی طرح اسے عمر قید کی سزا کاٹنی تھی۔ رحم کی اپیل کرتی بھی تو کس سے کرتی؟ یہاں تو سزا دینے والا بھی سارب تھا سزا سنانے والا بھی سارب تھا۔ وہ بھلا کیسے بے گناہی کا یقین دلاتی۔ وہ تو کچھ سننے کو تیار تھا نہ کچھ ماننے کو' اس کا ہر فیصلہ آخری ہوتا جیسے قلم توڑ ڈالا ہو۔

آج صبح سے مشین لگا کر اس نے کپڑے دھوئے' پردے اور چادریں بھی دھوئیں' دوپہر تک فارغ ہو کر نہا کر نکلی تو ظہر کی اذان ہونے لگی۔ وہ نماز کے لیے کھڑی ہوئی' تب ہی سارب آگیا' وہ اسی طرح اچانک سے کسی بھی وقت آجاتا تھا۔ نہائی دھوئی نکھری نکھری سی وہ اچھی لگ رہی تھی۔

"کون آیا تھا یہاں آج......؟" آتے ہی بدتمیزی سے نوال کو جائے نماز سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"سارب...... سارب یہ کیا بدتمیزی ہے......" یوں اچانک نماز کے دوران گھسیٹنے پر بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ "نماز پڑھ رہی تھی ناں۔"

"بکواس بند کرو اپنی' بڑی آئی نماز پڑھنے والی...... بتاؤ آج گھر میں کون آیا تھا؟" سارب نے چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے سوال کیا۔ "مجھے یہاں پر سگریٹ کی بو آرہی ہے اور تم...... تم بھی بڑی کھلی کھلی لگ رہی ہو۔" اس کے لہجے میں حقارت تھی۔ ساتھ ہی اس کا بازو پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"سارب ہوش کریں کیا ہوگیا ہے آپ کو...... آپ باہر سے گیٹ لاک کرکے جاتے ہیں اور جب آتے ہیں تب ہی تالا کھلتا ہے پھر...... بھلا کیسے کوئی آسکتا ہے اور کون آئے گا یہاں پر؟" نوال نے کہا۔

"دیوار پھلانگ کر بھی تو کوئی آسکتا ہے...... سچ...... سچ بتاؤ۔" کلائی پر گرفت سخت کرتے ہوئے سارب زہریلے لہجے میں بولا۔

"خدا کا واسطہ ہے سارب...... اتنی بدگمانی اچھی نہیں۔"

"بکواس بند کرو اپنی...... مجھے سگریٹ کی بو آرہی ہے مجھے یقین ہے کہ کوئی آیا تھا۔" وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ چیک کرلیں گھر کا کونا کونا' تسلی کرلیں اپنی۔" نوال نے بے بسی سے کہا۔

"مکار عورت ایک نہ ایک دن تجھے رنگے ہاتھوں پکڑوں گا۔" زہریلے لہجے میں کہتا ہوا نوال کو جائے نماز کی طرف دھکیل کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

"یااللہ! کیسے سمجھاؤں' کیسے یقین دلاؤں اس آدمی کو؟ کس حد تک گرچکا ہے یہ...... کیسے مکروہ خیالات آجاتے ہیں اس کے ذہن میں......؟ کیسی کیسی خرافات پال رکھی ہیں اس نے اپنے اندر...... کتنا زہر...... کتنا لاوا چھپا ہوا ہے اس کے اندر؟ کس طرح اس کے ساتھ جی پاؤں گی؟ اس کی بدگمانیاں دن بہ دن بڑھتی جارہی ہیں' روزانہ ایک نئی بات لے کر وہ مجھے بے عزت کیے جاتا ہے' مجھ پر الزام لگا کر میرے کردار پر کیچڑ اچھالتا ہے' میں کب تک یہ اذیت سہوں......؟" وقت کے ساتھ اس کی جرح اس کی بدگمانی اور شکوک بڑھتے جارہے تھے' راتوں کو اٹھ اٹھ کر اسے دیکھتا وہ کچن میں ہوتی تو دس چکر لگالیتا۔ ہر بار طنزیہ جملہ اور کوئی تکلیف دہ جملہ کہتا۔

اس روز نوال چائے بنانے کچن میں آئی تو دل بے تحاشا بھر آیا۔ وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر وہیں اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"چائے بنا رہی ہو تو دو کپ بنالو پلیز۔" کانوں کے پاس ہی عقیل کی چہکتی آواز گونجی...... "ارے یار اب تو بن بھی چکی۔" اس نے ساس پین پکڑ کر کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اوہو!" عقیل کا منہ بن گیا۔

"روتے کیوں ہو دونوں مل کر پئیں گے ناں۔"

"واؤ گڈ تھینک یو سو مچ۔" عقیل یک دم سے خوش ہوکر اس کے پاس ہوکر مسکرایا تھا۔

"اوہنہ......!" اسے دھکا دیتے ہوئے نوال نے آنکھیں نکالی اور پھر دونوں ہنس دیئے تھے۔

دفعتاً نوال کو لگا جیسے کسی نے بازو پر دہکتا ہوا کوئلہ رکھ دیا ہو سسکاری اس کے لبوں سے خارج ہوئی چونک کر بے ساختہ اپنا بازو مسلا...... جلن کی شدت سے نوال کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

سامنے سارب کھڑا تھا۔ اس نے دھندلائی آنکھوں سے اپنے بازو کی طرف دیکھا جس پر سگریٹ سے داغ لگایا گیا تھا اور بڑا سا آبلہ پڑ گیا تھا۔ تکلیف کی شدت سے وہ بے حال ہونے لگی تھی۔

"تم تو نہ جانے کس عاشق کے خیالات میں گم تھیں احساس بھی نہیں ہوا کہ چائے جل رہی ہے۔" سارب نے نفرت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

چائے کا پانی خشک ہوچکا تھا وہ بدحواس ہوکر جلدی سے ساس پین اتارنے لگی تو بے خیالی اور بوکھلاہٹ میں جلتے ہوئے گرم ساس پین کو پکڑلیا۔

"نہ جانے کہاں اور کس کے خیالات میں کھوئی رہتی ہو بے حیا عورت تمہیں تو دہلیز بدلنے کی عادت ہے ناں۔" لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔

"سارب...... سارب بس کریں...... آپ...... آپ زیادتی کررہے ہیں میرے ساتھ...... میں برداشت نہیں کرسکتی۔" وہ بھی جواباً بولی۔

"بند کرو بکواس۔ تم کیا برداشت کررہی ہو' تم تو ہو ہی ایسی اور جازیہ نے تمہاری ماں کے بارے میں بھی بتایا تھا کہ ان کی بارات بھی تو نہیں آئی تھی اور...... ایک لڑکی کی بارات نہ آنے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اور تم...... تم بھی اسی عورت کی بیٹی ہو' ظاہر ہے جب ماں ایسی ہوگی تو بیٹی بھی تو اس کے......"

"سارب...... اسٹاپ!" وہ پوری قوت سے چلائی۔ اس کی برداشت جواب دینے لگی تھی۔

"میری مما کے بارے میں ایک لفظ بھی اور مت نکالنا اپنی زبان سے۔ مجھ پر آپ نے ہر قسم کا الزام لگایا' اذیت' دکھ اور تکلیف دی' مجھے لفظوں کے نشتر سے پل پل مارا' میرے کردار کو مشکوک بنایا' میں رو رو کر اپنی پارسائی کا اپنی پاکیزگی کا یقین دلاتی رہی' مگر آپ نے ہر ہر مقام پر میری عزت کے پرخچے اڑائے ہیں۔ تذلیل کی' میں آپ کی اماں کی پسند تھی' انہوں نے مجھے دیکھا' پرکھا تو ہی آپ سے شادی کروائی مگر آپ...... آپ نے ایک چھوٹی سی بات کو لے کر مجھ پر زندگی تنگ کردی بس...... میرا قصور ہے تو اتنا کہ میں نے اپنی بہن سے بات کرلی۔ آپ نے تو حد کردی' آپ کے ڈر سے آپ کے شکوک کی وجہ سے میں کئی کئی دن کپڑے نہیں بدلتی' بال نہیں بناتی کہ آپ کو یہ بھی برا لگتا ہے' میں آپ کے لیے تیار ہوں تو آپ کو آوارہ لگتی ہوں' میں نے آپ کی مرضی اور آپ کی منشاء کے مطابق زندگی گزارنے کی ہر ممکن کوشش کی خود پر ہر قسم کے ظلم' زیادتی اور الزامات برداشت کیے لیکن...... لیکن...... میں ہرگز...... ہرگز یہ برداشت نہیں کروں گی کہ آپ میری معصوم مرحومہ ماں کے بارے میں کوئی بکواس کریں۔" وہ غصے سے جملہ مکمل کرکے سارب کو دھکا دے کر کچن سے باہر نکل آئی۔

"ک...... ک...... کیا...... بکواس کررہی ہو تم...... میں' میں بکواس کررہا ہوں...... یہ بولا تم نے؟" سارب تیزی سے آگے آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے غصے

سے بولا۔
"ہاں...... آپ نے ذلالت کی انتہا کردی ہے میری مری ہوئی ماں کو درمیان میں لاکر سارب! حد ہوتی ہے کسی بات کی اور...... اور کتنا امتحان لیں گے میرے حوصلے وہمت کا میری برداشت اور صبر کا...... میں اپنے بارے میں برداشت کرسکتی ہوں مگر...... خبردار جو میری ماں کے بارے میں آئندہ ایک لفظ بھی بولا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا سمجھے آپ؟" وہ ضبط کی آخری حدیں توڑتی ہوئی چلا کر بولی۔
"چپ کر، بہت بولنے لگی ہے بدتمیز عورت' کون ہے تیرے پیچھے؟ کس کی زبان آ گئی ہے تیرے منہ میں؟" وہ ہاتھ کو جھٹکا دے کر خباثت سے بولا...... ساتھ ہی ایک تھپڑ بھی نوال کے منہ پر مارا۔
"نہیں چپ کروں گی' آج آج میں چیخوں گی چلاؤں گی' بتاؤں گی سب کو کہ تم کتنے گھٹیا' نیچ اور ظالم انسان ہو۔" وہ تکلیف سے بے حال ہوکر اس کے روبرو چلا کر بولی۔
"چپ ہوتی ہے یا نہیں۔" آگے بڑھ کر سارب نے نوال کے بال اپنی مٹھی میں جکڑے...... درد کی شدت سے نوال تڑپ گئی۔ ساتھ ہی ہاتھ' لاتیں اور گھونسے برسانے لگا۔
"سارب سارب...... مجھے چھوڑو...... پاگل انسان...... سارب خدا کے لیے...... چھوڑو مجھے وہ دونوں ہاتھوں سے اس کو دھکا دیتی ہوئی خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کررہی تھی مگر...... سارب...... پر نہ جانے کیسا جنون سوار تھا' جیسے آج وہ نوال کو مار ہی ڈالے گا...... "سارب چھوڑ دو مجھے......" وہ چلا رہی تھی۔
"چھوڑ دوں......" ہاتھ روک کر اس کے منہ کے قریب منہ لاکر پوچھا۔ "جا چھوڑ دیا تجھے......" مٹھی میں جکڑے بالوں کو ہاتھ کی گرفت سے آزاد کیا...... "تجھے چھوڑ دیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا میں نے تجھے طلاق دی' طلاق دی' میں نے تجھے طلاق دی۔"

"سارب...... سارب......؟" وہ آنکھیں پھاڑے اس بے رحم شخص کو دیکھتی رہی وہ اسے آزاد کرکے جاچکا تھا۔
"جسم کے ایک ایک عضو سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں' پورا وجود پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا' جسم تو گھائل تھا ہی مگر اس سے زیادہ گہرا گھاؤ تو اس کی روح پر لگا تھا آناً فاناً اس کی تقدیر کا فیصلہ سنا کر ابن آدم اپنا حق استعمال کرکے جاچکا تھا اور بنت حوا مجبور' بے بس اپنے پور پور دکھتے وجود کو لے کر سسک رہی تھی۔
"جیسا بھی تھا سر چھپانے کا ٹھکانہ تو تھا اب وہ کہاں جائے گی؟ یہی ایسا سوال تھا جس کو لے کر وہ سارب کی زیادتیاں' ظلم سہتی آئی تھی اور اب...... اب......" یہی سوال منہ پھاڑے اس کے سامنے تھا کہ وہ جائے تو کہاں جائے۔
"روحانہ آپی' مگر نہ جانے وہ کہاں رہتی تھیں...... رات کا ٹائم تھا رات کے گیارہ بجے وہ یہاں سے نکلتی تو کہاں جاتی......؟ ذہن پر زور دیا مگر...... مگر...... روحانہ کا نمبر...... اس وقت وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہوچکی تھی۔ یہاں پر رکنے کا کوئی جواز تھا نہ کوئی وجہ...... اسے ہر صورت یہاں سے نکلنا تھا' بہ مشکل اپنا دکھتا ہوا جسم لے کر وہ اٹھی آخری نظر گھر کے در و دیوار پر ڈالی' جب وہ اور سدرہ دل میں لاکھوں خدشات اور واہمات لیے اس گیٹ پر آ کھڑے ہوئے تھے...... لیکن ثروت خانم کی محبت' خلوص اور اپنائیت نے ان دونوں میں ہمت' حوصلہ پیدا کیا تھا۔ ثروت خانم کی یاد آئی تو بے اختیار آنکھیں چھلک پڑیں' کتنی پیاری' مخلص اور نیک خاتون تھیں پھر سدرہ کی موت...... مما...... مما...... دل سے آواز آئی' سارب سے شادی اور پھر سارب کا بدلتا رویہ آہستہ آہستہ سارب جیسے نفسیاتی مریض بنتا جارہا تھا آج...... آج تو ساری حدیں پار ہوچکی تھیں۔
نہ کوئی ٹھکانہ تھا نہ سہارے کا کوئی امکان' گھر پر آخری نظر ڈال کر اس نے اپنے وجود کو چادر میں اچھی طرح سے چھپایا اور اللہ کا نام لے کر خود کو آیۃ الکرسی کے حصار میں

لے کر گھر سے نکل پڑی خود کو اللہ کے حوالے کرکے بے قراری کو کچھ قرار ملا تھا۔ اس نے اپنے ذہن پر بے تحاشہ زور ڈالا ذہن کے کسی گوشے میں روحانہ کا سیل نمبر محفوظ تھا' نوال نے سوچا کہ وہ کسی پی سی او سے روحانہ کو کال کرے گی' یہی سوچتی ہوئی وہ سڑک پر چلی جارہی تھی انجانے خوف سے پسینے بھی چھوٹ رہے تھے۔ وہ جوان ہونے کے ساتھ خوب صورت بھی تھی' آج کل کے حالات اتنے خراب تھے ایسے وقت میں یوں جوان لڑکی کا تنہا رات کے وقت باہر نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ وہ اپنی دھن میں کچھ اس طرح مگن تھی اسے یہ بھی احساس نہ ہوا کہ وہ چلتے چلتے روڈ پر آ گئی ہے۔
کمال شاہ اپنی فیملی کے ساتھ کسی فنکشن سے واپس آرہے تھے انہوں نے جیسے ہی گاڑی کا موڑ کاٹا وہ سامنے نظر آئی...... دنیا و مافیہا سے بے خبر وہ اپنی دھن میں چلی جارہی تھی۔ کمال شاہ نے ہارن دیا مگر وہ...... چلتی رہی...... کمال شاہ نے کمال ہوشیاری سے بریک لگائے لیکن اتنی دیر میں گاڑی ہلکی سی نوال کو ٹچ کرگئی تھی اور وہ گر پڑی تھی۔
"اللہ رحم کرے۔" خورشید بیگم نے بے ساختہ کہا۔ کمال شاہ کے ساتھ مونا بھی گھبرا کر نیچے اتر آئیں۔ زخم تو معمولی سے تھے سر پر اور پیر پر چوٹ لگی تھی مگر شاید خوف کی وجہ سے نوال بے ہوش ہوگئی تھی۔
"میرا خیال ہے چھوڑیں اسے' ہم چلتے ہیں نہ جانے کون ہے کیسی ہے اور اس وقت یوں سڑک پر کیوں گھوم رہی تھی؟" مونا نے کمال شاہ سے کہا۔
"نہیں مونا...... کیسی باتیں کررہی ہو یوں چھوڑ کر جانا کوئی اچھی بات نہیں...... دیکھو تو حلیے سے تو کوئی شریف اور پریشان حال لگتی ہے ہمیں اس کی مرہم پٹی کروانی چاہیے کیونکہ یہ ہماری گاڑی سے زخمی ہوئی ہے۔" خورشید بیگم کو بہو کی بات بالکل اچھی نہیں لگی تھی اس لیے انہوں نے کہا۔
"ٹھیک ہے اماں۔ قریبی میرے دوست کا کلینک ہے اسے وہاں لے چلتے ہیں۔" کمال شاہ نے بھی اماں کی

بات کی تائید کی۔ مونا کا منہ بن گیا تھا مگر وہ کچھ بولی نہیں۔ بہ مشکل نوال کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال کر ہاسپٹل لے گئے۔ ڈاکٹر نے دیکھا دوا لگا کر زخم کی پٹی کی انجکشن لگایا تو تھوڑی دیر میں نوال نے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھ کھلتے ہی ہاتھ بے اختیار سر کی پٹی کی طرف چلا گیا۔
"اونہہ بیٹی۔" خورشید بیگم نے ملائمت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر منع کیا۔
"آپ؟" اس نے چاروں طرف دیکھا اور دفعتاً سارا کچھ ذہن میں آ گیا۔
"بیٹی تم ہماری گاڑی کے آگے آ گئی تھیں' معمولی سا زخم آیا ہے ان شاء اللہ ایک دو دن میں ٹھیک ہوجائے گا۔ تم اپنے گھر کا پتہ بتادو تو ہم تمہیں چھوڑ آئیں۔" خورشید بیگم نے اس کے پاس آ کر کہا۔
"گھر...... گھر......!" اس کے ذہن میں سارا کچھ آ گیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔
"ارے...... ارے کیا ہوگیا...... تم...... تم صاف بات بتاؤ؟" خورشید بیگم نے تھوڑا تیز لہجہ اختیار کیا۔
"ہاں بھئی! ہم شریف لوگ ہیں' ہمیں خوامخواہ کسی الجھن میں مت پھنساؤ اگر تم ایسی ویسی لڑکی ہو تو صاف بتادو' ہم اپنے گھر چلے جاتے ہیں' یہ لو یہ کچھ پیسے اور ہماری جان چھوڑو۔" مونا نے پرس سے کچھ پیسے نکال کر نوال کی جانب بڑھائے۔
"خدا کے لیے...... مجھ پر ایسا الزام مت لگائیں اگر میں رات کے اس وقت گھر سے نکلی ہوں تو میں انتہائی مجبوری کی حالت میں نکلی ہوں' خدارا مجھ پر اب یہ الزام مت لگائیں۔" وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے مونا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "آپ لوگ مجھے ایدھی سینٹر یا کسی بھی ایسے ادارے میں پہنچادیں جہاں بے سہارا خواتین کو پناہ مل سکے۔"
"بیٹی رات کے بارہ بج گئے ہیں ہم اتنی رات کو تمہیں کہیں نہیں چھوڑ سکتے۔ تم ہمارے ساتھ چلو تم زخمی بھی ہو آرام کرلو کچھ کھا پی کر دوا لے لو۔ صبح بات کریں گے اور

تمہیں چھوڑ آئیں گے۔" خورشید بیگم کو یہ معصوم چھوٹی سی لڑکی شریف اور اچھی فیملی کی لگی تھی جو واقعی مجبور اور لاچار تھی۔ مونا کو ساس کی پیشکش بالکل پسند نہ آئی تھی مگر وہ چپ رہیں کیونکہ کمال شاہ بھی خاموش تھے۔ وہ لوگ گھر آئے تو گھر پر ایک تیرہ چودہ سال کی بچی تھی جو بڑی حیرت سے نوال کو دیکھ رہی تھی۔ خورشید بیگم نوال کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔

"عکرمہ......" خورشید بیگم نے پوتی کو آواز دی۔

"جی دادو۔"

"بیٹی جلدی سے ایک کپ چائے اور دو سلائس لے آؤ۔"

"اوکے دادو! ابھی لائی۔" عکرمہ غور سے نوال کو دیکھتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ آج پہلی بار اسے دیکھا تھا ورنہ تو مما کی ساری دوستوں کو وہ جانتی تھی۔ نوال زخمی بھی تھی، عکرمہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی کہ یہ کون ہیں، کیوں آئی ہیں اور یہ زخمی کیسے ہوئیں؟ بس اسے یہ نازک سی آپی اچھی لگی تھیں۔ نوال سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی عجیب سی سوچوں کا شکار تھی وہ۔

"ابھی تم آرام کرو، ہم صبح بات کریں گے۔" چائے کے ساتھ زبردستی دو سلائس کھلا کر خورشید بیگم نوال کو آرام کرنے کا کہہ کر بولیں۔

"جی اچھا۔" یہ بھی غنیمت تھا کہ رات کا ٹھکانہ تو مل گیا تھا۔ صبح وہ دارالامان میں چلی جائے گی یہ سوچ کر وہ کمرے میں آ گئی۔ وہ چھوٹی سی بچی عکرمہ اسے بہت غور اور اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔ خورشید بیگم نے غور سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا، چہرے سے وہ معصوم اور شریف لڑکی لگ رہی تھی، آنکھوں میں مستقل آنسو تھے، انہیں اس پر ترس آ گیا۔

"چلو تم زیادہ سوچو نہیں بس آرام کرو۔" خورشید بیگم نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر آ گئیں۔

صبح وہ حسب معمول فجر کے وقت اٹھ گئی۔ طبیعت قدرے بہتر تھی۔ مگر جسم درد سے چور تھا، ایک تو بخار نے دھنک کر رکھ دیا تھا۔ جلے ہوئے زخموں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اٹھ کر نماز ادا کی اور دیکھا کمرے میں شیلف پر قرآن پاک رکھا تھا، قرآن پاک کی تلاوت اس کا روز کا معمول تھا وہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی نہ جانے کتنی دیر تک وہ قرآن پاک پڑھتی رہی، احساس جب ہوا جب دروازے پر دستک ہوئی، باہر عکرمہ کھڑی تھی۔

"آپی دادو ناشتے پر ویٹ کر رہی ہیں۔" عکرمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا گڑیا۔" اسے بھی یہ چھوٹی سی پیاری سی بچی عکرمہ بہت پیاری لگی تھی جس نے جھٹ اسے آپی بنا لیا تھا۔ وہ ناشتے کی ٹیبل پر آئی تو خورشید بیگم، کمال شاہ مونا اور عکرمہ تھے۔

"السلام علیکم!" اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ اب کیسی طبیعت ہے؟" خورشید بیگم نے پوچھا۔

"جی بہتر ہوں۔"

"یہ میرا بیٹا کمال شاہ، یہ بہو مونا اور یہ میری لاڈلی پوتی عکرمہ۔" خورشید بیگم نے تعارف کروایا۔

"جی!" نوال نے سر ہلایا۔

"ہاں اب بتاؤ تم کون ہو...... کہاں سے آئی ہو اور کہاں جانا چاہتی ہو؟" خورشید بیگم نے سب کے جانے کے بعد اسے مخاطب کیا۔ نوال سر جھکائے بیٹھی تھی جب سر اٹھایا تو ٹپ ٹپ ڈھیر سارے آنسو آنکھوں سے نکل کر اس کی گود میں گرنے لگے۔

"ارے ارے بیٹی! تم یوں روؤ گی تو ہم تمہاری مدد کیسے کریں گے جو بھی ہے تمہارے ساتھ جیسا مسئلہ ہے تم بالکل سچ سچ بتاؤ، ہم پر بھروسہ کر سکتی ہو میں ایک ماں ہوں اور مجھے بھی احساس ہے کہ بیٹیوں کے دکھ کیسے ہوتے ہیں۔" خورشید بیگم نے ہمدردی سے کہا۔

تب نوال نے ان کو ساری باتیں ٹھیک ٹھیک بتا دیں اور ساتھ ساتھ وہ بے تحاشہ روئے جا رہی تھی۔

"اف خدایا! اتنا ظلم، اتنا تشدد، وہ کیسا انسان ہے...... انسان ہے کہ حیوان؟" خورشید بیگم کی آنکھیں بھی اس چھوٹی سی لڑکی کے دکھ پر نم ہو گئی تھیں۔

"آنٹی پلیز بس ایک مہربانی کیجیے مجھے اپنی کزن کا نمبر یاد ہے میں ان سے بات کرنا چاہوں گی، مجھے بات کروا دیں...... یا پھر مجھے کسی فلاحی ادارے میں داخل کروا دیں۔" اس کا لہجہ بہت ٹوٹا ہوا تھا۔

"دیکھو تم یہ موبائل رکھ لو اس سے اپنی بہن کو کال کر لو، ان کے پاس جاؤ گی تو اچھی بات ہے اور جب تک ان سے رابطہ نہ ہو تب تک میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گی بیٹی، یہ زمانہ بہت خراب ہے۔ تم میری بیٹی کی طرح ہو، یہاں آرام سے رہ سکتی ہو۔" نوال نے آنسو بھری آنکھوں سے خورشید بیگم کو دیکھا، وہ بھی نوال کے دکھ پر دکھی ہو گئی تھیں۔ انہیں مظلوم لڑکی پر بہت ترس آ رہا تھا، جس نے اتنی سی عمر میں کتنی پریشانیاں کتنی کٹھنائیاں دیکھ لی تھیں۔ کیا کیا دکھ سہہ چکی تھی۔ نہ صرف جسمانی بلکہ وہ اندر سے بھی زخمی زخمی تھی۔

"آپ کا بہت شکریہ آنٹی! اگر آپ نہ ملتیں تو نہ جانے کہاں جاتی میں۔"

"بس تم فکر مت کرو اور بہن سے رابطہ کر لو ان سے کہو کہ وہ آ کر تمہیں لے جائیں۔" خورشید بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار بھرے لہجے میں کہا اور اٹھ گئیں۔

نوال نے کمرے میں آ کر فوراً روحانہ کے نمبر پر کال ملائی، مگر کوئی جواب نہ ملا، ایک...... دو...... تین...... چار...... اس نے کتنی بار کوشش کی ہر بار No کا ریپلائی آتا...... روحانہ آپی کا نمبر کیوں بند ہے اندھیروں میں روحانہ آپی نام کی ایک ہلکی سی روشنی کی کرن نظر آئی مگر...... نہ جانے کیوں ان سے بھی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ اب وہ یہاں کس صورت میں رہ سکتی تھی اسے خود بھی عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہاں جائے؟ یوں کسی پر کیسے بوجھ بن سکتی ہے۔

"سنو بیٹی...... میری نظر میں ایک ترکیب ہے جس سے تم کو یقیناً یہاں رہنے میں کوئی پرابلم یا ہچکچاہٹ نہیں ہو گی۔" خورشید بیگم نے اس کے چہرے کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی آنٹی۔" سر اٹھا کر نم آنکھوں سے خورشید بیگم کی جانب دیکھا۔

"دیکھو تم یہاں پر رہ کر عکرمہ کو ٹیوشن دے سکتی ہو اگر تم چاہو تو؟ اس کے علاوہ بھی اس کی دوستیں ہیں تم کہو تو میں بات کرتی ہوں۔ یوں تمہارے یہاں رہنے کا جواز بھی بن جائے گا اور تم کو کچھ پیسے بھی مل جائیں گے۔" خورشید بیگم کی بات پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا واقعی یہ بات ٹھیک تھی۔

"آنٹی......" اس نے زخمی نظروں سے خورشید بیگم کی طرف دیکھا۔ "ایسا کب تک ہو گا؟ میں یہاں اس طرح کب تک رہوں گی۔" خورشید بیگم نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"اللہ پاک تمہیں بہت جلد تمہاری بہن سے ملوائے گا بیٹا۔"

"آمین ثم آمین۔" وہ زیر لب بولی۔ وہ لوٹ کر اپنے گھر کسی صورت جانا نہیں چاہتی تھی جہاں سے وہ بے عزت ہو کر نکلی تھی۔

پھر خورشید بیگم نے کچھ بچیوں کے ٹیوشن کا بندوبست کر دیا تھا، گھر کے کونے والا کمرہ اسے دے دیا گیا تھا۔ وہ شام کو اپنے کمرے میں بچوں کو پڑھاتی، جب کمال شاہ گھر پر ہوتے تو وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی، وہ نہ ہوتے تو گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں مونا کا ہاتھ بٹا دیتی، عکرمہ کے ساتھ مل کر اس کے اسکول کے پروجیکٹ بنواتی رہتی، ساتھ ساتھ اس کو کڑھائی، سلائی اور آرٹ اینڈ کرافٹس بھی سکھاتی رہتی، خورشید بیگم کے چھوٹے موٹے کام کر دیتی، وہ دعائیں دیتیں، مونا جب بازار جاتی نوال کو ساتھ لے جاتی کہ شاید کہیں روحانہ نظر آ جائے کیونکہ نوال صرف روحانہ سے ملنا اور اس کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔ نوال کے آنے سے گھر میں مثبت تبدیلی آئی تھی۔ مونا بھی

مطمئن تھیں حالانکہ ابتدا میں وہ نوال سے تھوڑی تھوڑی غیر مطمئن تھی کہ نہ جانے کون ہے کہاں سے آئی ہے؟ لیکن رفتہ رفتہ نوال کی معصومیت، سچائی اور باتوں نے مونا کو بھی مطمئن کردیا تھا کہ وہ واقعی مظلوم اور شریف لڑکی ہے۔ مونا کو بھی اس کی کہانی سن کر بہت رونا آیا تھا۔ وہ بھی اب نوال کا خیال رکھنے لگی تھی۔ سب سے بڑھ کر عکرمہ خوش تھی اسے مستقل دوست مل گئی تھی۔ مونا اور کمال شاہ اکثر ادھر ادھر بزنس کے کاموں سے جاتے رہتے تب عکرمہ دادو کے ساتھ ہوتی، دادو بیچاری بھی کبھی کبھی تھک جاتی تھیں اب نوال اس کے ساتھ کھیلتی بھی تھی اور کام بھی کرواتی تو عکرمہ کا دل بہت اچھی طرح لگ گیا تھا۔ نوال مسلسل روحانہ سے رابطے کی کوشش میں بھی لگی رہتی۔

❁......●❁●......❁

کافی عرصے بعد اس روز سائرہ بیگم کی کال آئی تھی۔ روحانہ نے اٹینڈ کی، سائرہ کی آواز سن کر وہ بری طرح رو دی۔ ”چچی آپ کہاں ہیں، کیسی ہیں؟ آپ تو ہمیں بالکل بھول گئیں۔ نہ فون، نہ کوئی رابطہ میں نے کتنی بار ٹرائی کی مگر آپ سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ روحانہ نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

”ہاں گڑیا سب خیریت ہے۔ بس دل بہت برا ہوگیا تھا میرا اور پھر میری طبیعت بھی کافی عرصے خراب رہی، مجھے اپنا بھی ہوش نہ تھا۔ اب طبیعت کچھ بہتر ہے، جاسم اور شازیہ بھی اپنے اپنے بچوں کے ساتھ ٹھیک ہیں۔ اب سوچا ہے کہ ہم پاکستان آجائیں۔“ سائرہ بیگم نے کہا۔

”جی سائرہ چچی آجائیں پلیز۔ مما کی حالت بہت خراب ہے۔ سدرہ چچی کا انتقال ہوچکا ہے۔“ روحانہ رو رہی تھی۔

”کیا...... کیا...... سدرہ کا انتقال ہوگیا؟ اف خدایا، نوال کیسی ہے اور کہاں ہے؟“ دوسری جانب سائرہ کو بھی شدید جھٹکا لگا تھا۔ نوال...... روحانہ کیا بتاتی کہ نوال کیسی ہے اور کہاں ہے؟

”سائرہ چچی بس آپ جلدی سے آجائیں بس ہم مل کر بہت ساری باتیں کریں گے۔“ روحانہ نے کہہ کر کال بند کردی۔ اسے بہت خوشی ملی تھی کہ سائرہ بیگم بہت جلد پاکستان آجائیں گی ان کے آنے سے گھر میں کچھ رونق تو نظر آئے گی۔ یہ وحشت، یہ ویرانی اور خاموشی تو دور ہوگی۔ روحانہ دل ہی دل میں سوچنے لگی تھی۔

❁......●❁●......❁

اس روز عکرمہ کو اسکول کے لیے کچھ چیزیں لینی تھیں تو وہ نوال کو لے کر مارکیٹ آ گئی۔ وہ ہینڈی کرافٹ کی شاپ پر کھڑے تھے، عکرمہ چیزیں دیکھ رہی تھی اور نوال پاس کھڑی مشورے دے رہی تھی۔ تب ہی ایک ڈھائی تین سال کا خوب صورت گول مٹول گڈے جیسا بچہ نوال کے پاس آ کر اس کے پیروں سے لپٹ گیا۔ وہ بھاگ کر آیا تھا۔

”ارے بیٹا۔“ نوال نے خود کو سنبھالا اور بچے کو دیکھا۔

”کیا ہوا؟“

”آنٹی...... مما سے بچاؤ۔“ وہ اس کے پیچھے چھپنے لگا۔

”ارے...... ارے کیا ہوا۔“ نوال کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔

”ادھر آؤ بتاتی ہوں تمہیں۔“ تب ہی پیچھے سے آواز آئی تو نوال آواز پر بری طرح چونک کر پلٹی...... سامنے روحانہ کھڑی تھی۔

”ن...... نوال...... ت...... تم؟“

”آپی...... آپ......!“ دونوں ایک دوسرے کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔ روحانہ آگے بڑھ کر نوال سے لپٹ گئی۔

”تم...... تم...... کہاں ہو...... کیا ہوا؟ تم نے اس روز بات کیوں ختم کردی تھی، کون آ گیا تھا؟“ بے تابی سے بے شمار سوالات کر ڈالے...... عکرمہ حیران نظروں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً روحانہ کو احساس ہوا۔ ”چلو ہم کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ تینوں وہاں سے نکل کر قریبی آئس کریم پارلر کی طرف بڑھ گئیں۔ روحانہ نے عکرمہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”آپی یہ میری بہت پیاری سی دوست اور چھوٹی بہن ہے عکرمہ اور عکرمہ یہ میری روحانہ آپی ہیں جن کے بارے میں، میں تم کو بتایا کرتی تھی۔“ دونوں کی نظروں کو پڑھتے ہوئے نوال نے دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کروایا۔

”ہاں اب بتاؤ اس روز کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ......؟ میں نے تمہیں کتنی بار کال ملائی لیکن کوئی جواب نہ ملا اور...... اس روز وہ آواز؟“ بیٹھ کر روحانہ نے بے چینی سے وہی سوال دہرایا۔

”جی آپی...... میں نے آپ کو بتایا تھا ناں کہ سارب جازیہ اور اس کے خاندان سے نفرت کرتا ہے اس روز میں آپ سے بات کررہی تھی کہ وہ نہ جانے کب آ گیا اور میری ساری باتیں سن لیں۔ بس اسی روز سے اس نے مجھ پر زندگی تنگ کردی۔ میرا موبائل توڑ دیا، مجھے تالے میں رکھنے لگا اور اس پر بھی وہ مجھ پر طرح طرح کے گھٹیا الزامات لگاتا رہتا کیونکہ جازیہ نے اسے میرے بارے میں بتایا ہوا تھا جب بات کھلی تو وہ بھی مجھے آوارہ اور بدچلن سمجھنے لگا۔ مجھے گندی گندی گالیاں دیتا اور حتیٰ کہ مجھے مارنا اور تشدد کرنا بھی شروع کردیا۔ میں سب کچھ برداشت کرتی رہی صرف اس لیے کہ میرا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ایک روز حد کردی اس نے مما کے بارے میں اتنی گندی باتیں کیں کہ میری برداشت ختم ہوگئی، میں نے بھی اس کے ساتھ بدتمیزی کی اور اس نے مجھے پاگلوں کی طرح مارا اور جب مار مار کر تھک گیا تو مجھے...... طلاق دے دی۔ میں رات گیارہ بجے بے یار و مددگار اللہ کے بھروسے پر آپ سے رابطہ کرنے کے خیال سے گھر سے نکل پڑی۔ مجھ میں چلنے کی ہمت نہ تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، جسم درد سے چور تھا، میں اپنی سوچوں میں گم تھی کہ عکرمہ کی فیملی کی گاڑی سے ہلکا سا ایکسیڈنٹ ہوگیا یہ لوگ میری پٹی کروا کر مجھے گھر لے آئے ان لوگوں کو میری کہانی پر یقین آ گیا اور میں نے یہاں رہ کر آپ سے مستقل رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر...... آپ سے رابطہ نہ ہوسکا، خورشید آنٹی نے مجھے کہیں بھی بھیجنے سے منع کردیا تھا کہ نہ جانے کہاں پر کیسے لوگ ہوں...... بس ہم دن رات آپ سے ملنے کی دعائیں کرتے رہتے اور شکر ہے رب کا کہ آپ مل گئیں۔“ کچھ روتے، کچھ ہنستے نوال نے اپنی کہانی سنائی تو دیکھا روحانہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

”میری وہ سم تو بند ہوگئی تھی مگر میں نے تمہارے نمبر پر برابر ٹرائی کی میری جان...... مجھے اندازہ تو تھا کہ تم کسی مصیبت میں ہو مگر...... اس قدر پریشانی اور مسائل کا شکار ہوئیں، تم نے اتنی دشواریاں، ظلم اور تشدد برداشت کیا اور ہم بے خبر رہے۔ ہمیں معاف کردو میری بہن۔“ روحانہ روتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام کر بولی۔ ”بس ابھی میرے ساتھ گھر چلو اب میں تمہیں ایک منٹ کے لیے بھی دور نہیں ہونے دوں گی۔“

”جی آپی، مگر...... پہلے آپ میرے ساتھ چلیں خورشید آنٹی کا شکریہ ادا کریں اور ان کی اجازت سے مجھے لے کر جائیں ان کا بہت بڑا احسان ہے مجھ پر۔“ نوال نے کہا اور روحانہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

❁......●❁●......❁

خورشید بیگم، کمال شاہ اور مونا سب بہت خوش تھے کہ آخر کار نوال کو اپنی کھوئی ہوئی بہن مل گئی۔ ایک عکرمہ بہت اداس تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”آپی آپ چلی جائیں گی پھر ہم کیسے ملیں گے؟“

”ارے میری گڑیا تم پریشان مت ہو جب تمہارا دل کرے تم آجانا اور جب نوال کو بلوانا ہو مجھے میسج کردینا میں خود لے کر آؤں گی تمہارے پاس۔ تمہاری آپی تمہارے گھر سے جارہی ہے مگر ہے تو تمہارے ہی شہر میں ناں، تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟“ روحانہ نے اس کے افسردہ چہرے کو دیکھ کر عکرمہ کے گال پیار سے تھپتھپاتے کہا تو عکرمہ خوش ہوگئی اور نوال اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ روحانہ کے ساتھ ٹیکسی میں آ بیٹھی۔ خورشید بیگم نے گلے سے لگا کر بہت ساری دعائیں دیں۔

”ہاں نوال، ہمیں بھول مت جانا۔“ مونا نے بھی پیار

سے اسے گلے لگا کر کہا۔ کتنے اچھے اور پیارے لوگ تھے نوال کی آنکھیں ان کی محبتوں پر نم ہوگئیں۔ کتنے کم عرصے میں اس نے سب کے دلوں میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔

"آپ لوگ میرے اپنے ہیں' میں آپ لوگوں سے ساری زندگی رابطہ رکھنا چاہوں گی۔" نوال نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے جذب سے کہا۔

"یہ...... یہ ہم کہاں جارہے ہیں روحانہ آپی؟" جانے پہچانے رستے پر ٹیکسی کو مڑتا دیکھ کر نوال نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اپنے گھر جارہے ہیں نوال' تمہارے گھر۔"

"نہیں آپی...... نہیں میں بالکل بھی اس گھر میں نہیں جاسکتی' پلیز مجھے اپنے گھر...... اپنی سسرال لے چلیں اور اگر یہ ناممکن ہو...... میں آپ پر یا آپ کے سسرال والوں پر بوجھ ہوں تو پلیز مجھے کسی ادارے میں چھوڑ دیں مگر...... اس گھر...... میں نہ جائیں۔" اس کے لہجے میں کرختگی اور قطعیت تھی۔

"نوال یہ تم کیسی باتیں کررہی ہو۔ میں مر نہ جاؤں جو تم کو اب کہیں بھی جانے دوں پلیز...... میری خاطر...... اس گھر میں چلو...... میں خود وہیں پر رہتی ہوں۔ اعتزاز آج کل کام کے سلسلے میں فارن گئے ہوئے ہیں۔ میں تنہا سروش کے ساتھ کیسے رہتی' اس لیے میں یہاں پر آگئی ہوں اور میرا یہاں رہنا ضروری بھی ہوگیا ہے؟ جب تم وہاں جاؤ گی تب تمہیں معلوم ہوگا۔" روحانہ کا لہجہ بھیگنے لگا تھا۔ نوال نے ایک نظر اس کے دکھی چہرے پر ڈالی۔ "پلیز میری خاطر میری گڑیا۔" روحانہ نے عاجزی سے کہا تو نوال چپ ہوگئی۔ کچھ دیر بعد گیٹ کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔ وہ نیچے اتر آئی۔

وہ منظر نگاہوں میں آگیا جب وہ اس گھر سے نکلی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گیٹ کے اندر داخل ہوئی' دل کررہا تھا کہ الٹے پاؤں واپس لوٹ جائے اور پھر کبھی بھی پلٹ کر نہ آئے مگر...... دوسرے لمحے ہی روحانہ کا ملتجی چہرہ سامنے آگیا۔ وہ لان جہاں کبھی شازیہ کے ساتھ مل کر وہ صفائیاں کرتی اور جب بارشیں ہوتیں تو سب مل کر یہاں خوب انجوائے کرتے سائرہ اور سدرہ پکوڑے بناتیں' سب مل کر کھاتے' ہنگامہ کرتے' لیکن اب وہ لان بالکل اجاڑ پڑا تھا' عجیب سی وحشت برس رہی تھی۔ سوکھے پتوں کا ڈھیر لگا تھا' جیسے کئی دن سے صفائی نہ کی گئی ہو۔ اس سنگی بینچ پر دھول جمی تھی جس پر بیٹھ کر وہ اور شازیہ پڑھائی کرتے تھے۔ آج بالکل سناٹا تھا' وہ روحانہ کے پیچھے پیچھے اندر آئی سامنے ہی تائی اماں کا روم تھا۔ جہاں سے اندر باہر ہوتے ہوئے تائی اماں کی پاٹ دار آواز پورے گھر میں گونجا کرتی تھی۔ وہ مزید آگے نہیں بڑھی بلکہ وہیں رک گئی۔ روحانہ نے مڑ کر دیکھا اور اشارے سے بلایا...... حالانکہ اس کا دل کررہا تھا کہ وہ سیدھی اپنے روم کی طرف بھاگ جائے مگر روحانہ کے بلانے پر بادل ناخواستہ آگے بڑھی۔

سامنے ہی بیڈ پر رومانہ بیگم لیٹی تھیں۔ بھاری بھرکم وجود کی جگہ منحنی سا ناتواں وجود...... چہرے پر جھریوں کے ساتھ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے...... زرد ویران بے نور سا چہرہ' آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی' منہ فالج کی اٹیک کی وجہ سے ہلکا سا ٹیڑھا ہونے سے چہرے کی ہیئت بدل چکی تھی۔ آدھا جسم مفلوج ہوگیا تھا۔ کتنی بے بس اور لاچار پڑی تھیں۔ چہرے پر برستا جاہ وجلال' تمکنت اور غرور جانے کہاں چلا گیا تھا۔

"یہ...... یہ......" نوال آنکھیں پھاڑے حیرت سے رومانہ بیگم کو اس حالت میں دیکھ رہی تھی۔ یہ چھ سالوں میں انہیں کیا ہوگیا تھا۔ وہ وہ تو بالکل بدل چکی تھیں۔ اف اللہ نوال کو انہیں دیکھ کر جھرجھری سی آگئی۔

"نوال دیکھو ذرا مما کی کیا حالت ہوگئی ہے۔ کتنی بے بس اور مجبور ہوگئی ہیں یہ...... اللہ پاک نے مما کو کس حال میں کردیا ہے۔ کیسی سزا بھگت رہی ہیں اپنے کیے کی' وہ دن رات روتی رہتی ہیں' اپنے گناہوں کی معافیاں مانگتی ہیں' وہ تو کچھ کرنے کے قابل بھی نہیں رہیں' وہ جو سارے گھر پر حکومت کرتی تھیں آج...... وہ خود کسی کی محتاج ہوکر رہ گئی ہیں۔ تم بتاؤ کیا میں ان کو اس حالت میں اکیلا چھوڑ دوں؟"

نوال بس آنکھیں پھاڑے دیکھے جارہی تھی۔

"مما...... مما دیکھیں تو کون آیا ہے......؟" روحانہ نے زور زور سے آواز لگائی تو انہوں نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں۔ رومانہ بیگم نے اپنی مندی مندی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش میں بار بار پلکیں جھپکیں......

"دیکھیں نوال آئی ہے ہماری نوال۔" روحانہ نے قریب جاکر زور سے کہا۔

"آ...... آں...... ہاں...... ن...... نو...... ال......" انہوں نے حیرت اور غیر یقینی سے آنکھیں پوری طور پر کھول کر نوال کو دیکھا۔

"نوال...... نوال......" وہ زیرلب بڑبڑائیں اور اشارے سے نوال کو بلایا۔ نوال ان کو دیکھ کر ششدر تھی تھوڑا سا آگے آئی اور قریب بلایا' نوال قریب آئی تو اس کے ہاتھ تھام کر سینے پر رکھ لیے اور زاروقطار رونے لگیں۔

"میری بچی...... مجھے معاف کردے...... میں بہت بری ہوں' بہت برا کیا تیرے ساتھ...... اللہ نے مجھے سزا دے دی۔ اب تو مجھے معاف کردے' میں سکون سے مرجاؤں گی' میں بہت اذیت میں ہوں' پل پل مررہی ہوں' بس تجھ سے اور سدرہ سے معافی مانگ لوں تاکہ سکون سے مرسکوں...... میں...... معافی کے قابل نہیں مگر...... مگر...... تو...... تو...... نیک ماں کی بیٹی ہے میری بچی' مجھی معاف کردے' مجھے معاف کردے۔" بے تحاشا روتے ہوئے اس کے ہاتھ سینے سے بھینچ کر وہ بے ربط اور ٹوٹے ٹوٹے الفاظ میں اپنے کیے کی معافی مانگ رہی تھیں۔ نوال سے بھی برداشت نہ ہوا وہ بھی رونے لگی۔

"میں نے معاف کیا تائی اماں...... میں نے دل سے معاف کیا۔" ان کے ہاتھ تھام کر نوال نے سچائی سے کہا۔

"تو بہت عظیم ہے' اللہ پاک تجھے اجر دے گا۔" وہ نوال کی پیشانی چومتے ہوئے نہ جانے کیا کیا بولے جارہی تھیں۔ روحانہ دوڑ کر پانی لے آئی' دونوں کو پانی پلایا' نوال سے معافی مانگ کر رومانہ بیگم مطمئن سی ہوگئیں اور اب دوا کھا کر سوگئی تھیں۔

نوال وہیں بیٹھی سروش کے ساتھ کھیلتی رہی' روحانہ کچن میں کام نپٹارہی تھی۔ روحانہ کو دیکھتی ہوئی وہ کچن کی طرف آگئی۔ عمیل کے بارے میں ایک لفظ نہ پوچھا۔ روحانہ نے ہی جاسم' شازیہ اور سائرہ چچی کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ ان لوگوں کے بارے میں کرید کرید کر پوچھتی رہی۔

"عمیل کے بارے میں کچھ نہیں پوچھو گی۔" روحانہ نے پوچھا۔

"نہیں آپی عمیل نے میرے ساتھ بہت برا کیا تھا۔ کیا اس کو میری نیچر کا علم نہیں تھا' کیا وہ مجھے جانتا نہیں تھا؟ پھر اس نے میرے کردار پر شک کیا' میری بات نہیں سنی' مجھے مورد الزام ٹھہرایا۔ ایک بار بھی میری بات نہیں سنی' میں تڑپتی رہی' بلکتی رہی' ہاتھ جوڑے لیکن...... لیکن اس کو میری بات پر یقین نہیں آیا۔ اب میں نہ اس کا نام سننا پسند کروں گی نہ اس سے بات کرنا چاہوں گی۔" نوال نے حتمی لہجے میں کہا۔

"ہاں نوال' تمہارا شکوہ' شکایت' ناراضگی بالکل بجا ہے لیکن نوال' نہ جانے اس وقت شاید سب کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی عمیل بھی اس وقت اتنا جذباتی ہوگیا کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھودی اور جو مما نے کہا اسے وہ صحیح لگا لیکن حقیقت میں وہ تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھولا اور اب تم اس گھر میں آگئی ہو تو تمہیں ہر اس بات کا علم ہونا چاہیے جو تمہارے جانے کے بعد یہاں ہوئی۔ تمہارے جانے کے کچھ عرصے بعد شبانہ آنٹی لوگ واپس چلے گئے تھے اور پھر کچھ عرصے بعد لوٹ آئے کیونکہ مما کا ارادہ تھا کہ جازبہ سے عمیل کی شادی کریں گی' پھر مما نے عمیل کی مرضی کے خلاف اس کی شادی جازبہ سے کروادی۔ وہ جازبہ جو شادی سے پہلے بہت اچھی بنتی تھی' مما کا بہت خیال رکھتی تھی' شادی کے بعد بالکل بدل گئی۔ بدتمیزی' ہٹ دھرمی اور من مانی کرتی' مما کی ایک بات نہیں مانتی' شبانہ آنٹی لوگ بھی یہاں شفٹ ہوگئے تو بس روزانہ وہ میکے چلی جاتی اور پھر جب میری تم سے بات ہوئی تم نے جازبہ کے متعلق بتایا تو میں نے وہ بات مما اور عمیل کو

بتائی اور جب بات کھلی تو جازبیہ نے بدتمیزی کی ساری حدیں کراس کرڈالیں' ڈھٹائی سے کہا کہ ہاں میں نے شادی کی تھی امریکہ میں یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہی نہیں اس نے خوب ہنگامہ کرکے مما کا وہ راز بھی فاش کردیا کہ ان سب نے مل کر تمہارے خلاف یہ ڈرامہ رچایا تھا اور اس روز جھگڑا اس قدر بڑھ گیا کہ اس نے غصے میں آکر عمیل اور مما کو بھی بہت برا بھلا کہا میں درمیان میں آئی تو نہ صرف میرے ساتھ بدتمیزی کی بلکہ مجھے دھکا دے دیا' میرا سر الماری سے لگا اور میں زخمی ہوگئی اور عمیل نے غصے میں آکر جازبیہ کو طلاق دے دی۔ جاتے جاتے جازبیہ نے مما کے سارے بھید کھول دیئے عمیل کو جب سچائی کا علم ہوا تو وہ بہت رویا' بہت پچھتایا مما سے ناراض ہوکر اس نے بات کرنا چھوڑ دی' ہر وقت گم صم رہتا' پاگلوں جیسی حالت بنا رکھی تھی اس نے' گاڑی لے کر سڑکوں پر تمہیں ڈھونڈنے نکل جاتا' عجیب حالت ہوگئی اس کی' میں اسے دیکھ دیکھ کر روتی رہتی' مما سارا سارا دن ساری ساری رات روتی رہتیں' پچھتاوے کی آگ میں جلتی رہتیں اور پھر ایک دن مما پر فالج کا جان لیوا اٹیک ہوا' اس اٹیک سے مما بچ تو گئیں مگر ان کی حالت تمہارے سامنے ہے انہوں نے رو رو کر عمیل سے بھی معافی مانگ لی' عمیل ان سے کبھی کبھی بات کرلیتا ہے مگر بہت اداس' بہت بے قرار رہتا ہے۔ نوال ہمارے ہنستے بستے گھر کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی کہ یوں اداسی نے ڈیرے ڈال لئے ہیں' وحشتیں رقص کرنے لگی' نہ کوئی خوش ہے نہ کوئی ہنستا ہے سب کے چہروں پر ہر دم اداسی نظر آتی ہے۔" روحانہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔ نوال خاموش جلتے چولہے پر نگاہ جمائے جانے کن سوچوں میں غلطاں تھی۔

❁......●❁●......❁

مغرب کی نماز پڑھ کر جائے نماز تہ کررہی تھی کہ قدموں کی چاپ سن کر پلٹی...... دروازے کے سامنے عمیل کھڑا تھا' پورے چھ سال بعد دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے عمیل کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے پھیل گئی تھیں۔ سی گرین اور وائٹ سوٹ میں وائٹ دوپٹہ سر پر لیے آج بھی وہ ویسی ہی معصوم اور دلکش دکھائی دے رہی تھی۔ نوال نے دیکھا گرے کلر کے شلوار قمیص میں ہلکی ہلکی شیو کے ساتھ وہ مضمحل اور اداس لگ رہا تھا۔ نوال کو دیکھ کر وہ دو قدم آگے چلا آیا۔ نوال کا چہرہ ہر قسم کے تاثر سے عاری اور بالکل روکھا اور اجنبی تھا۔

''نوال کیسی ہو...... کب آئیں؟'' بے تابی سے سوال کیا۔

''جیسی بھی ہوں آپ کے سامنے ہوں عمیل صاحب اور بدنصیبی سے زندہ بھی ہوں' حالانکہ میرے زندہ رہنے کا کوئی جواز رہتا نہیں لیکن شاید میں زیادہ ہی ڈھیٹ ہوں کہ آج تک زندہ ہوں ہے ناں؟'' لہجے میں طنز اور تلوار جیسی کاٹ تھی۔ عمیل کا چہرہ یک دم بجھ سا گیا۔ اتنی اجنبیت' بے گانگی اور سرد مہری وہ جواب دے کر جاچکی تھی اور عمیل بس ہلتے پردے کو دیکھتا رہ گیا۔

''آپی...... آپی۔'' عمیل سیدھا روحانہ کے کمرے میں بھاگا چلا آیا جہاں روحانہ سروش کو کھانا کھلارہی تھی۔

''آپی...... یہ...... نوال کب' کیسے' کون لایا ہے اسے اور...... اور اس کا شوہر......؟'' ایک ہی سانس میں بے شمار سوالات کرڈالے۔ روحانہ نے مختصراً نوال کے بارے میں سب کچھ بتادیا کہ اس کے ساتھ کیا کیا ہوا...... اور آج وہ کس طرح سے شاپ پر ملی اور یہ بھی کہ نوال عمیل کا نام تک سننا پسند نہیں کرتی...... وہ عمیل سے بہت نالاں اور ناراض ہے۔

''ہاں آپی' وہ ٹھیک ہی تو کررہی ہے' مجھ سے خفا ہونا' مجھ سے نفرت کرنا اس کا حق بنتا ہے۔ میں نے...... میں نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ نہ جانے کیوں میں اس وقت ذکا کے ساتھ اسے دیکھ کر اتنا بے قابو ہوگیا تھا...... اتنا اندھا کہ اس کی کوئی بات سنی بھی نہیں' میں نے اس کی آنکھوں میں اس کی سچائی نہیں دیکھی...... نہ اس کے پاکیزہ چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی جو نظر آیا اس پر آنکھ بند کرکے یقین کرلیا۔ میں کتنا کم ظرف نکلا آپی......

آپی...... یہ میرے پیار کی انتہا تھی کہ میں نے اس کو ذکا کے ساتھ دیکھا تو آپے سے باہر ہوگیا۔ مجھ سے برداشت نہ ہوسکا کہ وہ کسی اور کے قریب بھی جائے تب...... تب میں نے وہ سب کچھ کیا' اب کیا کروں آپی؟'' وہ نوال کے حالات سن کر بے حد افسردہ ہوگیا تھا ساتھ ساتھ یہ بھی دکھ تھا کہ نوال نے اتنے عرصے میں اتنی سی عمر میں کتنے دکھ' کتنی تکلیف اور اذیت سہی ہے' کیا کیا برداشت کیا اور وہ سب ہماری وجہ سے۔

روحانہ نے سائرہ چچی سے مشورہ کرکے نوال کو عدت کرنے کا مشورہ دیا اور اس نے ان کی بات سمجھتے ہوئے اپنے کمرے میں رہنا شروع کردیا اور جب ہی باہر نکلتی جب عمیل گھر نا ہوتا اس کی گھر میں موجودگی کے وقت وہ اپنے کمرے میں ہی رہتی' اس کی کوشش ہوتی کہ وہ عمیل کے سامنے نہ آئے۔ اس کا زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزرتا' زیادہ سے زیادہ عبادت کرتی' قرآن پاک پڑھتی' گھر کے کاموں میں روحانہ کا ہاتھ بٹاتی اور سروش سے کھیلتی' سروش کے ساتھ اس کا اچھا وقت گزر جاتا تھا۔ وہ رات کو بستر پر لیٹتی تو عجیب سوچیں آگھیرتیں' اتنے عرصے بعد پھر ادھر ادھر گھوم کر زمانے کے تلخ و شیریں تجربات حاصل کرکے وہ ایک بار پھر اپنے ہی گھر میں موجود تھی۔ یہ کیسے تماشے دکھا رہی تھی زندگی' بھی عجیب موڑ پر آگئی تھی۔ عمیل کا دل کرتا کہ وہ نوال سے بات کرے اس سے معافی مانگ لے لیکن نوال کی سرد مہری اور بے اعتنائی دیکھ کر وہ کچھ کہنے کی ہمت نہیں کرپاتا۔ وہ کبھی روحانہ کے پاس یا تائی اماں کے ساتھ ہوتی عمیل آجاتا تو وہ فوراً اٹھ کر کمرے سے نکل جاتی۔

عمیل چاہتا تھا کہ جیسے ہی موقع لگے وہ اس سے معافی مانگ لے لیکن نوال کو جب یہ لگتا کہ عمیل اس سے بات کرنا چاہتا ہے کچھ کہنا چاہتا ہے وہ کترا کر نکل جاتی اور عمیل اس کا منہ تکتا رہ جاتا' پھر سائرہ بیگم اور شازیہ آگئے اور اس دوران نوال کی عدت بھی ختم ہوچکی تھی۔ سائرہ بیگم کو دیکھ کر نوال ان سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ سائرہ نے ہمیشہ سدرہ کا خیال رکھا تھا۔ بہت پیار سے پیش آتی تھیں اور اس روز اگر سائرہ بیگم ثروت خانم کا پتہ نہ دیتیں تو وہ لوگ کہاں جاتے' یہ سوچ کر نوال کو اور رونا آجاتا تھا۔ سائرہ بیگم بھی رومانہ بیگم کو دیکھ کر حواس باختہ ہوگئی تھیں۔ یہی حالت شازیہ کی تھی' وہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اتنا جاہ و جلال اور بھرم رکھنے والی رومانہ بیگم اس حالت میں لاچار اور بے بس پڑی ہوں گی۔ رومانہ بیگم نے رو رو کر سائرہ بیگم سے بھی اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ لی تھی۔

گھر میں کچھ رونق ہوگئی تھی۔ عمیل کے چہرے کی اداسی بھی کم ہوگئی تھی۔ گھر کا ماحول کچھ بدلا' وحشتیں کم ہوئی تھیں۔ اب زیادہ تر سب لوگ رومانہ بیگم کے کمرے میں جمع ہوکر باتیں کرتے' سائرہ بیگم اور شازیہ کے آنے سے نوال میں بہت چینج آیا تھا۔ وہ بھی ہنسنے لگی تھی۔ شازیہ کے ساتھ خوب باتیں کرتی' نوال کبھی کبھی عمیل کی کسی بات کا بے رخی سے ہی مگر جواب دے دیتی۔ سائرہ بیگم یہ سوچ کر آئی تھیں کہ کسی طرح عمیل اور نوال کی شادی کروادیں گی' جو ہوگیا سو ہوگیا اب اللہ پاک نے دونوں کو ایک بار پھر ایک جگہ کردیا ہے تو بہتر یہی تھا لیکن یہاں پر آکر انہیں یہ ناممکن نظر آرہا تھا کیونکہ نوال اور عمیل آپس میں بات تک نہیں کرتے تھے۔ نوال کے دل میں عمیل کے لیے رتی برابر بھی پیار نہ تھا۔ روحانہ' رومانہ بھی چاہتے تھے کہ عمیل کی شادی نوال سے ہوجائے۔ روحانہ نے اس سلسلے میں شازیہ سے بات کی کہ تم نوال کو سمجھاؤ اور شازیہ نے نوال سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

گرمیوں کی خوش گوار رات تھی وہ سب لوگ رات کا کھانا کھا کر صحن میں آکر سنگی بینچ پر بیٹھ گئے۔ رات کی رانی اور موتیا کی مہک سے وہاں بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے پھر شازیہ نے اپنے سسرال کا ذکر نکالا' نوال بڑی محویت اور دلچسپی سے سن رہی تھی۔ کسی کسی بات پر مسکرا بھی دیتی شازیہ نے اچانک ہی نوال کو مخاطب کیا۔

''ایک بات کہوں نوال...... مانو گی......''

"ہاں بولو۔" نوال نے غور سے شازیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"تم...... بھی شادی کرلو۔"
"کیا...... شادی...... ؟نہیں...... شازیہ اب لفظ شادی سے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میرے لیے شادی کوئی اہمیت نہیں رکھتی سوائے تلخ یادوں کے غلامی اور اذیت ودکھ کے میں نے بہت برا وقت گزارا ہے شادی کرکے جتنی اذیت تکلیف اور دکھ میں نے اٹھائے ہیں اب شادی کے نام سے خوف آنے لگا ہے مجھے۔" اس کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے چہرے پر گزرے وقت کے عذاب نمایاں تھے۔ وہ بہت ٹوٹ چکی تھی۔
"ہاں نوال یہ تو ٹھیک ہے تمہارے ساتھ جو ہوا وہ غلط بلکہ بہت غلط ہوا مگر یار...... یہ بھی تو سوچو کہ اس طرح کیسے رہ پاؤ گی...... کس طرح سے تنہا زندگی گزارو گی۔" شازیہ نے کہا۔
"شازیہ میں جیسی بھی ہوں ٹھیک ہوں اور ویسے بھی میں ایک طلاق یافتہ لڑکی ہوں اور تم جانتی ہو کہ ہمارے معاشرے میں طلاق یافتہ لڑکی کی کیا حیثیت کیا مقام ہے اسے مشکوک بنادیا جاتا ہے اور...... اور...... ایسی لڑکی سے بھلا کون شادی کرے گا؟" وہ تلخی سے ہنس دی۔
"ایسی بات نہیں ہے نوال طلاق بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہے تم کوئی انوکھی یا پہلی لڑکی نہیں ہو جس کو طلاق دی گئی ہے اور ان سب باتوں میں تمہارا قصور کہاں ہے...... یہ تمہارا نصیب تھا جو تم نے بھگت لیا...... اور اب بھی تم سے کوئی شادی کرنا چاہتا ہے اگر تم چاہو تو؟" شازیہ ایک لمحے کو رکی تو نوال نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا...... ؟" لہجہ خاصا ترش تھا۔
"میرا مطلب ہے نوال کہ تم اب بھی خوب صورت ہو تمہاری عمر ابھی ہے ہی کیا اس عمر میں تو لڑکیوں کی شادیاں تک نہیں ہوتیں وہ پڑھ رہی ہوتی ہیں اگر تمہارے ساتھ اتنا سب ہوگیا تو کیا ہوا تمہارے لیے شادی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" شازیہ نے دھیمے دھیمے لہجے میں کہا۔
"ہاں مگر مجھے شادی کی ضرورت ہے نہ خواہش۔" نوال نے دوٹوک لہجے میں کہا۔
"نوال میری جان...... تم اکیلی زندگی گزار سکتی ہو یہ بولنا بہت آسان مگر اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہی ہو روحانہ آپی اپنے میاں کے پاس چلی جائیں گی ہم اپنے گھر لوٹ جائیں گے کل کو خدانخواستہ تائی اماں کو کچھ ہوجاتا ہے تو...... تم اور عمیل......"
"بس کرو شازیہ پلیز اب آگے کچھ مت بولنا۔" نوال نے عمیل کے نام پر ہاتھ اٹھا کر اسے سختی سے کچھ کہنے سے روکا نوال کے چہرے کا رنگ یکلخت بدل گیا تھا۔
"چلو چھوڑو عمیل کا نام نہیں لیتی لیکن میری بات ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچو خدانا خواستہ تم کل کو بیمار ہوجاتی ہو تو...... کوئی تو ہو جو تمہیں سنبھالے سہارا دے ہم لوگ بھلا اپنے اپنے گھروں میں مطمئن رہ سکیں گے تمہیں یوں تن تنہا چھوڑ کر عمیل نہ سہی کوئی اور تو ہو جو تمہارے لیے سوچے تمہارا خیال کرے تمہارے ساتھ رہے۔"
"مطلب یہ کہ تم پکا ارادہ کرکے بیٹھی ہو کہ مجھے ایک بار پھر......" نوال نے نم آنکھیں شازیہ کی سمت اٹھا کر جملہ ادھورا چھوڑا۔ شازیہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگالیا۔
"نہیں میری جان میری بہن ہم سب تمہارے اپنے ہیں تمہاری بہتری چاہتے ہیں تمہارے لیے دل سے سوچتے ہیں فکر ہے ہم سب کو تمہاری۔ تم...... تم نے اتنی سی عمر میں اتنا سب کچھ دیکھ لیا اتنے تلخ تجربات ہوگئے ہیں کہ اب ہم چاہتے ہیں کہ اللہ پاک تمہارے لیے صرف اچھا اچھا کرے آگے تمہارے لیے کوئی دکھ کوئی پریشانی کوئی دشواری نہ ہو سارے دکھوں کا ساری کوتاہیوں کا ازالہ ہوجائے خدا کی قسم نوال مما اور تائی اماں تمہارے لیے بہت روتی ہیں بہت فکر ہے سب کو تمہاری۔" شازیہ اس کو گلے سے لگا کر روتے ہوئے

مسلسل کہہ رہی تھی وہ بھی رونے لگی تھی۔
"اوکے شازیہ...... میں شادی کے لیے تیار ہوں اگر تم سب چاہتے ہو تو میرے لیے رشتہ دیکھو۔" نوال نے ہار مانتے ہوئے سر جھکا کر کہا۔
"اگر تم راضی ہو ہی گئی ہو تو پھر عمیل کیوں نہیں...... ؟" شازیہ جو دل ہی دل میں بہت خوش تھی اس نے آخری تیر پھینکا۔
"نہیں قطعی نہیں اگر میری بھلائی چاہتے ہو تو میری شادی کہیں بھی کردو۔" حتمی فیصلہ سنا کر وہ اٹھ کر اندر کی طرف چلی گئی۔ شازیہ تاسف سے اسے دیکھتی رہ گئی۔
عمیل نے سنا تو ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ ایک بار نوال سے بات کرکے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لے اس سے شادی کرکے تمام غلطیوں کا ازالہ کردے گا۔ اسے اتنا پیار دے گا کہ وہ گزشتہ تمام تلخیوں کو بھول جائے گی مگر...... نوال...... نوال تو بہت زیادہ ناراض تھی۔ بہت خفا تھی اس سے۔ نوال کے لئے جاننے والوں سے مناسب رشتے کے لیے کہہ دیا گیا تھا۔ نوال کو کون سی کوئی خواہش یا دلچسپی تھی بس وہ بھی سب کی خواہش پر تیار ہوئی تھی مگر نہ جانے کیوں اس کے دل میں کوئی نہ کوئی تشنگی سی محسوس ہورہی تھی اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ کھونے جارہی ہو۔
ادھر عمیل کی حالت بھی بہت دل گرفتہ ہوگئی تھی۔ وہ بہت اداس ہوگیا تھا نوال اتنے پاس ہوکر بھی کوسوں دور تھی۔ اتنے عرصے بعد اتنی کٹھنائیوں سے گزر کر وہ ملی تھی اور پھر...... مل کر بھی...... اتنی دور...... اتنی خفا اور اتنی ناراض تھی کہ ایک بار پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور چلی جانے والی تھی۔ بہت کچھ کھونے کے احساس نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ نوال ایک بار پھر پرائی ہونے والی تھی۔ اس کے لیے ایک رشتہ آیا تھا اور لوگوں نے پسند بھی کرلیا تھا۔ عمیل نے سنا تو غم کی لہر اس کے اندر تک اتر گئی۔ وہ گاڑی لیے سڑکوں پر یونہی دوڑاتا رہا دل کسی صورت قابو میں نہیں آرہا تھا۔ بہت کچھ کھو دینے کا احساس تھا۔ ادھر

نوال بھی جب سے لڑکے والے پسند کرکے گئے تھے عجیب سی بے چینی کا شکار تھی۔ وہ دل جو عبیل کی طرف دیکھنے سے بھی گریزاں تھا آج نہ جانے کیوں مچل رہا تھا' بے قراریاں عروج پر تھیں جیسے دل اچھل کر باہر آجائے گا۔ اس رات بے چینیاں حد سے بڑھیں' نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' ایک تڑپ اور بے کلی کے احساس نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

تکیے پر کروٹیں بدلتے بدلتے وہ جب بیزار ہوگئی تو اٹھ بیٹھی۔ دل بے حد گھبرا رہا تھا' حلق سوکھ کر کانٹا بن گیا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکل آئی' کچن میں آکر فریج سے پانی کی بوتل نکالی پانی پیا اور بوتل فریج میں رکھ کر جیسے ہی پلٹی' کچن کے دروازے میں عبیل کھڑا تھا الجھے بال' ویران اور اداس چہرہ' ملگجے کپڑے اور بڑھی ہوئی شیو میں...... کتنے دن بعد اسے اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ دل نادان دھڑکنے لگا تھا آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہونے لگی تھیں' وہ سر جھٹک کر باہر نکلنے لگی۔

"سنو!" عبیل کی آواز پر بڑھتے قدم یوں رکے جیسے آواز کے منتظر ہوں۔

"نوال تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں۔" دونوں ہاتھ جوڑے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا بکھرا ٹوٹا ہوا اور ملتجی۔

"نہیں۔" نوال نے حتمی لہجے میں کہا۔

"نوال کیا میرا گناہ اتنا بڑا ہے کہ کسی صورت معافی نہیں مل سکتی۔ کسی بھی صورت مجھے سزا دے کر ہی سہی۔" وہ سوالیہ نظروں سے پوچھ رہا تھا۔ "نوال پلیز...... پلیز مجھ پر اتنا ظلم نہ کرو۔" وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

"ظلم...... ظلم تو آپ نے کیا تھا عبیل صاحب' اس روز اس بھیانک رات کو جب میں سسک رہی تھی۔ مگر آپ تو میری ایک بات سننے کو ماننے کو تیار نہ تھے۔ آپ کو میری بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"ہاں...... ہاں اس وقت نہ جانے کیوں میری آنکھوں پر غفلت چھا گئی تھی' میں اندھا ہوگیا تھا کہ صحیح اور غلط کو پہچان نہ سکا۔ اس سچویشن میں ان لوگوں کی بات صحیح لگی' میرا دماغ خراب ہوگیا تھا اور جب میں اپنے کمرے میں گیا تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور دوسری صبح میں تمہیں منانے تم سے بات کرنے تمہارے کمرے میں بھی آیا لیکن تم اور سدرہ پھپھو جا چکی تھیں اور یہ بات کسی کو معلوم بھی نہیں تھی کہ تم کہاں ہو۔ خدا کی قسم نوال میں نے تمہیں بہت ڈھونڈا لیکن تم لوگوں کا کوئی اتہ پتہ نہ تھا۔" عبیل نے اس کے سامنے سب کہہ دیا۔

"عبیل اگر اس وقت صرف تم' میرا ساتھ دے دیتے' ایک بار میری بات پر یقین کرلیتے تو' میں اتنے دکھ نہ اٹھاتی' میں نے بہت دکھ' بہت اذیت سہی ہے' ہر روز میری روح کو زہریلے تیروں سے داغا جاتا' میرے جسم کو سگریٹ سے داغا جاتا' میری روح کو چھلنی کیا جاتا' میرے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا...... اگر تم' اس وقت میرا ساتھ دے دیتے تو......" نوال کی آواز رندھ گئی تھی۔

"ہاں نوال میں' بہت شرمندہ ہوں' سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح تم سے معافی مانگوں' کیسے تمہارے سامنے اپنی غلطیوں کی تلافی کروں؟"

"عبیل بس کرو...... اب یہ ساری باتیں' معافی' تلافی' یہ سب میرے لیے بے معنی ہیں' بے کار اور غیر ضروری ان باتوں کی نہ تو میری زندگی میں ضرورت ہے نہ اہمیت' اس لیے بس کرو یہ فضولیات میرا راستہ چھوڑو اور مجھے جانے دو' جو رشتے کی بات چل رہی ہے میں اس پر خوش ہوں۔" وہ تلخی سے کہتی ہوئی باہر نکلنے لگی۔

"پلیز نوال......" وہ ہاتھ جوڑے سراپا التجا بنا کھڑا تھا۔

"عبیل تمہارے اس پلیز یا معافی سے کیا وہ گزرا ہوا وقت واپس آسکتا ہے؟ کیا میں خود پر کیے گئے ظلم' وہ تکالیف' وہ پریشانیاں اور مما کو لے کر جو اذیت سہی ہے ان سب کا ازالہ ہوسکتا ہے' وہ سب جب یاد آتا ہے ناں تو میرا دل خون کے آنسو روتا ہے' مجھے نیند نہیں آتی۔ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں' میں...... تم سے نفرت کرتی ہوں' نفرت۔" نوال کے لہجے میں لرزش نمایاں تھی۔

"نوال' ایک بار...... صرف ایک بار مجھے دیکھ کر میرے چہرے کی طرف دیکھ کر کہہ دو کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہاری نظروں سے دور ہوجاؤں گا۔ کبھی بھی تمہیں اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا۔"

"ہاں ہاں مجھے تم سے......" اس نے نگاہ اٹھائی عین اسی وقت عبیل کی نگاہیں بھی اٹھیں نوال نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ دل جس کو بڑی مشکلوں سے سنبھالا تھا۔ سمجھا سمجھا کر فیصلہ کیا تھا مگر...... اس...... دل...... کم بخت نے ایک لمحے میں ہی ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ عبیل کی اداس آنکھوں میں ڈوبتی چلی گئی۔ دل تھا کہ ہاتھوں سے نکل کر پھسلتا چلا گیا۔

"بولو نوال' ایک بار صرف ایک بار' اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ یہ میرے نام پر دھڑکتا ہے یا نہیں......؟ اس میں میرے لیے کوئی گنجائش کوئی سوفٹ کارنر ہے یا نہیں؟"

وہ کب تک خود پر کنٹرول رکھ پاتی' کتنا حوصلہ' کتنی برداشت لاتی...... وہ لاکھ سنبھلنے کی کوشش کرتی' آخر کار وہ عبیل کے سامنے ہارتی چلی گئی۔

"عبیل تم...... تم بہت برے ہو...... بہت ظالم......" عبیل کو جھنجوڑتی ہوئی وہ دل کی بھڑاس آنسوؤں کی شکل میں نکال رہی تھی۔ عبیل اس کے سامنے سر جھکائے چپ چاپ کھڑا تھا۔ وہ عبیل کی بانہوں میں بکھرتی چلی گئی۔

"جان عبیل جو کچھ ہوا اسے ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔ اب آئندہ میں تمہاری زندگی میں کوئی غم' کوئی دکھ نہیں آنے دوں گا' اگر تم نے اذیت سہی ہے تو عبیل بھی پل پل مرا ہے' جاناں اب تمہیں کہیں نہ جانے دوں گا تمہیں اپنے دل میں چھپا کر رکھوں گا' اگر ایک پل کے لیے بھی دور ہوئیں تو اب تمہارا عبیل مرجائے گا۔" نوال نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"اللہ نہ کرے عبیل کہ اب ہم جدا ہوں۔" نوال نے کہا تو عبیل نے محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے آنکھیں موند لیں' کتنے عرصے بعد دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے۔

❀......●❀●......❀

اس رات کی صبح بہت حسین تھی۔ عبیل نے روحانہ کو بتایا تو یہ نیوز سارے گھر میں پھیل گئی' گھر کے تمام لوگ بہت خوش تھے' گھر میں ایک عرصے بعد خوش گوار ماحول قائم ہوا تھا۔ روحانہ بیگم کا پژمردہ چہرہ بھی کھل اٹھا تھا۔ ان کے بیمار زرد چہرے پر بھی رونق آگئی تھی۔ کتنے مہینوں کے بعد آج وہ کمرے سے باہر نکلی تھیں' روحانہ ان کو وہیل چیئر پر بٹھا کر ناشتے کی ٹیبل تک لائی تھی۔ عبیل کی خوشی دیکھنے کے لائق تھی۔ جبکہ نوال کا شرمایا' شرمایا جھکا ہوا چہرہ سب کی توجہ کا مرکز تھا۔ خوش گوار ماحول میں ناشتہ کیا جارہا تھا تب ہی اخبار والا اخبار دے گیا تھا۔ عبیل نے یونہی سرسری نظر اخبار پر ڈالی تو وہاں تصویروں کے ساتھ خبر لگی تھی۔

"پوش علاقے کے فلیٹ میں تین افراد کا قتل' قاتل فرار ہوتے میں پکڑا گیا اطلاع ملنے پر پولیس نے موقع پر پہنچ کر نعشیں اور قاتل کو قبضہ میں لے لیا' قتل کسی ذاتی دشمنی کا نتیجہ کیا گیا۔" ساتھ ہی شبانہ' ذکا اور جازیہ کی نعشوں کی تصاویر اور سارب کی تصویر بطور قاتل کے لگی ہوئیں تھیں۔

"خس کم جہاں پاک' جیسے کرتوت ویسا نتیجہ تو نکلنا تھا۔" عبیل نے نفرت سے جملہ ادا کرتے ہوئے اخبار سامنے ٹیبل پر پھینکا۔ سب کی توجہ اخبار کی جانب مبذول ہوگئی۔

"برے کام کا برا انجام۔" سب نے مختلف ریمارکس پاس کیے جبکہ روحانہ بیگم نے اخبار اٹھا کر لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اس اخبار کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہوا میں اچھال دیے۔ اشارے سے عبیل اور نوال کو بلایا اور دونوں کو اپنے بازوؤں میں بھرلیا اور مسکرادیں۔ سب کے ساتھ ساتھ ان کے ہونٹوں پر بھی آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

❀

محبت خواب کی صورت

اقبال بانو

”آج کل دل بہت اداس ہے‘ بس یہ تو پناہ چاہتا ہے ایسی پناہ جس میں جا کر کوئی غم و فکر نہ رہے اور میں اس پناہ کے حصار میں محفوظ رہوں۔“ لفظ اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

”میں دوں تمہارے دل کو پناہ۔“ اعظم نے شوخ لہجے میں کہا اس کی آنکھوں میں شرارت کے جگنو جگمگا رہے تھے اور لبوں پر مسکراہٹ کے پھول کھلے ہوئے تھے۔

”ہاں...... ہاں رخشی میں تمہیں اور تمہارے دل کو پناہ دوں گا بلکہ دینا چاہتا ہوں۔“

”کیا ایسا ممکن ہے اعظم!“ اس کے لہجے میں بے اعتمادی تھی۔

”تمہیں میرے جذبوں کی سچائی پر شک ہے۔“ اعظم کے لہجے میں شکوہ تھا‘ رخشی اسے نم آنکھوں سے دیکھ کر رہ گئی۔

”تم مجھے چاہتی ہو نا؟“

”چاہنا اور بات ہے اعظم...... میں تمہیں چاہ سکتی ہوں پا تو نہیں سکتی نا......؟“

”کیوں نہیں پا سکتیں‘ کیا میں تمہاری پسند نہیں؟“

”اعظم......!“ رخشی نے طویل سانس لے کر کہا۔

”ہمیں تو چاند بھی پسند ہے۔“

”مگر میں چاند نہیں ہوں۔“ اعظم اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”بے وقوفی کی باتیں مت کرو‘ تمہارے کہنے سے حقیقت کی سنگلاخ چٹانیں اپنی جگہ سے سرک تو نہیں جائیں گی۔“

”رخشی جان...... تم میرے انداز سے کیوں نہیں سوچتیں؟“ اعظم محبت سے بولا۔

”اس لیے کہ تم جس انداز سے سوچتے ہو نا وہ تمہارے نزدیک سچائی ہے مگر میں ایسا نہیں سوچ سکتی۔“ رخشی نے دور سمندر کی وسعتوں کو دیکھا۔

”پھر آگے کیوں بڑھی تھیں؟“ تلملا کر بولا۔

”وہی کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اعظم کہ غلطی کہاں ہوئی؟“

”یعنی مجھ سے تعلق غلطی تھی؟“ وہ تڑپا۔ ”کیا یہ تم دل سے کہہ رہی ہو؟“ اعظم کا لہجہ تند ہوا۔

”ہوں......“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”میں تمہیں مار بیٹھوں گا۔“

”یہ شوق بھی پورا کرلو۔“ وہ ہنسی۔ ”زندگی کے سمندر میں واقعات اور حالات کی لہروں نے بہت تھپیڑے مارے ہیں تم بھی مارلو۔“

”پلیز رخشی...... اس طرح کی باتیں مت کرو‘ میرا دل کٹتا ہے۔“ اعظم دکھی ہوگیا۔

”حقیقت سے نظریں مت چرایا کرو ہمیشہ ناکام رہو گے۔“

”مگر جو کچھ تم کہتی ہو وہ حقیقت نہیں ہے تمہارے خوف کی پرچھائیاں ہیں‘ جنہیں تم لفظ دے دیتی ہو اور وہ میرے دل میں خشک تیر پیوست ہو جاتے ہیں۔“

”اعظم تمہیں پتا تو ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر میں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ لڑکھڑائی ہوں پھر سنبھلی ہوں‘ دل و روح پر بھی اتنے زخم ہیں کہ......“

”میں ان زخموں پر اپنی محبت کے پھائے رکھنا چاہتا ہوں‘ حیاتِ اعظم تم مجھے اجازت تو دو۔“

”آخر تم کیوں آبلہ پائی کا سفر کرنا چاہتے ہو؟“

”تم میری مجبوری ہو ایسی مجبوری جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا کیونکہ ہم اپنے دل کی خواہش کو بہت کم لفظوں کی قبا پہنا سکتے ہیں نا اور تم بھی میرے دل کی خواہش ہو سب سے بڑی خواہش۔“

”اعظم...... دل کی بات مت کرو یہ تو نادان ہے‘ وہ جو فراز نے کہا......

دل کی کیا بات کریں دل تو ہے نادان جاناں

اس لیے دل کی باتوں پر عمل کرنے سے منزل نہیں ملتی بلکہ انسان دلدل میں اتر جاتا ہے۔“

”رخشی......“ اعظم کے لہجے میں محبت بھی شکوہ تھا۔

”ہاں سچ کہہ رہی ہوں دل کے آسمان پر تو خواہشیں مست گھٹاؤں کی طرح امڈ امڈ کر آتی ہیں۔“

”ضروری تو نہیں کہ وہاں کامیابی کا مینہ برسے کیوں آبلہ پائی کا سفر کرتے ہو اعظم‘ تمہاری راہ پر تو کہکشاں ہے پھر کیوں پتھروں پر چلنے کی آرزو کر رہے ہو۔“ رخشی کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

اعظم کے دل میں اس کے لیے محبت کے ساتھ نرمیاں بھی اُگ آئی تھیں۔ محبتوں کا ساون اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ امڈا تھا۔

”میں تمہارے بابا سے پھر ملوں گا۔“

”کیا پہلے تم ان سے مل چکے ہو؟“

”ہاں سوری تمہیں بتا نہیں سکا کہ میں ان سے ملا تھا اور انہوں نے انکار کردیا تھا۔“

”ہاں ہم غیروں میں بیٹیاں نہیں دیتے۔“

”مگر رخشی میں تمہیں چھین لوں گا ان سے پھر ملوں گا۔“

”نہیں اعظم‘ تم بابا سے پھر نہیں ملو گے۔“ وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

”کیوں؟“ وہ تیوری چڑھا کر بولا۔

”اس لیے کہ تم ایک دفعہ ان سے مل چکے ہو اور اسی لیے اٹھتے بیٹھتے ان ڈائریکٹ مجھے طعنے دیے جاتے ہیں۔ روز گھر میں فساد ہوتا ہے بابا کو بات بے بات غصہ آجاتا ہے اور ہم بہنیں فضول میں کانپنے لگتی ہیں۔ سب ہی خود کو چور محسوس کرتی ہیں لیکن اعظم‘ اب پتا چلا کہ اصل چور تو میں ہوں اور میری وجہ سے انہیں بھی ڈانٹ سننی پڑتی ہے۔ تم کیوں ملے تھے اعظم‘ کیوں ملے تھے ان سے؟“

”اس لیے کہ اب میں مزید تنہا نہیں رہ سکتا‘ یہ میری مجبوری ہے۔“

”تو بنا لو کسی کو بھی ساتھی۔“

”ساتھی اسی کو بناؤں گا جو میری پسند ہوگی اور تمہیں تو پتا ہے میری پسند کا مجھے کچھ نہیں کہنا۔“ اس کا لہجہ پتھریلا تھا۔

”بابا نہیں مانیں گے۔“ وہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔

”کیا خاندان میں رشتے موجود ہیں؟“ اعظم نے پوچھا۔

''نہیں۔'' ایک دم ہی رخشی کے لبوں سے یہ لفظ نکلا۔
''پھر...... پھر آخر کیا کریں گے بیٹیوں کے لیے؟ کہاں بیاہیں گے؟'' وہ چیخ ہی تو پڑا۔
''وہ بیاہنا کب چاہتے ہیں؟'' رخشی ہولے سے بولی۔
''میں سمجھا نہیں۔'' وہ حیران ہوا۔
''جب بیٹیاں خود اپنا بوجھ اٹھانے لگیں تو کچھ لوگ اس حقیقت سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں کہ بیٹیوں کو بیاہنا بھی ہے اور ایسے ہی لوگوں میں سے ایک میرے بابا بھی ہیں۔'' اس کے لبوں پہ زہرخندی پھیل گئی۔
''یہ تو غلط بات ہے آخر...... آخر کب تک تمہارے بابا......'' وہ اس کا جملہ کاٹ کر بولی۔
''جب تک ہمارے چھوٹے بھائی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو جائیں گے اور وہ بابا کا سہارا نہ بن جائیں۔''
''تب تک تم لوگوں کی عمریں رکی رہیں گی' چہرے کی شگفتگی اور بالوں کی سیاہی موجود رہے گی؟'' وہ تڑخ کر بولا۔
''کوئی موسم ایسا نہیں کہ جو ایک جگہ رک جائے سو عمر کو بڑھنے سے بھی کوئی روک نہیں سکتا۔'' وہ اطمینان سے بولی۔
''پھر...... پھر کیا ہوگا' بولو کیا ہوگا؟'' اعظم نے پوچھا۔
''یہی کہ بھائیوں کی خدمت کریں گے' بھائیوں کے بچے پالیں گے' بس یہی ہوگا یا......'' وہ ایک دم ہی کہتے کہتے رک گئی۔
''یا کیا......؟''
''یہی کہ اپنے سے دگنی عمر کے مرد سے بابا بیاہ دیں گے جس کی پہلی بیوی مرچکی ہوگی اور اس کے بچے بھی جوان ہوں گے۔''
''پلیز رخشی! ایسی خوف ناک باتیں مت کرو۔'' اعظم جھرجھری لے کر بولا۔
''ارے تم خوف زدہ نہ ہو' یہ حالات مجھ پر بلکہ میرے علاوہ میری تینوں بہنوں پر گزریں گی تم دیکھنا تو سہی۔'' رخشی ہنس دی۔
''مگر میں تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہونے دوں گا' تمہیں چھین لوں گا سب سے ہاں...... ہاں مجبور کردوں گا تمہارے والد کو کہ......'' اعظم کی آواز پھٹ گئی اور رخشی ایک دم بنچ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''چلو اعظم' بہت دیر ہوگئی ہے۔''
''بیٹھو تو آج فیصلہ ہو جائے۔'' اعظم نے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک جھٹکے سے دوبارہ اسے بنچ پر بٹھا دیا۔
''کیسا فیصلہ؟'' وہ انجان پن سے بولی۔
''بس تم وہ گھر چھوڑ دو۔''
''یہ ناممکن ہے اعظم' مجھے وہ گھر بہت پسند ہے۔''
''مجھ سے زیادہ؟''
''شاید......'' وہ آہ بھر کر بولی۔
''میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا رخشی' تم خود سوچو بھلا تمہارے والد تمہاری شادی کریں گے نہیں اور......اور......''
''تم کہیں اور کرلو نا شادی' بہت سی اچھی لڑکیاں مل جائیں گی۔''
''مگر تم جیسی سچی اور کھری لڑکی مجھے نہیں مل سکتی پھر یہ دیکھو نا کہ انسان اپنے وجود کی تمام تر سچائیوں سے کسی ایک ہی کو چاہتا ہے بار بار چاہت کا کھیل نہیں کھیلا جا سکتا؟''
''ارے اعظم' کس دنیا میں رہتے ہو لڑکے تو' تو نہیں کوئی اور کسی کے مقولے پر عمل کرتے ہیں۔'' وہ ہنس دی۔ ''ان کا دل نہیں ون وے ٹریفک ہے لوگ آتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کوئی نکتا ہی نہیں خصوصاً لڑکیاں تو چکنی مچھلی کی طرح ان کے دل سے پھسل جاتی ہیں۔''
''ہوتا ہوگا ایسا بھی مگر میرے ساتھ ایسا معاملہ نہیں

ہے رخشی۔ تم سے پہلے چاہے میں نے کتنے ہی چکر چلائے ہوں مگر قسم لے لو رخشی' تمہیں میں نے جب چاہا تو اسی نیت سے کہ تمہیں میں نے زندگی کا ساتھی بنانا ہے۔'' وہ رکا اور پھر بولا۔ ''شاید تم نے ایسا نہ سوچا ہو۔''
''میں ناممکن باتوں کے بارے میں نہیں سوچتی۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔
''پھر تم میری طرف بڑھی کیوں تھیں' جب تمہیں معلوم تھا ہمارے راستے جدا ہیں کیوں خود بھی خواب دیکھے اور مجھے بھی ان کی تعبیر کے لیے مجبور کیا۔ رخشی! اگر ایسا نہیں تھا تو میری محبت کا گلاب کیوں قبول کیا تھا۔'' اعظم کے لہجے میں دھیما پن بھی تھا اور تلخی بھی۔
''بس اعظم' میں بھی محبت کا مزا چکھنا چاہتی تھی' لوگ کہتے ہیں کتابوں میں لکھا ہے کہ محبت دنیا کا خوب صورت ترین جذبہ ہے بس لوگوں اور کتابوں کے لفظوں نے مجھے اس بحر میں کودنے پر مجبور کردیا اور...... اور اعظم!'' ایک دم ہی رخشی نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔
''بولو رک کیوں گئیں...... کیا تمہیں افسوس ہوتا ہے اب؟''
''صحیح کہا تم نے بہت افسوس ہوتا ہے مگر خوشی بھی ہوتی ہے کہ زندگی کا سفر بہت طویل ہے اور زادِ راہ کے طور پر یہ ڈھائی تین برس پر محیط عرصہ' ملاقاتیں' تمہارے خطوط اور تمہاری باتیں' تمہاری لڑائی' پیار...... یہ اتنی ساری چیزیں ہی اتنی یادیں ہیں مجھے یقین ہے کہ ان یادوں کو دہرایا جائے تو زندگی خاصی سہل گزر جائے گی۔''
''بکومت' یادوں کی کرچیوں سے اپنی انگلیاں زخمی کروگی بے وقوفی ہے نری تمہاری' بس میں تمہارے بابا سے پھر بات کروں گا۔'' اعظم کا لہجہ سخت تھا۔
''وہاں سے انکار کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔''
''پھر دوسرا راستہ یہ ہے کہ تم انہیں چھوڑ دو جنہیں تمہاری خوشیوں کا احساس نہیں ہے۔'' وہ بغاوت سکھانے لگا۔

''میں ایسا نہیں کرسکتی اعظم۔ اس گھر میں صرف بابا ہی نہیں رہتے اور بھی بہت سے لوگ ہیں میری بڑی آپا جو اب بھی مجھے اپنے بازوؤں میں بھر کر میری پریشانیاں شیئر کرتی ہیں۔ وہ باجی ہیں جو میرے کام کرتی نہیں تھکتیں' چھوٹی بہن ہے نفی جو کتنی بھی تھکی ہوئی ہو بھاگ بھاگ کر میرے کام کرتی ہے۔ بھائی ہیں جو میرے ساتھ کیرم کھیلتے ہیں اور...... اور اماں ہیں جو بھٹکی ہوئی روح کی طرح پورے گھر میں چلتی پھرتی ہیں اور......'' وہ ہنسی۔ ''ہم چاروں بہنوں کے برابر کے قد دیکھ کر آہیں بھرتی ہیں اور جو کبھی بابا گرج کر بات کریں تو آہ بھی ان کے لبوں سے نہیں نکلتی تو اعظم بتاؤ میں اتنی محبتوں کو کیسے چھوڑ دوں؟''

''تو کیا تم نے مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' لہجے میں دکھ تھا۔

''شاید...... آج کی آخری ملاقات کا مطلب یہی تھا۔''

''نہیں...... نہیں رخشی' تم ایسا نہیں کروگی۔'' وہ چیخ کر بولا۔

''اعظم رانا...... فیصلہ تو ہوچکا نا بس تم اب میرے راستے میں مت آنا' ہاں اعظم' میں تمہاری مشکور ہوں تم نے مجھے بہت کچھ دیا۔ خلوص' محبت' خوب صورت جملے' وعدے حسین خواب مگر افسوس میں تمہیں کچھ بھی نہ دے سکی یوں بھی لڑکیوں کے پاس دینے کو ہوتا ہی کیا ہے۔'' رخشی کی آواز بھیگ گئی۔ ''سوائے اشکوں کے تو میرے دوست میں تمہیں وہ اشک بھی نہیں دے سکتی کہ تحائف تو خوش رنگ پھولوں والے ریپر میں لپیٹ کر دیئے جاتے ہیں اور......'' رخشی کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں ڈبڈبا گئیں۔

''جس بات کو تمہارا دل تسلیم نہیں کرتا وہ مت کرو نہ بھینٹ چڑھو اپنے باپ کی فضول سی ضد کے پیچھے۔ ایک تم قربانی نہ دوگی تو آسمان نہیں ٹوٹ پڑے گا۔'' وہ چلا اٹھا۔

''بس اعظم' اب ایک لفظ بھی نہیں سنوں گی جو فیصلہ کرلیا سو کرلیا۔ آئندہ مت ملنا مجھے۔'' وہ پھر چیخ سے اٹھی۔

''یہ بھی کہو نا کہ بھول جاؤں تمہیں۔'' اعظم طنزاً بولا۔

''یہ کہنے کی ضرورت نہیں مجھے یقین ہے کہ جب کوئی اچھی سی لڑکی تمہاری بیوی بنے گی تو تم مجھے بھول جاؤ گے۔'' وہ بات کاٹ کر بولا۔

''ایسا نہیں ہوگا' میں وہ درجہ کسی کو نہیں دے سکوں گا جو تمہارا ہے۔''

''ایسے دعوے مت کرو' بیوی ملنے کے بعد مرد کے لیے سب عورتیں ایک سی ہوجاتی ہیں۔'' وہ ہنسی۔

''پھر سوچ لو۔''

''بار بار ایک ہی بات مت دہراؤ اعظم رانا۔'' رخشی کا لہجہ اس قدر سخت تھا کہ وہ مزید کچھ بھی نہ بول سکا اور پھر سارا راستہ اس نے رخشی سے بات نہ کی کہ وہ تو خفا ہوگیا تھا۔

ہمیشہ کی طرح اس نے بہت تیز بائیک چلائی اور رخشی آنکھوں کو بند کیے بیٹھی رہی۔ آج اس نے اعظم کو منع بھی نہ کیا تھا کہ وہ بائیک تیز نہ چلائے۔ بس بار بار ایک خواہش اس کے اندر مچل رہی تھی۔

''کاش...... کاش یونہی تیز رفتاری کی وجہ سے بائیک ٹرک یا بس سے ٹکرا جائے اور...... اور میں ہمیشہ کے لیے مرجاؤں کہ اعظم سے بچھڑنے کے بعد روز مر مر کر جینا ہوگا۔ اس کی سنگت میں موت آئے تو کتنا اچھا ہو۔'' مگر اس کی تو کوئی خواہش اور سوچ کبھی بھی پوری نہ ہوئی تھی تو بھلا یہ خواہش کیسے پوری ہوتی۔ اعظم نے اسے ہمیشہ کی طرح گھر سے خاصی دور ڈراپ کیا۔

''خدا حافظ!'' رخشی نے چادر سے خود کو اچھی طرح لپیٹتے ہوئے کہا۔ اعظم نے کوئی جواب نہ دیا اور بائیک آگے بڑھادی۔

رخشی کی آنکھوں میں آنسو برکھا کی طرح امڈ آئے اس نے ہونٹوں کو دانتوں تلے دبالیا۔ دل درد کی لہریں

لینے لگا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو اماں نے نہایت بے قرار لہجے میں کہا۔

''بیٹا آج دیر کیوں کردی؟''

''مسز احمد کے ساتھ ذرا بازار چلی گئی تھی۔'' رخشی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور اندر کمرے میں گھس گئی' سعیدہ آپا نے اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو صاف دیکھ لیے تھے۔

سعیدہ آپا جب چائے کا کپ لیے اس کے کمرے میں آئیں تو وہ کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹیکے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ سعیدہ آپا نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور رخشی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا وہ ایک دم چونک گئی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو اور اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے بہن کو دیکھنے لگی۔

''رولو رخشندہ' ہاں رولو تم اتنا روؤ کہ سارے خواب اس سیلاب میں بہہ جائیں ورنہ کرچی کرچی ہوجاؤ گی اپنے خوابوں کی طرح۔''

''ابھی مزید ہوں گی؟ نہیں آپا اس سے زیادہ اور کیا کرچی کرچی ہوں گی...... کہ آج اسے بھی اپنے ہاتھوں سے گنوادیا جسے اپنے دل کی تمام تر شدتوں سے چاہا تھا۔''

''تمہیں میں نے منع بھی کیا تھا۔'' سعیدہ بولیں۔

''بس کبھی کبھی برباد ہونے کو بھی تو جی چاہتا ہے نا؟'' وہ مسکرائی۔

''کیا ملا تمہیں؟''

''سب کچھ مل جاتا آپا اگر میں اس کا کہنا مان لیتی یہ گھر چھوڑ دیتی تو سب کچھ پالیتی۔'' وہ دکھ سے مسکرائی۔

''تو چھوڑ دیتیں۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

''اس گھر کے رشتوں کی زنجیریں اس زنجیر سے بہت زیادہ مضبوط ہیں آپا! میں نے وہ ایک زنجیر توڑ ڈالی' بہت زیادہ محبت کی زنجیر نہیں توڑ سکتی۔ اعظم کی محبت کی ایک زنجیر توڑنی آسان تھی۔'' رخشی ہونٹ کچلنے لگی۔

''جان...... تم اپنی خوشیوں کو پالو میری خواہش ہے کہ......'' سعیدہ کا جملہ کاٹتے ہوئے۔

''بس آپا مت کہیں کچھ آج میں نے سب ختم کردیا ہے آئندہ آپ میرے لبوں پر اعظم کا نام نہیں سنیں گی۔''

''بہت معصوم ہو رخشی۔'' سعیدہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ''جو نام دلوں میں بستے ہیں نا وہ لبوں پر نہیں آتے' تم بھی اعظم کے نام کی یادیں دل کے کسی ایک خانے میں بند کردو اس خانے کے دروازے پر چپ کا قفل لگا کر یادوں کی کنجی ایسی جگہ پھینکو کہ تمہیں وہ مل ہی نہ سکے کہ میری بہن تم نے غلط راہ چنی تھی جس کا انجام یہی ہونا تھا۔''

''آپا......! آخر بابا کیوں نہیں کرتے ہماری شادیاں' کیا انہیں پتا نہیں کہ ہم بڑی ہوگئی ہیں؟'' وہ دکھ سے پوچھ رہی تھی۔

''ہر لڑکی کی طرح ایک گھر ہماری خواہش ہے' شوہر اور بچوں کی تمنا ہے ہمیں۔ کیوں جذبوں پر انہوں نے اپنے خوف کا پہرہ بٹھا رکھا ہے' جذبے جو انسانی جبلت میں شامل ہیں۔'' وہ آنسو پونچھنے لگی۔

''ہم آخر کب تک ان کی شوریدہ سری پر بند باندھیں کیسے آپا! کب تک...... ہم کب تک اپنے جذبوں کا سر کچلیں؟ آخر اپنے گھر کی خواہش ہماری بھی ہے۔'' رخشی سعیدہ کے سینے سے سر لگا کر بے تحاشہ رودی اور سعیدہ نے بھی اسے رونے دیا کہ یہی اس کے حق میں بہتر تھا پھر وہ بہت روئی بلک بلک کر روئی مگر اس قدر رونے سے بھی اعظم رانا کا نقش اس کے ذہن و دل سے نہ مٹ سکا۔

سعیدہ نے اسے کچھ نہیں کہا' کچھ نہ سمجھایا مگر ایک بات تھی کہ رخشی کا دکھ وہ اپنے دل کی تہوں میں بھی محسوس کررہی تھی۔ وہ رات رخشی کے لیے قیامت کی رات تھی جب پورے گھر پر تاریکی کا راج تھا اور اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے کہ یہ تاریکی اس کے دل میں اترتی جارہی ہو۔ وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی اور اس کے قریبی پلنگ پر لیٹی سعیدہ اس کی کیفیات سے اچھی طرح واقف تھی کہ اعظم کی محبت کا پھندہ مسلسل اس کے گلے میں

تنگ ہوتا چلا جارہا ہے' اس کا دم گھٹ رہا تھا تو وہ بے چین تھی۔

رخشی ایک دم ہی اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر بے قرار ہوکر کمرے سے باہر نکل گئی۔ سعیدہ سوتی بن گئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ رخشی اس کی ہمدردی پاکر پھر رونا شروع کردے شام کو بھی بہت مشکل سے چپ ہوئی تھی۔ کبھی کبھی انسان کتنا مجبور ہوجاتا ہے کہ دل کچھ چاہتا ہے اور دنیا داری نبھانے کے لیے ہم دنیا کے ذہن سے ہی سوچنے لگتے ہیں۔ دنیا کے خوف سے دل کی بسی بسائی دنیا اجاڑ دیتے ہیں اور یہی کچھ رخشندہ نے بھی کیا تھا۔

کھڑکی کی چوکھٹ پر اس نے ہتھیلیاں ٹکا کر باہر جھانکا' کائنات اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی اور کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز سناٹے کو چیر ڈالتی تھی مگر اس کے دل میں جو سناٹا تھا اسے صرف دکھ کی لہریں ہی چیر رہی تھی اسے اچھی طرح جکڑی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود بھی اس نے ان کے حصار کو توڑ کر اعظم رانا کی محبت کے پھولوں کا گلدستہ تھام لیا تھا۔ وہ تھا بھی تو بہت جی دار اور ضدی اکھڑ سا۔ اس کے نظر انداز کیے جانے کے باوجود بھی وہ اس کی راہ میں آتا رہا اس کا راستہ روک کر حال دل کاغذ کے پرزے پر لکھ کر چپکے سے اسے تھما دیتا وہ تو اعظم رانا کے لیے چیلنج بن چکی تھی۔

اسے مشکل چوٹیاں سر کرنے کا شوق تھا اور رخشندہ بھی اس کے لیے بہت مشکل چوٹی تھی۔ جسے اس نے جیتنا تھا اور آخر اس نے جیت ہی لیا تھا مگر جب رخشی نے اس کی محبت کو قبول کیا تو رخشی کی محبت اعظم رانا کے پور پور میں اتر چکی تھی۔ اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ رخشی ہی کو اپنی زندگی کا ساتھی بنائے گا۔

وہ جو روایتوں کی پابند لڑکی تھی اور ابو نے شروع ہی سے اس کے ذہن میں ڈال دیا تھا بلکہ ان سب بہنوں کے اذہان میں ڈالا تھا کہ تم میری بیٹیاں نہیں بیٹے ہو۔ ایسے بیٹے جو بڑے ہوکر پڑھ لکھ کر باپ کا بازو بنتے ہیں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں یہی تو وجہ تھی کہ سعیدہ آپا نے انٹر کرنے کے بعد سی ٹی کا کورس کیا تھا اور ایک اسکول میں ٹیچر تھیں۔ سنجیدہ باجی نے بھی سی ٹی کیا تھا مگر رخشی کو ان بہنوں نے بی اے کے بعد بی ایڈ میں داخلہ دلوایا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ ساری زندگی سروس تو کرنی ہی ہے۔

بابا چاہتے تھے کہ بیٹیاں اپنا خرچ خود برداشت کریں' انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ بیٹیاں چڑیا کی مانند ہوتی ہیں اور انہیں دوسرے گھر بھی جانا ہے اور بیٹے ابھی چھوٹے تھے۔ عمران فرسٹ ائر میں تھا' عرفان نویں میں اور عدنان ساتویں کلاس میں تھی۔ رخشی سے چھوٹی فہمی تھرڈ ائیر میں تھی۔ مگر باپ سے پوچھنے کی بھی ہمت نہ ہوسکی' اصل میں وہ یہ تو نہ کہہ سکے تھے کہ وہ بیٹوں کو بیاہنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ جب تک ان کے بیٹے اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوجاتے بیٹیوں کو نہیں بیاہیں گے کیونکہ ان کے پاس بیٹیوں کے لیے جہیز کے نام پر کچھ بھی جمع نہ تھا۔ اب بھی سعیدہ اور سنجیدہ کی تنخواہ آتی تھی مگر گھر ہی میں خرچ ہوجاتی۔ بابا کی پرچون کی دکان تھی جو گھر کے گیارہ نفوس کا خرچ نہیں چلا سکتی تھی پھر بچت ہی نہ ہوسکتی تھی ایک لحاظ سے دیکھا جاتا تو ان کا نظریہ بھی درست تھا کہ بیٹیوں کو خالی ہاتھ بھی تو ڈولی میں نہیں بٹھایا جاسکتا۔

سعیدہ اور سنجیدہ نے کبھی بھی باپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی تھی جو انہوں نے کہا' چپ چاپ عمل کیا مگر رخشی ان دونوں سے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ ان سے زیادہ خوب صورت اور طرح دار تھی پھر اسے اعظم رانا نے پسند بھی کرلیا اور یہی نشہ رخشی کے اندر بھی اتر گیا تھا۔ تب ہی تو اس نے اعظم کی محبت کو قبول کرلیا تھا۔ اعظم کی محبت نے اسے زندگی کے نئے زاویوں سے روشناس کرایا تھا۔ اس نے سعیدہ کو سب کچھ بتادیا تھا اور سعیدہ نے اسے منع بھی نہ کیا تھا اور پھر رخشی بچی تو نہ تھی کہ اپنا برا بھلا نہ جان سکتی۔

اعظم نے اسے اپنے بارے میں بتادیا تھا کہ اسی سال اس نے ایم ایس سی کیا ہے اور ان دنوں وہ ایک

انگلش فرم میں جاب کرتا ہے۔ اس سے بڑی دو بہنیں تھیں اور جن کی شادی کے بعد ہی اس نے اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا تھا اس نے بارہا کہا تھا۔

''رخشی! تم ہی میری عمر بھر کی ساتھی ہوگی۔'' رخشی مغرور سی ہوجاتی۔

بی ایڈ کا رزلٹ آیا تو رخشی کو مقامی اسکول میں سروس بھی مل گئی اب وہ کبھی کبھی غائب ہوکر اعظم کے ساتھ اکیلے مل لیتی تھی۔ شروع شروع میں تو اسے اعظم کے ساتھ اکیلے جاتے خوف آتا تھا کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے مگر پھر بہادری آگئی۔ اعظم کے ساتھ اسے شدید تحفظ کا احساس ہوتا اب یہ خوف بھی نہ رہا تھا کہ کوئی دیکھے گا۔ اعظم نے اسے بہت محبتیں دی تھیں' ڈھیروں وعدے کیے تھے پھر اعظم کی بہنوں کی بھی شادیاں ہوگئیں تب رخشی نے سوچا میری بہنوں کی شادی کیوں نہیں ہوتیں جو رشتہ آتا ہے بابا اسے مسترد کردیتے ہیں۔

''آخر انہیں ہماری فکر نہیں ہے؟'' عجیب سا دکھ اس کے وجود میں گھل مل جاتا' وہ بہنوں کو دیکھتی۔

سعیدہ آپا اور سنجیدہ باجی کے پھیکے پھیکے چہرے اور بنا کھنک کی ہنسی اس کے دل میں زہر سا بھر دیتی۔ آہستہ آہستہ وہ بھی سنجیدہ سی ہوگئیں' اعظم کی باتیں دکھے دل میں کوئی پھول نہ کھلاتیں اور اب چند روز سے گھر کا ماحول اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ بابا بات بے بات جھگڑتے تھے' ذرا ان کے مزاج کے خلاف کام ہوتا تو گھر سر پر اٹھا لیتے اور ایسا کیوں تھا؟ یہ کسی کو علم نہ تھا جب بھی وہ چاروں بہنیں پاس بیٹھتیں' کہتے۔

''میرے خلاف میٹنگ کررہی ہو' جانا چاہتی ہو گھر سے چلی جاؤ۔'' اور وہ چاروں چور سی بن جاتیں کہ ایسا کب سوچا یا چاہا ہے انہوں نے۔

عجیب بے زاری کیفیت تھی اور اسی لیے آج رخشی' اعظم کے ساتھ ساحل سمندر پر آگئی تھی اسے یہاں بہت سکون ملتا تھا تب اعظم نے ہی تو بتایا تھا کہ بابا سے ملاقات ہوئی تھی اور وہاں سے صاف انکار ہوگیا تھا۔

رخشی نے سوچا کہ یہ بار بار بابا کے پاس جائے گا اور وہ بار بار اسے دھتکارتے رہیں گے۔ بہتر ہے کہ راستہ علیحدہ کرلیا جائے' بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے اس نے اعظم سے کہہ دیا تھا کہ وہ آئندہ نہ ملے اور جو اس نے کہا تھا اس پر عمل بھی کیا تھا۔

پھر اعظم کئی بار اس کے اسکول آیا مگر وہ نہ ملی۔ اسکول فون کرتا تو وہ بات نہ کرتی' اعظم نے اسے خطوط لکھے اور اس نے بن پڑھے ہی انہیں پھاڑ ڈالے۔ جس راستے جانے کا امکان نہ تھا وہ اس راستے کا نام ہی کیوں لیتی؟ یہ اس کی محبت کی توہین تھی۔ اسی طرح پورے چار ماہ گزر گئے' اعظم اس کے اسکول آتا اور چھٹی کے وقت اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہتا۔

''پلیز رخشی...... میری بات سن لو۔''

''میں نے کچھ نہیں سننا۔'' وہ یہی جواب دیتی۔

''مجھے بتاؤ تم کیوں خفا ہو مجھ سے؟''

''تم بابا کے پاس کیوں گئے تھے؟'' رخشی کا وہی ایک جواب تھا اور اعظم کا جی چاہا اپنے بال نوچ ڈالے یہ کون سا ایسا گناہ تھا۔ وہ اعظم کو جھڑک کر آتی تو گھر آکر بے تحاشا روتی۔ دنوں ہی میں اس کے چہرے کی گلابیاں زردیوں میں بدل گئی تھیں۔ وہ نہ مانی اور اعظم نے بھی راہ بدل دی پھر وہ رخشی کو نظر نہ آیا اس کی نظریں اعظم کو کھوجتیں مگر وہ تو نجانے کہاں چلا گیا تھا۔

آہستہ آہستہ رخشی عادی ہوگئی اور اسے یقین ہوگیا کہ وہ اب نہیں آئے گا مگر اپنی تشنہ نگاہوں کا کیا کرتی جو اب بھی اس کی متلاشی تھیں پھر بہت سا وقت گزر گیا اعظم سے بچھڑے پورے نو سال بیت گئے اور ان گزرے نو سالوں میں بھی بہت تبدیلیاں آگئی تھیں۔

وہ حکم چلانے والے بابا ایک روز ایسے سوئے کہ پھر نہ اٹھ سکے یہ اس روز ہوا جب پہلی بار گھر میں ان کا کہا نہ مانا گیا اور عمران نے اپنے کولیگ شکیل بخاری سے فہمیدہ کا رشتہ طے کردیا۔ بابا کی ایک ہی رٹ تھی۔

''ابھی تین بیٹھی ہیں اور چھوٹی کا رشتہ کیسے

ہوسکتا ہے؟“

”اب چھوٹی ہی کا وقت ہے بابا! بڑیوں کا وقت آپ نے اپنی فضول ضد میں نکال دیا اور میں فہمی کو بھی اس عذاب سے مسلسل نہیں گزرنے دینا چاہتا۔“ وہ گرجا۔

”اب میں اس قابل ہوں کہ فیصلے کرسکوں۔“ بابا کے دل پر بیٹے کا فیصلہ گھونسہ بن کر لگا اور جس روز فہمی کی منگنی تھی اس سے دوسری صبح بابا ہی دنیا میں نہ رہے۔ آزادی اس گھر کو تب نصیب ہوئی جب اس میں رہنے والے پرندوں کے پر کٹ چکے تھے۔

سعیدہ آپا‘ سنجیدہ باجی اور رخشی کی عمر اب وہ نہ رہی تھی کہ کوئی اچھا رشتہ آتا۔

فہمی کا بھی شکیل بخاری سے میل اس لیے ہوگیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں سب سے بڑا تھا۔ اس سے چھوٹی دو بہنیں تھیں اور اس نے بہنوں کی شادی کرنے کے بعد اپنی شادی کی تھی تقریباً چونتیس پینتیس کے لگ بھگ تھا۔ وہ اماں جو بابا کے ہوتے ہوئے کچھ بول نہ سکتی تھیں اب ملنے والی خواتین سے کہتیں۔

”بہن کوئی اچھا رشتہ ہو تو میری بیٹیوں کے لیے ضرور دیکھنا‘ چاہے وہ شخص دوسری شادی کا خواہش مند ہو۔“ یہ بات انہوں نے سعیدہ کے سامنے کہی تھی تب بہت ہی تلخ مسکراہٹ سعیدہ کے لبوں پر پھیلی تھی۔

”او خدایا یہ مقام بھی آنا تھا۔“ سعیدہ سوچ کر رہ گئی مگر کچھ کہہ نہ سکی کہ بعض مرتبہ سوچیں بھی زہر کی مانند ہوتی ہیں اور اگر انہیں زبان دے دی جائے تو گھر کے در و دیوار میں بھی زہر بھر جاتا ہے۔

فہمی کی شادی ہوئی تو شادی میں شریک ہر عورت کی زبان پر ایک ہی سوال تھا۔

”آخر بڑی بیٹیوں کی شادی کیوں نہیں کی گئی۔“ حالانکہ سب کو علم ہونا چاہیے تھا کہ اگر ان کے لیے اب کوئی رشتہ ہوتا تو وہ بھلا کب بابل کی دہلیز پر بیٹھی رہتیں؟ لوگ کسی کے دل کے زخموں کو دیکھتے نہیں اور مزید زخموں کا اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں جن سے دل کے ساتھ روح بھی زخمی ہوجاتی ہے مگر بولنے والوں کی زبان کوئی روک تو نہیں سکتا۔ فہمی کی شادی کے بعد عمران بھی اپنی دلہن لے آئے‘ ظاہر ہے وہ مرد تھے اور بڑی بہنوں کی وجہ سے آخر کب تک اپنے جذبات و احساسات کو تھپکیاں دیتے ان کی شادی بھی سادگی سے ہوئی۔ وہ بینک میں سیکنڈ آفیسر تھے‘ سروس کے تین چار سال بعد تک انہوں نے بڑی تینوں بہنوں کی شادی ہونے کا انتظار کیا تھا اور جب کہیں چانس نظر نہ آیا تو خود ہی سہرا باندھ کر ناہید کو بیاہ لائے۔ ان کی شادی کے ایک سال بعد عرفان بھائی کے سہرے کے پھول بھی کھل گئے مگر بہنوں کی قسمت نہ جاگی۔ فہمی بھی ایک پیارے سے بیٹے کی ماں بن چکی تھی اور وہ اپنے گھر میں خوش تھی۔ تینوں بہنوں کو دیکھ کر اس کے دل میں ہوک اٹھتی۔

پھر ایک دم ہی سعیدہ آپا کی قسمت جاگ اٹھی ان کا ایک گورنمنٹ اسکول میں ٹرانسفر ہوا تو ہیڈ ماسٹر معین الدین کو سنجیدہ سی سعیدہ آپا پسند آ گئیں۔ معین الدین کی بیگم کے انتقال کو دو برس ہوچکے تھے‘ دو بیٹے تھے ان کے ایک تو رسال پورا کیڈمی میں تھا اور دوسرا میڈیکل کے چوتھے سال میں پڑھ رہا تھا۔ کالے بھجنگ اور موٹے سے معین اور نازک سی سعیدہ آپا کا قطعاً جوڑ نہ تھا حالانکہ سعیدہ آپا کی عمر اڑتالیس برس تھی لیکن ان کا سراپا آج بھی بیس سالہ لڑکی جیسا تھا۔ بس چہرے پر پکا پن تھا اور سر میں سفید بالوں کی بہتات تھی جسے وہ اپنے کچھ سیاہ بالوں سے چھپالیا کرتی تھیں۔

عرفان بھائی کو معین الدین بہت پسند آئے تھے اور انہوں نے کھٹ حامی بھرلی‘ نہایت سادگی سے سعیدہ آپا کا نکاح ہوا اور وہ رخصت ہوکر معین الدین کے ساتھ چلی گئیں تب رخشی نے سوچا تھا۔

”ہائے خوب صورت چیزوں کی دلدادہ سعیدہ آپا اس کلوٹے ہیڈ ماسٹر کو کس طرح برداشت کرتی ہوں گی۔“ مگر واقعی وہ تو برداشت کرہی چکی تھیں تبھی تو معین الدین کے ساتھ خوش تھیں اس لیے بھی کہ اب ان کا اپنا گھر تھا جہاں بھابیوں کے طعنے نہ تھے اور اپنے گھر کا فخر ہی انسان کو سرشار کردیتا ہے۔

وہی سرشاری سعیدہ آپا کے چہرے پر غازہ بن کر بکھری ہوئی تھی‘ وہ بہت ہی مطمئن تھیں۔ انہیں اس وقت بہت ترس آتا تھا جب وہ اپنے بچوں کو پیار کرتے تو بہنیں صرف حسرت سے دیکھ کر رہ جاتیں‘ پھول اور بچے کسے برے لگتے ہیں عورت تو بچوں ہی سے مکمل لگتی ہے ان کے بغیر وہ ادھوری ہے اور ادھوری عورت کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ عمران بھائی کو رہ رہ کر مرے ہوئے بابا پر غصہ آتا جنہوں نے ان کی بہنوں کی زندگی محض اس لیے تباہ کردی تھی کہ گھر کی گاڑی چلتی رہے۔

تینوں بھائی شادی شدہ تھے گھر میں بچے تھے‘ بھابیوں کی ہنسی بچوں کی شرارتیں گھر کے در و دیوار خوش تھے۔ اماں نماز کے بعد لمبے لمبے وظیفے پڑھتیں مگر ابھی تک سنجیدہ اور رخشندہ کے دل کی دیواریں اس خوشی سے محروم تھیں وقت حسب معمول آگے بڑھتا چلا گیا۔ رخشی تو اب اپنی یادوں سے خود کو بہلا بہلا کر تھک گئی تھی‘ آخر یادیں کب تک ساتھ دیتی ہیں؟ کب تک بات کو دہرایا جاتا۔

پورے سترہ برس بیت گئے تھے‘ ان ڈھائی سالوں کی یادوں کو دہراتے ہوئے اب تو اسے بوریت سی ہونے لگی تھی مگر ایک بات اسے بڑی عجیب لگتی کہ آج بھی اعظم کو وہ تصور میں اسی طرح ہنستے مسکراتے دیکھتی تھی‘ ویسے ہی تر و تازہ تھا اس کی محبت کا پھول۔ ایوان دل میں آج بھی وہ اعظم کی آہٹیں محسوس کرتی تھی اس کا لہجہ آج بھی رخشی کے دل اور کانوں میں رس گھولتا تھا حالانکہ اب وہ لاابالی سی شوخ لڑکی نہ تھی جو اعظم کی محبت میں ڈول گئی تھی۔ اس کی سروس ہی کو بیس برس ہونے کو آئے تھے‘ ہائی اسکول کی ہیڈ مسٹریس تھی۔ ایم اے ایم ایڈ کرچکی تھی مگر اس کے اندر آج بھی وہی بیس بائیس سال کی رخشندہ زندہ تھی جو اعظم سے محبت کرتی تھی جس کا دل اعظم کے نام پر دھڑکتا تھا۔ جو اعظم کی

قربت میں خود کو محفوظ سمجھتی تھی۔
اس روز وہ اسکول سے چھٹی کے بعد بازار چلی گئی' کبھی کبھار وہ یہی کرتی اسے چوڑیاں بہت اچھی لگتی تھیں۔ صرف سیاہ چوڑیاں جو اس کی گوری گوری کلائیوں میں نہایت خوب صورت لگتی تھیں اس روز بھی اس نے دونوں کلائیوں میں چوڑیاں پہنی گھر آئی تو غیر معمولی بات یہ تھی کہ برآمدے میں سیڑھیوں کے ساتھ پھولوں کے گملے نہایت ترتیب سے دھرے تھے۔ گھر بھی بہت صاف ستھرا تھا اور تو اور آج خلاف توقع عمران بھی گھر میں تھے۔

''بھئی کیا بات ہے آج تم گھر میں کیسے؟''

''بس چھوٹی باجی آج آپ کی خاطر گھر آ گیا ہوں۔''

''وجہ؟'' رخشی نے کہا حالانکہ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ میری خاطر...... آج میرا خیال کیسے آ گیا مگر اس نے کچھ بھی نہ کہا۔

''چھوٹی باجی آپ کھانا کھالیں پھر بتائیں گے؟'' عدنان کی بیوی عذرا نے مسکرا کر کہا اور رخشی صرف کندھے اچکا کر رہ گئی اور جب وہ اماں کے پاس بیٹھی کھانا کھا رہی تھی تو انہوں نے دھیرے سے کہا۔

''فضیلت آپا! (محلے میں رہتی تھیں اور پورے محلے کی آپا تھیں) نے تمہارے لیے ایک اچھا رشتہ بتایا اور ہے......''

''نہیں کرنی میں نے شادی۔'' رخشی نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

''بدفعال مت نکالو منہ سے۔'' اماں نے گھرکا۔

''ابھی سنجیدہ آپا ہیں۔''

''فضیلت آپا نے تم دونوں کی تصویریں دکھائی تھیں اسے تم پسند آئی ہو۔''

''ہاں اس لیے کہ سنجیدہ آپا سے دو سال چھوٹی ہوں۔'' رخشی کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''فوٹو بھی ہے اس کا میرے پاس۔''

''نہیں دیکھنی فوٹو میں نے۔'' وہ تڑخ کر بولی۔

''بیٹا آخر کب تک......؟'' اماں روہانسی ہو گئی۔

''اتنی عمر گزر گئی ہے اماں' مزید بھی گزر جائے گی' اب تو جذبے اور خواہشیں بھی مر گئی ہیں اماں مجھے نہیں تمنا شادی کی۔''

''تم دیکھو سعیدہ کس قدر خوش ہے۔''

''ہاں وہ خوش رہ سکتی ہیں' میں نہیں۔'' رخشی کے لہجے میں دکھ گھلا ہوا تھا۔

''پہلی بیوی اس کی عرصہ ہوا مر گئی۔'' اماں اس کے پوچھے بغیر ہی بتانے لگیں۔

''مجھے پتا ہے' اس عمر میں ہمارے لیے کوئی کنوارا رشتہ تو آنے سے رہا۔'' رخشی کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔

''فضیلت اس کی بہن کے ہاں کام کرتی ہے' بتا رہی تھی صرف ایک بیٹا اور بیٹی ہے دونوں ہاسٹل میں رہتے ہیں اور خود وہ کمپنی کا جنرل منیجر ہے۔ کئی سال جرمنی میں رہ کر ابھی آیا ہے اور......''

''اماں مت بتائیں مجھے تفصیل' کہہ دیا نہیں کرنی شادی میں نے۔''

''بیٹا میری جان! دیکھ مان جا' یہ میری خواہش ہے اور تجھے پتا ہے فضیلت سے اس نے خود ہاتھ جوڑ کر کہا تھا کہ اس لڑکی سے میری شادی کروا دو۔ اب دیکھو نا کہ اس نے کتنی آس سے کہا ہے اس کی تمنا بھی ہے۔''

''اماں آپ لوگوں نے کبھی ہماری تمنا کا خیال نہیں کیا' خواہشوں کو روندا' اپنی محبت اور تربیت کا صلہ آپ لوگوں نے لے لیا اور اب......''

''مت کہو یہ سب' تمہارے ابو سے میں کہتی تھی مگر وہ نہیں مانتے تھے میرا کوئی قصور نہیں ہے۔'' وہ رو دیں۔

''بس میں کچھ نہیں جانتی' شام کو وہ آ رہا ہے ایسے رشتے ملتے کب ہیں؟ اب تمہاری عمر کوئی ایسی کم بھی نہیں۔''

''مجھے اس عمر تک پہنچانے والے کون ہیں آپ ہی ہیں...... اب مجھے کوئی الزام نہ دیں۔'' وہ غصہ

سے بولی۔

''کر دیں انکار' اگر انہوں نے کرنی ہے تو سنجیدہ باجی کو اپنائیں۔'' رخشی کا جملہ ابھی پورا بھی نہ ہوا تھا کہ عمران بھائی آ گئے۔

''چھوٹی باجی۔'' ان کے لہجے میں دکھ گھلا ہوا تھا' رخشی نے دیکھا وہ نہایت دکھی لگ رہے تھے۔

''چھوٹی باجی! میں آپ سے چھوٹا ضرور ہوں مگر کبھی کبھی چھوٹے بھی بڑے بن جاتے ہیں۔ میری عزت کی خاطر ہی سہی آپ مان جائیں۔ میں ان سے ملا ہوں اور یہ بھی بتا دوں کہ آپ انہیں بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔''

''میں...... میں جانتی ہوں۔'' رخشندہ نے حیرت سے بھائی کو دیکھا۔

''میں آپ کو بخدا شرمندہ نہیں کرنا چاہتا مگر کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اعظم رانا آج بھی آپ کے خواہش مند ہیں۔ سترہ برس پہلے آپ ہمت کر کے ابو کے سامنے دیوار بن جاتیں' اعظم سے کہتیں کہ وہ ابو کو جھکا کر ہی دم لے تو آپ کے ساتھ ساتھ بڑی باجی اور آپا کی زندگی بھی تباہ نہ ہوتی۔'' عمران کہہ رہا تھا۔ ''کوئی تو ابو کے فیصلوں سے انحراف کرتا' اب بھی چھوٹی باجی یہ میری خواہش ہے کہ......'' وہ ہاتھ اٹھا کر اس کا جملہ کاٹ کر بولی۔

''بس کرو عمران مت مارو اتنے طمانچے کہ مجھے اپنی شکل بھی نظر نہ آئے۔ جو کچھ کرنا ہے کرو اور جو میں نے کرنا ہے کروں گی۔'' آخری جملہ رخشی نے آہستہ سے کہا تھا جسے کوئی اور نہ سن سکا تھا مگر عمران اور اماں خوش ہو گئے اور وہ اپنے کمرے میں چلی آئی مگر لمحے کے ہزارویں حصہ میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

''بھلا...... بھلا میں دلہن بنی کیا اچھی لگوں گی؟ نہیں...... نہیں اماں! جب وقت تھا تو آپ لوگوں نے احساس نہ کیا جب امنگوں سے بھرپور دل تھا تو...... جب یہ سب اچھا لگتا۔ نہیں...... نہیں عمران میں آپ لوگوں کی خواہش پوری نہیں کر سکتی۔ اب تو پھول شاخ پر ہی لگے لگے مرجھا چکا ہے اب نہ پھولوں کا زیور چاہیے نہ سونے کا......'' رخشی نے اپنی کلائی میں سجی خوب صورت چوڑیوں کو دیکھا اور دوسرے لمحے ہی اس کا ہاتھ زور سے پلنگ کی پٹی پر پڑا تھا اور چوڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پر بکھر گئی تھیں۔ کتنے ہی ٹکڑے اس کی کلائی میں بھی چبھ گئے تھے رخشی کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔

''ہاں ہاں اعظم! جب پہلے میں نے تم سے تمہاری ساتھی بننے سے انکار کر دیا تھا تو آج سترہ برس بعد بھی میں نہیں مان سکتی۔ یہ میری غیرت گوارہ نہیں کرتی کہ انکار کرنے کے بعد دوبارہ اس شخص سے ناتا جوڑ لوں۔ محبت خواب کی صورت تھی اور رہے گی۔ اعظم رانا ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا میری محبت۔'' رخشی کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر گالوں پر بکھر گئے' یوں لگا کہ چہرے پر آنسوؤں کی فصل اگ آئی ہو اور دوسرے ہی لمحے اس نے چوڑیوں کے ٹکڑے پیپر ویٹ سے پیس کر منہ میں ڈال لیے کہ مزید وہ اپنی شکست برداشت نہ کر سکتی تھی۔

اور اپنی زندگی تو اس کے اختیار میں تھی' زندگی کے دن اس نے کم کر لیے تھے اور اپنی انا کو شکست سے بچا لیا تھا۔ خود کو شرمندگی سے بچا لیا تھا' بڑی مطمئن سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری ہوئی تھی۔

قسط نمبر 7

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ماریہ کی طبیعت اچانک بگڑ جانے پر جیکولین شدید تشویش میں مبتلا ہوجاتی ہے وہ ماریہ سے اس ٹینشن کی بابت دریافت کرتی ہے لیکن ماریہ ٹال جاتی ہے۔ ابرام اپنے طور پر جیسکا سے ماریہ کے دوستوں کے متعلق استفسار کرتا ہے کہ اس کی دوستی کن لوگوں سے ہے لیکن جیسکا کو بھی اس معاملے کا علم نہیں ہوتا کیونکہ ماریہ ایک محتاط پسند لڑکی ہے جو کسی سے بھی زیادہ فرینک نہ ہوتی تھی جیسکا کی زبانی ماریہ کی ولیم میں غیر دلچسپی کا جان کر ابرام خاموش رہ جاتا ہے۔ زرینہ اور زرتاشہ گہری دوستی کے بندھن میں بندھ جاتی ہیں۔ زرینہ اپنی پڑھائی کو لے کر خاصی فکر مند رہتی ہے۔ دوسری طرف سر شرجیل اپنے منصب و مرتبے کو بھلا کر عروبہ عظیم میں دلچسپی لیتے ہیں شرجیل کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جو صنف نازک کی طرف نہ صرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں بلکہ ایسے تعلقات پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ اسی لیے زرینہ اور زرتاشہ ان سے مدد لینے سے کتراتی ہیں لیکن پال آ خران کے روم میں پہنچ جاتی ہیں۔ لالہ رخ کے لیے عازم لاکھانی نئے مسائل لے کر آتا ہے عازم لاکھانی دولت مند و عیش پرست آدمی ہوتا ہے اور وہ جب بھی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرتا ہے ہر بار شریک حیات کے طور پر ایک نئی لڑکی اس کے ساتھ ہوتی ہے لالہ رخ ان تمام باتوں سے آ گاہ ہونے کی بنا پر اس شخص سے گریز کرتی ہے لیکن عازم لاکھانی لالہ رخ کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر نہ صرف اس سے تعلقات بڑھاتا ہے بلکہ اسے اپنا پروپوزل بھی پیش کرتا ہے جس پر لالہ رخ ہک دک رہ جاتی ہے۔ خاور حیات کی غیر موجودگی میں حورین کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے باسل حورین کو گھمانے کی خاطر باہر لے جاتا ہے لیکن یہاں اچانک کسی سے سامنا ہونے پر وہ متفکر نظر آتا ہے گھر واپسی پر حورین شدید بخار کی لپیٹ میں آجاتی ہے ایسے میں باسل گھبرا جاتا ہے خاور اچانک لوٹ آتا ہے اور حورین کی بگڑی حالت پر پریشان ہوجاتا ہے۔ نیلم فرمان اپنے مشرقی لبادے میں باسل سے ملنے آتی ہے اور اسے اپنے طور پر دھوکا دینے کی بھرپور کوشش کرتی ہے اسے یہی لگتا ہے کہ باسل اس کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہے جبکہ حقیقت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

⁂ ⁂ ⁂

وہ دونوں روم کے اندر آ تو گئی تھیں مگر اندر ہی اندر خائف بھی ہو رہی تھیں پہلی بار وہ کسی مرد کے سامنے جو بالکل اجنبی اور انجان تھا اور جس کی شخصیت بھی خاصی مشکوک تھی آ کر بیٹھ گئی تھیں سر شرجیل اس وقت اپنے سیل فون پر کسی سے محو گفتگو تھے۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جس پر وہ دونوں بادل نخواستہ ٹک گئی تھیں۔

''ٹھیک ہے احسان میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں اس وقت ایک کام آ گیا ہے۔'' سر شرجیل نے فون پر کہا اور پھر ''اوکے بائے'' کہہ کر لائن کاٹ دی پھر اپنی تمام تر توجہ ان دونوں کی جانب مبذول کرتے ہوئے استفہامیہ انداز میں گویا ہوئے۔

"جی گرلز اینی پرابلم؟" زرینہ اور زرتاشہ دونوں کے دل کی دھڑکنیں جو معمول سے ہٹ کر کافی تیز رفتاری سے دھڑک رہی تھیں جبکہ مارے گھبراہٹ اور ڈر کے ہلکی ہلکی سی لغزش ان کے ہاتھوں میں بھی تھی سر شرجیل کے نارمل اور سادے انداز کو دیکھ کر یک دم ختم ہوگئی دل کی دھڑکنیں بھی اب ہموار سی ہونے لگیں۔

"وہ ایکچوئیلی سر ہم آپ سے ایک بات کہنے آئے ہیں۔" زرینہ اپنا گلا کھنکار کر صاف کرتے ہوئے بولی تو سر شرجیل نے نگاہوں کا زاویہ زرینہ کی جانب کیا لائٹ لیمن اور پنک کلر کے خوب صورت سے امتزاج کے سوٹ میں مسٹرڈ چادر جس پر ملٹی رنگ کی کڑھائی بڑی نفاست سے کی گئی تھی سر پر اچھی طرح اوڑھے وہ بڑی پُرکشش لگ رہی تھی شرجیل نے اپنے دماغ پر زور دیا کہ یہ لڑکی جو یقیناً فرسٹ ایئر آنرز کی ہے بھلا کس جانب بیٹھتی ہے کیونکہ آج سے پہلے وہ ان کی نگاہوں کی رینج میں نہیں آسکی تھی اور یہی بات ان کے لیے تعجب وحیرت کا باعث تھی۔ وگرنہ خوب صورت اور نوخیز لڑکیاں ان کی نظر سے بچ جائیں یہ ناممکن سی بات تھی۔

"سر پلیز آپ مائنڈ مت کیجیے گا دراصل ہمیں کچھ دنوں سے آپ کا لیکچر سمجھ میں نہیں آرہا اس وجہ سے میں اور میری فرینڈ زرتاشہ بہت پریشان ہیں۔" زرینہ اپنے ہاتھوں کی دونوں انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے زرتاشہ کی جانب گردن موڑ کر بولی تو شرجیل نے اب زرتاشہ کو بغور دیکھا۔

گہرے جامنی رنگ کے سادے سے سوٹ میں سرخ اور سیاہ رنگ کے امتزاج کی چادر بالکل زرینہ کی طرح اوڑھی یہ لڑکی جس کی گھنیری اور سیاہ پلکیں اس کی آنکھوں پر گریں سفید چہرے کی خوب صورتی کو چار چاند لگارہی تھیں اب شرجیل کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کرچکی تھیں۔

"اوہ شرجیل افتخار تُو تو بڑا ہی گھامڑ نکلا اس عروبہ کے چکر میں تجھے یہ دو پریاں دکھائی ہی نہیں دیں دھت تیرے کی۔" شرجیل نے اس پل دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوسا پھر یک دم ذہن جھٹک کر ان کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوہ بھلا اس میں مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے، ان فیکٹ یہ تو آپ دونوں نے بہت اچھا کیا کہ مجھے انفارم کیا۔" سر شرجیل کی بات سن کر دونوں سہیلیوں کو بہت حوصلہ ہوا وہ جو دونوں یہاں آتے ہوئے اور پھر سر شرجیل کے سامنے بیٹھ کر بھی خوف زدہ اور گھبرا رہی تھیں ان کے فرینڈلی انداز پر ساری گھبراہٹ، اور خوف بھاپ بن کر اڑ گیا تھا اب وہ کافی ریلیکس اور خود اعتماد ہوگئی تھیں۔

"سر اگر آپ کے پاس ٹائم ہو تو پلیز ہمیں کچھ پوائنٹ کلیئر کردیجیے۔" زرتاشہ اپنی نوٹ بک جو اس نے اپنے ہاتھ میں ہی تھام رکھی تھی سامنے میز پر رکھتے ہوئے سہولت سے بولی تو سر شرجیل فوراً سے پیشتر گویا ہوئے۔

"یہ ٹائم صرف آپ اسٹوڈنٹس کے لیے ہی ہوتا ہے پلیز بتائیں کون سے پوائنٹس آپ کو سمجھ میں نہیں آئے۔" شرجیل کے کہنے پر زرتاشہ نے فوراً اپنی نوٹ بک کھولی اور پھر تقریباً آدھا گھنٹہ وہ دونوں سر شرجیل سے سمجھتی رہیں جبکہ سر شرجیل بھی انتہائی دل جمعی اور توجہ سے انہیں سمجھا رہے تھے اور دونوں کی سمجھ میں وہ سب پوائنٹس جو کچھ دیر پہلے بے حد مشکل اور کبھی نہ سمجھ میں آنے والے لگ رہے تھے باآسانی انہیں سمجھ میں آگئے تھے دونوں کے چہرے گویا کھل گئے تھے دل ودماغ سے بھاری بوجھ ہٹ گیا تھا۔

"تھینک یو سر...... تھینک یو سو مچ آپ نے اتنے اچھے انداز سے بتایا کہ ہمیں فوراً سمجھ میں آگیا۔" زرتاشہ ایک طمانیت آمیز سانس لیتے ہوئے انتہائی مسرور ہوکر اپنی نوٹ بک بند کرتے ہوئے بولی تو سر شرجیل نے ایک گہری پرشوق نگاہ اس کے معصوم چہرے پر ڈالی جبکہ زرینہ بھی اب اپنی نوٹ بک اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی۔

"اٹس اوکے نو پرابلم۔ زرتاشہ اور زرینہ آپ دونوں کو جب بھی کوئی پرابلم ہو تو آپ بلاجھجک میرے روم میں آکر مجھ

سے پوچھ سکتی ہیں۔" سر شرجیل انتہائی کوآپریٹو انداز میں بولے تو دونوں نے سر اثبات میں ہلادیے ابھی وہ دونوں سیٹ سے اٹھنے کا قصد کررہی تھیں کہ سر شرجیل زرینہ سے مخاطب ہوکر بولے۔

"مس زرینہ آپ کا تعلق مجھے اس شہر سے نہیں لگ رہا آپ کہاں سے آئی ہیں؟" زرینہ کے تیکھے نقوش اور گوری رنگت اسے اس جگہ کا ظاہر نہیں کرتے تھے زرتاشہ جواب یہاں سے فوراً جانا چاہتی تھی با دل نخواستہ بیٹھی رہ گئی جبکہ زرینہ ان کے پوچھنے پر اپنے بارے میں سب کچھ بتاتی چلی گئی تھی۔

"اور مس زرتاشہ آپ؟" سر شرجیل نے انتہائی دلچسپی اور خوش دلی سے زرینہ سے سب کچھ جان لینے کے بعد زرتاشہ کی جانب رخ موڑتے ہوئے کہا تو نجانے کیوں زرتاشہ کو یہ سب مناسب نہیں لگا زرینہ بغیر کوئی فل اسٹاپ کومہ لگائے جس طرح اپنے گھر کی تفصیلات سے انہیں آگاہ کررہی تھی وہ زرتاشہ کو بالکل ٹھیک نہیں لگا وہ اسے باز رکھنا چاہ رہی تھی مگر زرینہ بی بی جب بولنے پر آتیں تو انہیں چپ کرانا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔

"سر میں دراصل......؟"

"سر ان کا تعلق مری سے ہے۔" زرتاشہ کی کیفیت سے بالکل لاعلم اور انجان زرینہ نے بڑے جوش سے زرتاشہ کا جملہ اچک کر کہا تو اس پل زرتاشہ کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے زرتاشہ نے اسے انتہائی تپ کر دیکھا پھر تیزی سے کھڑی ہوتی ہوئے بولی۔

"اوکے سر اب ہم چلتے ہیں۔"

❁......❁......❁

ٹھنڈی پُرکیف خنک سی ہَوا اور آسمان کے سیاہ آنچل پر اپنی دودھیا سحر انگیز چاندنی بکھیرتا چاند انتہائی دلفریب لگ رہا تھا وہ دونوں اس پل ایک معروف ریسٹورنٹ کے اوپن ایریا میں بیٹھے تھے سونیا کے خوب صورت بال ہَوا کی شوخیوں سے اِدھر اُدھر بکھر رہے تھے جنہیں وہ اپنے ہاتھوں سے بار بار سیٹ کرنے کی کوشش کررہی تھی انہوں نے نسبتاً تنہا گوشے کا انتخاب کیا تھا کیونکہ سونیا زیادہ بھیڑ بھاڑ والی جگہوں کو پسند نہیں کرتی تھی ڈنر ٹیبل پر بیٹھے فراز شاہ نے مینو کارڈ پر نظریں دوڑا کر سونیا کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا خیال ہے آج باربی کیو کے آئٹم نہ منگوالیے جائیں؟" جواباً سونیا اس کی جانب بے پناہ دلکشی سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر گویا ہوئی۔

"آج صرف تمہاری مرضی چلے گی جو دل چاہے منگوالو ڈیئر۔"

"وہاٹ...... آر یو سیریس......!" فراز شاہ مصنوعی انداز میں چونکتے ہوئے بولا تو سونیا زور سے ہنس دی۔

"آف کورس آئی ایم سیریس آج صرف اور صرف تمہاری مرضی۔"

"ارادے کیا ہیں میڈم کہیں مجھے حلال کرنے کے موڈ میں تو نہیں ہونا۔"

"اوہ کم آن فراز ایسا کچھ نہیں ہے۔" فراز شاہ قدرے گردن جھکا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تو میز پر رکھے چھری کانٹے سے کھیلتے ہوئے سونیا کچھ خفیف سی ہوکر گویا ہوئی۔

"سوچ لو ڈیئر پھر تمہیں میری ہی آرڈر کی ہوئی ڈشز کھانا پڑیں گی۔"

"میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی تو فراز نے مسکرا کر اپنے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ویٹر کو بلایا اور مختلف ڈشز کے نام لکھوانے لگا پھر ویٹر کے جانے کے بعد پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوکر اسے سراہتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

"ویسے آج تم کافی اچھی لگ رہی ہو۔"

"ہوں بہت جلدی خیال آ گیا میری تعریف کرنے کا۔" سونیا اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے منہ پھلا کر بولی تو فراز زور سے ہنس دیا پھر اپنی ہنسی پر کنٹرول کرتے ہوئے گویا ہوا۔

"یار یہ تم لڑکیوں کو اپنی تعریف کرانے کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے۔" سونیا نے فراز شاہ کو بغور دیکھا پھر انتہائی دلبرانہ لہجے میں بولی۔

"ہر ایرے غیرے کے منہ سے تعریف سننے کا شوق نہیں ہوتا، ہاں کوئی خاص ہستی ان کی زندگی میں ہوتی ہے جن کے منہ سے وہ اپنے لیے تحسین آمیز جملے سننا پسند کرتی ہیں۔" وہ ہنوز چھری کانٹے سے کھیل رہی تھی فراز نے چند ثانیے اسے خاموش نگاہوں سے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں استفسار کیا۔

"تمہاری زندگی میں کوئی ایسی خاص ہستی ہے۔" سونیا نے فراز شاہ کے جملے پر اپنا سر اٹھا کر الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔

"ہاں۔" لمحہ کی تاخیر کیے بنا فوری جواب آیا تو پہلے تو سونیا قدرے حیران ہوئی پھر تھوڑا پریشان ہو کر تیزی سے بولی۔

"کون......؟"

"میرے ڈیڈی۔"

"ایڈیٹ میں ممی پاپا کی طرف اشارہ نہیں کر رہی تھی میں تمہاری ڈریم گرل کی بات کر رہی تھی۔" سونیا کی حالت دیکھ کر فراز بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنستا چلا گیا۔ جبکہ سونیا بری طرح زچ ہوگئی۔

"فراز آئی ول کل یو۔" وہ کانٹا اٹھا کر اس کو مارنے کی غرض سے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی تو فراز تیزی سے پیچھے ہٹ کر "سوری سوری" کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کانٹا لیتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

"ارے یار میں تو مذاق کر رہا تھا تم تو دل پر لے گئیں۔"

"ڈونٹ بی سلی فراز ہر وقت کا مذاق اچھا نہیں ہوتا کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔" سونیا کافی ناگواری سے منہ بنا کر بولی ابھی فراز مزید کچھ بولتا کہ اچانک حیا آفندی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"اوہ سر فراز آپ۔" فراز شاہ نے تیزی سے رخ موڑ کر دیکھا تو اس کی پی اے حیا آفندی کسی لڑکے کے ہمراہ اسے نظر آئی۔

"مس حیا آپ یہاں......!" وہ بھی خوش گوار انداز میں بولا جبکہ سونیا خان کے اندر ناگواری اور بے زاری کی تیز لہر ابھری تھی۔

"آپ یقیناً یہاں ڈنر پر آئے ہیں نا...... یہ میرے کزن ہیں کاظم حبیب۔" حیا آفندی نے چہک کر کہا تو فراز کاظم حبیب سے علیک سلیک کرنے لگا۔ حیا آفندی نے ایک آدھ بار سونیا سے بھی مخاطب ہونے کی کوشش کی مگر اس کا انتہائی سرد انداز دیکھ کر خاموش ہوگئی تقریباً دس منٹ وہ موصوف وہیں براجمان رہیں پھر جب ویٹر کھانا لے کر آیا تو دونوں نے اجازت مانگی۔ فراز ان سے فارغ ہونے کے بعد کھانے کی جانب متوجہ ہو چکا تھا مگر سونیا کا موڈ بے تحاشا آف تھا۔

❁......❁......❁

یہ بارش خوب صورت ہے
اک عرصے بعد
میری روح میں
سیراب ہونے کی تمنا جاگ اٹھی ہے

مگر بادل کے رستے میں
بہت سے پیڑ آتے ہیں
میں پل بھر کے لیے شاداب ہوں
اور اپنی باقی عمر
پھر صحرا میں کاٹوں؟
میں اپنی پیاس پر راضی رہوں گی
مرے آنسو مرے دل کی کفالت کے لیے کافی رہیں گے

مری اور اس کے مضافات میں اس پل گھن گرج کے ساتھ موسلادھار بارش ہو رہی تھی لالہ رخ کو بارش بے حد پسند تھی سردیوں کی خنک اور یخ بستہ بارش بے پناہ دلکش و دلفریب تھی آسمان سے آتی شفاف کرسٹل کی مانند بوندیں ماحول کو جل تھل کر کے اپنی رعنائیوں کو بھرپور انداز میں ظاہر کر رہی تھیں وہ گیسٹ ہاؤس کے لاؤنج میں بنی قدآور کھڑکی کے شیشے سے باہر کا دلنشیں منظر انتہائی انہماک سے دیکھ رہی تھی جب ہی عازم احمد لاکھانی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ارے مس لالہ رخ اتنی حسین و رومانوی بارش کا نظارہ آپ اکیلے اکیلے کر رہی ہیں یہ تو بہت زیادتی ہے۔ بھئی اس موسم کے ساتھ بھی اور آپ کے ساتھ بھی۔" لاکھانی صاحب کی آواز نے جیسے اسے ماحول سے یک دم بے زار اور کوفت زدہ سا کر دیا اس نے بے تحاشا اکتا کر گردن ذرا سی ترچھی کر کے لاکھانی صاحب کو دیکھتے ہوئے کافی روڈ لہجے میں استفسار کیا۔

"آپ کی مسز کہاں ہیں۔" لاکھانی صاحب نے لالہ رخ کے لہجے میں چھپی بے پناہ بے زاریت محسوس کر کے مسکرا کر اسے دیکھا جو کاہی گرین اور بیج رنگ کے امتزاج کے سادے سے سوٹ میں بہت دلکش لگ رہی تھی۔

"دراصل کل مال روڈ پر گھومتے ہوئے ان کے پیر میں موچ آ گئی تھی لہٰذا اس وقت وہ آرام کر رہی ہیں۔" بلو جینز پر بلو ٹی شرٹ پہنے وہ یقیناً خود کو ینگ اور اسمارٹ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے ان کے جواب پر لالہ رخ کے چہرے پر ایک تیکھی سی مسکراہٹ ابھری تھی پھر سہولت سے ان کی جانب پوری طرح گھوم کر بولی۔

"میں ان مسز کی بات نہیں کر رہی سر...... میں ان کی بات کر رہی ہوں جن کا آج صبح میرے روم میں فون آیا تھا۔" لاکھانی صاحب جو بڑے مگن سے انداز میں کھڑے تھے لالہ رخ کے جملے پر یک دم الرٹ سے ہو گئے دماغ پر ایک خفیف سا جھٹکا لگا انہوں نے بے اختیار تشویش زدہ انداز میں لالہ رخ کو دیکھا جو اپنے دونوں ہاتھ سینے میں فولڈ کیے انتہائی خود اعتمادی سے ان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"کیا...... کیا مطلب ہے آپ کا۔" وہ باوجود کوشش کے اپنی زبان کی لڑکھڑاہٹ کو چھپا نہیں سکے تھے اور ان کی یہ بدحواسی لالہ رخ کو بے پناہ مزہ دے گئی تھی۔

"میں مسز سیما لاکھانی کی بات کر رہی ہوں سر...... وہ تو مجھ سے یہی کہہ رہی تھیں کہ......!" اس نے قصداً اپنا جملہ ادھورا چھوڑا۔

"ک...... کیا کہہ رہی تھی سیما آپ سے...... اور...... اور آپ نے سیما سے کیا کہا......؟" عازم احمد لاکھانی کے سارے جذبے سیما کے نام پر ایک پل میں ٹھنڈے ہو گئے تھے لالہ رخ کو بے اختیار ہنسی آ گئی مگر وہ جلدی سے اپنی ہنسی پر کنٹرول کر گئی پھر کندھے اچکا کر اپنے لہجے کو انتہائی بے پروا بناتے ہوئے الٹا ان سے سوال کرنے لگی۔

"کیوں سر مجھے ان سے کچھ کہنا چاہیے تھا کیا؟" عازم احمد لاکھانی پہلے لالہ رخ کے سوال پر بری طرح چونکے پھر اپنی گھبراہٹ پر بمشکل قابو پا کر مصنوعی اور پھیکی سی ہنسی ہنس کر گویا ہوئے۔

"انہوں نے آپ سے کچھ کہا میرے متعلق وہ کچھ پوچھ رہی تھیں کیا؟" لالہ رخ ان کی گھبراہٹ و بدحواسی سے دل ہی دل میں محظوظ ہوکر بڑے بھولپن سے بولی۔

"میرے خیال میں آپ کا سیل فون آف تھا اس لیے انہوں نے ڈائریکٹ یہاں کال کی۔" لالہ رخ کی بات پرانہوں نے پُرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھا پھر معاً انہیں کچھ یاد آ گیا تو چہرے کے عضلات ناگواری اور غصے سے تن سے گئے۔

"اس ایڈیٹ نے میرا اسیل فون بند کردیا تھا تاکہ کوئی ڈسٹربنس نہ ہو۔" لاکھانی صاحب خود سے بڑبڑانے والے انداز میں بولے جو واضح طور پر لالہ رخ نے بھی سنے مگر یونہی بے پرواسی بنی کھڑی رہی پھر وہ تیزی سے اس کی جانب متوجہ ہوکر گویا ہوئے۔

"پھر کیا کہہ رہی تھی سیما آپ سے۔"

"کچھ خاص تو نہیں بس یہ پوچھ رہی تھیں کہ کیا مسٹر لاکھانی اسی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟" یہ پژمردہ سن کر لاکھانی صاحب کی رہی سہی ہمت جواب دے گئی چہرے پر پیلاہٹ تیزی سے پھیلتی چلی گئی۔

"اف یہ بڑے لوگ اپنی بیویوں سے اتنا کیوں ڈرتے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں خود سے بولی پھر استہزائیہ انداز میں خود سے گویا ہوئی۔

"شاید سب کچھ چھن جانے کے خوف سے اونہہ بے غیرتی و بے حیائی کی انتہا ہے کہ اپنی ہی بیوی کی دولت پر وہ باہر عیاشیاں کر کے اسے دھوکہ اور فریب دیتے ہیں لعنت ہے ایسے مردوں پر۔"

"میڈم آپ نے کیا جواب دیا۔" اب موصوف اس کے سامنے منمنا کر بولے تھے لالہ رخ نے بڑی دقتوں سے اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا۔

"میں نے کہا جی ہاں وہ یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ اس وقت وہ کس کے ساتھ ہیں تو میں نے کہا کہ اس کا آئیڈیا تو مجھے نہیں ہے پھر انہوں نے کہا کہ آپ میرا اسیل نمبر لکھ لیجیے مجھے ان کے بارے میں پلیز انفارم کردیجیے گا کہ ان کی آج کل کیا مصروفیات چل رہی ہیں۔" لالہ رخ ہنوز انتہائی ہموار انداز میں بولتی عازم احمد لاکھانی کا پوری طرح سے خون خشک کرگئی۔

"آ...... اچھا اور کیا بات ہوئی۔"

"بس اتنی ہی بات ہوئی۔"

"اوکے...... تھینک یو مس لالہ رخ۔" یہ کہہ کر مسٹر لاکھانی بجلی کی تیزی سے وہاں سے غائب ہوگئے تو لالہ رخ قہقہہ لگا کر بے اختیار ہنستی چلی گئی، تقریباً دو گھنٹے بعد وہ یہاں سے چیک آؤٹ کرگئے تھے جاتے جاتے وہ یہ بھی کہہ گئے کہ "میڈم آئی ہوپ آپ نے میری گزشتہ باتوں پر مجھے معاف کردیا ہوگا آئی ایم ریئلی ایکسٹریملی سوری۔" جبکہ جواباً لالہ رخ "اٹس اوکے" کہہ کر رہ گئی اور یوں اس کے سر پر دھرا بوجھ سرک گیا۔

❁......❁......❁

موبائل فون پر میسج ٹون بجنے پر اس نے مصروف سے انداز میں اپنے سیل فون کو آن کیا تو سامنے ہی روشن اسکرین پر لکھی سطر پر اس کی نگاہیں بے اختیار پھسلتی چلی گئیں۔

تم میری کون ہو تم سے ہے تعلق کیا
تم کسی دھند میں لپٹی ہوئی تنہائی ہو
میری شہرت ہو مدعا ہو، میری رسوائی ہو

بات کرتی ہو کبھی چپ میں بکھر جاتی ہو
کیوں میری روح کے گوشوں پہ تم چھا جاتی ہو
تم میری کون ہو تم سے ہے تعلق ایسا
گنگناتی ہو تو محسوس یہ ہوتا ہے مجھے
جیسے دریاؤں کے ساحل سے صدا آتی ہو
دور جاتا ہوں تو دامن سے لپٹ جاتی ہو
پاس آتا ہوں تو خوابوں میں اتر جاتی ہو
تم میرے پاس ہو نہ دور ہو میرے دل سے
تم میری کون ہو تم سے ہے تعلق کیسا

وہ انتہائی استعجاب و پریشانی کے عالم میں جلدی جلدی تمام سطریں پڑھتی چلی گئی جبکہ آخری سطر اس کا خون پوری طرح خشک کرگئی اس پل اسے اپنے پورے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتیں محسوس ہوئیں۔

"تمہارے جواب کا منتظر شرجیل" کینو کی پھانکیں مزے سے منہ میں رکھتے ہوئے زرینہ نے جونہی سر اٹھا کر زرتاشہ کو ہکا بکا بیٹھے دیکھا تو کچھ متعجب سی ہوکر بولی۔

"کیا ہوا تاشو یہ تم موبائل دیکھ کر اسٹیچو کیوں بن گئیں۔" جواب ندارد پا کر زرینہ نے زرتاشہ کو یوں منہ کھولے انتہائی تحیر کے عالم میں ساکت و جامد سا بیٹھا دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر موبائل فون اس کے ہاتھ سے لیا اور پھر جونہی اس نے وہ سب کچھ پڑھا جو تھوڑی دیر پہلے زرتاشہ پڑھ چکی تھی اس کی کیفیت بھی لگ بھگ زرتاشہ جیسی ہی ہوئی مگر کچھ ہی دیر میں اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور قدرے پریشان ہوکر زرتاشہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ...... یہ سر شرجیل کو کیا ہوگیا کہیں یہ پاگل واگل تو نہیں ہوگئے حد ہوتی ہے بے ہودگی اور گھٹیا پن کی۔" زرینہ کے اندر اشتعال کی ایک تیز لہر ابھری اسی اثنا میں زرتاشہ کا سکتہ بھی ٹوٹا تھا اس نے بے تحاشا گھبرا کر زرینہ کی طرف رخ موڑ کر دیکھا۔

"اب کیا ہوگا زری...... یہ...... یہ سر شرجیل تو بڑے کمینے اور چھچھورے نکلے مجھے تو ان سے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ تقریباً رو دینے کو تھی جب ہی زرینہ اس کا پیلا پڑتا چہرہ دیکھ کر قدرے چڑ کر گویا ہوئی۔

"اب اس میں اتنا خوف زدہ ہونے والی بات بھی نہیں ہے کہ تم یہیں بیٹھے بیٹھے ہی دہشت سے مر جاؤ۔"

"مجھے واقعی ڈر لگ رہا ہے زری میں تمہاری طرح بہادر نہیں ہوں اب کیا ہوگا وہ تو میرے پیچھے ہی پڑ جائیں گے۔"

"ہاں میں تو جیسے بہادر خان بہادر کے خاندان میں سے ہوں نا پریشان تو میں بھی ہوں مگر اس طرح ہاتھ پیر چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔" زرینہ خود بھی اندر سے تھوڑا بہت گھبرا گئی تھی مگر زرتاشہ کو حوصلہ دینے کی غرض سے یوں پوز کر رہی تھی جیسے وہ خوف زدہ نہیں ہے۔

"زری اس وقت تو میری بالکل بھی سمجھ کام نہیں کر رہی تو ہی سوچ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔" وہ انتہائی بے بسی اور پریشانی سے بولی تو زرینہ نے اسے انتہائی کٹیلی نگاہوں سے دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ایسا کرتے ہیں جو لیکچر سمجھ میں نہیں آئے گا تو ہم سیدھے سیدھے اونٹ کی طرح منہ اٹھائے ان کے روم میں چلے جائیں گے کیونکہ وہ تو بہت شریف النفس انسان ہیں وہ تو عروبہ سے یوں فلرٹ کر رہے ہیں کیونکہ عروبہ کی خود کی حرکتیں ایسی ہیں نا۔ ہم سے تھوڑی فری ہوں گے منہہ......؟" زرینہ کی بات پر زرتاشہ باقاعدہ رونے لگی۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ ہمارے ساتھ بھی ایسا کریں گے۔" زرمینہ اسے روتا دیکھ کر فوراً اس کے قریب آئی اور کندھے پر تسلی دینے والے انداز میں ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا اب بزدلوں کی طرح رونا بند کرو...... ہم یہاں کو ایجوکیشن میں پڑھ رہے ہیں یار اس طرح کی سچویشنز بھی سامنے آ جاتی ہیں تم فکر مت کرو شرجیل کوئی بھوت بھی نہیں ہیں جو تمہیں کھا جائیں گے۔" زرمینہ کی باتوں پر زرتاشہ کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی تو اس نے اپنی ہتھیلیوں سے اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے اثبات میں سر ہلایا۔

❁......❁......❁

وہ ابھی بھی نیند کی مدہوش کن وادیوں میں بڑے پُرسکون انداز میں سیر کر رہی تھی جب ہی کہیں سے آتی دودھیا چمکیلی روشنی نے اس کی نیند میں خلل ڈالا اور وہ تھوڑا سا کسمسائی ابھی وہ ان وادیوں میں دوبارہ اترنے کا قصد ہی کر رہی تھی کہ روشنی کی تیزی میں یک دم اضافہ ہوا تھا اس نے کافی بیزاری سے اپنی آنکھوں کو کھولا تو پورا کمرا سفید روشنی کے ہالے میں نہایا ہوا محسوس ہوا چند ثانیے وہ خالی الذہن اپنے اطراف کے ماحول کو محسوس کرتی رہی پھر مندی مندی نظروں سے قد آور کھڑکی سے آتی روشنی کو دیکھا وہ بے اختیار ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

"گڈ مارننگ مسز خاور حیات...... اب کیسا فیل کر رہی ہو۔" خاور حیات کی آواز ابھری تو حورین جیسے پوری طرح حال کی دنیا میں لوٹی اس نے بے ساختہ گردن موڑ کر دیکھا خاور کو فریش انداز میں مسکراتا پا کر وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔

"ہوں لگتا ہے کہ تمہارا بستر چھوڑنے کا موڈ نہیں ہے۔" خاور کی بات پر حورین نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر کہنیوں کی مدد سے بیڈ کراؤن پر سر ٹکاتے ہوئے کمزور آواز میں بولی۔

"آپ کب آئے خاور؟" اسے بیٹھتا دیکھ کر خاور اس کے پاس بستر پر بیٹھتے ہوئے شکوہ کناں لہجے میں گویا ہوا۔

"تم نے اپنا خیال نہیں رکھا نا میں تم سے بہت خفا ہوں۔" حورین دھیرے سے ہنس دی پھر معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔

"میں نے اپنا خیال رکھا تھا خاور مگر موسم شاید مجھے رعایت دینے کو راضی نہیں تھا آپ کو میری وجہ سے کافی ٹینشن اٹھانا پڑی نا۔" اس سے پہلے کہ خاور مزید کچھ اور بولتا ہلکا سا دروازہ ناک کر کے باسل اندر داخل ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے ملازم ناشتے کے لوازمات سے بھری ٹرالی کھسکاتے ہوئے اندر آیا۔

"گڈ مارننگ مام اینڈ ڈیڈ ناشتہ بالکل ریڈی ہے بس آپ دونوں فوراً شروع ہو جائیں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" حورین اور خاور دونوں نے اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھا۔

"آج ناشتہ تم نے تیار کرایا ہے۔" خاور کے استفسار پر باسل اپنا دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر تسلیم خم کرتے ہوئے بولا۔

"یس باس آج کا سارا مینو بھی میرا بتایا ہوا ہے۔" حورین کمزوری کے باوجود اس وقت خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی مسکرا کر خاور سے بولی۔

"آج کا ناشتہ تو پھر بہت خاص ہے۔"

❁......❁......❁

ابرام پچھلے دو ہفتوں سے ماریہ سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ماریہ اسے کوئی موقع نہیں دے رہی تھی آج کل اس کا رویہ سب کے ساتھ بہت بدلا بدلا سا ہو گیا تھا جیسکا کو بھی اس سے کافی شکایتیں ہو گئی تھیں وہ کالج میں بھی ہمہ وقت یا تو بالکل خاموش رہتی یا پھر کسی گہری سوچ میں ڈوبی رہتی ولیم اکثر و بیشتر اس کے ارد گرد چکر لگاتا مگر وہ اسے بھی بالکل نظر انداز کیے نجانے کن خیالوں میں گم رہتی تھی جیکولین نے بھی اس کا کھویا کھویا انداز بخوبی دیکھا تھا مگر اس نے ماریہ کے

رویے اور کیفیت کو در خور اعتنا نہیں سمجھا تھا اسے اس کے حال پر چھوڑ رکھا تھا البتہ ابرام کافی پریشان و متفکر تھا وہ چاہتا تھا کہ ماریہ پہلے جیسی ہو جائے ہنستی مسکراتی پرسکون ٹھنڈی جھیل کی مانند جو سبک روی سے بس بہتی چلی جاتی ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ماریہ کے اندر اب سمندر آن بسا ہے۔ شوریدہ سمندر جو کسی بھی چیز کی پروا کیے بغیر اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو تہس نہس کر کے صرف اپنی منزل کی طرف توجہ رکھتا ہے جسے کسی بھی چیز کی فکر نہیں ہوتی اس کی راہ میں چاہے مٹی کا گھروندا آ جائے یا پھر چٹان وہ ہر چیز سے ٹکرا کر صرف اور صرف اپنی ہی من مانی کرتا ہے۔

"ابرام یہ ماریہ کو کیا ہو گیا ہے؟ اس کا رویہ بہت بدلتا جا رہا ہے۔ کلاس میں بھی کسی سے بات نہیں کرتی نہ ہی اس کا دھیان لیکچر میں ہوتا ہے اور نہ ہی وہ ہماری باتوں میں کوئی انٹرسٹ لیتی ہے ایسا لگتا ہے کہ وہ صرف اپنی ذات کے کنوئیں میں غوطے لگا رہی ہے باہر کی دنیا سے جیسے کوئی تعلق کوئی واسطہ ہی نہیں۔" جیسکا ابرام کو شستہ انگریزی میں ماریہ کی کیفیت بتاتے ہوئے بولی۔ ماریہ اس کی بہت اچھی دوست تھی وہ بھی حقیقت میں ماریہ کی اس حالت کو لے کر بہت پریشان ہو رہی تھی جیسکا کی بات سن کر ابرام ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا وہ خود بھی ماریہ کے حوالے سے از حد پریشان تھا اور اس کی وجہ سے وہ اپنے کام میں بھی اچھی طرح فوکس نہیں کر پا رہا تھا۔

"جیسکا میں خود بہت فکر مند ہوں ماریہ دن بدن بہت چینج ہوتی جا رہی ہے ایسا لگ رہا ہے کہ ہماری ماریہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔"

"ابرام مجھے بھی ایسا لگتا ہے کہ ہماری ماریہ کہیں اور چلی گئی ہے۔" جیسکا ابرام کی بات کی پُر زور تائید کرتے ہوئے بولی تو ابرام نے اسے چونک کر دیکھا۔

"تو نیور ایسا میں ہرگز نہیں ہونے دوں گا جیسکا ماریہ کہیں نہیں جائے گی وہ میری بہن اور میری ہارٹ بیٹ ہے اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا انڈراسٹینڈ۔" ابرام اچانک مشتعل سا ہوا تھا جیسکا نے کافی حیران کن نگاہوں سے اسے دیکھا پھر اس کا ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھ میں لے کر اسے دھیرے سے دباتے ہوئے بولی۔

"ریلیکس ابرام مجھے پتا ہے کہ تم ماریہ سے کتنا پیار کرتے ہو وہ ٹھیک ہو جائے گی آئی مین وہ پہلے والی ماریہ بن جائے گی مگر سب سے پہلے ہمیں اس کے دل کی بات جاننا ہو گی آخر ایسی کون سی ٹینشن کون سا ایسا بوجھ اس کے دل و دماغ میں ہے جس نے اسے اس طرح گم صم کر دیا ہے۔" تفریحی پارک کی نرم و دبیز گھاس پر چہل قدمی کرتے ہوئے جیسکا ابرام کے ہمراہ چلتے ہوئے سنجیدگی سے بولی تو ابرام نے خود سے بڑبڑاتے ہوئے انداز میں کہا۔ "دل کی بات"

"آف کورس ابرام دل کی بات...... یقیناً ماریہ کے دل میں کوئی بہت خاص بات ضرور ہے۔" وہ اس کے ہمراہ چلتے ہوئے یقین آمیز لہجے میں بولی تو بے اختیار ابرام ٹھٹک کر رکا جیسکا نے اسے یوں اچانک رکتے دیکھ کر قدرے متعجب ہو کر استفسار کیا۔

"کیا ہوا ابرام؟"

"کچھ نہیں آؤ گھر چلتے ہیں۔" ابرام انتہائی سنجیدگی سے کہہ کر واپس جانے کے خیال سے مڑ گیا جبکہ جیسکا کندھے اچکا کر اس کے پیچھے ہولی۔

❁......❁......❁

"ہاہاہاہا......" مہر پیٹ پر ہاتھ رکھے منہ پھاڑ کر زور و شور سے ہنسے جا رہی تھی۔ جبکہ لالہ رخ اب اس کی ہنسی کے طویل دورانیے سے اکتا گئی تھی۔

"اف مہر واب بس بھی کرو پاگلوں کی طرح بس ہنستی ہی جا رہی ہو۔ تمہاری اس بے ہنگم ہنسی سے اب کہیں پہاڑ بھی

نہ ملنے لگیں۔" دونوں سہیلیاں بنو کے ہمراہ پگڈنڈی کے ایک جانب بنے چھوٹے سے مگر خوب صورت باغیچے میں بیٹھی تھیں یہاں دونوں کی پسندیدہ جگہ تھی۔ وہ دونوں بچپن ہی سے یہاں آ کر بیٹھتیں کھیلتی کودتی باتیں کرتی تھیں۔

"باجی ان صاحب کے ساتھ آپ نے بہت اچھا کیا جی۔" بنو خوش ہو کر چہکتے ہوئے بولا۔

"ارے بنو وہ لا کھانی تو ساری زندگی یاد کرے گا کہ کیسی لڑکی سے پالا پڑا تھا۔" مہرو اپنی ہنسی پر بمشکل بریک لگا کر مزے سے بولی تو لالہ رخ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ در آئی۔

"سچ مہرو ان موصوف نے مجھے اچھا خاصا پریشان کر دیا تھا وہ تو شکر ہے کہ قدرت نے میری مدد کی اور ان کی مسز کا فون میرے پاس آ گیا۔"

"ہاں لالہ یہ بات تو ہے سانپ بھی مر گیا اور تیری لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی۔" لالہ رخ کی بات پر مہرو خوشی سے بولی پھر معاً کچھ یاد آنے پر یک دم استفسار کرنے لگی۔

"ارے لالہ یہ اپنی تاشو تو کراچی جا کر مجھے بھول ہی گئی کتنے دن ہو گئے اس کا کوئی فون بھی نہیں آیا ایک بار میں نے کیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ ابھی کلاس لینے جا رہی ہوں بعد میں وہ مجھے فون کرے گی مگر پھر اس نے فون بھی نہیں کیا۔" مہرو کی بات پر لالہ رخ بھی قدرے سوچ میں پڑ گئی پچھلے تین دنوں سے اس کی بھی زرتاشہ سے ڈھنگ سے بات نہیں ہو سکی تھی اور اتفاق سے اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا جیسے مہرو کے ساتھ ہوا تھا اس نے جب فون کیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ وہ کلاس میں ہے بعد میں فون کرے گی پھر لالہ رخ بھی گیسٹ ہاؤس کے کاموں میں پچھلے دو دن سے بری طرح گھن چکر بنی ہوئی تھی بعد میں زرتاشہ کو فون ہی نہیں کر سکی تھی۔

"مہرو میری تو تاشو سے تین دن سے بات ہی نہیں ہوئی۔ میں ابھی اسے فون کرتی ہوں۔" یک دم ڈھیر ساری بے چینی و بے سکونی اس کے اندر آ سمائی تھی۔ اس نے فوراً اپنا موبائل فون نکالا اور تیزی سے زرتاشہ کا نمبر ملانے لگی جبکہ مہرو خاموشی سے اسے دیکھے گئی تھوڑی ہی دیر میں لالہ رخ بری طرح جھنجلا اٹھی۔

"اف یہ تاشو کا نمبر سوئچ آف کیوں جا رہا ہے۔" پھر اس نے دو تین بار ملایا مگر ہر بار اس کا فون بند ہونے کی ریکارڈنگ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"یہ تاشو بھی نا...... اتنی بے پروا اور غیر ذمہ دار کیسے ہو سکتی ہے بھلا موبائل بند کرنے کی کیا تک بنتی ہے میں نے اسے کتنی بار تاکید کی تھی کہ ہر حالت میں اپنا موبائل آن رکھنا۔" لالہ رخ از حد پریشانی سے بولی۔

"ریلیکس لالہ تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو شاید موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی...... اچھا تمہارے پاس اس کی دوست کا نمبر نہیں ہے کیا؟" مہرو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سہولت سے بولی تو یک دم لالہ رخ کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

"اوہ میں تو بالکل ہی بھول گئی زرینہ کا نمبر تو میرے پاس ہے۔" وہ بے اختیار اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی اور کانٹیکٹ لسٹ میں سے زرینہ کا نمبر تلاش کرنے لگی۔

"ہوں اسی لیے کہتے ہیں کہ مصیبت میں گھبرانا کمال درجے کی مصیبت ہے۔" مہرو ہلکے پھلکے لہجے میں بولی تو لالہ رخ اسے دیکھتے ہوئے زرینہ کا نمبر ملانے لگی اور پھر بڑی بے چینی سے موبائل فون کان پر لگائے فون پک کرنے کا انتظار کرنے لگی دوسری جانب بیل ہنوز جا رہی تھی۔

❋......❋......❋

"باسل پلیز مجھے غلط مت سمجھنا میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرنا میں بہت مجبور ہوں۔" کیمپس کے گراؤنڈ کے نسبتاً تنہا گوشے میں نیلم باسل کے مقابل میں بیٹھی اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنساتے ہوئے اپنی پلکوں کو

تیزی سے اٹھاتے گراتے ہوئے بولی تو باسل نے اسے بغور مگر بے پناہ معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

"میرا اس طرح تم سے ملنا اب بہت مشکل ہے میرے پیرنٹس کراچی آ گئے ہیں اگر انہیں اس بابت ذرا بھی بھنک پڑ گئی تو وہ مجھے جان سے مار دیں گے۔" اس بار وہ اپنی آنکھوں میں آنسو بھر چکی تھی انتہائی رقت آمیز آواز میں بولی تو باسل نے خود کو کمپوز کیا اور بڑی دل گرفتگی سے بولا۔

"تو پھر اب کیا ہوگا نیلم میں تم سے ملے بغیر کیسے رہوں گا اور پورے دس دن تم کیمپس بھی نہیں آؤ گی اوہ نیلم مجھ پر اتنا بڑا ظلم تو مت کرو۔"

"پتا نہیں باسل اب کیا ہوگا میری تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ ہنوز لہجے میں بولی حسب معمول اپنے مشرقی انداز میں خود کو سمیٹے وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی آج اس نے ڈارک براؤن قمیص میں سفید شلوار کے ساتھ سفید ہی بڑا سا دوپٹہ لے رکھا تھا البتہ اس وقت بھی وہ اپنے سر پر دوپٹا لینا نہیں بھولی تھی باسل نے بغور اس کے حلیے کو دیکھا تھا پھر اسی دم رطابہ نے اسے دور سے آواز لگائی تو نیلم نے رخ موڑ کر اسے دیکھا اور با دل نخواستہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے باسل سے بولی۔

"تم پلیز سوچنا ضرور میں رات کو تمہارے فون کا انتظار کروں گی۔" جواباً باسل نے محض اثبات میں سر ہلایا تو وہ مڑ کر وہاں سے چلی گئی جبکہ باسل انتہائی زہر خند نظروں سے اس کو جاتا ہوا دیکھتے ہوئے اٹھا اور پھر انتہائی نخوت بھرے لہجے میں خود سے بولا۔

"اونہہ یہ ہے مشرقی روپ کا چلتا پھرتا نمونہ۔" اس وقت باسل خاور حیات کے ہر انداز میں نیلم کے لیے بے پناہ حقارت اور نفرت تھی۔

"ارے باسل بس کر یار وہ چلی گئی ہے تُو تو اس کے جانے کے بعد بت ہی بن گیا۔" اس کے دوست وہاں آ دھمکے تھے باسل کو ایک ہی پوزیشن میں کھڑا دیکھ کر عدیل نے ہنستے ہوئے اس پر چوٹ کی۔

"میرے بھائی ہوش میں آ جا۔" احمر نے بھی ٹکڑا لگایا تو باسل سر جھٹک ان کی جانب متوجہ ہوا پھر انتہائی رعونت بھرے لہجے میں بولا۔

"ہوش تو بہت جلد نیلم میڈم کے اڑنے والے ہیں اسے اس بات کا بالکل بھی اندازہ نہیں ہے کہ اس نے باسل حیات کو بے وقوف بنانے کا پلان بنا کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔" باسل کے منہ سے یہ سب سن کر اس کے دوست یک دم چونکے تھے احمر اور عدیل نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"بے وقوف بنانے کا پلان......!"

"کیا مطلب باسل...... کیا یہ نیلم تمہیں بے وقوف بنا رہی ہے۔" عدیل کچھ کچھ سمجھتے ہوئے پُرسوچ لہجے میں بولا تو باسل نے ایک گہری سانس فضا میں خارج کرتے ہوئے کہا۔

"آؤ کیفے کی طرف چلتے ہیں پھر میں تم لوگوں کو سب کچھ بتاتا ہوں۔" پھر وہ سب کیفے کی جانب چل دیے۔

❁......❁......❁

"ہیلو کیا تم زرینہ بات کر رہی ہو؟" دوسری جانب سے زرینہ کی آواز ابھری تو لالہ رخ تصدیقی لہجے میں تیزی سے بولی۔

"جی میں زرینہ بات کر رہی ہوں آپ کون؟" وہ لالہ رخ کی آواز کو پہچان نہیں سکی تھی تب ہی فوراً استفسار کر بیٹھی تھی۔

"زرینہ میں زرتاشہ کی بڑی بہن لالہ رخ بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ لالہ آپی آپ۔" لالہ رخ کے تعارف کرانے پر زرینہ کچھ شپٹا کر زرتاشہ کو دیکھتے ہوئے بولی جو اس کے بالکل

سامنے بستر پر لیٹی تھی۔

"زرینہ میں نے کافی دفعہ زرتاشہ کے نمبر پر ٹرائی کیا مگر وہ مسلسل بند جا رہا ہے ذرا میری اس سے بات تو کراؤ۔" اس بار لالہ رخ کے لہجے میں زرتاشہ کے لیے واضح جھنجلاہٹ تھی لالہ رخ کا پژمردہ سن کر زرینہ بری طرح گھبرا گئی اس نے زرتاشہ کو دیکھتے ہوئے لالہ رخ کا جملہ دہرایا۔

"زرتاشہ سے بات کرا دوں۔" یہ جملے جب بخار میں جلتی زرتاشہ کے کانوں میں پڑے تو اس نے انتہائی ہڑبڑا کر اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا زرینہ کافی پریشان ہوگئی اس صورت حال میں اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"وہ آپی دراصل......" قدرے رک رک کر وہ اتنا ہی بولی کہ زرتاشہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے باتھ روم کی جانب توجہ دلائی۔

"وہ آپی زرتاشہ اس وقت باتھ روم میں ہے ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے نہانے گئی ہے۔" زرینہ اب اپنی گھبراہٹ پر کافی حد تک قابو پا چکی تھی سو سہولت سے بولی جبکہ دوسری جانب لالہ رخ کو قدرے اطمینان محسوس ہوا۔

"اچھا...... مگر زرینہ یہ زرتاشہ کا فون کیوں بند جا رہا ہے میں نے اس لڑکی سے کتنی تاکید کی تھی کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنا فون بند نہ کرے۔"

"وہ دراصل اس کے موبائل کی بیٹری بالکل ختم ہوگئی تھی تو موبائل خود بخود بند ہوگیا۔"

"اچھا تم اس کا موبائل فون فوراً چارجنگ پر لگا دو میں آدھے گھنٹے بعد اسے فون کرتی ہوں۔"

"او کے آپی۔

او کے اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" زرینہ نے دھیرے سے کہہ کر سیل فون بند کیا تو زرتاشہ بڑی بے صبری سے بولی۔

"کیا کہہ رہی تھی لالہ۔" زرینہ نجانے کیوں اس پل چڑ سی گئی۔

"حد ہوتی ہے تاشو حماقت اور بزدلی کی اس طرح اپنا موبائل آف کر کے کیا مسئلہ حل ہو جائے گا لالہ آپی بہت پریشان ہو رہی تھیں تمہارے اس طرح فون بند ہونے پر ان کی آواز سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ تمہارے لیے بہت فکر مند ہو رہی تھیں کہہ رہی تھیں کہ اس کا موبائل فون فوراً چارجنگ پر لگا دو وہ آدھے گھنٹے میں تم سے بات کریں گی۔" سر شرجیل کے میسجز سے خائف ہو کر زرتاشہ نے اپنا موبائل فون ہی بند کر دیا تھا جبکہ ذہنی دباؤ اور پریشانی کی بدولت وہ بخار میں مبتلا ہوگئی تھی۔

"ہائے اللہ زری میں اب کیا کروں...... لالہ تو میری آواز سنتے ہی فوراً پہچان جائے گی کہ میری طبیعت خراب ہے وہ مجھ سے ڈھیر سارے سوالات پوچھے گی اور تو اور فوراً یہاں آنے کے لیے کمر کس لے گی۔"

"جب تم سے یہ معاملہ نہیں سنبھل رہا تو پھر لالہ کو بتا دو وہ سر شرجیل کو اچھی طرح دیکھ لیں گی۔"

"نہیں...... نہیں زری کہیں ایسا نہ ہو کہ لالہ مجھے یہاں پڑھنے نہ دے وہ اگر امی کو بتا دے گی تو پھر میری پڑھائی چھوٹ جائے گی۔" زرتاشہ تقریباً رو دینے کو تھی۔

"تو پھر تم ہی ہمت پکڑو سر شرجیل سے ڈرنا چھوڑ دو یقین مانو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جب تک تم خود نہ چاہو۔" زرینہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولی تو زرتاشہ نے پریشان ہو کر سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے زری؟" وہ بے بسی سے گویا ہوئی تو زرینہ تیزی سے بولی۔

"تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے بس تم سر شرجیل کو مکمل طور پر اگنور کرو اور ہاں ابھی تم میرے سیل فون میں ڈال دو میں سر شرجیل کا نمبر بلیک لسٹ میں ڈال دوں گی اس طرح ان کا میسج اور کال تم تک نہیں پہنچ سکے گی تمہارا سیل فون

سمپل ہے اس لیے اس میں بیا آپشن نہیں ہے۔" زرمینہ کی بات پر اس نے تشکر آمیز نظروں سے دیکھا۔
"تھینکس یار تم پلیز یہ نیک کام ضرور کردو۔"
"یہ نیک کام تو میں پہلے ہی کردیتی مگر تم بستر پکڑ کر جو لیٹ گئیں۔" زرمینہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولی جبکہ اندر ہی اندر وہ سوچ رہی تھی کہ اگر سر شرجیل نے دوسرے نمبر سے ٹرائی کیا تو پھر کیا ہوگا پھر خود سے یہ کہہ کر کہ دیکھا جائے گا۔ اپنا سر جھٹک کر زرتاشہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

❁......❁......❁

"آئی کل ہر...... (میں اسے مار ڈالوں گی) مجھے اس حیا آفندی پر اتنا غصہ آرہا تھا کہ دل چاہ رہا تھا کہ اس کا سر پھاڑ دوں اونہہ نجانے خود کو سمجھتی کیا ہے اوور اسمارٹ۔" سونیا انتہائی مشتعل سی ہوکر سارا بیگم سے بولی تو سارا بیگم کسی سوچ میں ڈوب کر گویا ہوئیں۔
"یہ حیا آفندی کافی خوب صورت ہے کیا۔" سارا بیگم کی بات پر سونیا نے قدرے چونک کر انہیں دیکھا پھر انتہائی برا سا منہ بناتے ہوئے کافی بیزاری سے بولی۔
"اتنی خوب صورت ہے نہیں ممی خود کو سمجھتی ہے۔ اپنے آپ کو بنانے سنوارنے میں وہ کافی محنت کرتی ہے۔"
"کہیں وہ فراز کو امپریس کرنے کی کوشش تو نہیں کررہی...... بیٹا ایسی مڈل کلاس جاب کرنے والی لڑکیوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا اپنے امیر کبیر باس کو اپنی اداؤں اور حسن کے جال میں پھنسا کر ان سے شادی کرنے کا خواب لے کر ہی وہ گھر سے نکلتی ہیں۔" سارا بیگم کے توجہ دلانے پر سونیا تصور ہی تصور میں فراز اور حیا آفندی کے وہ لمحات ذہن میں دہرانے لگی جس میں اس نے ان دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھا تھا۔
"ہوسکتا ہے ممی آپ کا خدشہ درست ہو وہ حیا آفندی کچھ ایسا ہی گھٹیا پلان لے کر فراز کو متوجہ کرنے کی کوشش کررہی ہو۔ فراز کے سامنے تو کچھ زیادہ ہی چپکتی ہے وہ۔" سونیا قدرے ٹھہر ٹھہر کر بولی پھر سر جھٹک کر ناگوار لہجے میں گویا ہوئی۔
"ممی یہ فراز بھی نا...... میں تنگ آگئی ہوں فراز کی خوش اخلاقی اور خوش مزاجیوں سے وہ اس کی جسٹ سیکرٹری ہے ایک معمولی سی لڑکی ہے اور فراز اسے بھی اتنا سر اہتا ہے آئی ریئلی ڈونٹ لائیک اٹ۔"
"تو تم فراز کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو بیٹا ایسے چھوٹے لوگوں کو منہ نہیں لگانا چاہیے ورنہ بعد میں وہ جان کو آجاتے ہیں۔"
"ہوں مگر وہ میری سنتا ہی کب ہے ممی...... کل رات کا سارا ڈنر اس حیا آفندی نے آکر ضائع کردیا ایک تو اتنی مشکل سے فراز سے بات کرنے کا موقع ملا تھا۔" ممی کی بات پر سونیا ہنوز لہجے میں بولی پھر مزید وہ دونوں اس ٹاپک پر گفتگو کرتیں کہ ملازم نے دروازہ ناک کرکے اندر آکر مہمانوں کے آنے کا مژدہ سنایا تو سارا بیگم وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئیں جبکہ سونیا اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس آکر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

❁......❁......❁

ابرام انتہائی بے یقین اور متعجب نگاہوں سے اسے یک ٹک دیکھے جارہا تھا پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور استعجاب کی جگہ تاسف اور دکھ نے لے لی تھی وہ بے پناہ تحیر کے عالم میں گھر اتھا ماریہ جیسی سیدھی سادھی نرم خو لڑکی سے اسے اس طرح کی برتاؤ کی قطعی امید نہیں تھی اپنے آپ میں مگن سیٹنگ روم کے آرام دہ کاوچ میں دھنسی وہ اتنے اطمینان اور مزے سے ناول پڑھ رہی تھی جیسے اسے یہاں ابرام کی موجودگی سے کوئی فرق ہی نہیں پڑرہا ہو ابرام کو اس پل گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ وہ اندر ہی اندر بے پناہ دکھی ہوگیا تھا۔
"ماریہ میں یہاں تمہارے سامنے بیٹھا تم سے بات کرنے کی کوشش کررہا ہوں اور تم ہو کہ اس ناول میں منہ دیے بیٹھی ہو، کیا تمہیں میرے ہونے یا نہ ہونے سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا ہنی۔" آخری جملہ وہ انتہائی افسردگی سے بولا تو ناچار ماریہ نے کتاب سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔
"مجھے اب کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا برو۔" ماریہ انتہائی سپاٹ لہجے میں بولی تو ابرام اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔
"تم کتنی بدل گئی ہو ہنی...... کیا واقعی تمہیں کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا آخر یہ سب تم کیوں کررہی ہو؟"
"میں کیا کررہی ہوں؟"
"تم یہ سب بہت غلط کررہی ہو ہنی۔"
"مجھے کسی کی پروا نہیں۔"
"تمہیں پروا کرنی پڑے گی۔"
"آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتے۔"
"میں سب کچھ کرسکتا ہوں تمہارے ساتھ۔" ابرام کے لہجے میں بھی سختی و غصے کی آمیزش آن سمائی تھی۔
"اونہہ تو کرلیجیے نا جو دل چاہے کیجیے میں آپ کو بالکل نہیں روکوں گی اور نہ ہی آپ سے شکایت کروں گی۔" ماریہ چیخ کر بولی جبکہ حیرت و تحیر کے سمندر میں ڈوبتے ہوئے ابرام نے واضح طور پر ماریہ کی آنکھوں میں نمی اترتی دیکھی تھی مگر ماریہ نے تیزی سے آنکھیں بھینچ کر انہیں اپنے اندر اتار لیا تھا پھر ایک گہری سانس لے کر وہ دوبارہ ناول کھول کر اسے پڑھنے میں مگن ہوگئی تھی کافی دیر تک ابرام انتہائی خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر گہری سنجیدگی سے بولا۔
"تم بہت غلط کررہی ہو ماریہ اس کا انجام بہت سنگین ہوگا جس کا تمہیں شاید اندازہ بھی نہیں ہے۔"
"میں نے نفع و نقصان کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے برو۔ جو ہوگا سو ہوگا ہم اپنی تقدیر کے سامنے بالکل بے بس ہیں۔"
"اونہہ اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ یہ سب تمہاری تقدیر میں لکھا ہے بلکہ اپنی حماقت نادانی اور بچپنے کے سبب تم یہ بے وقوفی کرنے پر مصر ہو۔" ابرام ہنوز لہجے میں بولا تو ماریہ نے پل کے پل کتاب سے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور سنجیدگی سے گویا ہوئی۔
"یہ میری تقدیر میں ہی لکھا ہے برو جب ہی تو میرے قدم وہیں ٹھہر گئے اور میں کوششوں کے باوجود بھی اپنے قدموں کو پلٹا نہیں سکی کیونکہ یہ سب میری تقدیر میں پہلے سے لکھا ہوا تھا۔"
"واٹ ربش۔" ابرام انتہائی تلملا کر وہاں سے اٹھا اور تیزی سے نکلتا چلا گیا ماریہ نے کچھ دیر اسے جاتے دیکھا پھر سر جھٹک کر وہ دوبارہ ناول کی جانب متوجہ ہوگئی۔

❁......❁......❁

لالہ رخ جاب سے واپس آئی تو امی کو کافی پریشان و متفکر سا دالان کی جانب ایستادہ پایا لالہ رخ انہیں اس طرح بیٹھے دیکھ کر چونکی تھی وہ تیزی سے ان کی جانب آئی اور سلام کرکے استفسار کرتے ہوئے بولی۔
"کیا بات ہے امی آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟"
"لالہ بیٹا آج مجھے تمہارے ابا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی دوپہر کا کھانا بھی میری زبردستی کرنے پر محض دو تین نوالے ہی کھائے پھر میں نے انہیں دوا دے دی تو وہ تمام دن سوتے رہے ابھی تھوڑی دیر پہلے اٹھے اور صرف آدھا گھنٹے بعد وہ دوبارہ گہری نیند سوگئے۔" امی پریشان ہوکر لالہ رخ کو تفصیل بتاتے ہوئے بولیں تو یہ سب سن کر وہ بھی متفکر ہوگئی۔

"اچھا اگر ابا اتنا زیادہ سوتے تو نہیں ہیں۔"

"ہاں بیٹا یہی بات تو مجھے بھی پریشان کررہی ہے آج مجھے وہ کافی چپ چپ بھی لگ رہے تھے۔"

"اچھا......" لالہ رخ فقط اتنا ہی بولی پھر کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔

"آپ ٹینشن مت لیں ابا ابھی جاگیں گے تو ہم دونوں مل کر پوچھیں گے کہ ایسی کیا بات ہے کہ وہ چپ چپ سے ہیں۔" لالہ رخ کی بات پر امی نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے لیے کھانا گرم کرنے کی غرض سے کچن کی جانب گئیں پھر کچھ سوچتے ہوئے لالہ رخ ابا کے کمرے میں گئی تو انہیں پُرسکون نیند میں دیکھ کر دھیرے سے مسکرادی۔ پھر آہستگی سے چلتی ہوئی ان کے قریب آئی اور ان کے پاس بیٹھ کر اپنا ہاتھ ان کے کشادہ ماتھے پر رکھا ماتھا ٹھنڈا پا کر لالہ رخ نے اطمینان کا سانس بھرا اسی اثنا میں ابا تھوڑا کسمسائے تھے پھر قدرے توقف کے بعد انہوں نے آنکھیں کھول دی تھیں اپنے سامنے لالہ رخ کو موجود پا کر ایک مسکراہٹ ان کے لبوں پر بکھری تھی۔

"ارے لالہ بیٹی تم آگئیں میں آج تمہیں یاد کررہا تھا۔" ابا اسے دیکھتے ہوئے پُرشفیق لہجے میں بولے تو لالہ رخ یک دم مسکرادی پھر انتہائی محبت بھرے لہجے میں ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"تو پھر آپ مجھے گیسٹ ہاؤس سے بلوا لیتے میں فوراً سے پیشتر آپ کے پاس آدھمکتی۔"

"کام کے وقت اپنی بیٹی کو کیا ڈسٹرب کرتا اور ویسے بھی میری گڑیا پر اتنی ساری ذمہ داریاں ہیں تمہارے کام میں خلل پڑتا۔" ابا ہنوز مسکراتے ہوئے سہولت سے بولے تو لالہ رخ نے تیزی سے کہا۔

"یہ کیا بات کہی آپ نے ابا دنیا کا کوئی بھی کام میرے ابا سے زیادہ اہم نہیں ہے آپ کا جس وقت دل چاہے مجھے بلا لیا کیجیے۔"

"کیا باتیں ہورہی ہیں باپ بیٹی میں۔" اسی اثنا میں امی اندر داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر استفہامیہ انداز میں بولیں تو ابا نے بڑے فخر و مان سے لالہ رخ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بخت یہ میری بیٹی نہیں بلکہ بیٹا ہے بیٹا۔" امی ابا کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اس بات میں تو کوئی شک و شبہ ہی نہیں ہے جی اللہ میری بچی کی ہمیشہ حفاظت کرے اسے دنیا کی ہر خوشی عطا کرے آمین۔"

"امی آپ زرتاشہ کو دعائیں دینا تو بھول ہی گئیں۔" لالہ رخ شرارتی لہجے میں بولی تو امی ابا دونوں یک دم ہنس دیے۔

"اگر میری تاشو اس وقت یہاں ہوتی تو فوراً آستینیں چڑھا کر لڑنے لگتی کہ آپ لالہ کو زیادہ پیار کرتی ہیں مجھے نہیں کرتیں۔" وہ ہنس کر بولیں پھر مزید گویا ہوئیں۔ "اللہ تم دونوں کو سدا سلامت اور شاد و آباد رکھے آمین۔" لالہ رخ نے امی کی بات پر مسکرا کر ابا کو دیکھا وہ مسکراتے ہوئے بھی چہرے سے کافی مضمحل اور تھکے ہوئے دکھائی دے رہے تھے لالہ رخ کے ہونٹوں سے یک دم مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

"ابا کیا بات ہے آج آپ کافی ڈل سے لگ رہے ہیں اور کھانا بھی آپ نے ٹھیک سے نہیں کھایا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس وقت آپ تھکن تو محسوس نہیں کررہے؟" لالہ رخ کی آواز میں تفکر و پریشانی کے رنگوں کو محسوس کرکے ابا ہولے سے مسکرادیے۔

"میں ٹھیک ہوں بس آج ذرا سستی زیادہ ہورہی تھی تو اسی لیے کافی دیر سوتا رہا اور شاید اسی وجہ سے کھانے کی بھی رغبت نہیں ہوئی۔"

"ابا آپ کچھ بھی محسوس کریں ہمیں ضرور بتائیں گے ٹھیک ہے نا۔" لالہ رخ ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں

لے کر دھیرے سے دباتے ہوئے بولی تو وہ سر اثبات میں ہلا کر گویا ہوئے۔

"ہاں ضرور بتاؤں گا۔" لالہ رخ ان کے جواب پر مطمئن سی ہوگئی پھر امی اور ابا زرتاشہ کے متعلق باتیں کرنے لگے تو لالہ رخ فریش ہونے اور کھانا کھانے کی غرض سے وہاں سے اٹھ گئی۔

❀......❀......❀

زرمینہ کے سیل فون پر اپنی سم ڈال کر اس نے سرشرجیل کا نمبر بلیک لسٹ میں ڈال دیا تھا جس کی بدولت ان کے میسجز اب اس تک نہیں پہنچ پارہے تھے زرتاشہ اب کافی پُرسکون تھی مگر کلاس میں سرشرجیل گاہے بگاہے اس پر ایک بھرپور معنویت بھری نگاہ ڈال کر خوانخواہ اسے پزل کردیا کرتے تھے آج بھی لیکچر کے دوران کئی بار انہوں نے زرتاشہ کی جانب دیکھا تھا جبکہ زرتاشہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے سامنے ڈیسک پر رکھی موٹی سی کتاب ان کے سر پر مار کر ان کے چودہ طبق روشن کردے کلاس آف ہونے کے بعد دونوں سہیلیاں بک شاپ کی جانب باتیں کرتے ہوئے بڑے مگن انداز میں جارہی تھیں کہ نجانے کہاں سے عروبہ عظیم اپنے گروپ کے ہمراہ ان کے راستے میں حائل ہوگئی زرتاشہ اور زرمینہ نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا عروبہ کا انداز کافی جارحانہ تھا۔

"زرتاشہ بی بی یہ جو تم اونچی اڑان اڑنے کے لیے پر تول رہی ہو نا اتنی زور سے منہ کے بل گرو گی کہ کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی سمجھیں۔" الفاظ تھے یا کاٹ دار آرے تھے آن واحد میں اس کے وجود کو بڑی بے دردی سے کاٹتے چلے گئے تھے اس نے انتہائی بھونچکا ہوکر عروبہ کو دیکھا جو اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"اونہہ چھوٹے شہر سے آئی ہو تو ایسی چھوٹی اور چیپ حرکتیں مت کرو ایک طرف تو بڑی پردہ دار بی بی بنی گھومتی ہو اور دوسری جانب اتنی گری ہوئی حرکتیں کرتی ہو۔" عروبہ زرتاشہ کے بڑے سے دوپٹے پر چوٹ کرتے ہوئے ہنوز لہجے میں بولی تو دونوں یونہی ہونق بنی اسے دیکھتی رہ گئیں پھر بڑی مشکلوں سے زرمینہ نے خود کو سنبھالا تھا۔

"یہ کیا بول رہی ہو تم عروبہ۔"

"میں چائنیز یا فارسی میں نہیں بول رہی جو تم دونوں کو سمجھ میں نہیں آرہا۔" زہریلے لہجے میں عروبہ نے زرمینہ کی بات کا جواب دیا تھا جبکہ زرمینہ اب پوری طرح اپنے حواس میں آچکی تھی۔

"اپنی بکواس بند کرو عروبہ...... تم ہوتی کون ہو زرتاشہ سے اس طرح کی باتیں کرنے والی گھٹیا اور چیپ یہ نہیں بلکہ تم ہو سمجھیں۔" زرمینہ اپنی شہادت کی انگلی اس کی جانب اٹھاتے ہوئے بولی تو عروبہ کے تلوے پر لگی اور سر پر بجھی۔

"ہاؤ ڈیئر یو تم نے مجھے گھٹیا اور چیپ کیسے کہا۔" وہ اپنی دونوں مٹھیوں کو انتہائی طیش کے عالم میں بھینچ کر دانت پیس کر بولی۔

"کیوں صرف تمہیں ہی حق ہے دوسروں کے لیے چیپ اور گھٹیا جیسے القابات استعمال کرنے کا۔" زرمینہ استہزائیہ انداز میں بولی جبکہ زرتاشہ صاحبہ اپنی سدھ بدھ بھلائے ایک ہی پوزیشن میں گم صم کھڑی تھیں۔

"دیکھو اپنی اس دوست کو سمجھا لو کہ سرشرجیل سے دور رہے میں سب کچھ جان چکی ہوں اس کے کرتوت بھی۔" عروبہ عظیم مسلسل اس کی ذات پر سنگ باری کررہی تھی اپنے زہر میں بجھے تیروں سے اس کے وجود کو چھلنی کررہی تھی مگر وہ کچھ بولنے کی چاہ رکھتے ہوئے بھی اپنی زبان کو حرکت دینے سے قاصر تھی اسے اس وقت یوں محسوس ہورہا تھا جیسے بھرے مجمع میں کسی نے بڑی بے دردی سے اس کی چادر کھینچ لی ہے وہ بس منجمد ہوتے اعصاب سمیت عروبہ عظیم کو دیکھے گئی۔

"اونہہ...... تمہیں ہی مبارک ہو سرشرجیل اور تم خود انہیں سنبھال کر رکھو ہم سے کیوں لڑنے بھڑنے آگئیں اور ایک بات اور کہہ دینا تم اپنے سرشرجیل سے کہ میری دوست کو ان کی ذات میں رتی بھر بھی دلچسپی نہیں ہے لہٰذا اپنا وقت وہ یہاں

ضائع مت کریں...... آؤ تاشو۔" انتہائی ناگواری سے بولتے ہوئے آخر میں وہ زرتاشہ سے مخاطب ہوئی اور بے جان کھڑی زرتاشہ کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ہمراہ تقریباً کھینچتے ہوئے وہاں سے لے گئی جبکہ عروبہ عظیم اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا کر رہ گئی زرتاشہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں زرینہ کے پیچھے کھچی چلی آرہی تھی زرینہ اسے ایک نسبتاً پُرسکون گوشے میں لے آئی اور انتہائی غصے سے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے ڈانٹتے ہوئے بولی۔

"تم وہاں کیا گونگے کا گڑ کھا کر کھڑی تھیں ویسے تو تمہاری خوب فرفر زبان چلتی ہے، اس وقت کیا ہوگیا تھا تمہیں غضب خدا کا وہ گھٹیا لڑکی تم پر الزامات پر الزامات لگاتی رہی اور تم خاموش دیوار کی طرف ایسے ساکت وصامت کھڑی رہی جیسے......" یک دم زرتاشہ کو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک بلک کر روتے دیکھ کر زرینہ کی زبان یکلخت تالو سے چپک گئی وہ بے تحاشہ رو رہی تھی زرینہ بے حد پریشان ہوگئی۔

"تاشو...... تاشو پلیز سنبھالو خود کو اٹس او کے یار ایسا کچھ نہیں ہوا جس کے لیے تم اتنا پریشان ہو رہی ہو تاشو پلیز ایسے مت رو۔" زرینہ اسے کندھوں سے پکڑ کر بینچ پر بٹھاتے ہوئے بولی اور پھر دونوں ہاتھ اس کے چہرے پر سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں لے کر ہولے سے دبا گئی۔ اس پل زرتاشہ کے ہاتھ یخ بستہ برف کی مانند بالکل ٹھنڈے اور بے جان ہو رہے تھے پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔

"اوہ تاشو تم تو بالکل بچوں کی طرح رو رہی ہو بلیو می ایسا کچھ بھی نہیں ہوا جس کے لیے تم اتنا زور وشور سے رو رہی ہو، پلیز چپ ہوجاؤ۔" مگر زرتاشہ پر زرینہ کی کسی بات کا اثر نہیں ہوا وہ روئے چلی گئی زرینہ نے انتہائی بے بس نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بہت عاجزی سے بولی۔

"تاشو اگر تم نے رونا بند نہیں کیا تو پر اس میں بھی رونا شروع ہوجاؤں گی میں ٹینس ہو رہی ہوں تاشو پلیز مجھے پریشان مت کرو۔" اس بار زرتاشہ کچھ سنبھلی اس نے بمشکل اپنی سسکیوں پر کنٹرول کیا اور انتہائی دقت سے بولی۔

"مجھے نہیں پڑھنا یہاں نہیں رہنا میں واپس مری جا رہی ہوں اب میں یہاں مزید بالکل نہیں ٹھہر سکتی۔" زرتاشہ کے قطعیت بھرے انداز کو زرینہ نے بغور دیکھا پھر نرمی سے بولی۔

"بس اتنی ہی ہمت تھی تمہارے اندر تم باتیں تو بڑی بڑی کرتی تھیں مگر جب تھوڑی سی پرابلم تمہارے سامنے آئی تو چڑیا کی طرح سہم گئیں۔"

"ہاں نہیں ہے میرے اندر ہمت...... میرے اندر اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ اتنے گھٹیا الزامات اپنی ذات کے لیے سنوں۔" زرتاشہ چیخ کر بولی۔

"تاشو تم اچھی طرح جانتی ہو کہ عروبہ خود کیسی لڑکی ہے ایسی لڑکی سے بھلا کیا توقع کرسکتی ہو تم...... وہ خود کیا ہے یہ بات تمہیں معلوم ہے نا کیچڑ کا کام گندگی ہی پھیلانا ہوتا ہے اور گندگی کو دیکھ کر ہم اپنا راستہ اپنا مقصد تو نہیں چھوڑ سکتے نا۔" زرینہ انتہائی بردباری سے بولی تو زرتاشہ نے اسے چونک کر بہت غور سے دیکھا۔

"دیکھو تاشو زندگی اتنی سہل نہیں ہے ہمیں اپنا آپ بچانے اور اپنی زندگی کو خوش گوار ومطمئن بنائے رکھنے میں کافی جدوجہد کرنی پڑتی ہے ہماری زندگی میں سر شرجیل اور عروبہ جیسے لوگ آتے ہیں ہمارے صبر وبرداشت کا امتحان لینے ہماری عقل وفہم کو جانچنے اور ہمارے مقصد میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے مگر ہمیں کسی بھی حال میں ہمت وجرأت کا دامن ہاتھ سے قطعاً نہیں چھوڑنا ہے ورنہ ایسے لوگ ہم سے تو جینے کا حق بھی چھین لیں گے یار۔" زرتاشہ زرینہ کی باتیں انتہائی حیرانی سے سن رہی تھی۔

"تاشو اپنے اندر ہمت وجرأت پیدا کرو اور لوگوں سے خوف زدہ ہونا چھوڑ دو۔" زرینہ کا ادا کیا ہوا ایک ایک لفظ اس کے دل میں اثر کر رہا تھا اس کے اندر تیزی سے سکون اور اطمینان پھیلتا چلا گیا زرتاشہ نے انتہائی تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا اور پھر اگلے ہی پل زور سے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

"تھینکس یار تم بہت اچھی ہو مجھے تمہاری جیسی دوست پر آج بہت فخر ہو رہا ہے تھینک یو......" وہ اس سے لپٹے لپٹے بولی تو زرینہ دھیرے سے مسکرادی۔

⁂

سمیر شاہ کی آج خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا آج ان کا دوسرا بیٹا بھی ان کا سر فخر سے بلند کرنے کا سبب بنا تھا۔ کامیش شاہ جو بہت اچھے نمبروں سے سی ایس ایس کے ایگزامز میں پاس ہوا تھا اب انٹرویو سلیکشن میں بھی اسے شاندار کامیابی ملی تھی کامیش بھی بے پناہ خوش تھا اور فراز شاہ اپنے بھائی کی خوشی کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا ساحرہ بیگم نے بھی سنا تو وہ بھی خود پر بہت پراؤڈ فیل کر رہی تھیں۔

"میں بہت خوش ہوں میری جان۔" سمیر شاہ لمبے چوڑے ہینڈسم سے کامیش شاہ کو اپنے سینے سے لگا کر بولے تو کامیش شاہ بڑی دلکشی سے مسکرادیا۔

"یہ سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے ڈیڈ۔" کامیش بہت خلوص سے بولا تو فراز تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"آف کورس برادر یہ واقعی ہمارے سوئٹ اینڈ کیوٹ ڈیڈ کی دعاؤں کا ثمر ہے۔"

"اچھا اور اس ساری سچویشن میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے کیا۔" ساحرہ اسی اثنا میں سیٹنگ ایریا میں داخل ہوئی تھی فراز کے جملے جب اس کے کانوں میں پڑے تو وہ کافی برامان کر بولی تھی فراز کامیش پل بھر کو گڑبڑا سے گئے۔

"بھئی تمہارا حصہ تو سب سے بڑا ہے تم نے کامیش شاہ کو پیدا جو کیا ہے۔" سمیر شاہ نے یہ جملہ بالکل سادگی میں بولا تھا مگر ساحرہ کو لگا جیسے سمیر شاہ نے اس پر گہرے طنز کا وار کیا ہو وہ بے تحاشا سلگ گئی اور انتہائی چیخ کر بولی۔

"کیا مطلب ہے آپ کی اس بات کا سمیر؟" سمیر شاہ نے ساحرہ کی گرج دار آواز پر قدرے چونک کر اسے دیکھا پھر ہلکے سے مسکرا کر وضاحت دینے والے انداز میں بولے۔

"میرا کوئی مطلب نہیں ہے میں تو ایک عام سی بات کہہ رہا تھا کہ تم اس کی ماں ہو اس کو دنیا میں لائی ہو تو سب سے بڑا شیئر تو تمہارا ہوا۔" سمیر شاہ بچوں کے سامنے ساحرہ سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے تھے انہوں نے ساری زندگی صرف اپنے بچوں کی اعلیٰ تربیت کی خاطر کبھی ساحرہ سے بحث وتکرار نہیں کی ہمیشہ درگزر اور صلح کی پالیسی کو اپنائے رکھا تاکہ ان کے بچوں پر ماں باپ کے سرد تعلقات کا منفی اثر نہ پڑے اور ان کی شخصیت میں کمی نہ رہ جائے یہی وجہ تھی کہ ساحرہ تنک چڑھی ہونے کے ساتھ ساتھ سر چڑھی بھی ہوگئی تھی۔

"اوہ کم آن ممی ڈیڈ کا کوئی سیریس مطلب نہیں تھا آپ بھی پلیز سنجیدہ مت ہوں اچھا کامیش یہ بتاؤ تم ہمیں ٹریٹ کہاں دو گے؟" فراز شاہ اپنی ماں کی بات پکڑنے کی عادت کو بخوبی جانتا تھا سو بڑی ہوشیاری سے وہ بات دوسری طرف گھماتے ہوئے بولا۔

"جہاں آپ لوگ کہیں۔" کامیش شاہ بڑی دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"میرے خیال میں پیچ لگژری چلتے ہیں۔" ساحرہ بھی پرجوش انداز میں بولی جبکہ فراز نے دل ہی دل میں اس کا غصہ ٹھنڈا ہوجانے پر شکر ادا کیا۔

"اوکے ممی تو ہم پیچ لگژری ہی چلتے ہیں۔" کامیش فوراً راضی ہوتے ہوئے بولا تو سمیر شاہ اسے دیکھ کر مسکرادیے۔

"تو ٹھیک ہے میں دس منٹ میں چینج کرکے آتا ہوں۔" فراز عجلت میں بولتا کمرے کی جانب دوڑا۔
"میں بھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" ساحرہ بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی جبکہ کامیش اور سمیر دونوں باتوں میں مصروف ہوگئے۔

"اوہ تو یہ کہانی ہے وہ موصوفہ محض ستی ساوتری بننے کا ڈرامہ رچا رہی ہیں وہ بھی ہمارے یار باسل خاور حیات کے ساتھ۔" احمر باسل کی زبانی تمام حقیقت جان کر طنزیہ لہجے میں ایک ہنکارا بھر کر بولا۔
"بہت عمدہ پلان مگر افسوس ناکام ہوگیا۔" عدیل نے بھی رائے زنی کی پھر مزید گویا ہوا۔ "مجھے پہلے ہی اس رطابہ پر شک تھا وہ بہت شاطر اور مکار لڑکی ہے اور رطابہ جیسی فاسٹ اور بولڈ لڑکی کی سہیلی یا کزن ایسی بہن جی ہو ہی نہیں سکتی۔" کیفے کے ایک کونے کی میز پر اس وقت وہ تینوں موجود تھے۔
"ویسے یہ باسل کے حق میں اچھا ہوا کہ پاک ٹاور میں رطابہ اور نیلم نے باسل کو نہیں دیکھا اور باسل نے انہیں اچھی طرح دیکھ لیا اب بتا میرے یار اب تیرے کیا ارادے ہیں؟" احمر کے استفسار پر باسل نے جو کسی گہری سوچ میں غلطاں تھا قدرے چونک کر اسے دیکھا۔
"میرے خیال میں تو ان دونوں لڑکیوں کو ایسا سبق سکھایا جائے کہ ان کی آنے والی سات نسلیں بھی اس کو یاد رکھیں۔" عادل رعونت و تنفر آمیز انداز میں بولا تو احمر نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
"واقعی باسل سبق سکھانا تو بنتا ہے مجھے تو ان دونوں لڑکیوں پر اتنا غصہ آ رہا ہے کہ دل چاہ رہا ہے کہ دونوں کو شوٹ کردوں جاکر...... کیا سمجھ کر انہوں نے باسل کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی۔"
"ہوں ان دونوں لڑکیوں کو شاید اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہے کہ مجھے بے وقوف بنانے کی یہ کوشش انہیں کتنی مہنگی پڑ سکتی ہے۔" باسل ایک ہنکارا بھرتے ہوئے بولا۔
"یار یقیناً یہ دونوں عیار لڑکیاں کسی بہت خاص مقصد کے لیے باسل کو ٹریپ کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔"
"خاص مقصد کیا ہوگا یار بس پیسے کی خاطر وہ باسل کو الو بنانے کی کوشش کررہی ہیں وہ دونوں بخوبی جانتی ہیں کہ باسل کتنا پیسے والا ہے۔" عدیل کی بات پر احمر بے پروائی سے بولا جب کہ باسل خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سنتا رہا۔
"ہوسکتا ہے کہ یہ کہانی اتنی سمپل اور سیدھی نہ ہو جتنی ہمیں نظر آ رہی ہے۔"
"اوہ...... کم آن عدیل اب پلیز تم جیمز بانڈ بننے کی کوشش مت کرو کیا ہوگا ہاں؟ ان دونوں کے کیا انڈر ورلڈ سے تعلقات ہوں گے یا پھر وہ کسی دشمن ملک کی ایجنٹ ہوں گی ارے بھئی کچھ نہیں ہے بس پیسے کا چکر ہے۔" احمر ہنوز انداز میں بولا تو عدیل نے خاموش بیٹھے باسل کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔
"باسل تم کیوں چپ ہو کچھ بولتے کیوں نہیں۔"
"میں تم دونوں کی باتیں سن رہا ہوں۔" باسل ایک گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔
"تو پھر تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟" عدیل نے اس سے پوچھا تو باسل نے عدیل کی جانب بغور دیکھا پھر نارمل انداز میں بولا۔
"میرے خیال میں اب اس ٹاپک کو بند کرو یہ اتنا اہم نہیں ہے کہ جس پر ہم یوں سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور اپنا وقت ضائع کریں او کے......"

لالہ رخ آج آفس آئی تو ہمیشہ کی طرح فریش اور ایکٹیو نہیں تھی بلکہ کافی الجھی الجھی اور ڈسٹرب لگ رہی تھی کئی بار اس سے بہت سی غلطیاں ہوئیں تو اس کے ماتحت عابد نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"کیا بات ہے میڈم آپ آج کچھ پریشان لگ رہی ہیں خیریت تو ہے نا؟" عابد یہاں کا مقامی تھا اور گیسٹ ہاؤس کے استقبالیہ میں بیٹھتا تھا بہت اچھا لڑکا تھا عابد کے استفسار پر لالہ رخ نے اسے قدرے چونک کر دیکھا پھر یونہی مسکراتے ہوئے بولی۔

"نہیں عابد کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے اچھا تم بتاؤ تمہاری شادی کب ہو رہی ہے۔" عابد کی منگنی اس کی ماموں زاد سے ہوئی تھی لالہ رخ کے سوال پر وہ قدرے جھینپ کر بولا۔

"اس بڑی عید پر ان شاء اللہ طے ہے۔" پھر چند لمحوں بعد دوبارہ گویا ہوا۔

"اچھا چلیے وہ عام سی بات ہی بتا دیجیے جو آپ کو پریشان کر رہی ہے۔" عابد کی چالاکی پر لالہ رخ بے اختیار ہنس دی پھر انتہائی محظوظ کن نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم کافی تیز نہیں ہو گئے عابد۔" عابد بھی اس کی بات پر ہنس دیا پھر قدرے توقف کے بعد لالہ رخ گویا ہوئی۔

"عابد دراصل میں ابا کی بیماری کے حوالے سے فکر مند ہو رہی ہوں جو دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔"

"اوہ...... ان کا علاج وغیرہ تو باقاعدگی سے ہو رہا ہے نا؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں علاج تو ہو رہا ہے مگر مجھے اس کا فائدہ نظر نہیں آ رہا آج کل وہ مجھے کافی کمزور اور نحیف لگ رہے ہیں۔"

"ہوں ویسے میڈم یہ حقیقت ہے کہ یہاں علاج معالجے کی سہولیات تو ہیں مگر اتنی جدید اور اعلیٰ نہیں ہیں جتنی بڑے شہروں میں ہوتی ہیں۔"

"یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر انہیں کسی بڑے شہر لے جانا آسان نہیں ہے۔ عابد وہاں کے اخراجات پھر رہائش وغیرہ یہ سب بھی تو مسائل ہیں۔" لالہ رخ یہ بات پہلے سے جانتی تھی مگر کسی دوسرے شہر لے جا کر ابا کا علاج کرانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میڈم مگر وہاں گورنمنٹ اسپتال بھی تو ہیں وہاں اتنے اخراجات نہیں آتے۔"

"توبہ کرو عابد میں نے اخباروں اور ٹی وی میں ان اسپتالوں کی حالت زار کی بابت کافی کچھ پڑھا اور دیکھا ہے اور ہماری ایک ہمسائی تھیں جنت خالہ وہ بے چاری جیسے تیسے کر کے اپنے میاں کو لے کر کراچی علاج کی غرض سے پہنچ گئی تھیں مگر بے چاری جنت خالہ وہاں بس دھکے ہی کھاتی رہیں اور پھر ایک دن انتہائی مایوس اور دل گرفتہ ہو کر واپس یہاں آ گئیں۔" لالہ رخ کی بات پر عابد خاموش سا ہو گیا وہ کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی لالہ رخ چند ثانیے کچھ سوچتی رہی پھر سر جھٹک کر عابد کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم بس میرے ابا کے لیے دعا کرنا۔"

"کیوں نہیں میڈم میں ضرور ان کے لیے دعا کروں گا۔" عابد خلوص سے بولا تو لالہ رخ دھیرے سے مسکرا دی اور پھر اپنے روم کی جانب بڑھ گئی۔

❁......❁......❁

ساحرہ، سمیر، خاور اور حورین چاروں سمیر شاہ کے خوب صورت ڈیکوریٹڈ ڈائننگ روم میں بیٹھے خوش گوار انداز میں گفتگو کر رہے تھے سمیر شاہ خاور اور حورین کو بڑے فخریہ انداز میں کامیش کی کامیابیوں کے بارے میں بتا رہا تھا خاور اور حورین بھی سمیر کی خوشی میں بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

"سمیر بھائی یہ آپ اور بھابی کی محنتوں کا ثمر ہے کہ ماشاء اللہ آج آپ کے بچے زندگی کی کامیابی کی سیڑھیوں کو تیزی

موسم بدل گئے وہ زمانے بدل گئے
لمحوں میں دوست برسوں پرانے بدل گئے
دن بھر رہے جو میری محبت کی چھاؤں میں
وہ لوگ دھوپ ڈھلتے ہی ٹھکانے بدل گئے
کل جن کے لفظ لفظ میں محبت تھی پیار تھا
لو آج ان کے لبوں کے ترانے بدل گئے
اک شخص کیا گیا ہے میرا شہر چھوڑ کر
جینے کے سارے ڈھنگ بہانے بدل گئے
اب وہ وہ نہ رہا، میں میں نہ رہا......
سارے ہی زندگی کے فسانے بدل گئے

(انتخاب: نازیہ عباسی...... ٹھٹھہ)

سے طے کر رہے ہیں آپ کے دونوں بچے اللہ انہیں نظر بد سے بچائے ہیرا ہیں ہیرا۔" حورین انتہائی پُرخلوص انداز میں سمیر سے مخاطب ہو کر گویا ہوئی تو سمیر شاہ جواباً انکساری سے بولے۔

"بس بھابی یہ تو سب اللہ کا کرم ہے جو اس نے ہم جیسے ناچیزوں بندوں کو اتنی فرماں بردار نیک اور اچھی اولاد سے نوازا ورنہ ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔"

"خیر ہم نے بھی اپنے بچوں کی تربیت ان کی تعلیم اور پرورش پر کوئی کمی نہیں رکھی بہترین اسکولوں میں پڑھایا لکھایا اچھا کھلایا پہنایا اور پھر ایک صحت مند ماحول انہیں مہیا کیا اور پھر میرے بچے ذہین بھی ہیں۔" ساحرہ حسب عادت اپنے بالوں کو ایک ادا سے جھٹکتے ہوئے کافی تمکنت آمیز لہجے میں بولی جبکہ سمیر شاہ نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا پھر ایک استہزائیہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی تھی مگر ہمیشہ کی طرح اس نے ساحرہ پر کوئی طنز کا وار نہیں کیا تھا طنزیہ گفتگو کرنا سمیر شاہ کی سرشت میں نہیں تھا ساحرہ کی اس طرح کی باتوں پر بس ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کچھ پل کے لیے نمودار ہوتی تھی اور فوراً غائب بھی ہو جاتی تھی۔

"جی بھابی اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔" حورین اپنے ہنوز انداز میں بولی آف وائٹ لان کے خوب صورت سے سوٹ میں ملٹی کلر کی کڑھائی سے مزین یہ سوٹ حورین پر بے حد جچ رہا تھا ہلکے ہلکے میک اپ اور ہلکی سی جیولری میں وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی ساحرہ کو احساس کمتری اور حسد میں مبتلا کر رہی تھی حورین کا بے حد اسٹائلش سوٹ دیکھ کر ساحرہ کی نگاہیں کئی بار اپنے اورنج اور پیلے رنگ کے امتزاج کے ڈیزائنر سوٹ سے الجھی تھیں اس لمحے اسے اپنا ڈریس حورین کے مقابلے میں کافی برائٹ اور چیپ معلوم ہو رہا تھا۔

"ہاں تو سمیر تم بتا رہے تھے کہ فراز کو تم بہت جلد لندن بھیجنے والے ہو۔" خاور سمیر کو دیکھتے ہوئے چائے کا آخری گھونٹ بھر کر کپ میز پر رکھتے ہوئے بولا تو حورین اور ساحرہ بھی خاور کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

"ہاں یار لندن کا چارج دراصل سلامت مرزا نے سنبھالا ہوا ہے وہ ایک محنتی اور دیانت دار انسان ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ میری جگہ فراز وہاں چلا جائے اور چیک و بیلنس کر کے آئے۔ اب تو ماشاء اللہ وہ بزنس کے طور طریقوں کو بہت اچھی طرح سمجھنے لگا ہے۔"

"ہوں یہ بات تو ہے ماشاء اللہ فراز نے بہت جلدی سب کچھ پک کیا ہے اور اسے اچھے طریقے سے سنبھال کر بزنس کو بخوبی چلا بھی رہا ہے۔" خاور سمیر شاہ کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولا تو حورین نے سہولت سے استفسار کیا۔
"اور سمیر بھائی کامیش کی ٹریننگ کب سے اسٹارٹ ہو رہی ہے۔"
"کامیش نیکسٹ ویک ٹریننگ کے سلسلے میں لاہور چلا جائے گا۔" سمیر مسکراتے ہوئے بولے۔
"یہ تو بہت اچھی بات ہے بھئی۔" خاور خوش گواری سے گویا ہوا۔
"اور بھابی آپ کی این جی او کیسی چل رہی ہے۔" حورین نے ساحرہ سے استفسار کیا تو وہ اپنے کارنامے حورین کو بتانے لگی۔

❁......❁......❁

زرینہ کی باتوں اور اس کے سمجھانے کا زرتاشہ پر خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ عروبہ عظیم کی بکواس پر اس نے لعنت بھیج کر اسے اپنے دل و دماغ سے نکال دیا تھا وہ یہ بات اچھی طرح جان گئی تھی کہ اگر زندگی میں اسے کوئی خاص مقام حاصل کرنا ہے اور اپنے آپ کو منوانا ہے تو اس قسم کی باتوں پر بجائے ڈرنے اور گھبرانے کے انہیں نظر انداز کرتے ہمت سے آگے بڑھنا ہے سو وہ اب صرف اور صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دے رہی تھی۔ سر شرجیل نے بھی کچھ محتاط رویہ اختیار کرلیا تھا البتہ عروبہ عظیم کے ساتھ ان کی کلاس میں شوخیاں بدستور جاری تھیں جبکہ اسٹوڈنٹس بھی اس بات کے عادی ہوگئے تھے البتہ اب سر شرجیل نے اپنے لیکچر پر بھی دھیان دینا شروع کردیا تھا کیونکہ کچھ اسٹوڈنٹس نے بھی انہیں ٹوک دیا تھا جس کی بدولت پڑھائی کو لے کر سنجیدہ ہوگئے تھے۔
زرتاشہ اور زرینہ بھی کافی مطمئن تھیں وہ دونوں اس وقت جمنازیم میں آئی ہوئی تھیں جہاں فائن آرٹ کے اسٹوڈنٹس کی نمائش چل رہی تھی۔
"پلیز تاشو مان جاؤ نا اتنا مزہ آئے گا مجھے یہاں کے شاپنگ سینٹرز دیکھنے کا بہت شوق ہے مہوش کہہ رہی ہے کہ ہم دو گھنٹے میں واپس آجائیں گے پلیز تاشو چلو نا۔" مہوش زرینہ اور زرتاشہ کے ساتھ ہوسٹل میں مقیم تھی دونوں کی مہوش سے اچھی بات چیت تھی جو کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کی اسٹوڈنٹ تھی وہ یہیں کراچی میں ہی رہتی تھی مگر گھر میں جوائنٹ فیملی سسٹم کی وجہ سے یہاں ہوسٹل میں رہنے آگئی تھی کیونکہ وہاں ہمہ وقت شور شرابہ اور چہل پہل رہتی تھی جس کی وجہ سے اس کی پڑھائی میں بہت ڈسٹربنس ہوتی تھی وہ یہاں کے شاپنگ مال اور راستوں سے بخوبی واقف تھی اس نے دیگر لڑکیوں کے ساتھ مل کر پروگرام بنایا تھا کہ یہاں کے مشہور شاپنگ مال ہائپر اسٹار کا چکر لگایا جائے اس نے زرینہ اور زرتاشہ کو بھی ساتھ چلنے کی آفر کی تھی جس پر زرینہ تو جانے کے لیے فوراً تیار ہوگئی تھی مگر دل چاہنے کے باوجود زرتاشہ نے انکار کردیا تھا لالہ رخ اور امی کو بتائے بغیر کسی شاپنگ سینٹر میں گھومنے چلے جانا اسے ٹھیک نہیں لگ رہا تھا جبکہ زرینہ اس کو کنونس کرنے کی کوشش کررہی تھی۔
"اُف تاشو اس میں حرج ہی کیا ہے یار آرام سے مہوش کے ساتھ گاڑی میں جائیں گے اور دو گھنٹے میں گھوم پھر کر واپس آجائیں گے کمپل۔" نمائش میں مختلف چیزوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے زرینہ زرتاشہ سے بولی جو ایک بہت ہی خوب صورت گلدان کی جانب متوجہ تھی جو کانچ کی رنگ برنگی چوڑیوں سے انتہائی دلکشی اور مہارت سے بنایا گیا تھا۔
"زری تم آسانی سے یہ پروگرام بنا رہی ہو اتنا آسان یہ ہے نہیں مہوش یہ بھی بتا رہی تھی کہ وہ شاپنگ سینٹر یہاں سے بہت دور ہے ایک ڈیڑھ گھنٹے کا تو صرف سفر ہی ہے نا بابا نا مجھے تو تم معاف ہی رکھو۔" زرتاشہ کے صاف چٹ انکار پر زرینہ نے اسے ناراضی والے انداز میں دیکھا۔

فرزانہ کوثر

میرا پورا نام فرزانہ کوثر ہے ضلع چکوال کے ایک گاؤں ڈھیری سیداں میں رہتی ہوں سب پیار سے فری بلاتے ہیں۔ تعلیم میٹرک ہے آنچل سے وابستگی ساتویں کلاس سے ہے ہم بستے میں آنچل رکھتے تھے جب بیگ چیک ٹیچر کرتی تھیں تو اپنی دوست جویریہ اقبال کے بیگ میں چھپا دیتی تھی۔ ہماری پیاری ٹیچر کا نام میمونہ جو مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے جو روزانہ صبح پڑھتی ہوں' میری بیسٹ فرینڈ نازیہ بتول اینڈ سحرش اقبال ہے۔ نازیہ میرے پڑوس میں رہتی ہے جبکہ سحرش دوسرے گاؤں دعولہ میں رہتی ہے پسندیدہ کلر فیروزی' گلابی اور جامنی ہے اس کے ساتھ مجھے اجازت دیجیے' اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

"تاشو کی بچی بس میں کچھ نہیں جانتی ہم پکا کل مہوش کے ساتھ چل رہے ہیں۔" زرینہ نے قطعی انداز اپناتے ہوئے ضدی لہجے میں کہا تو زرتاشہ نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا۔
"تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کررہی یار اس طرح اپنی فیملی سے اجازت لیے بغیر ہم شاپنگ سینٹر چلے جائیں یہ بہت غلط بات ہوجائے گی۔"
"اوفوہ ہم اپنے گھر والوں سے چھپا کب رہے ہیں بس فی الحال بتا نہیں رہے وہاں سے آنے کے بعد ہم انہیں بتا دیں گے۔"
"تو یہ ایک ہی بات ہوگی زری۔"
"ٹھیک ہے نہیں جاتے ہم لوگ۔" زرینہ انتہائی غصے سے بولی اور پیر پٹخ کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گئی مجبوراً زرتاشہ کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

❁......❁......❁

آج ناشتے کی میز پر بڑے عرصے بعد وہ تینوں اکٹھے ناشتہ کررہے تھے ابرام نے مام سے ان کے کام کی بابت پوچھا جس کا مختصر جواب دے کر وہ پوری توجہ سے ناشتے میں مگن رہی جیکولین کا اپنے بچوں کے ساتھ ایسا ہی کھردرا، اجنبی اور سرد رویہ رہتا تھا اس نے اپنے اور بچوں کے درمیان ایک مضبوط دیوار اٹھا رکھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ابرام اور ماریہ دونوں اپنی مام کے قریب نہیں آسکے تھے اس کا سخت گیر اور بارعب رویہ ہمیشہ ان دونوں کو اپنی مام سے خائف رکھتا تھا ابرام نے اپنی نگاہوں کے سامنے بیٹھی ماریہ کو دیکھا وہ بھی چپ چاپ اپنا بریک فاسٹ ختم کررہی تھی۔
"ماریہ نیکسٹ ویک تمہاری ولیم کے ساتھ منگنی ہے تمہیں جو ضروری شاپنگ کرنی ہو وہ تم کل میرے ساتھ مال جاکر کرلینا۔" ناشتے کی میز پر سے اٹھتے ہوئے جیکولین نے بتایا اور پھر بنا ابرام اور ماریہ کی کوئی بات سنے اپنا پرس اور لیپ ٹاپ کا بیگ اٹھا کر اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل گئی، ابرام نے جیکولین کے چلے جانے کے بعد ماریہ کو انتہائی الجھن آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ ماریہ ہنوز اطمینان و سکون کے ساتھ ناشتہ کرنے میں مگن تھی جیسے جیکولین کی بات اس نے سنی ہی نہیں ہو ورنہ ابرام کے خیال کے مطابق اس بات پر ماریہ کا ردعمل کافی جارحانہ ہونا چاہیے تھا جبکہ ماریہ تو اس کے برعکس بے حد سکون سے ناشتے میں مصروف تھی اور یہی طرز عمل ابرام کو اندر ہی اندر بے پناہ متوحش اور خائف کر گیا وہ آہنی اعصاب اور سخت دل رکھنے والا مرد آج اپنی بہن سے خوف زدہ دکھائی دے رہا تھا۔
"ماریہ تم نے سنا مام ابھی کیا کہہ کر گئی ہیں۔" بالآخر وہ اسے مخاطب کر بیٹھا اس کا سکون و سکوت ابرام کے اندر جیسے

طغیانی برپا کرنے لگا تھا نجانے ماریہ کے دل ودماغ میں ایسا کیا چل رہا تھا جسے ابرام جیسا ذہین وزیرک انسان چاہتے ہوئے بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"کیا کہا ہے؟" اطمینان سے بھرپور لہجے میں اپنی بھنوؤں کو ایک انداز سے اچکاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"یہی کہ اگلے ہفتے تمہاری ولیم کے ساتھ منگنی ہے۔" ابرام لفظوں کو چبا چبا کر اسے تادیبی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جی میں نے سب سن لیا ہے۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم راضی ہو یا انگیجمنٹ کرنے کے لیے۔" ابرام نے تیزی سے کہا۔

"مام نے کہا ہے تو انگیجمنٹ ہوگی۔" ماریہ کا انداز ہنوز تھا۔

"اور تمہاری مرضی۔"

"آپ یہ سوال مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ اس بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر روڈ انداز میں بولی۔

"کیوں مجھے یہ سوال تم سے نہیں پوچھنا چاہیے کیا؟"

"میرے خیال میں نہیں۔"

"کیوں نہیں میں تمہارا بھائی ہوں۔"

"میں جانتی ہوں کہ آپ میرے بھائی ہیں۔" انداز بہت کچھ جتاتا ہوا تھا ابرام زچ ہوگیا۔

"ماریہ آخر تم یہ بات سمجھ کیوں نہیں آجاتیں۔ کیوں اپنی اور ہماری زندگیوں کو مسائل میں دھکیلنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہو کیا تمہیں یہ زندگی اچھی نہیں لگتی۔ کتنی پُرسکون زندگی ہے اور یہ سب ہماری مام کی بدولت ہے انہوں نے ہمیں ایک اچھی زندگی دینے کے لیے کتنی کوشش کی ہے اور اب تک کر رہی ہیں صرف تمہارے اور میرے لیے انہوں نے رات دن کی پروا نہیں کی اپنے چین وسکون نیند آرام ہر چیز کو ایک طرف رکھ کر صرف اور صرف کام کیا محنت کی ہمارے خاطر ہنی۔" ابرام بولتا چلا گیا ماریہ بغور اس کی باتیں سن رہی تھی۔ پھر جب وہ خاموش ہوا تو عجیب سے لہجے میں بولی۔

"ہر ماں اپنے بچوں کے لیے یہی سب کچھ کرتی ہے۔ جیسکا اور ولیم کے پیرنٹس بھی یہی کر رہے ہیں مام جو ہمارے لیے کر رہی ہیں یا جو اب انہوں نے کیا اس کے لیے میں ان کی شکر گزار ہوں اور آپ کی بھی میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے بھی میرے لیے بہت کچھ کیا۔" ماریہ کا جواب سن کر ابرام کے اندر اشتعال وغصے کی تیز لہر اٹھی تھی ماریہ کی خودسری اور قدرے بدتمیزی اسے مشتعل کر گئی تھی۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو ماریہ...... نجانے یہ کیڑا تمہارے دماغ میں کب اور کہاں سے گھس گیا ایک بات تم اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ تم اپنی من مانی ہرگز نہیں کر سکتیں سمجھیں، جو تم کرنا چاہ رہی ہو ایسا قیامت تک نہیں ہوسکتا۔ مام کا فیصلہ بالکل درست ہے تمہارے لیے ولیم پرفیکٹ ہے۔"

"اونہہ ایک شرابی اور جواری۔" ماریہ استہزائیہ لہجے میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی تو یک لخت ابرام بالکل خاموش ہوگیا انتہائی طیش کے عالم میں اٹھتے ہوئے اپارٹمنٹ سے باہر نکل گیا۔ جبکہ ماریہ ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ لیے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی جہاں سے ابھی ابھی ابرام نکلا تھا۔

❁......❁......❁

فراز آج بے حد خوش تھا۔ ایک غیر ملکی معروف کمپنی سے اس کی میٹنگ بہت کامیاب اور شاندار رہی تھی اس کمپنی نے اپنے کروڑوں کا پروجیکٹ اس کی کمپنی کو دینے کا فیصلہ کیا تھا جس کے وجہ سے فراز بے پناہ خوش تھا یہ کسی بھی کمپنی کے

ہجر کا تارا ڈوب چلا ہے ڈھلنے لگی ہے رات وصی
قطرہ قطرہ برس رہی ہے اشکوں کی برسات وصی
تیرے بعد یہ دنیا والے مجھ کو پاگل کردیں گے
پھولوں کے اس دیس میں لے چل مجھ کو اپنے ساتھ وصی
آج تو ان کا چہرہ بھی کچھ کچھ بدلا بدلا لگتا ہے
موسم بدلا، بدلی دنیا، بدل گئے حالات وصی
میرے گھر میں خوش بُو کا یہ رقص اسی کے دم سے ہے
اس کے ساتھ چلی جائے گی پھولوں کی بارات وصی
چھوڑ وصی اب اس کی یادیں تجھ کو پاگل کردیں گی
تو قطرہ ہے وہ دریا ہے دیکھ اپنی اوقات وصی

(انتخاب: ندا حسین...... کراچی)

ساتھ اس کا پہلا پروجیکٹ تھا جسے وہ بالکل پرفیکٹ انداز میں مکمل کرنا چاہتا تھا۔

"سر آپ کو بہت بہت مبارک ہو یقیناً سمیر سر بھی یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے ہوں گے۔" حیا آفندی اس وقت اس کے روم میں موجود تھی پوری میٹنگ کے دوران وہ بھی فراز شاہ کے ساتھ ساتھ تھی۔

"آف کورس مس حیا ڈیڈی بے حد خوش ہوئے ہیں ڈیڈی کی خوشی ہی مجھے مزید خوشی میں مبتلا کر رہی ہے۔" فراز شاہ پُرمسرت لہجے میں بولا تو حیا آفندی نے محض مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا پھر معاً فراز کو کچھ یاد آیا تو وہ اسے مخاطب کر کے بولا۔

"مس حیا اس کامیابی کا کریڈٹ آپ کو بھی جاتا ہے آپ کی تیار کردہ پریزنٹیشن بہت عمدہ تھی اور پھر ان کے ساتھ بات چیت بھی آپ نے بہت ذہانت اور سہولت سے کی تھی۔ آئی ایم امپریسڈ۔" اسی دم ہلکا سا دروازہ ناک ہوا اور فراز کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی سونیا خان اندر داخل ہوئی تھی۔

"اوہ سونیا تم بہت اچھے موقع پر یہاں آئی ہو۔" فراز سونیا کو دیکھتے ہوئے پُرجوش انداز میں بولا تو اس بار بھی حیا آفندی کو اس کے کمرے میں براجمان دیکھ کر سونیا کا موڈ ایک بار پھر خراب ہوگیا جبکہ حیا آفندی نے صرف "ہیلو میم" کہا اور پھر فراز شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"سر میں بعد میں آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ سونیا کو لگا جیسے حیا آفندی اسے نظر انداز کر کے گئی ہو اسے خوامخواہ غصہ آنے لگا۔

"آؤ بیٹھو سونیا مجھے تمہیں ایک زبردست نیوز دینی ہے۔" فراز بے حد ایکسائیٹڈ دکھائی دے رہا تھا جب کہ سونیا بالکل ٹھنڈے سے انداز میں اپنی نشست پر بیٹھتے بولی۔

"بہت خوش نظر آرہے ہو آج۔"

"سونیا بات ہی کچھ ایسی ہے ایچوئیلی......؟"

"فراز یہ حیا آفندی کیا ہر وقت تمہارے کمرے میں گھسی رہتی ہے۔" فراز اسے بتانے ہی والا تھا کہ سونیا اس کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے کافی عجیب سے انداز میں بولی۔ فراز نے کچھ چونک کر اسے دیکھا سونیا اس پل بے حد سنجیدہ اور

کچھ غصے میں محسوس ہوئی۔ فراز یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ سونیا خود پسند اور ضدی ہونے کے ساتھ ساتھ کافی حد تک پوزیسیو بھی ہے۔

"سونیا حیا آفندی میری پرسنل سیکرٹری ہے مجھے اس طرح کے کام اس سے پڑتے رہتے ہیں وہ بس میری اچھی ایمپلائی ہے اوکے۔"

"اونہہ...... اس دن ہمارا ڈنر بھی ان موصوفہ نے آکر خراب کردیا تھا فراز میں جب بھی تم سے ملنے کی کوشش کرتی ہوں تمہارے ساتھ اکیلے میں وقت گزارنا چاہتی ہوں یہ محترمہ کسی جن کی طرح ہر جگہ آدھمکتی ہیں تم نے اسے اتنا سر کیوں چڑھا رکھا ہے۔" سونیا جیسے پھٹ پڑی تھی فراز نے کافی الجھ کر دیکھا تھا آج سے پہلے سونیا نے یوں خود کو فراز کے سامنے ظاہر نہیں کیا تھا وہ اس کے ساتھ ہمیشہ ہنستے مسکراتے اور اچھے موڈ میں رہتی تھی ان کے درمیان کبھی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا تھا بس ہلکی پھلکی نوک جھونک ہوجاتی تھی جس کا اینڈ ہمیشہ ہنستے یا ایک دوسرے کو چھیڑتے ہوئے ہوتا تھا۔

"کیا مطلب سونیا میں کیوں اسے سر پر چڑھاؤں گا میں نے تمہیں بتایا کہ وہ میری پرسنل سیکرٹری ہے اور مجھے زیادہ تر اس سے ہی کام پڑتے ہیں۔"

"تو تم اس حیا آفندی کی جگہ کوئی دوسرا پی اے نہیں رکھ سکتے کیا؟" سونیا چڑتے ہوئے بولی تو فراز شاہ نے بغور سونیا خان کو دیکھا پھر یک لخت ہنستے ہوئے بولا۔

"اوہ اب میں سمجھا تم کہیں حیا آفندی سے جیلس تو نہیں ہورہی...... مگر تم بے فکر رہو ڈیئر، حیا آفندی تھرڈ کلاس ہے اور تم سے زیادہ خوب صورت بھی نہیں ہے۔" فراز شاہ نے ماحول کے تناؤ اور بات کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے اپنی ٹون کو بدلا تھا وگرنہ اسے سونیا پر کافی غصہ آرہا تھا اس کا یہ انداز دیکھ کر وہ اندر ہی اندر کچھ متفکر بھی ہوگیا تھا۔

"جی نہیں مسٹر فراز میں کیوں جیلس ہونے لگی اس حیا آفندی سے میں بہت خوب صورت اور ذہین ہوں اور ساتھ ساتھ ہائی ایجوکیٹڈ بھی۔" سونیا تھوڑا خفیف ہوکر اترا کر بولی تو فراز قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اچھا اپنے منہ میاں مٹھو۔"

"میاں مٹھو نہیں ڈیئر حقیقت پسند۔" سونیا اس کے بالوں کو بگاڑتے ہوئے ہنس کر بولی اس کا موڈ اب خوش گوار ہوگیا تھا معاً اسے کچھ یاد آیا تو تیزی سے بولی۔

"اچھا تم مجھے کچھ بتانے جارہے تھے نا۔" سونیا نے استفسار کیا تو فراز نے ایک گہری سانس کھینچی اور پھر اپنے پروجیکٹ کی بابت بتانے لگا سونیا بھی یہ سب سن کر بہت خوش ہوئی۔

❁......❁......❁

زرینہ کی منت سماجت غصہ دھمکی زرتاشہ کو راضی کرگئی تھی۔

"زری تم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارے کھانا چھوڑنے کی دھمکی یا غصے سے ڈر گئی ہوں اور ہاں یہ پہلی اور آخری بار ہم بغیر گھر والوں کو کچھ بتائے جارہے ہیں اور لالہ سے تم خود بات کروگی اور یہ بھی بتاؤ گی کہ تم ہی مجھے لے کر گئی تھیں۔" زرتاشہ راضی ہوتے ہوئے تنبیہ کرتے ہوئے بولی تو زرینہ نے تیزی سے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں بابا مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے میں خود لالہ آپی سے بات کرکے سب کچھ بتادوں گی اور یہ بھی کہوں گی کہ آپ کی بہن کو میں گن پوائنٹ پر لے کر گئی تھی اسے سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکیاں دے کر اپنے ساتھ لے گئی تھی اور...... بلکہ کہو تو یہ کہہ دوں کہ تمہیں اپنے کندھے پر اٹھا کر لے گئی تھی۔" آخری جملہ زرینہ شوخی بھرے لہجے میں بولی تو زرتاشہ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

مجھے مسلمان کہتے ہیں

ایک دفعہ میں بیٹھی ایک میگزین کا مطالعہ کررہی تھی کہ اچانک میری نظر ایک نوٹس پر پڑی کہ بتائیں ان میں سے کوئی ایک بھی کام آپ نے کیا ہے۔

پہلے لکھا تھا کہ کیا آج آپ نے معمول میں پانچ نمازیں ادا کی ہیں؟

چونکہ میری صبح کی نماز قضا تھی اس لیے جواب نفی میں تھا؟

دوسرا سوال کیا آج آپ نے قرآن پاک کا کچھ حصہ تلاوت کیا ہے؟

آج صبح دیر سے اٹھنے کی وجہ سے پہلے جو میں کبھی سورۃ یاسین، سورۃ رحمان یا تھوڑی بہت تلاوت کرلیتی تھی وہ رہ گئی تھی تو اس کا جواب بھی نہیں تھا۔

تیسرا سوال آج کے دن آپ کے گھر میں مثلاً ماں، بہن بھائی اپنے ساتھ کام کرنے والے کسی ساتھی کی مدد کی ہے یا کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کی ہے؟

چونکہ میں ایک بڑے ادارے کی ذہین و فطین طالبہ تھی اور ظاہر ہے پڑھائی بھی بہت مشکل تھی تو ایسی صورت میں کہاں کسی کی مدد کرپاتی حالانکہ بھابی کی سرخ آنکھیں اس بات کی گواہ تھیں کہ ننھے صارم کی بیماری کی وجہ سے وہ رات بھر سو نہ پائی تھیں ان کی طبیعت میں کسلمندی نظر آرہی تھی۔

میں اپنے معمول کے مطابق آدھا گھنٹہ پہلے ناشتہ کرکے کالج آگئی تو یہ جواب بھی نہیں تھا۔

چوتھا سوال کہ آج کل کمپیوٹر کا دور ہے مثلاً کمپیوٹر موبائل انٹرنیٹ فیس بک کا تو آج آپ نے کوئی حدیث آیت یا اسلامی ریفرنس شیئر کی ہے؟

بے اختیار میرا سر نفی میں ہلا تھا حالانکہ میں وقفے وقفے سے فیس بک یوز کرتی رہی تھی اور ایسی بہت سی پوسٹ شیئر کی تھی جس میں سیاست دانوں کی دھجیاں اڑائی گئی تھیں اور دوسروں کا مذاق بنایا تھا موبائل پہ بھی چیٹنگ کی تھی۔ جس میں شاعری لطیفے غرض ہر چیز شیئر کی تھی

آگے پڑھنے کی ہمت نہیں رہی تھی مجھ میں اور میں سوچنے پر مجبور ہوگئی کیا مجھے مسلمان کہتے ہیں۔

آبرو چوہدری...... سرگودھا

"اب اتنا اوور ایکٹ کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔" وہ کھلکھلا کر بولی کہ اسی دم اس کا موبائل فون بج اٹھا زرتاشہ نے فوراً اپنے موبائل اسکرین کی جانب دیکھا جہاں لالہ رخ کا نام جگمگا رہا تھا وہ بے حد پریشان سی ہوگئی۔

"زری لالہ کا فون آرہا ہے اب کیا کروں؟" وہ کافی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی تو زرینہ نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"او اللہ کی بندی تو اس میں اتنا ڈرنے کی کیا بات ہے تم نارمل انداز میں ان سے بات کرو نا جس طرح ہمیشہ کرتی ہو اب فون اٹھاؤ ورنہ وہ پریشان ہوجائیں گی۔" زرینہ کے کہنے پر زرتاشہ نے یس کا بٹن دبایا اور اپنا گلا کھنکارتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اسلام علیکم لالہ کیسی ہو سب خیریت ہے نا۔" تاشو کی آواز لالہ رخ کی سماعت سے ٹکرائی تو بے اختیار لالہ رخ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"وعلیکم السلام تاشو میں ٹھیک ہوں۔ اور باقی سب خیریت ہے امی ابا دونوں ٹھیک ہیں اور تمہیں یاد کرتے ہیں۔" امی ابا

کے نام پر زرتاشہ از حد اداس سی ہوگئی۔ وہ اپنے ماں باپ سے بے حد پیار کرتی تھی خاص طور پر امی کے مقابلے میں وہ ابا سے زیادہ اٹیچڈ تھی۔

''لالہ مجھے بھی امی ابا بے حد یاد آتے ہیں اور نجانے کیوں پچھلے دو دن سے تو مجھے ابا کی بے پناہ یاد ستا رہی ہے۔'' بولتے بولتے زرتاشہ کی آواز رندھ گئی بے ساختہ آنکھوں میں آنسو امڈ آئے لالہ رخ زرتاشہ کے لہجے کے بھیگے پن کو محسوس کر کے چپ سی ہوگئی تصور میں ابا کا نحیف چہرہ اس کے سامنے آ گیا پچھلے کچھ دنوں سے ان کی طبیعت کافی ناساز تھی اور کل رات تو وہ ایک پل کے لیے بھی سو نہیں سکے تھے کافی بے چینی محسوس کر رہے تھے جبکہ امی اور لالہ رخ نے پوری رات ان کے پاس بیٹھ کر آنکھوں میں کاٹی تھی لالہ رخ چاہتے ہوئے بھی زرتاشہ کو ابا کی طبیعت کی بابت بتا نہیں پائی تھی ورنہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں چلی آتی۔

''اچھا لالہ میری ذرا ابا سے بات کراؤ۔'' زرتاشہ یک دم تیزی سے بولی تو لالہ رخ بے اختیار بری طرح پزل سی ہوگئی۔

''آ...... اچھا ابا سے بات کراؤں۔'' وہ قدرے اٹک کر بولی۔

''ہاں بھئی ابا سے بات کراؤ نا۔'' زرتاشہ تھوڑا جھنجلا کر بولی جبکہ لالہ رخ نے پریشان نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھی مہرو کو دیکھا جو اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اس پر سر رکھ کر سونے کا اشارہ دے رہی تھی۔

''ہاں...... میں تمہاری بات تو کرا دیتی مگر اس وقت وہ سو رہے ہیں۔'' لالہ رخ تھوک نگلتے ہوئے اپنے لہجے کو سرسری سا بناتے ہوئے بولی تو دوسری جانب زرتاشہ متعجب سی ہوگئی۔

''سو رہے ہیں ابا...... مگر اس وقت تو ان کے اٹھنے کا وقت ہوتا ہے بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ انہیں دن کا سب سے اچھا وقت یہی لگتا ہے۔'' زرتاشہ حیرت زدہ لہجے میں بولی تو لالہ رخ جان بوجھ کر اپنے لہجے میں کو ناگوار بناتے ہوئے بولی۔

''افوہ تاشو تم تو تفتیشی افسر کی طرح سوال پر سوال کیے جا رہی ہو بھئی اخبار پڑھتے پڑھتے انہیں تھوڑی سی اونگھ آ گئی ہے تم بھی نا......!''

''لالہ سچ سچ بتاؤ ابا واقعی ٹھیک ہیں نا تم مجھ سے جھوٹ تو نہیں بول رہیں۔'' زرتاشہ کی سنجیدہ سی آواز لالہ رخ کے کان میں پڑی تو وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

''تاشو کیا ہو گیا ہے کیوں اتنا وہمی ہو رہی ہو، میری جان سب ٹھیک ہے ابا جیسے ہی اٹھیں گے میں تمہاری بات کرا دوں گی اوکے۔'' لالہ رخ انتہائی نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی تو اس بار زرتاشہ مطمئن سی ہوگئی۔

''اور امی اس وقت کھانا پکا رہی ہوں گی نا۔'' زرتاشہ خود ہی بولی تو لالہ رخ ہنس دی۔

''بالکل ٹھیک جواب امی کچن میں ہیں اچھا تم بتاؤ پڑھائی کیسی چل رہی ہے تم بتا رہی تھی نا کہ تمہارے سمسٹر ہونے والے ہیں۔''

''ہاں لالہ اگلے مہینے سے ہمارے سمسٹرز اسٹارٹ ہو جائیں گے تم بس دعا کرنا اور امی ابا سے بھی کہنا کہ میرے لیے ڈھیر ساری دعائیں کریں۔'' لالہ رخ کے استفسار پر زرتاشہ قدرے متفکر ہو کر بولی۔

''ہم سب تمہارے لیے بہت ساری دعائیں کرتے ہیں بس تم اپنا دھیان پڑھائی پر لگاؤ اور خوب محنت کرو۔'' لالہ رخ بڑی بہنوں والے انداز میں مشفقانہ لہجے میں بولی تو وہ محض ''ہوں'' کہہ کر رہ گئی پھر ایک دو اور باتیں کر کے لالہ رخ نے فون بند کر دیا تو مہرینہ نے تیزی سے استفسار کیا۔

''اسے کہیں شک تو نہیں ہو گیا تھا۔'' لالہ رخ اسے دیکھتے ہوئے کسی سوچ میں غلطاں ہو کر قدرے توقف کے بعد بولی۔

علیشبہ نور

السلام علیکم! آداب عرض ہے بندی ناچیز کو علیشبہ نور کہتے ہیں پیار کے تو بہت سے نام ہے جیسے پتو کہتے ہیں۔ میں 16 ستمبر 2004 کو گرمیوں کی بہار بن کر اس دنیا میں آئی۔ ارے آپ کو لگا نہ ہوا کا جھونکا' خوبیوں اور خامیوں کی بات آئے تو خامیاں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہیں مطلب کے گھر میں کسی کی نہیں سنتی۔ ہر بات کو کیڑے نکالتی ہوں' ہر وقت چھوٹے' بڑے بچوں کو مارتی رہتی ہوں' فیورٹ کلر پنک اور فیورٹ کھانا بریانی' فیورٹ ایکٹر یاسر نواز' فیورٹ ایکٹرس مہوش حیات' فریال محمود اور میری بہت سی دوستیں ہیں۔ اقراء' لائبہ' زینب' عائشہ' لاریب' کزن ہیں' اوکے اللہ حافظ۔

''میرے خیال میں شک تو نہیں ہوا تھا البتہ اس بات پر حیران ہو رہی تھی کہ ابا اس وقت کیسے سو گئے وہ کہہ رہی تھی کہ کچھ دنوں سے اسے ابا بے حد یاد آ رہے ہیں۔'' مہرینہ یہ سب سن کر اداس سی ہوگئی پھر دھیرے سے بولی۔

''ہوں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اور پھر زرتاشہ تو ماموں سے بے حد پیار کرتی ہے۔ ان کی یہاں طبیعت خراب ہے اور وہاں بنا کچھ جانے زرتاشہ ان کے لیے بے چین ہو رہی ہے۔''

''مگر مہرو میں اسے کچھ بتا نہیں سکتی تھی وہ کہہ رہی تھی کہ اگلے ماہ سے اس کے امتحان شروع ہو جائیں گے اور مجھے معلوم ہے ابا کی طبیعت کا سن کر وہ بے حد گھبرا جائے گی اور یہاں آ دھمکے گی۔'' لالہ رخ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے مضمحل انداز میں بولی تو مہرینہ نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو، ماموں ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے لالہ تم بھی اتنا پریشان مت ہو۔''

''مگر مہرو ابا کو دواؤں سے بالکل افاقہ نہیں ہو رہا کاش میں ابا کو شہر کے کسی بڑے اسپتال میں لے جا سکتی ان کا علاج کرا سکتی۔'' اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''تمہارے بس میں جتنا ہے لالہ تم اتنا ہی کر رہی ہو اس سے زیادہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔'' وہ لالہ رخ کی بات پر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینے والے انداز میں بولی تو یک دم کسی خیال کے تحت لالہ رخ کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

''کیوں اختیار نہیں ہے مجھے مہرو انسان کے بس میں سب کچھ ہوتا ہے وہ چاہے تو سب کچھ کرنے کی ٹھان سکتا ہے اور پھر کر گزرتا ہے بس تھوڑی ہمت اور جرأت کی ضرورت ہوتی ہے۔'' لالہ رخ مضبوط لہجے میں بولی تو مہرینہ نے اسے کافی الجھ کر دیکھا۔

''کیا مطلب لالہ...... تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' اس نے رخ موڑ کر مہرینہ کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھا پھر ایک لمبا سانس کھینچ کر اطمینان بھرے لہجے میں بولی۔

''میں ابا کو کراچی لے کر جاؤں گی وہاں ان کا علاج کراؤں گی۔''

''کیا یہ تم کیا کہہ رہی ہو لالہ...... تم بھلا ماموں کو کراچی کیسے لے جا سکتی ہو لالہ تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ تم ایک لڑکی ہو جوان اور خوب صورت دوشیزہ۔''

''بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں ابا کو ہر صورت میں کراچی لے کر جاؤں گی۔'' لالہ رخ اٹل لہجے میں بولی تو بے اختیار اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

''یا اللہ اب یہ نئی مصیبت۔ لالہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تم جوان جہان وہ بھی تن تنہا بھلا کس طرح ماموں کو

لے کر کراچی جاؤ گی اور تمہیں معلوم بھی ہے وہاں اسپتالوں کے کتنے اخراجات ہوتے ہیں اور سرکاری اسپتال والے تو تم پر نظر بھی نہیں ڈالیں گے آخر تم یہ سب کرو گی کیسے۔" مہرینہ اسے حقیقت کا آئینہ دکھاتے ہوئے بولی تو لالہ رخ سرنفی میں تیزی سے ہلاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"بس میں کچھ نہیں جانتی میں ابا کو کراچی لے کر جاؤں گی۔"

"تمہارا نام میں نے بالکل صحیح رکھا ہے جھانسی کی رانی۔" مہرینہ اسے دیکھتے ہوئے انتہائی تپ کر بولی تو لالہ رخ زور سے ہنس دی۔

❁......❁......❁

زرینہ اور زرتاشہ مہوش کی گاڑی میں جو اس کا ڈرائیور ڈرائیو کر رہا تھا بڑے مزے سے ہائپر اسٹار پہنچی تھیں مہوش کے ساتھ اس کی دو اور سہیلیاں مسکان اور رمشا بھی تھیں یہ چاروں پیچھے بیٹھی تھیں جبکہ مہوش نے فرنٹ سیٹ سنبھالی تھی مسکان اور رمشا کا تعلق بھی پنجاب کے کسی گاؤں سے تھا لہٰذا وہ چاروں بڑی ایکسائیٹڈ ہو کر ہائپر اسٹار کی بلند و بالا اور پرشکوہ عمارت کو دیکھ رہی تھیں۔

"زری یہ تو بہت بڑی عمارت ہے میں نے تو اس سے پہلے اتنا بڑا شاپنگ سینٹر کبھی نہیں دیکھا۔"

"میں خود پہلی بار دیکھ رہی ہوں یار۔" زرینہ کی حالت بھی زرتاشہ جیسی تھی پھر وہ سب عمارت میں داخل ہو گئیں اور بڑے اشتیاق و خوشی سے وہ چاروں گھومنے لگیں اتوار ہونے کی وجہ سے اس وقت رش بہت زیادہ تھا۔

"دیکھو گائز سب ساتھ رہنا اور اگر ہم میں سے کوئی الگ ہو جائے تو اس شاپ کے باہر جو یہ اے ٹی ایم مشین ہے نا وہ یہاں آ کر کھڑا ہو جائے گا اور دوسروں کا ویٹ کرے گا او کے۔" مہوش ان چاروں لڑکیوں سے مخاطب ہو کر بولی تو زرتاشہ گھبرا کر بولی۔

"نہیں مہوش ہم سب ساتھ رہیں گے کسی کو بھی الگ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں بابا ہم سب ساتھ گھومیں گے میں یہ بات صرف اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اگر کوئی گروپ سے بچھڑ جائے تو اس پوائنٹ پر آ کر وہ باقیوں کا انتظار کرے۔"

"ٹھیک ہے مہوش ہم سمجھ گئے آؤ اس طرف چلتے ہیں۔" زرینہ مہوش کی بات کو سمجھتے ایک طرف اشارہ کر کے گویا ہوئی تو سب ہی لڑکیاں اس طرف آ گئیں نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی پرشکوہ روشن دکانیں بہت اٹریکٹیو لگ رہی تھیں لیڈیز ملبوسات کے بیش قیمت بوتیک کاسمیٹکس اور جیولری کی دکانیں انہیں بے حد اچھی لگ رہی تھیں وہ ساری لڑکیاں بڑی مسرور ہو کر ونڈو شاپنگ کر رہی تھیں کیونکہ چیزوں کی بے پناہ قیمت دیکھ اور سن کر انہوں نے کچھ بھی خریدنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا حالانکہ مہوش انہیں پہلے ہی بتا چکی تھی کہ وہاں قیمت بہت زیادہ ہے کیونکہ ہر طرح کے برینڈز وہاں موجود ہیں جہاں پر خریداری ایک عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے مگر قیمتیں اتنی زیادہ ہوں گی اس کا اندازہ ان چاروں لڑکیوں کو یہاں آ کر ہوا تھا لوگ مطمئن چہرے اور بڑی بے پروائی سے وہاں خریداری میں مصروف تھے خواتین قیمت دیکھے یا پوچھے بنا بس دھڑا دھڑ لان کے پرنٹس خرید رہی تھیں جنہیں زرتاشہ اور زرینہ کافی حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

"ہائے اللہ زری یہاں کے لوگوں کے پاس تو بہت پیسہ ہے دیکھو تو اتنے مہنگے جوڑے یہ عورتیں کتنے مزے سے خرید رہی ہیں۔" زرتاشہ زرینہ کے کان میں گھستے ہوئے بولی۔

"میرے خیال میں گائز اب کچھ کھاتے ہیں مجھے تو بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے۔" مہوش ان سب کو مخاطب کر کے بولی تو سب نے اس کی تائید کی پھر مہوش کی معیت میں فوڈ ایریا کی جانب بڑھ گئیں۔

"اف زری یہ مور کتنا خوب صورت ہے نا۔" ایک ڈیکوریشن پیس کی دکان کے ڈسپلے پر رکھے انواع و اقسام کے بے حد خوب صورت اور دلکش ڈیکوریشن پیسز میں سے ایک پر نگاہ ڈال کر زرتاشہ اچھل کر بولی تو زرینہ نے زرتاشہ کی آواز پر اسے دیکھا اور پھر اس کے اشارے پر اس ڈیکوریشن پیس پر نگاہ ڈالی مور واقعی بے حد حسین تھا جو کرسٹل کا بنا ہوا تھا جس میں سے ست رنگی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔

"واقعی بے حد خوب صورت ہے یہ تو۔" زرینہ بھی توصیفی انداز میں بولی۔

"آؤ زری ذرا اسے اندر سے جا کر دیکھتے ہیں۔" زرتاشہ فرط جوش میں گھر کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر آ گئی۔

"یہ تو بہت زیادہ خوب صورت لگ رہا ہے۔" ایک نسوانی چہکتی ہوئی آواز پر ڈیکوریشن پیس پیک کراتے ہوئے فراز کی توجہ اپنے عقب میں کھڑی لڑکیوں کی جانب مبذول ہوئی اس نے بے اختیار گھوم کر پیچھے بنے شوکیس کے پاس کھڑی لڑکیوں کو دیکھا۔

"تاشو یہ جیسا باہر سے لگ رہا تھا ویسا ہی اندر سے لگ رہا ہے تم بھی نا۔" ایک لڑکی اس کا مذاق اڑانے والے انداز میں بولی تو دوسری لڑکی کچھ خفیف سی ہوگئی فراز کو یک دم یوں لگا جیسے اس نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے۔

"کہاں دیکھا ہے میں نے اسے۔" وہ اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے خود سے بولا ڈارک عنابی رنگ کے سادے سے شلوار سوٹ میں آف وائٹ چادر جس پر ملٹی رنگ کی کڑھائی مزین تھی سر پر سلیقے سے اوڑھے وہ دلکش سی لڑکی بے حد معصوم اور کیوٹ سی لگی۔

"او مائی گاڈ زری ہم تو یہاں آ گئے چلو جلدی سے باہر چلو کہیں مہوش وغیرہ کھو نہ جائیں۔" وہ لڑکی کافی گھبرا کر بولی تو دونوں بڑی عجلت میں باہر کی جانب بھاگیں جبکہ فراز بھی سر جھٹک کر پیمنٹ کاؤنٹر کی جانب بڑھ گیا۔

ہر طرف گہما گہمی تھی لوگ خوش باش انداز میں یہاں وہاں گھوم رہے تھے جب کہ زرینہ اور زرتاشہ انتہائی متوحش نگاہوں سے اِدھر اُدھر بڑی بے قراری سے نظریں دوڑا رہی تھیں مہوش رمشا اور مسکان اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں دونوں کے ہاتھ پیر بری طرح پھول چکے تھے۔

"زری یہ...... یہ سب کہاں چلی گئیں اب ہم انہیں کہاں ڈھونڈیں گے۔" زرتاشہ تقریباً رو دینے کو تھی انتہائی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی اس سچویشن میں زرینہ بھی کافی پریشان ہو گئی تھی۔

"پتا نہیں یار مجھے تو ان تینوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔" وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے بولی تو یک دم زرتاشہ کے ذہن میں ایک خیال کوندا۔

"زری تم...... تم مہوش کے فون پر ٹرائی کرو اور پوچھو اس سے کہ یہ لوگ کہاں ہیں۔" زرتاشہ تیزی سے بولی جس پر زرینہ عجلت سے اپنا موبائل فون پرس میں سے نکال کر جلدی جلدی مہوش کا نمبر ملانے لگی مگر اگلے ہی لمحے زرینہ کے چہرے پر بے پناہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کیا ہوا زری......؟" زرتاشہ متوحش زدہ انداز میں بولی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

سفر اب جتنا باقی ہے

سعدیہ امل کاشف

آج میرے اندر کسی نے اپنے ہونے کا احساس جگایا ہے۔ اک ایسا احساس جو کہ بہت انوکھا' بہت نیا نیا سا ہے۔ ماں بننے کا احساس' ایک زندہ وجود کو اپنے ہاتھوں سے تخلیق کرنے کا احساس۔ آج مجھے میری سہیلی ڈاکٹر ثمینہ نے بتایا کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ کیسے بیان کروں اس لمحے کے وہ خوشگوار احساس کہ میں نے قدرت سے کیا پایا ہے۔ دنیا کا سب سے اچھا اور مقدس رشتہ اور اپنے قدموں میں جنت پالی ہے۔ میرے وجود کے اندر کوئی مسلسل سانس لے رہا ہے۔ مجھے میرے معتبر ہونے کا احساس دلا رہا ہے۔ ابھی سے اپنے ہر طرف مجھے امی کہنے کا شور سنائی دے رہا ہے۔ ننھے ننھے ہاتھ پاؤں اور چھوٹی چھوٹی جسامت ہر طرف دکھائی دینے لگ گئی ہے۔ میں کتنی خوش ہوں۔

آج جب رحمٰن اسلام آباد سے آئے تو میں نے ان کو اس خبر کے بارے میں بتایا لیکن خوش ہونے کے بجائے وہ مجھ پر غصہ ہوئے ان کے خیال میں مجھے ابھی چند سال اور انتظار کرنا پڑے گا ماں بننے کے لیے۔ وہ ایسا کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان کے پہلے سے دو بچے ہیں اور ایک اور شریک سفر بھی' لیکن میرا...... میرا اس دنیا میں کون ہے؟ میں کس کو اپنا کہہ سکتی ہوں۔ یہی جب میں نے انہیں سمجھانا چاہا تو وہ الٹا مجھ پر ناراض ہوئے' کہنے لگے کہ تم فیصلہ کرلو کہ ''تم کس کو رکھنا چاہتی ہو اپنے بچے کو یا پھر اپنے شوہر کو؟''

سوچتی ہوں مرد کتنا ظالم ہوتا ہے وہ تخلیق کے اس عمل سے گزر تو نہیں سکتا' لیکن وہ اپنی بیوی کے ساتھ اس عمل میں شراکت دار ہونا بھی پسند نہیں کرتا۔ ماں بننا جتنا ایک عورت کے لیے خوشگوار احساس ہوتا ہے اتنا ہی مرد کے لیے ناگوار۔

میں نے رحمٰن سے کہہ دیا کہ ''میں اپنے بچے کو زندگی دوں گی' اپنی کوکھ میں ہی اس کا قبرستان نہیں بناؤں گی۔ اسے خود بڑا کروں گی' خود پڑھاؤں گی۔'' آخر رحمٰن نے بچہ نہ چاہنے کی وجہ بھی تو یہی بتائی تھی کہ وہ اسے افورڈ نہیں کرسکتے۔ ایک ننھی سی جان بھلا کسی سے کیا مانگتی ہے اور جو مانگتی ہے' اس کا انتظام پروردگار خود کردیتا ہے۔ وہ پروردگار ماں کے جسم سے ہی بچے کی بھوک مٹانے کا پورا انتظام کردیتا ہے۔

یہ سنتے ہی رحمٰن چلا گیا۔ اب پتہ نہیں کب آئے گا اس کی تو اپنی ایک دنیا ہے' بیوی ہے' بچے ہیں' میں تو بس اس کا شوق تھی' پل بھر کا...... پورا ہوا اور ایک عالیشان فلیٹ کے سپرد کرگیا۔ تنہا کرگیا۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں اس بچے کو جنم دوں گی۔ اسے اس دنیا میں لاؤں گی۔

☆......☆☆......☆

آج اس نئے دوست کو اپنے وجود میں رکھے ساتواں ماہ بیت گیا۔ اس دوران رحمٰن آیا تھا' صرف دو بار' پہلی بار دیکھنے کہ میں نے اس کے حکم کو مانا ہے یا نہیں' اور دوسری بار علیحدگی کا فیصلہ سنانے' جیسے ہی میں نے اسے کہا کہ میں اپنے بچے کا قتل نہیں کرنا چاہتی تو اس نے کہا کہ وہ مزید میرے ساتھ گزارا نہیں کرسکتا۔ اور مجھ سے علیحدہ ہو رہا ہے' یہ بھی اس نے کہا کہ اس بچے کا اس پر کوئی حق نہیں ہوگا۔

ہاں رحمٰن اس بچے کا تم پر کوئی حق نہیں ہوگا۔ اس کی ماں کا نہ تھا تو اس کا کہاں سے ہوگا آج ہی صبح میں ثمینہ کے پاس چیک اپ کے لیے گئی' اس نے بتایا کہ سب کچھ نارمل جارہا ہے۔

میں ایک اسکول میں پڑھانے بھی لگ گئی ہوں۔ جس

گورنمنٹ اسکول میں' میں پڑھتی تھی' وہاں کی پرنسپل نے اپنا پرائیویٹ اسکول کھولا ہے' اور اپنی پسندیدہ شاگرد یعنی مجھے ٹیچر رکھ لیا ہے۔ مجھے علم ہے کہ میرا بچہ مجھے مادی چیزوں کے لیے پریشان نہیں کرے گا' وہ بہت اونچا ہوگا' ان مادی چیزوں سے' اس مشکل دور میں اگر کوئی میری ہمت بڑھانے کو ہے تو وہ صرف اور صرف ثمینہ ہے۔ واحد اپنی اور گہری دوست۔ ماں باپ تو بچپن میں بچھڑے۔ بھائی بہن کوئی تھا نہیں۔ رحمٰن نے بھی بیچ راستے میں ساتھ چھوڑ دیا۔ ہاں بہت جلد اس دنیا میں میرا واحد ساتھی آئے گا' ان شاءاللہ!

☆......☆☆......☆

آج میری زندگی کا سب سے خوبصورت دن تھا۔ آج میں ماں بن گئی۔ ایک چاند سے بیٹے کی ماں بن گئی۔ ڈلیوری کیس بہت مشکل تھا لیکن اللہ کی مہربانی سے سب کچھ ہوگیا۔ اور جب ثمینہ نے مجھے میرا بیٹا گود میں دیا تو میں اپنی آنکھوں پہ قابو نہیں کرپائی۔

کچھ ایسا لگا کہ جیسے خدا نے پوری کائنات میری جھولی میں ڈال دی ہو۔ ایک ایک نعمت' ایک ایک احسان میرے دامن میں گرادیا ہو۔

زمان ومکان کی خوشی اور کبھی نہ پانے والی فتح کا احساس ہو رہا تھا مجھے۔ میرے چہرے پہ جو سائے تھے وہ اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ بہت سارا فخر' بہت ساری حیرانی بہت ساری خوشی' اور بہت سارے آنسو میں نے اپنی گود میں وہ چیز تھامی تھی کہ جس کی پیاری سی آنکھیں' ننھے سے نقش' چھوٹے سے ہاتھ میں نے خود تشکیل دیے تھے۔ اپنی شریانوں میں بہنے والے خون سے اسے بنایا تھا۔ میرے بیٹے کے نقش کتنے اچھے ہیں۔ کیا رحمٰن کی طرح......؟ نہیں' میرا بیٹا صرف میرا ہے' اس میں رحمٰن

کہیں نہیں ڈھونڈوں گی۔ اس کی آنکھیں اس کے خال وخد میرے ہیں صرف میرے۔

ثمینہ کہتی ہے کہ اس کا نام امن رکھو۔ کیونکہ اسے یہ نام پسند ہے۔ ویسے یہ نام واقعی خوبصورت ہے۔ سادگی اور محبت سے بھرپور۔ خاموشی اور سکون کا پیامبر۔ امن جس کی پوری دنیا کو ضرورت ہے۔ ہر انسان کو ضرورت ہے امن ایک صحت مند اور پیارا بچہ ہے۔ لیکن کتنا تنہا ہے نا اس دنیا میں اس کے پاس رشتوں کے نام پر صرف ایک ماں ہے۔ اور وہ بھی اتنی کمزور...... اس ننھے سے وجود کے پاس نہ دادی کی گود ہے نہ دادا کی شفقت نہ باپ کا پیار ہے اور نہ نانا نانی کی محبت آخر اس کی قسمت اتنی تنہا کیوں ہے؟ لیکن میں اسے یہ احساس کبھی بھی نہیں ہونے دوں گی۔ میں امن کی ماں بھی بنوں گی ممتا کی ہر طرح کی خوشی عطا کروں گی۔ میں امن کا پاپا بھی بنوں گی جو اس کی زندگی کی ہر خوشی کو اس کے ہونٹوں تک آنے سے پہلے پورا کردے۔ میں امن کی دوست بھی بنوں گی جو اسے ڈھیر سارا پیار دے اور نئی زندگی کو اس پر آسان کردے۔ میرا وجود بیک وقت امن کے لیے کل کائنات ہوگا۔ جس طرح خدا کا وجود انسان کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔ دوست عزیز اپنا ہمراز ہمدم اسی طرح امن کی ماں امن کے لیے سب کچھ ہوں گی۔

آج لمبی میٹرنٹی لیو کے بعد میں نے دوبارہ اسکول جوائن کرلیا۔ امن کو بھی ساتھ ہی لے کر گئی تھی اب اس ننھی سی جان کو کس کے سہارے چھوڑ آتی۔ اسے اسکول کے اسٹاف روم میں اپنی کولیگ آصفہ کے پاس چھوڑ کے پیریڈ لینے گئی لیکن بہت مشکل ہوئی بار بار امن روتا اور مجھے اسے اٹھانا ہی پڑتا۔ آخر کار مجبور ہو کر میں نے اسے دودھ پلایا اور اسے سلا کے پھر کلاس روم میں آئی۔

میڈم کہہ رہی تھیں کہ دانیہ کچھ دن اور چھٹی کرلو۔ لیکن یہ میرے لیے ممکن نہ تھا۔ مجھے چھٹیاں کرنے کی وجہ سے پورا ڈیڑھ ماہ تنخواہ نہ ملی اگر اور چھٹیاں کیں تو امن کی چھوٹی موٹی ضروریات کس طرح پوری کرپاؤں گی۔ آخر کو یہ کچھ خوشیاں تو مانگے گا ناں مجھ سے۔ یہ جاب کوئی گورنمنٹ جاب تو ہے نہیں کہ چھٹیاں کرنے کے باوجود بھی سیلری ملے۔

کل مجھے رحمٰن کی طرف سے ایک نوٹس ملا۔ طلاق کا مجھے کوئی خاص حیرت نہ ہوئی۔ یہ تو ہونا ہی تھا اور پھر اس طرح کے بے بنیاد رشتوں کی اور کوئی راہ فرار نہیں ہوتی سوائے ٹوٹنے کے۔ رحمٰن کو میرے اور امن کے وجود سے جان چھڑانے کے لیے صرف تین الفاظ ہی تو درکار ہیں۔ جیسے کہ امن کے ہونے میں اس کا کوئی کردار تھا ہی نہیں جیسے کہ اس نے کبھی یہ رشتہ باندھا تھا ہی نہیں۔

☆......☆☆......☆

امن چار ماہ کا ہوگیا ہے۔ اب اس کی ضرورت صرف میرا دودھ ہی نہیں ہلکی پھلکی غذا بھی ہے۔ آج بازار سے اس کے لیے فیرکس کا ڈبا اور دلیہ وغیرہ لے آئی اور دو سوٹ بھی۔ اب اس کی کوئی دادی نانی تو ہے نہیں جو اس کی بڑھتی عمر کے مطابق کپڑے بنا کے بھیجے۔ مجھے پورا دن فرصت نہیں ہوتی اسکول سے آنے کے بعد بچوں کی کاپیوں کے ڈھیر پہ سائن کرنے ہوتے ہیں آج کل ایک کرائے کے مکان کی تلاش بھی ہے۔ ویسے تو یہ فلیٹ رحمٰن نے میرے نام لکھوایا تھا لیکن مجھے اس کے کسی احسان کی ضرورت نہیں۔ کہیں امن کل بڑا ہو اور یہ نہ کہہ دے کہ "امی پاپا تو اتنے اچھے تھے انہوں نے ہمیں یہ فلیٹ دیا۔ خرچہ دیا آپ نے پاپا کو کیوں چھوڑا امی؟"

اس کے اس طرح کے کسی سوال کا جواب میں نہیں دے پاؤں گی۔ اس لیے میں قبل از وقت تمام تیاری کرلوں۔ ثمینہ کے گھر کے پاس ہی ایک دو کمروں کا مکان خالی ہے لیکن اس کا کرایہ کچھ زیادہ ہے لیکن کچھ نہ کچھ کرنا تو پڑے گا ناں۔

رحمٰن کا کاغذی رشتہ پوری طرح ٹوٹ چکا ہے۔ سنا ہے وہ اپنی فیملی کو لے کر لندن سیٹل ہو رہا ہے۔ اور اپنا بزنس بھی وہیں شفٹ کر رہا ہے۔ ہاں شاید وہ اس ملک سے بھی ناتا توڑنا چاہتا ہے جہاں امن ہو جو کہ کہیں کل میرے بہکاوے میں آکے اسے بلیک میل نہ کرے۔

ثمینہ کہتی ہے کہ "دانیہ! تمہیں شادی کرلینی چاہیے۔ اپنے لیے نہیں تو امن کے تحفظ کے لیے۔ دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ایک مرد کے نام کی بیساکھی بہت ضروری ہوتی ہے۔" لیکن نہیں میں ایسا نہیں کروں گی۔ مجھے امن کا اور امن کو میرا نام ہی کافی ہے۔ ہم دونوں کو اب کسی بھی تاریک رستے میں گھبرانے کی ضرورت نہیں...... میں بھی شادی نہیں کروں گی امن کو کوئی جھوٹا کچا رشتہ نہیں دوں گی۔ میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ امن احساسِ کمتری کا شکار ہو۔ میں اس کی ماں اور اس کا باپ بھی ہوں۔

☆......☆☆......☆

امن کے دودھ کے دانت آنا شروع ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے اس کا پیٹ بھی خراب تھا اب بخار بھی ہوگیا تھا۔ میں تو بہت پریشان ہوگئی تھی۔ آخر کو اولاد جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے۔ بچوں کے ڈاکٹر حفیظ خان کے پاس گئی تھی۔ وہ مسکرا کے بولا آپ ایک ٹیپکل ماں ہو بچہ بیمار ہوا نہیں کہ رونا شروع کردیا۔ اس کے کہنے کے مطابق دانت آنے کی اسٹیج پہ ایسا ہوتا ہے۔ بخار ہوتا ہے موشن لگ جاتے ہیں پیٹ میں درد اٹھتا ہے بچہ بہت چڑچڑا ہو جاتا ہے تو اس میں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

آج کل یہ شیطان کوئی بھی سخت چیز منہ میں ڈال لیتا ہے۔ کبھی میری کا پیاں اٹھا کے کھانے لگتا ہے کبھی فیرکس والا چمچ چبانے لگتا ہے اور کبھی میرا ہاتھ۔

ہم نئے گھر میں شفٹ ہوگئے ہیں۔ ثمینہ کے بالکل قریب میں نے دوسری جاب بھی ڈھونڈنی شروع کردی ہے۔ امن کو آج صبح ثمینہ کے گھر چھوڑ کے گئی تھی میں کسی گورنمنٹ جاب کی تلاش میں ہوں۔

پہلی بار امن کو اکیلا چھوڑا اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی میں دو گھنٹے باہر رہی لیکن بہت پریشان رہی۔ سارا دھیان امن کی طرف اٹکا تھا۔ آخر اس ننھی سی جان نے اتنا کیوں جکڑ کے رکھا ہوا ہے صبح شام دن رات اس کے وجود کے بغیر اتنے اکیلے اتنے خالی اتنے بے مقصد کیوں لگتے ہیں۔

امن کے بارے میں میں اتنی حساس کیوں ہوں کل رات میں ایک پل بھی سو نہیں پائی۔ میں اس کو مٹی کا گڈا کیوں سمجھتی ہوں۔ کہ میری ذرا سی آنکھ لگے اور وہ گڈا ٹوٹ جائے یقیناً مجھے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

ایک ماں بچے کی آقا کہلاتی ہے لیکن اصل میں بچہ اس کا آقا ہوتا ہے۔ ماں کی سانسیں اور روح بچے ہی کے تابع ہوتے ہیں۔ ماؤں کی اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ جو ہوتا ہے بچے ہی کا ہوتا ہے۔

میں نے لڑکیوں کے گورنمنٹ سیکنڈری اسکول میں بحیثیت ایک سائنس ٹیچر کے پڑھانا شروع کردیا ہے اس اسکول کا ماحول بہت اچھا ہے اور تنخواہ پچھلے اسکول سے دگنی۔ یہاں چند ہی ہفتوں میں میری اچھی جان پہچان ہوگئی۔ بڑی کلاسوں کو پڑھانا ہوتا تو کام کچھ زیادہ نہیں ہوتا لیکن پڑھنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے آخر پڑھانے کے لیے پڑھنا تو ضروری ہوتا ہے ناں۔

امن کو آج کل میں ثمینہ کے گھر چھوڑ آتی ہوں وہ ثمینہ کے بیٹے دانش کے ساتھ کھیلتا رہتا اور دانش کی آیا امن کا بھی خیال رکھتی آج کل امن نے پاؤں پاؤں چلنا شروع کردیا ہے لیکن ابھی میرا ہاتھ چھوڑتا تو گر پڑتا گھر کے چھوٹے سے باغ میں میری انگلی پکڑے بہت دیر قدم اٹھانے کی کوشش کرتا اور رات کو تو مجھے سونے ہی نہیں دیتا۔ بار بار اسے بھوک لگ جاتی اور مجھے بار بار اسے فیڈر بنا کے دینا پڑتا تھا۔

صبح مجھے اسکول آنے بھی نہیں دیتا رونے لگتا اور ایسے میں میری جان چلی جاتی ہے۔ اب اس نے بولنے کی بھی کوشش شروع کردی ہے۔ کل ہی تو اس نے ماما...... کہنے کی کوشش کی تھی گیلے گیلے ہونٹوں سے کئی بار مم مما نکلا تھا۔ اور میں کتنی سرشار ہوئی تھی۔ اس کی یہ بات سن کر۔

دو دن پہلے ہی ثمینہ دانش کے لیے واکر لائی۔ دانش یوں تو امن سے بڑا تھا لیکن ابھی چلنا نہیں سیکھا۔ وہ واکر بہت ہی خوبصورت تھا لیکن دو ہزار کا آیا۔ امن اسے دیکھ کر اس پہ چڑھنے کی ضد کرنے لگا اور دانش اسے بیٹھنے

نہیں دے رہا تھا۔ مجھے امن کے لیے ویسا ہی واکر خریدنا ہے انشاء اللہ اگلی تنخواہ کے آنے تک۔ اور اس کے نئے جوتے بھی۔

جوتوں سے یاد آیا میری سینڈلز بھی پرانی ہوگئی ہیں' اسکول میں اکثر جوتوں کی سلائیاں چھپاتی ہوں کہ کہیں کوئی مذاق نہ اڑائے لیکن میری ضروریات امن سے زیادہ اہم تو نہیں ناں۔

امن کے لیے واکر میں نے خرید لیا تھا اور شوز بھی۔ اپنے لیے بھی ایک جوتا خرید لیا تھا سیل کی دکان سے۔ امن اب ماشاء اللہ سے چلنے لگ گیا تھا۔ واکر میں بیٹھتے ہی وہ خود کو ہیرو سا محسوس کرتا' اور باغ میں کبھی ادھر کبھی ادھر بھاگتا پھرتا۔ دانش کو بلاتا بھی تھا۔ میں اور ثمینہ دونوں کی معصوم لڑائی دیکھ کر ہنستے رہتے تھے۔

آج میں نے امن کی فیڈر والی کٹوری اور چمچ ٹرنک میں سنبھال کے رکھ دیا۔ اور اس کے پرانے جوتوں کا پیئر اور پیدائش والے کپڑے بھی' پرانے جوتوں اور کپڑوں کی جگہ نئے جوتوں اور کپڑوں نے لے لی ہے اور کٹوری کی جگہ وہ اب عام کھانا کھا لیتا' صبح کو کیلا کھا جاتا' دوپہر کو ڈبل روٹی یا پھر کبھی سیب بھی چباتا رہتا تھا۔

آج ہی ثمینہ نے دو کتابیں دیں۔ بیڈ ٹائم اسٹوریز کی۔ اس کے کہنے کے مطابق اسی عمر سے مجھے امن کو کہانیاں سنانی شروع کر دینی چاہیں تاکہ آگے چل کر اسے کتابوں کا شوق ہو لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں روایتی ماؤں کی طرح امن کو جنوں بھوتوں' پریوں کی کہانیاں نہیں سناؤں گی' میں نہیں چاہوں گی کہ امن کچھ بڑا ہو تو کمرے میں اکیلے نہ سو پائے' جن کے ڈر سے یا پھر اکیلے اسکول نہ جا پائے' میں اسے ایک بہادر بچہ بنانا چاہتی تھی' جس کے دماغ میں وہم اور فسانے نہ ہوں' جس کے دل میں خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو' میں اسے کہانیاں سناؤں گی لیکن قرآن پاک کی' نبیوں کی اولیا کی' نیک لوگوں کی' بہادر فوجیوں کی' جس سے میرے بیٹے کا دل مضبوط ہو اور وہ ایک مکمل انسان بنے۔

اسکول میں ریاضی کے ٹیچر سر ایاز سے میری جان پہچان ہوگئی تھی۔ اچھا انسان ہے' باتیں بھی اچھی کر لیتا ہے' اسے جب میں نے بتایا کہ میں ایک بچے کی ماں ہوں تو اسے یقین ہی نہ آیا' کہتا تھا آپ کو دیکھ کے تو نہیں لگتا آج امن نے اپنی زبان سے بابا بھی بولا' اور مجھے حیرت ہوئی کہ اس طرح کا کوئی شخص ہمارے گھر میں نہیں' پھر امن کو کیوں ضرورت محسوس ہوئی اس کی' آج میں نماز کے وقت بہت روئی' بہت روئی' اور امن میری گود میں بیٹھا مجھے چپ کراتا رہا۔

☆......☆☆......☆

امن کا پچھلا جنم دن تو میں منا نہیں پائی کہ اس وقت بہت ڈپریس تھی میں' اپنے طلاق کو لے کر لیکن کل جب ہم دانش کی سالگرہ پر گئے تو گھر آ کر امن نے پلیٹ اٹھائی' اس کے اوپر ڈبل روٹی رکھی اور چھری سے اسے کاٹنے لگا اور ساتھ ہی کہنے لگا۔ "پاٹے......یویو......پاٹے یویو......" یعنی "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" میں پہلے تو دل کھول کے ہنسی اور پھر اچانک ہی رو پڑی۔ بہت روئی' اور امن کو اٹھا کے بہت پیار کیا۔ اس کی اس معصوم خواہش اور بھولی سی حرکت کو میں نے سمجھ لیا' اسی لیے اس سال ۱۲ ستمبر کو اس کا جنم دن مناؤں گی' دو ماہ بعد وہ دو سال مکمل کرلے گا۔ کتنی جلدی یہ دو سال گزر گئے' پتہ نہیں کب امن بڑا ہوگا اور اپنی ماں کو خوشی دے گا۔

آج ایاز سے اپنی کالج لائف ڈسکس کی۔ ایاز سے میری اچھی دوستی ہوگئی ہے۔ بہت دلچسپ شخص ہے۔ بوریت محسوس نہیں ہونے دیتا' اسکول میں اچھا وقت گزر جاتا تھا۔ اب تو امن کو بھی ساتھ لے جانے لگی تھی' پتہ نہیں کیوں میں نے محسوس کیا تھا کہ امن دانش اور اس کی آیا کے ساتھ رہ کے چڑچڑا ہوگیا ہے۔ میں گھر آتی تو روتا رہتا۔ بہت تنگ کرتا' کچھ کھائے بغیر سو جاتا' رات کو اٹھ کر روتا' شاید یہ اس لیے بھی تھا کہ میں اس سے دور رہتی تھی' مجھے اپنی ایک طویل غلطی کا احساس ہوگیا اور میں اسے

اسکول ساتھ لے جانے لگی۔ بڑا ہوگیا ہے تو زیادہ تنگ نہیں کرتا' فارغ وقت میں ایاز کے ساتھ بھی رہتا تھا اور اسکول کے کینٹین بوائے کے ساتھ بھی بیٹھتا۔ میں بہت اطمینان سے کلاسیں لیتی تھی۔

آج کل پتہ نہیں کیوں مجھے کسی ساتھی کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ ثمینہ کہتی ہے کہ تمہاری جگہ اگر کوئی دوسری عورت ہوتی تو کب کی مر چکی ہوتی۔ میں بے شک اپنے خوابوں کی ناکامیوں' محرومیوں اور جیون بھر کے درد پہ آنسو بہاتی رہی ہوں لیکن پھر بھی موت پر ہمیشہ میں نے زندگی کو ترجیح دی...... آج بھی کوئی مجھ سے پیدا ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں رائے معلوم کرے گا تو میری ترجیح یقیناً پیدا ہونا ہوگی۔ زندگی کو دیکھنا ہوگی' میری نس نس حیات کو ترجیح دے گی۔

لیکن میں یہ کبھی نہیں چاہتی کہ کل کو امن مجھ سے یہ سوال کرے کہ

"ماں' تم نے مجھے دنیا میں آنے کا اذن کیوں بخشا......؟

صرف بھوک اور درد برداشت کرنے کے لیے......؟

دھوکے اور تذلیل سہنے کے لیے......؟

فقط بیماریوں میں مرتے اور جنگوں میں قتل ہونے کے لیے......؟

اس لیے میں امن کو ایک بھرپور زندگی دینا چاہتی ہوں' تکلیفوں اور محرومیوں سے خالی' بھوک اور درد سے مبرا' کرب اور اضطراب سے دور' خدا کرے میں اپنے ان ارادوں کو عملی شکل دے پاؤں۔ (آمین)

☆......☆☆......☆

امن اب ہر طرف دوڑتا پھرتا ہے۔ صبح صبح اوس سے بھیگے باغ میں ننگے پاؤں جاتا' اور وہی گندے پاؤں گھر کے بستروں پہ لگاتا' میں کل چاول بنا رہی تھی تو مٹھیاں بھر بھر کے ہر طرف بکھرا رہا تھا۔ ادھر ادھر جا کر کبھی بجلی کے بٹن تو کبھی گھر کے گلدستوں کو چھیڑتا اور میں عاجز آجاتی تھی' اب اس ننھے سے شیطان کو ڈانٹ بھی تو نہیں سکتی ناں۔

کبھی میرے استری شدہ کپڑوں پہ میرا ہی جائے نماز اٹھا کے ڈھیر لگا دیتا ہے تو کبھی میری لپ اسٹک اور نیل پالش اٹھا کے گھر کے شیشے گندے کرتا ہے۔ اب وہ بہت سی باتیں صاف صاف کہہ لیتا تھا۔ جیسے کہ ماما' پانی پینا ہے۔" یا پھر "پھول چاہئیں۔" پگلا میں جب اسکول میں لیکچر دیتی ہوں تو وہ بھی انگلیاں اٹھا اٹھا کے میری نقل کرتا ہے اور سبھی لڑکیاں کھلکھلا کے ہنستی ہیں'

اصلی بات تو لکھنا ہی بھول گئی آج امن کا برتھ ڈے تھا' گھر کے لان میں ہی ٹیبل اور کرسیاں رکھی تھیں۔ چند مہمان آئے تھے' ثمینہ اور اس کا شوہر سلمان' ایاز اور چند دوسری کولیگز' اور پچھلے اسکول والی میڈم' تین پاؤنڈ کا کیک بنوایا تھا ایاز نے' جسے امن نے بڑے پیار سے کاٹا اور خود ہی تالیاں بجا کے پاٹے یویو کرنے لگا۔ ڈھیر ساری تصویریں بھی ثمینہ نے کھینچیں۔

کتنے سارے تحفے ملے امن کو' ایاز نے ایک سائیکل دی تین پہیوں والی' میری کولیگ آمنہ نے اسے چینٹ شرٹ اور بال دی' آصفہ نے بھی ایک چابی والی ٹرین گفٹ کی' میڈم نے بڑا سا بھالو دیا اور ثمینہ نے بہت ساری چیزیں' جوتے' کپڑے' کھلونے' پستول وغیرہ' دانش نے اسے علیحدہ تحفہ دیا' اے بی سی والے بلاکس۔

امن بہت خوش تھا آج' اتنی ساری چیزیں پا کر۔ رات کو دیر تک کھیلتا رہا ان سے۔ ٹرین چلاتا رہا' پستول سے ٹھشم ٹھشم کرتا رہا' نئے کپڑے اور جوتے پہنے بغیر سویا نہیں' اور صبح ہوتے ہی سائیکل پہ چڑھ بیٹھا۔ اس لمحے اس بھولے معصوم کو احساس ہی نہیں ہوا کہ اس کی ماما نے اسے کچھ دیا ہے کہ نہیں۔

اصل میں کیک پہ کافی پیسے لگے' تصویروں پہ بھی اور پھر آج کل ہمارے گھر میں عرصے بعد کھانا بھی پکنے لگ گیا ہے۔ اب امن کھانا کھانے جو لگ گیا ہے' گوشت کی پھیکی بوٹیاں اور آلو کو اسٹک میں ڈال کے لالی پوپ کی طرح کھاتا ہے۔ آج کل مجھے زیادہ تنگ نہیں کرتا۔ بس

رات کو کروٹ بدلنے نہیں دیتا۔ میں اسے اپنے بازو سے ہٹاتی ہوں تو رونے لگتا ہے۔ اور اس طرح میری پوری رات ایک ہی کروٹ میں گزر جاتی ہے۔ ہاں آج کل ایک بہت اچھی تبدیلی آئی ہے اس میں۔ باتھ روم جانا ہو تو پہلے بتاتا ہے اور پھر خود ہی چلا جاتا ہے۔ اس کا یہ انداز مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔

☆......☆☆......☆

ستاروں کی طرح سے جگمگاتی ہیں
شرارت سے بھری آنکھیں!
میرے گھر میں اجالا بھر گیا ہے
تیری ہنسی کا
یہ ننھے ہاتھ جو گھر کی کوئی شے
اب کسی ترتیب میں رہنے نہیں دیتے
کوئی سامان آرائش نہیں اپنی جگہ پر اب
کوئی کیاری سلامت ہے
نہ کوئی پھول باقی ہے
یہ مٹی میں سنے پاؤں
جو میری خواب گاہ کی دودھیا چادر کا ایسا حال کرتے ہیں
کہ کچھ لمحے گزرنے پر ہی پہچانی نہیں جاتی
مگر میری جبیں پر بل نہیں آتا

امن کا گھر میں اچھلنا کودنا' میرے لیے کتنے پرسکون' احساس لے کر آتا ہے ناں وہ تو اب دانش سے لڑائی بھی باقاعدہ بول کے کرتا' "گندہ دانش...... اچھا امن" میں اور ثمینہ دیر تک ہنستے رہتے۔

میری سیلری ایک ہزار بڑھی تھی اور میں گھر میں آج ایک چھوٹا سا سنگل بیڈ لے آئی' سوچتی ہوں اب امن کو علیحدہ بستر پہ سلانے کی عادت ڈال دوں' فی الحال تو شاعرہ کی یہ نظم پڑھنے میں محو ہوں اور یہ واقعی مجھے سچ لگ رہی ہے۔

کبھی آنا عقب سے اور
میری آنکھوں پہ دونوں ہاتھ رکھ کر
پوچھنا تیرا
بھلا میں کون ہوں؟
بوجھیں تو جانوں!
میں تجھ سے کیا کہوں
تو کون ہے میرا
مرے نٹ کھٹ کنہیا!
مجھے تو علم ہے جاناں
کہ یہ بے نظم اور ناصاف گھر
میری توازن گر طبیعت پر
گراں بنتے نہیں پاتا
اگر تو میرے آنگن میں نہ ہوتا
تو میرے خانۂ آئینہ ساماں میں
بہ اس ترتیب آرائش
اندھیرا ہی رہا کرتا

☆......☆☆......☆

آج امن کی چند اور چیزیں میں نے ٹرنک میں سنبھال کے رکھ لیں۔ اس کا واکر جو کہ اسے چلنے میں خاصا معاون ثابت ہوا تھا۔ اس کا پچھلے سال والا سوئیٹر جو کہ اس سال اسے چھوٹا ہو گیا۔ اس کے موزے اور ہاں اس کا فیڈر بھی...... اب وہ گلاس میں دودھ پینے لگ گیا ہے۔

اب کافی جملے ٹھیک ٹھیک بول لیتا ہے۔ جیسے کل رات کہہ رہا تھا۔

"ماما بہت ٹھنڈ ہے۔ مجھے چھپائیں۔" ماشاء اللہ چند ہی ماہ بعد تین سال مکمل کرلے گا۔ ثمینہ کہتی ہے کہ اسے دانش کے ساتھ اسکول میں داخل کراؤ' ویسے بھی آج کل ایسا دور آیا ہے جہاں بچہ پیدائش کے فوراً بعد ہی اسکول بھیجا جاتا ہے اور مائیں اپنے ہر فرض سے سبکدوش ہو کر ٹیچرز کو ماں بنا دیتی ہیں۔

میں ایاز کو پسند کرنے لگ گئی ہوں' پچھلے ڈیڑھ سال کی ہماری دوستی اب محبت میں تبدیل ہونے لگ گئی ہے۔ نجانے کیوں میں نہیں چاہتی کہ ایسا ہو' میں نہیں چاہتی کہ میں امن کی ماں کو کسی کی محبوبہ یا بیوی بناؤں۔ امن کی ماں کی زندگی میں اگر محبت ہے تو صرف امن کے لیے اور کسی

کے لیے نہیں۔

ایاز نے مجھے پرپوز بھی کیا لیکن میں نے مسکرا کے اسے انکار کیا اور کہا۔

"ایاز! تم میرے اچھے دوست ہو' مجھے سمجھتے ہو' لیکن میں کیا کروں' میرے دامن دل میں سوائے امن کے اور کسی کے لیے محبت نہیں اور نہ ہی میں اس محبت میں کسی کا حصہ بنانا چاہتی ہوں۔ اس رشتے کو ایسے ہی رہنے دو۔ یہ جیسا ہے اچھا ہے' ہر رشتے سے سچا ہے' خدارا اسے کوئی نام نہ دینا۔ کبھی کبھی ناموں والے رشتے بہت ہی کچے قرار پاتے ہیں اور اجڑی قسمت بھی۔" ایاز اس وقت خاموش ہو گیا لیکن میں جانتی ہوں کہ اسے برا لگا۔ وہ میری زندگی کی ہر حقیقت جانتا ہے اور میرے حال کی درست حقیقت یہ ہے کہ میں ایک ماں ہوں اور ایک ماں کی اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ ماں صرف ماں ہوتی ہی' وہ عورت نہیں رہتی۔ ایک عورت کو کسی مرد سے محبت ہو سکتی ہے' ایک ماں کو نہیں۔ آج میں نے امن کی خاطر اپنے دل میں جاگی ہوئی محبت کا گلا گھونٹا ہے۔

امن نے مرد بن کے پیدا ہو کر ایک کمزور بے بس ماں کے لیے بہت آسانی کردی ہے' یہ زندگی عورت کی نسبت مرد پہ بہت آسان ہے' کیونکہ مرد کتنی ہی مصلحتوں' خداریوں' صعوبتوں اور رسوائیوں سے بچ جاتا ہے' مرد کبھی بھی تاریک راہوں میں تنہا چلنے سے گھبراتا نہیں' کسی کا منظور نظر بننے کے لیے اسے خوبصورت خال وخد ہونے کی فکر نہیں ہوتی۔ اپنی ذہانت دکھانے کے لیے اسے مناسب قدوقامت کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے کسی سے محبت کرنے کے بدلے میں گالیاں' انگلیاں' شرمساریاں اور پتھر برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اس سے کوئی بھی نہیں پوچھتا کہ آدم بن کے تمہارا سیب توڑنے کا عمل گناہ عظیم کیوں تھا۔

لیکن میں پھر بھی نہیں چاہوں گی کہ میرے مرد بیٹے پر کوئی انگلی اس کی ماں کی وجہ سے اٹھائے جو کہ ایک عورت ہے۔ اسی لیے آج میں نے اپنے دل کے جذبات کو تھپکیاں دے کے سلایا ہے' اور ایاز کے محبت سے بڑھے ہاتھ کو ٹھکرا دیا ہے۔

آج میں مونٹیسوری اسکول میں امن کا داخلہ کروانے گئی۔ پتہ چلا کہ اس اسکول کی فیس ساڑھے تین ہزار روپے اور ماہانہ فیس سات سو ہے۔ فارم اسکول سے لے کر میں گھر آ گئی۔ ہفتہ بھر پہلے اسکول سے اپنی تنخواہ لی تھی' لیکن گھر کا کرایہ' اسکول کی وین کا کرایہ' گھر کا کچھ سامان اور چند کورس کی کتابیں تقریباً ساری تنخواہ لے گئی۔ دو ہزار روپے بچے تھے جس سے امن کے لیے گرم کپڑے اور اس کی فرمائش کی ریموٹ کنٹرول گاڑی خریدی۔

فارم میں والد کی جگہ میں نے اپنا نام لکھا ہے "امن سن آف دانیہ اقبال" سوچتی ہوں کہ ایک فرد کی پیدائش میں اولین کردار اس کی ماں کا ہوتا ہے' اس کا پیدا ہونا' بڑھنا' کھانا' پینا' اوڑھنا' پہننا' پڑھنا' بڑا ہونا۔ اس سب کی ذمہ داری ماں پہ عائد ہوتی ہے پھر پہچان کے لیے باپ کا نام ضروری کیوں ہوتا ہے؟ یہ رسم آخر ختم کیوں نہیں ہو سکتی۔ یہ ریت آخر ٹوٹ کیوں نہیں سکتی؟ ثمینہ سے کچھ پیسے ادھار لیے اور فارم والے لفافے میں رکھ دیئے۔ کل ان شاء اللہ امن کو ساتھ لے کر اس کے ایڈمیشن کے لیے جاؤں گی۔

آج صبح ہی صبح امن کو لے کر میں اسکول پہنچی۔ فارم جا کر پرنسپل آفس میں جمع کروایا۔ باپ کے خانے میں میرا نام دیکھ کر پرنسپل حیران ہوئی۔ میں نے مسکرا کے کہا کہ امن کی ماں اور باپ میں ہی ہوں۔ اس نے مزید پوچھا تو میں نے اسے سچائی بتا دی۔ بہت ہمدردی کی نگاہوں سے اس نے مجھے دیکھا اور اس طرح کی آنکھیں مجھے کبھی اچھی نہیں لگیں۔ فیس جمع کروانے کے بعد میں امن کو کلاس روم میں لے گئی۔ رنگ برنگی کرسیوں' ٹیبلوں' کھلونوں اور تصویروں سے سجا یہ کلاس روم' امن اسے دیکھ کے خوش ہو گیا اور پھر دانش بھی تو پہلے ہی سے موجود تھا۔ ڈھیر سارے بچے زور زور سے نظمیں پڑھ رہے تھے۔ امن کو ٹیچر نے پہلی نشست پہ بٹھایا' لیکن میں واپس آنے لگی تھی تو وہ زور زور سے رویا تھا۔ ٹیچر کے کہنے پر اسے روتا چھوڑ کر

میں وہاں سے آ گئی۔

امن کی زندگی میں اب نئے لوگوں کی آمد شروع ہوگئی ہے اب اس نے میری انگلی تھامے بغیر چلنا سیکھ لیا ہے۔ میں آہستہ آہستہ نئے لوگوں کے لیے جگہ خالی کرتی جارہی ہوں۔

امن کی مہنگی کتابیں اور یونیفارم خریدنے کے لیے میں نے اپنا اکلوتا گولڈ چین بیچ دیا۔ آج کل میں اپنے ماسٹرز کی بھی تیاری کررہی ہوں۔ پرائیویٹ اپنی تعلیم بڑھاؤں گی تو بہتر جاب کرپاؤں گی۔

امن اسکول سے دانش کے ساتھ ہی واپس آتا ہے' واپس آنے پر وہ خاصا ریلیکس تھا' اسے نئے دوست' کتابیں اور کلاس اچھی لگی تھی۔ دن بھر وہ دوڑتے ہوئے بھی ٹوئنکل ٹوئنکل لٹل اسٹار توتلی زبان میں گنگنا رہا تھا۔ اس کی تعلیمی زندگی کی طرف بڑھنے والا یہ پہلا قدم تھا۔ میرا بچہ پڑھے لکھے لوگوں کی صف میں شامل ہونے کے لیے آج سے سرگرداں ہوگیا ہے۔

☆......☆☆......☆

آج اپنے کام سے فارغ ہوکر میں نے امن کی کاپیاں چیک کیں۔ اب وہ کلاس ون میں آچکا تھا اور اس کی پچھلی تمام کتابیں میرے اس ٹرنک کا حصہ بن چکی ہیں' اپنی کاپیوں پر امن نے کچھ اس طرح کی تحریر لکھی تھی۔

''نیم......امن

فادرز نیم......دانیا اقبال

کلاس......ون (اے)

دو تھکے تھکے سے آنسو میری آنکھوں سے نکلے اور کاپی کے کاغذ میں جا بسے۔ تبھی امن آیا اور میٹھے سے لہجے میں بولا۔

''ماما کیا ہوا؟''

میں نے کہا بیٹا کاپی پر فادرز نیم لکھنا ضروری ہوتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ ''لیکن ماما دانش کے پاپا تو گھر پر ہی رہتے ہیں' ہمارے پاپا کہاں ہیں؟'' اس کی معصوم آنکھوں اور سوالیہ باتوں پہ مجھے رونا سا آیا اور آج میں نے اس سے پہلا جھوٹ بولا۔

''بیٹا...... آپ کے پاپا اللہ میاں کے پاس چلے گئے۔''

''لیکن ماما' وہ کب واپس آئیں گے؟'' امن نے پھر سوال کیا۔

''بیٹا جو لوگ اللہ میاں کے پاس چلے جاتے ہیں وہ کبھی واپس نہیں آتے۔'' میری یہ بات امن کے دل میں کئی سوال پیدا کرگئی لیکن جلد ہی میں اس کا دھیان تبدیل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

میں اپنے ماسٹرز کے فائنل ایئر کی تیاری کررہی ہوں' پچھلے سال کے پیپرز اچھے ہوگئے تھے' ایاز نے اسکول کی نوکری چھوڑ کے کسی بینک میں ملازمت کرلی ہے' اور سنا ہے شادی بھی کررہا ہے۔ یہ خبر آج آصفہ نے سنائی جو کہ اس کے گھر کے پاس ہی رہتی ہے۔ آج طبیعت بہت اداس رہی۔

سوچتی ہوں زندگی کی اس جنگ میں ہر کوئی ایک دوسرے کو ہرانے کی جستجو میں ہے' ایاز نے بھی شاید میرے انکار کا بدلا لینا چاہا ہوگا۔ اسے مجھے یہ دکھانے کے سوا اور کوئی راستہ نظر نہیں آیا ہوگا کہ اسے بھی کوئی اپنا سکتا ہے' لیکن ایاز بہت اچھا انسان ہے' اسے رحمٰن کی طرح رشتوں کے تقدس کو پامال کرنا نہیں آتا۔ وہ انسانی زندگیوں کی قدر و قیمت جانتا ہے۔ کاش کہ وہ مجھے رحمٰن کے ملنے سے پہلے مل جاتا' کاش کہ مجھے رحمٰن سے محبت نہ ہوئی ہوتی۔

زندگی سے یہی گلا ہے مجھے

تو بہت دیر سے ملا ہے مجھے

☆......☆☆......☆

امن نے آج تیسری جماعت کا رپورٹ کارڈ میرے ہاتھوں میں دیا' پوری کلاس میں پہلی پوزیشن لی ہے اس نے۔ خوش تو تھا لیکن ناراض بھی' کہتا ہے کہ ہر کسی کا رزلٹ لینے ان کے والدین آئے تھے اور پہلی پوزیشن لینے والے بچے کے والدین میں سے کوئی بھی نہ آیا تھا۔ اس کی ناراضگی درست ہے' مجھے کالج سے چھٹی ہی نہ ملی کہ میں گیارہ بجے امن کے اسکول جاکر اس کا رزلٹ لے پاتی۔

میں نے سوشیالوجی میں ایم اے کرنے کے بعد ایک مقامی کالج میں بحیثیت لیکچرار کے جاب کرلی ہے' اچھا ماحول ہے' اچھے پیسے مل رہے ہیں' جان پہچان بھی ہوگئی ہے۔ اب بس دوستی کرنے سے خوف آتا ہے۔ ایاز سے بھی تو دوستی ہی کی تھی۔

امن کو مجھ سے شکایت رہنے لگی ہے کہ میں اس کے ساتھ وقت نہیں گزارتی' اسے پہلے کی طرح کہانیاں نہیں سناتی۔ اس کا بستہ نہیں بناتی' فارغ وقت میں اسے پڑھاتی نہیں' کہتا ہے ماما' فورتھ کلاس کی میتھس بہت مشکل ہے مجھے ٹیوشن رکھ دیں۔ کہتا ہے کہ ٹیچرز ماؤں سے اچھے ہوتے ہیں' چاہے ڈانٹتے ہیں لیکن پاس تو رہتے ہیں۔

سوچتی ہوں کہ میرا بیٹا بھی میری طرح وقت سے پہلے بڑا ہورہا ہے' میں بھی نہایت کم عمری سے دکھ و اضطراب کی اس دلدل میں گھری تھی اور اب تک وہیں ہوں۔ لیکن امن کی اسے وقت نہ دینے والی شکایت کسی حد تک ٹھیک ہے' زندگی کی دوڑ دھوپ میں' چھوٹی بڑی ضروریات نے اتنا مصروف کردیا ہے کہ میں بھول ہی بیٹھی کہ امن کو ابھی تک اس ماں کی عادت ہے جو رات بھر اس کی وجہ سے کروٹ بھی نہیں بدلتی۔ جو کہ امن کے ہاتھوں کو نوالے توڑنے کی بھی زحمت نہیں دیتی' جو کہ امن کے جوتوں کے تسمے بھی خود باندھا کرتی' امن کو ایک روایتی قسم کی ماں کی کوئی ضرورت نہیں' جو کہ بچے کو کھانے کی پلیٹ دے کے سو جائے یا پھر کسی معمولی بات پہ اسے دو تھپڑ مار کے کمرے میں بند کردے۔

بے شک میرے بچے کے دوست اور استاد مجھ سے معتبر ہیں لیکن میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ امن دوسروں میں اپنی ماں کو ڈھونڈے مجھے اپنی روٹین تبدیل کرنی ہوگی' مجھے امن کی خوشی کے لیے اپنی مصروفیات ترک کرنی ہوں گی۔ مجھے سنبھلنا ہوگا۔

آج میں امن کو لے کر چڑیا گھر جاؤں گی' اسے رنگ برنگے پرندے اور جانور دیکھنے کا شوق ہے ناں۔

☆......☆☆......☆

امن کے چھوٹے چھوٹے بستے' ٹوپیاں' پینٹیں' لنچ باکس' جو اس نے پہلی بار پکڑا تھا وہ پنسل سب کچھ میں نے ٹرنک میں بند کرلیا ہے۔ بچپن کے کھلونوں کو بھی شوکیس میں سجادیا۔ اب ماشاء اللہ امن پانچویں میں آگیا ہے' کل میں نے اس کی کتنے دنوں کی فرمائش پوری کردی' اسے ویڈیو گیم خریددی۔ چند ماہ پہلے دانش نے خریدی تھی تو یہ بھی ضد کرنے لگا تھا۔ میرے بچے میں بدتمیزی کرنے کی عادت تو ہے نہیں لیکن پیار سے ضرور کہتا تھا۔ ''ماما اگر میرے پاس بھی دانش جیسا ویڈیو گیم ہو تو کتنا مزہ آئے۔ دانش تو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتا۔'' مانگا تو اس نے مجھ سے نہیں تھا لیکن اس کے لبوں تک آئی ہوئی یہ خواہش میں کس طرح فراموش کرتی۔ رات کو دیر تک کھیلتا رہتا ہے۔

آج تو اس نے مجھے بہت پریشان کردیا۔ میں کالج میں فری پیریڈ میں اسٹاف روم میں بیٹھی تھی کہ مجھے میڈم نے دفتر میں بلایا۔ یہ بتانے کے لیے کہ امن کے اسکول سے فون آیا تھا' سلائیڈ سے گرنے کے سبب اسے گھٹنے میں چوٹ آئی ہے۔ کالج سے چھٹی لے کر میں فوراً اس کے اسکول کے لیے نکلی۔ راستے میں بی پی بالکل لو ہوتا ہوا معلوم ہوا۔ اوپر سے کراچی کے سگنل آدھے گھنٹے کا راستہ کس طرح کٹا یہ میں جانتی ہوں۔ وہاں پہنچی تو موصوف گھٹنے پہ پٹی باندھے اسکول کے کینٹین میں بیٹھے' پیسٹری کھارہے تھے۔ میں جب آنسو بہاتی وہاں تک پہنچی تو مسکرا کے کہنے لگے۔ ''ماما اتنی زیادہ چوٹ نہیں لگی۔ بس تھوڑا سا درد ہوا تھا۔ لیکن میں تو بہادر بچہ ہوں۔'' اپنے مٹی کے گڈے کو گلے سے لگا کر کتنا پیار کیا تھا میں نے۔

اب امن بڑا ہوگیا ہے تو اس کے کمرے کا ڈیکوریشن بھی تبدیل کررہی ہوں میں۔ اس کا پرانا بیڈ میں اپنے کمرے میں لے آئی اور ثمینہ کے ساتھ بازار سے پورا روم سیٹ خرید آئی۔ اس میں ایک سنگل بیڈ' رائٹنگ ٹیبل' بک شیلف اور ڈریسنگ ہے' زیادہ مہنگے نہیں آئے' امن کے کمرے سے ٹیڈی بیئرز اور کھلونے نکال دیئے ہیں اور

گاڑیوں کی تصویریں لگادی ہیں۔ اسے گاڑیاں بہت پسند ہیں۔ اس نے ایک گاڑی چھوٹی سی خود بھی بنائی ہے اپنے سائنس ٹیچر سر مصطفیٰ کی مدد سے۔ وہ چھوٹی سی گاڑی ریموٹ سے چلتی ہے اس پر میرا ننھا سا سائنسدان بہت خوش ہے۔

☆......☆☆......☆

میں کچھ دنوں سے محسوس کررہی تھی کہ امن مجھ سے اکھڑا اکھڑا کھنچا کھنچا سا رہنے لگا ہے وجہ کیا تھی میں سمجھ ہی نہ پائی۔ نہ وہ میرے ساتھ کھانا کھاتا نہ پہلے کی طرح میرے گلے میں بانہیں حمائل کرکے سوتا۔ میں نوالہ توڑ کے کھلاتی تو کہتا کہ۔

"ماما میں اب بڑا ہوگیا ہوں خود کھا سکتا ہوں۔"

تب میں محسوس کرتی کہ امن بڑا نہیں ہوا میرا ہاتھ چھوٹا ہوگیا ہے۔

جتنے دن امن مجھ سے دور رہا اتنے دن میں پریشان رہی۔ میرے اندر کوئی کچھ کہتا تھا کہ نہیں امن کے دل میں کچھ بات ہے آخرکار آج میں نے امن سے ایک دوست بن کے پوچھ ہی لیا کہ "میرے بچے کیا بات تجھے الجھا رہی ہے ماں سمجھ کر نہیں تو مجھے دوست سمجھ کر ہی بتادے۔"

کہتا ہے۔ "ماما آپ اس دنیا میں سب سے زیادہ کس سے محبت کرتی ہیں؟"

میں پہلے تو کچھ حیران ہوئی پھر بولی۔ "میرے بچے میں اس دنیا میں تجھ سے صرف تجھ سے ہی محبت کرتی ہوں۔"

وہ میری بات پہ یقین کرکے آگے بولا۔ "پھر ماما آپ میرے سر کی قسم کھا کے کہیں کہ آپ مجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گی۔" امن کے لہجے کی یہ بے یقینی اس کی آنکھوں کی یہ سنجیدگی مجھے اندر تک لرزا گئی۔ پتہ نہیں کیوں مجھے میرا بیٹا بہت دور جاتا ہوا محسوس ہوا۔ میرے جواب کی پروا کیے بغیر وہ آگے بولا۔

"ماما...... دانش کہتا ہے کہ آپ نے میرے پاپا کو چھوڑ دیا تھا آج مجھے کلاس کے باقی لڑکوں کے سامنے کہہ رہا تھا کہ تیری ماں نے تیرے باپ کو چھوڑ دیا اور اب وہ کہتی ہیں کہ وہ مرگیا ہے۔ تیری امی کو طلاق ہوا ہے۔"

اس کی ان باتوں نے میرے دل کو ہلا کے رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں کتنا غصہ تھا۔ اس کے لہجے میں کتنی وحشت تھی میں اپنے بارہ سالہ بچے کے اندر ابلتی ہوئی غیرت کو محسوس کرکے حیران تھی۔ کیا یہ میرا ننھا منا امن تھا میری حیات کا آسرا میری کل کائنات میرے چپ رہنے پر جیسے وہ خفا ہوا پھر بولا۔

"ماما آپ چپ رہ کے تو مجھے تنگ نہ کریں۔ میں بہت ڈسٹرب ہوں کتنے دنوں سے اور ویسے بھی خاموشی تو اقرار ہوتی ہے ناں۔" میرا بیٹا کتنی بڑی بڑی باتیں کرنے لگ گیا تھا۔ میں تو یہ بھی جان نہ پائی تھی کہ میرا بارہ سالہ امن اب میرے کندھے تک آچکا ہے۔ اور وہ نہ صرف میری آنکھوں کی تحریر بلکہ ماضی کی دھندلی لکیریں بھی پڑھ سکتا ہے۔ آج میں نے امن کو ہر حقیقت بتادی۔ رحمٰن سے جڑی ہوئی اس کی ماں سے جڑی ہوئی اپنی مجبوری اور بے بسی کی ہر داستان اس کے گوش گزار کردی۔ آج اپنے دوست کے ساتھ میں نے اسے اپنا ہمراز بھی بنالیا اور یہ سب سنانے کے بعد مجھ میں اس سے آنکھ ملانے کی بھی ہمت نہ تھی۔ میں خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی۔

رات کو مجھے نیند نہیں آرہی تھی میں بہت ڈپریس تھی امن میرے کمرے میں آیا میں نے آنکھ بند کرکے سونے کی اداکاری کی اور امن نے میری پیشانی پہ ہاتھ رکھا میرے ماتھے کو اور ہاتھوں کو چوما میرے اوپر چادر ڈالی اور کمرے سے بنا کچھ کہے چلا گیا۔ اس کے ہونٹوں کا وہ لمس اور آنکھ سے گرنے والا خاموش آنسو اس کی محبت کی ہر سچائی کہہ گیا۔ آج مجھے دنیا کے اس تاریک جنگل میں ساتھ چلنے والا ساتھی مل گیا ہے۔ زندگی کی ویرانیوں میں جگمگانے والی وہ آنکھیں مل گئی ہیں۔ آج امن نے میرے درد کا بوجھ اپنے چھوٹے سے شانوں پہ اٹھالیا ہے۔ آج امن کے درد کی عمر بھی میرے درد جتنی ہوگئی ہے۔

"تیرے ہوتے ہوئے دنیا سے تعلق کی ضرورت ہی نہ تھی ساری وابستگیاں تجھ سے تھیں

تو مری سوچ بھی تصویر بھی اور بولی بھی
میں تیری ماں بھی تیری دوست بھی ہمجولی بھی
میری گردن میں حمائل تیری بانہیں جو نہیں
کسی کروٹ بھی مجھے چین نہیں پڑتا
میرا بستر ہی نہیں دل بھی بہت خالی ہے
اک خلا ہے کہ میری روح میں وحشت کی طرح اترا ہے
تیرا ننھا سا وجود
کیسے اس نے مجھے بھر رکھا تھا"

آج امن سے جدائی کی پہلی رات تھی۔ امن کا داخلہ میں نے کیڈٹ کالج میں کروادیا ہے اس کے بہتر مستقبل کے لیے یہ ضروری تھا۔ مجھ سے اپنی بے بس کمزور بوڑھی ماں سے دور رہنا جس کے دامن میں سوائے رسوائیوں اور تنہائیوں کے کچھ نہیں امن اگر میرے ساتھ رہتا تو مجھ سے کیا پاتا صرف درد صرف پریشانی صرف افسوس میں اس کے ننھے سے دل اور کچے ذہن میں دکھ بھرنا نہیں چاہتی۔

اس کے ہاسٹل اور داخلہ کے خرچ کے لیے اپنے اکاؤنٹ سے تمام پیسے نکلوائے جس وقت وہ جارہا تھا بہت اداس تھا جس وقت میں نے اسے اس کا سوٹ کیس کپڑے جوتے اور کتابوں سے بھر کے دیا تو وہ میرے گلے لگ کے رو پڑا۔ بولا۔

"ماما میں آپ کو اکیلا نہیں کرنا چاہتا۔"

میں نے اسے چپ کرایا اور کہا کہ "تجھ جیسے بیٹے کے ہوتے ہوئے میں کیسے تنہا ہوسکتی ہوں لیکن تمہاری تعلیم کے لیے میرا یہ اکیلا پن ضروری ہے۔"

روتا روتا پیچھے مڑ کے مجھے دیکھتا گیا اور اس کے جانے کے بعد میں کتنی تنہا پڑگئی اتنی تنہائی تو رحمٰن یا ایاز سے بچھڑنے پر بھی نہ ہوئی تھی۔ اس کے ہوتے ہوئے مجھے کسی رشتے کسی دوست کسی اپنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

آج رات بھر نیند نہیں آئی اپنا بستر گھر کمرے در و دیوار سب کچھ ویران لگ رہا تھا۔ سب کچھ تنہا تنہا اداس لگ رہا تھا۔

☆......☆☆......☆

امن مجھ کو خط لکھنے لگ گیا تھا وہ خط تقریباً روزانہ لکھتا اور جب پانچ چھ کے قریب خطوط جمع ہوتے تو وہ انہیں بند کرکے اوپر لکھتا ہے۔ "ٹائمز آف امن" اور اس کا یہ اخبار مجھے مہینے میں دو بار ملتا ہے۔ میں اسے بلاناغہ فون بھی کرتی ہوں۔ خطوط میں مجھے امن بہت مختلف لگتا ہے بہت بڑا بڑا سنجیدہ سنجیدہ سا جیسے کہ وہ میرا ننھا سا نومولود بیٹا کبھی تھا ہی نہیں۔ جیسے کہ اس نے میری انگلیاں تھام کر قدم بڑھانا سیکھا تھا ہی نہیں وہ تو یکدم اتنا بڑا ہوگیا کہ مجھے حیرت ہوتی ہے۔

ہر پل تھی جس پہ نظر
پھر بھی نہیں ہوئی خبر
آنکھوں کے آگے ہے جو پلا
کب میرے کاندھے تک آیا
کب چپکے سے ہوا بڑا......!

میں اسے ہر خط کے جواب میں کہتی ہوں کہ میرے بچے! تو اتنی بڑی بڑی سمجھداری والی باتیں کس طرح کرلیتا ہے پچھلے خط میں اس نے لکھا تھا کہ "ماما! میرے روم میٹس اور کلاس فیلو تمام لوگ پوچھتے ہیں کہ تم اپنے پاپا کے بارے میں کچھ کیوں نہیں بتاتے تمہارے نام کے پیچھے تمہارے پاپا کا نام کیوں نہیں ہے ماما! ان کے یہ سوال مجھے بہت پریشان کرتے تھے پھر میں نے آپ کی اجازت کے بنا دو کام کرلیے ہیں ایک کام تو یہ ماما کہ میں نے کلاس نائنتھ میں بائیولوجی رکھ لی ہے کیونکہ میں ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں اور دوسرا کام یہ ماما آپ کے نام کے پیچھے لگنے والے نام یعنی نانا ابو کے نام کو میں نے اپنے نام کے پیچھے لگادیا ہے۔ کلاس نائنتھ کے بورڈ کے فارم کے لیے میں نے اپنا نام "امن اقبال" دے دیا ہے۔ نانا ابو اگر آپ کے ابو تھے تو وہ میرے ابو بھی تو ہوئے ناماما! اب میں سب کو اپنے پاپا کا نام "مرحوم اقبال احمد" ہی بتاؤں گا۔ اس سے کم از کم لوگوں کے دلوں کے تجسس تو ختم ہوں گے۔ ماما! دنیا

کے اندھیرے جنگل میں نام بہت کام آتے ہیں۔ کبھی کبھی لوگ اپنے بڑوں کے ناموں کی وجہ سے بھی بہت اوپر پہنچ جاتے ہیں۔ میں اس ویک اینڈ تک ایک سرپرائز لے کر جلد ہی آپ سے ملنے آؤں گا۔

آپ کا بیٹا "امن اقبال"

اس کا یہ خط پڑھ کر میں دیر تک میں روئی اور سوچا کہ یہ نام اس سے پہلے میرے ذہن میں کیوں نہ آیا۔ اپنے ابو کا نام میں بھی تو لکھ سکتی تھی اس کے نام کے پیچھے پھر میں نے دو نفل نماز پڑھی اور اپنے ابو کی روح کے ایصال ثواب کے واسطے بخش دی۔ انہی کا تو احسان ہے آج کہ میرے اور میرے بچے کے سر کے اوپر ان کا اسم سائبان کی طرح ٹھہرا ہے۔ میرا امن ٹھیک کہتا ہے کہ دنیا کے اس اندھیرے جنگل میں اسم بہت کام آتے ہیں۔

امن ہاسٹل سے تین دن کی چھٹی پر گھر آیا تھا اس کے جس سرپرائز کا مجھے انتظار تھا' وہ یہ تھا کہ پورے اسکول میں کلاس 8th کے تمام سیکشن میں سے فائنل امتحانوں میں اول پوزیشن امن کی آئی ہے اس کے لیے امن کو ایک گولڈ میڈل اور اسکالر شپ دی ہے کیڈٹ والوں نے۔ رزلٹ کارڈ پر امن کا نام خوبصورتی سے لکھا تھا۔ "کیڈٹ امن اقبال" کلاس نائنتھ میں اس نے بائیلوجی رکھا ہے' ڈاکٹر بننا چاہتا ہے۔ مجھے کیا اعتراض ہونا ہے' ماں تو ہمیشہ اپنے بچوں کی خوشی میں خوش ہوتی ہے۔ کتنی رونق لگی تھی تین دن روز وہ اور میں کیرم کھیلتے' وہ مجھ سے جیت کر خوش ہوتا رات کو روز پکوڑے اور چاول بنوا کے کھاتا' کہتا ماما! ہاسٹل کا کھانا کھا کھا کے تنگ آ گیا ہوں۔ کھانے کے بعد ہم روز چہل قدمی کرنے نکلتے۔ واپسی پر ہم فالودہ والی آئس کریم بھی کھا کے آتے۔ روز وہ مجھ سے لپٹ کے سوتا' اب تو اس کا قد مجھ سے بھی اونچا ہو گیا ہے' لگتا ہے چھ فٹ سے بھی اونچا جائے گا۔ ڈھیر سارے میلے کپڑے' چھٹی جیبیں لایا تھا' وہ بنا دیں' صدر سے بہت سی شاپنگ بھی کی اس کے لیے اور اس نے میرے لیے۔

دانش کے گھر بھی گئے وہ دونوں مل کے جب کرکٹ کھیل رہے تھے تو ثمینہ بولی۔ "دانیہ! یہ وہی بچے ہیں جو کل تو تلی زبان میں لڑا کرتے تھے' ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا کرتے تھے اور آج یہ ہم سے بھی لمبے ہو گئے ہیں۔ اب یہ کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔ وقت بہت آگے نکل گیا' ہم وہیں کے وہیں ہیں۔" میں نے اسے امن سے متعلق پچھلی ہر بات بتائی' پھر امن کی فرمائش پہ ہم سب سی ویو گئے۔ وہاں پہ امن اور دانش دیر تک بنیان پہنے لہروں میں بھیگتے رہے' ثمینہ اور میں' دونوں بوڑھی مائیں انہیں دیکھ کے مسکراتی رہیں۔ امن نے تین دن مجھے بھی چھٹی کروائی تھی۔

پگلا! اتنی رونق لگانے کے بعد آج واپس گیا تو دل بھی ساتھ لے گیا۔ اس کے جانے کے بعد اتنی اداسی' اتنی تنہائی ہوئی آج بے دلی سے کالج بھی گئی' لیکن پڑھا ہی نہیں پائی' شام کو ثمینہ میری اداسی کو بھانپ کے مجھے اپنے ساتھ لے گئی' بیچاری! اک عرصے سے اسے بھی اپنے ساتھ پریشان کر رکھا ہے' اس کا شوہر ملک سے باہر سیٹل ہونے کی کوشش کر رہا ہے' پھر دانش اور ثمینہ کو بھی لے جائے گا' اس کے جانے کے بعد میں تو اکیلی ہی پڑ جاؤں گی۔

کچھ پیسے جمع ہو گئے ہیں' ثمینہ کہتی ہے کسی جگہ اپنا مکان خرید لو کب تک کرائے کے جھنجٹ میں رہوگی' تو مکان کی تلاش بھی شروع کر دی ہے۔ امن اپنا میڈل اور سرٹیفکیٹ بھی دے گیا' وہ بھی میں نے ٹرنک میں اس کے پرانے سامان کے ساتھ رکھ دیا۔

☆......☆☆......☆

میٹرک بورڈ میں بھی امن کی پہلی پوزیشن آئی تھی۔ آج کالج میں اخبار اٹھایا تو نظر میٹرک کے رزلٹ پر پڑی۔ واضح حروف میں امن اقبال کا نام لکھا تھا اس کے نام کو کتنی بار چوما تھا میں نے۔ اس کا رول نمبر چیک کیا' یہ میرا ہی بیٹا تھا' اس کے نمبر پچانوے فیصد سے بھی اوپر ہیں۔ سبھی ٹیچرز کو بتایا میں نے' کتنی مبارکباد وصول کیں' گھر آئی تو فون کی گھنٹی بجی' دوسری طرف امن ہی تھا' میں اپنی خوشی چھپا ہی نہ پا رہی تھی' بولا۔ "ماما! میں دو مضامین میں فیل ہو گیا۔" میں نے اچھل کے کہا۔

"شیطان! اپنی ماں سے جھوٹ بولتا ہے' میں جانتی ہوں کہ تو نے بورڈ میں پہلی پوزیشن لی ہے۔"

کہتا ہے "ماما! آپ نے میرے سرپرائز کا کباڑہ کر دیا۔ میری تمام پلاننگ چوپٹ کروا دی۔"

لیکن اس نے مجھے اس کے باوجود سرپرائز دیا۔ وہ فون اس نے کراچی سے ہی کیا تھا' کچھ ہی دیر میں وہ گھر آ گیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی' مجھے تو یہ بھی یاد نہ رہا کہ آج بارہ ستمبر ہے۔ یعنی امن کا جنم دن' اس پگلے کو یاد تھا' اس نے فرمائش کی کہ ماما! آج دوہری خوشی کا دن ہے آپ اپنے ہاتھوں سے کیک بنائیے' پھر میں نے فروٹ کیک بنایا اور ہم دونوں نے اس کے سولہویں سال کا کیک کاٹا' کینڈل بجھائی' پھر میں اور امن دیر تک باتیں کرتے رہے اور نجانے کب وہ میری گود میں سویا اور اسے نیند آ گئی۔

اب تو مجھے امن کی آنکھوں سے ڈر لگنے لگ گیا ہے' بڑا ہو گیا ہے تو اس کی آنکھیں بھی اپنی عمر سے بہت بڑی ہو گئی ہیں۔ بہت سوال چھپائے رکھتی ہیں اپنے آپ میں۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کبھی وہ آنکھیں میری آنکھوں میں کوئی رنگ' کوئی سایہ نہ پالیں' تنہائی کی پرچھائیں یا پھر محرومی کا عکس' اب میرے بیٹے کی آنکھیں لاابالی نہیں رہیں۔

☆......☆☆......☆

امن نے پری میڈیکل ایف ایس سی میں داخلہ لے لیا ہے' زوروں سے پڑھنے بھی لگ گیا ہے۔ اب اس نے ہاسٹل چھوڑ دیا ہے اور گھر آ کر میری تنہائی بانٹنے لگ گیا ہے۔ ثمینہ اپنے شوہر کے ساتھ دبئی میں سیٹل ہو چکی ہے اور میں نے گلشن میں ایک فلیٹ خرید لیا ہے اور اس میں شفٹ ہو گئی ہوں۔ میں نے جس سے فلیٹ خریدا' وہ ایک بیوہ عورت تھی' بہت ہمدرد' بہت شفیق' امن کو دیکھ کر اسے اپنا مرحوم بیٹا یاد آ گیا۔ اس نے فلیٹ کی قیمت قسطوں میں ادا کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ میں اپنے مختصر سے سامان اور زادِ راہ امن کے ہمراہ یہاں آ گئی ہوں۔ فلیٹ اچھا ہے' چھوٹا ہے مگر ٹھیک ہے' دو کمرے ہیں' ایک امن کا اور ایک میرا' امن روزانہ کالج کے لیے یہاں سے بس پکڑتا ہے۔

میری وین اس سے پہلے آ جاتی ہے۔ میں ناشتہ بنا کے نکل جاتی ہوں۔ وہ گھر لاک کر کے چلا جاتا ہے' واپسی میری اس سے پہلے ہوتی ہے۔ لنچ ہم دونوں اکٹھا ہی کرتے ہیں۔ زندگی اب بہت حد تک ایک متواتر پگڈنڈی پر آ گئی ہے۔ امن کی پڑھائی کا خرچہ بھی اب زیادہ نہیں لگتا ہے' کچھ وہ خود بھی کفایت شعار ہے۔ ہر چیز سمجھ لیتا ہے۔

ثمینہ کے بعد میں بہت اکیلی پڑ گئی ہوں' درد بانٹنے والا کندھا چھن گیا ہے۔ امن سے اپنی تکلیفیں تو بانٹ نہیں سکتی ناں' ثمینہ کے خط پابندی سے آتے ہیں اور میں جواب بھی دیتی رہتی ہوں۔

کل میں بہت دنوں بعد لائبریری گئی' کچھ کتابیں ایشو کروانے' کیا تھا اگر میں نہیں جاتی۔ لائبریری سے واپسی پر میری ملاقات ایاز سے ہوئی' اتنے سالوں بعد...... اس طرح اچانک...... وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹکا بھی نہیں' افسردہ بھی نہیں ہوا' میرے پاس آیا اور مسکرا کے پوچھا' کیسی ہو؟"

میں نے کہا۔ "ویسی نہیں ہوں' جیسی ہوا کرتی تھی' بوڑھی ہو گئی ہوں۔" کہنے لگا۔ "مجھے تو آج بھی بیس سالہ لڑکی ہی لگ رہی ہو۔"

جھوٹا' فریبی! اپنے بارے میں اس نے بتایا کہ تین بچے ہیں اس کے' دو بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ بینک کی جاب ابھی تک جاری ہے۔ رہائش بھی پہلی ہی جگہ پر ہے۔ اس نے امن کے بارے میں بھی پوچھا۔ ہم نے اکٹھے بیٹھ کر ایک کپ چائے بھی پی۔ اس نے اپنا فون نمبر دیا اور ایڈریس بھی۔ پھر ہم دونوں اپنے اپنے گھر کی طرف واپس پلٹ گئے۔ ایاز سے مل کر میں بہت ڈسٹرب ہو گئی ہوں۔ وہ بچھڑا تھا تو منتشر نہیں ہوئی تھی۔ امن کے لیے لیکن بچھڑنے کے بعد ملا ہے تو دفنائے ہوئے جذبوں کو جگانے پہ تلا ہے' گھر آئی تو امن مجھ سے پہلے موجود تھا۔ خاصا پریشان بھی تھا۔ میرے دیر کرنے کی وجہ سے۔ آج اپنے کمرے میں آ کر بہت روئی تھی۔ ایاز کے پرانے خط کھول

کے بڑھے تھے۔ دیر تک اداس بھی رہی تھی۔

☆......☆☆......☆

امن کی ایف ایس سی میں کی ہوئی جی توڑ محنت رنگ لے آئی' اس کا میڈیکل کالج کے لیے دیا ہوا انٹری ٹیسٹ مکمل ہوگیا اور اس نے پاس کرلیا۔ ڈاؤ میڈیکل کالج میں امن کا داخلہ ہوگیا۔ کتنا خوش تھا وہ آج اس کے ساتھ میں ڈنر پہ گئی تھی اور اس کی پسند کا چائنیز کھانا کھایا۔

ثمینہ کو بھی فون کرکے بتایا تھا اور ایاز کو بھی۔ ایاز سے میری فون پہ بات چیت پھر سے شروع ہوگئی ہے۔ برسوں پہلے ختم کیا ہوا سلسلہ پھر چل نکلا ہے...... ٹوٹے مراسم پھر جڑ گئے ہیں۔

آج امن کی کتابیں' مفلر' میٹرک اور فرسٹ ایئر کے یونیفارم بھی اسی پرانے ٹرنک میں بند کرکے رکھ دیے۔ آج کل ہڈیوں میں درد رہنے لگا ہے' بڑھاپا آنے لگا ہے۔ کالج جانے کو بھی دل نہیں کرتا لیکن امن کے خرچوں کے لیے مجھے کرنا تو پڑے گا ہی' پتہ نہیں کب امن بڑا ہوگا اور میری مجبوریاں ختم ہوں گی۔

ڈاکٹروں نے نتیجہ اخذ کرلیا تھا مجھے بلڈ شوگر ہے۔ میرا میٹھا مکمل طور پہ بند کردیا گیا' کڑوے کریلے کا جوس' لہسن کی دو ڈلیاں روزانہ یہ ہے میری خوراک...... میرا پسندیدہ پھل آج بھی منع کردیا گیا ہے اوپر سے میرا ڈاکٹر بیٹا روزانہ مجھے ڈانٹتا ہے' ماما! آپ نے خود ہی خود کو بیمار کیا ہے' اب امن کی میڈیکل کالج کی فیس کے علاوہ میری دوائیوں کا خرچہ بھی بڑھ گیا ہے۔ بجلی' فون' گیس کے بل' کھانے کے خرچے اب صرف میری تنخواہ میں پورے نہیں ہوتے۔

ارے ہاں! ایک بات تو بھول ہی گئی' امن کو محبت ہوگئی ہے' اپنی کلاس فیلو ڈاکٹر زوئیلہ سے دو دن پہلے اس نے مجھے یہ بات بتائی اور آج کالج کے بعد وہ زوئیلہ کو گھر لے آیا تھا۔ مجھ سے ملوانے' اچھی لڑکی ہے' دبلی پتلی سی تراشیدہ بالوں' چمکیلی آنکھوں اور اپنائیت بھری مسکراہٹ والی' میں بھی کبھی اسی طرح ہوتی تھی۔ رحمن کے ملنے سے قبل۔

زوئیلہ باتیں بھی اچھی کرلیتی ہے' اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہے' چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے' امن اور وہ پچھلے تین سال سے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔

زوئیلہ نے امن کی زندگی میں رنگ بھر دیے ہیں' اب امن نے مکمل طور پر جوانی میں قدم رکھ لیا ہے' اب اس کے پاس بوڑھی ماں کے لیے کوئی وقت نہیں' بس صبح کا سلام اور رات کا گڈ نائٹ ہی سننے کو ملتا ہے' فارغ وقت میں یا تو وہ فون پہ زوئیلہ سے باتیں کرتا ہے' یا پھر اسی کے ساتھ باہر جاتا ہے۔

میں نے ایاز سے اپنی پرانی دوستی پھر سے استوار کرلی ہے۔ ہم دونوں اپنی اپنی زندگیوں کے مسائل آپس میں ڈسکس کرلیتے ہیں۔

آج میرے بیٹے نے اپنی تعلیم مکمل کرلی' آج میں نے اپنے ایک بہت مشکل فرض کو نبھالیا' امن نے اپنی ہاؤس جاب مکمل کرلی اور وہ آرتھوپیڈک سرجن بن گیا' ڈاکٹر امن اقبال۔ آج وہ بیج کہ جس کو میں نے بویا' سینچا اور اگایا تھا' وہ بیج شجر بن چکا ہے۔ آج میری فتح کا دن تھا' میری کامیابی کا دن تھا' آج مجھے میری تپسیا کا پھل ملا' میری ریاضتوں کا ثمر ملا۔

زوئیلہ نے گائناکولوجی میں ہاؤس جاب کی۔ وہ بھی ڈاکٹر بن چکی ہے۔ اس کے والد نے اسے ایک کلینک بنواکے گفٹ کیا ہے۔ میرے پاس تو میرے امن کو دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ سوائے دعاؤں کے' آج میں نے اس کا پسندیدہ ڈنر بنایا تھا' آلو کی چٹنی' مٹر چاول اور قیمہ پالک' دیر تک میں اس کا انتظار کرتی رہی' دن بھر میں نے کھانا نہ کھایا۔ وہ رات کے ایک بجے واپس آیا' کہنے لگا۔

"ماما' میں زوئیلہ کے ساتھ اپنی کامیابی سلیبریٹ کررہا تھا۔ وہ کہتے ہیں ناں ماما کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے' میری کامیابی میں زوئیلہ کا ہی ہاتھ ہے۔"

یہ کہہ کے میرا بیٹا اپنے روم میں چلا گیا۔ یعنی میں کہ جس نے اپنی تمام عمر اس کو خوش اور کامیاب دیکھنے کی

خواہش میں ختم کی۔ میں نے کچھ نہ کیا اک طویل عرصہ کانٹوں کی پگڈنڈیوں پہ چل کے گزارا۔ میں نے کچھ نہ کیا۔ اپنی ہر خوشی کو اس کے وجود کی خاطر قتل کیا' میں نے کچھ نہ کیا۔

تمام عمر تنہائی مجھ کو ڈستی رہی' میں نے کچھ نہ کیا' میرا کوئی ہاتھ نہ تھا' امن کی کامیابی میں۔ میرا کوئی رول نہ تھا' اسے اس مقام تک پہنچانے میں۔ میں نے کچھ نہ کیا اسے اچھا انسان بنانے میں۔

میری وہ تمام جاگی ہوئی راتیں' روئے ہوئے آنسو' تہمتیں' ملامتیں' رسوائیاں' ایک اکیلی بے بس عورت کی زندگی پہ محیط مجبوریاں امن سے سوال کررہی ہیں کہ میرے بچے! تجھے بنانے میں' دنیا میں لانے میں کس کا ہاتھ ہے' کس کا......؟؟

آج میں اور امن زوئیلہ کے گھر رشتے کے لیے گئے تھے۔ ڈیفنس کے رہنے والے ایک اونچے طبقے کے امیر لوگوں کے گھر...... امن پہلے ہی زوئیلہ کے والدین اور بھائیوں سے مل چکا تھا اور ہر بات بھی تقریباً طے تھی۔ مجھے زیادہ کچھ نہ کرنا پڑا' بس زوئیلہ کی ماں سے روابط بڑھانے پڑے' اپنے شوہر کی موت کا ایک قصہ پیش کرنا پڑا' امن کے کہنے پر...... اور وہیں بیٹھے بٹھائے زوئیلہ کے والد نے منگنی کی تاریخ طے کرلی۔ میں نے اپنے حالت بتائے تو وہ لوگ کہنے لگے' کہ ہمیں سب علم ہے۔ زوئیلہ ہماری اکلوتی بیٹی ہے اور اس کی خوشی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں...... اور یہ کہ انہیں کسی چیز کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور پھر میں دے ہی کیا سکتی ہوں' میرے دامن میں سوائے تنہائیوں کے ہے ہی کیا' میرا بیٹا بہت خوش ہے۔ زندگی نے اس پر خوابوں کے جتنے بھی در وا کیے' میرے بیٹے نے ہر دروازے کو ایک راستہ تھما دیا۔ انہی خوابوں کی حقیقتوں کا...... اس کی ماں تو بہت بدنصیب تھی' زندگی بھر محرومیوں اور رسوائیوں کی غلام گردشوں میں بھٹکتی رہی لیکن امن' میرا بیٹا امن تو زندگی کا سکون کا پیامبر ہے' خواہشوں کے تنہا ساحل اس کے لیے ویران نہیں' محبتوں کی لہریں

ان سلسلوں کی پیاسی ہیں' میرے امن کے لیے زندگی تپتی ریگزار نہیں' کھلتا ہوا گلشن ہے اور اس گلشن پہ سوائے امن کے اور کسی کا حق نہیں۔ زوئیلہ نے امن کی زندگی گلوں کے رنگوں سے سجائی ہے' خدا کرے میرا امن تاعمر اسی طرح رہے' ہنستا' مسکراتا' گنگناتا آج بھی تو وہ گا رہا تھا۔

کسی مہرباں نے آ کے میری زندگی سجادی
میرے دل کی دھڑکنوں میں نئی آرزو جگادی

خدا میرے بیٹے کے خوابوں پہ کسی دشمن کی نظر نہ ڈالے۔

☆......☆☆......☆

امن کی زندگی کا کتنا خوبصورت دن تھا آج...... امن آج دلہا بنا تھا۔ اس نے اپنے خوابوں کی ہر منزل کو اتنی آسانی سے پالیا۔ فان کلر کی شیروانی اور سرخ رنگ کا پٹکا پہنے وہ مجھے آج اتنا خوبصورت دکھائی دے رہا تھا' بالکل میرے تصور جیسا...... میری آنکھوں میں امن کا وہ ننھا سا وجود دوڑ گیا۔ جب وہ پہلی بار میری بانہوں میں آیا تھا' اس کا وجود' اس کے ہاتھ' اس کے پاؤں' میری ہتھیلیوں میں سما جاتے تھے۔ اس کی ناک' ہونٹ' آنکھیں انچ بھر کے ہوتے تھے۔ اور آج...... وہی امن' اپنی دلہن گھر لے کر آیا ہے' کبھی خوشی کے مارے میں ہنستی ہوں تو کبھی رو پڑتی ہوں۔ یہ خوشی میں کسی سے بانٹ بھی نہیں سکتی۔ سوائے اپنے اکیلے پن کے اور ایاز کے۔

آج امن کی شادی میں ایاز بھی آیا تھا۔ اپنی بیوی سلمٰی اور بچوں کے ساتھ' اپنی بھری پری فیملی کیساتھ۔ اس کی بیوی کو میں نے پہلی بار دیکھا۔ ثمینہ اور دانش نے ڈھیر سارے تحائف بھیجے امن کے لیے۔

زوئیلہ کے والدین نے اپنی اکلوتی بچی کو بہت کچھ دیا ہے۔ ڈھیروں ڈھیر زیورات' فرنیچر' الیکٹرک کی چیزیں' ایک فلیٹ اور گاڑی بھی...... مجھے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں اور نہ امن کو...... امن بہت جلد زوئیلہ کے اس فرنشڈ فلیٹ میں شفٹ ہوجائے گا' میری ضد کی وجہ سے زوئیلہ بارات کیساتھ یہاں لائی گئی اور امن نے بھی میری بات

مان لی۔ آج ہمارے گھر بہت رونق تھی۔ بہت مزا تھا۔

امن زوئیلہ کے ہمراہ اپنے فلیٹ میں اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنے چلا گیا ہے۔ آج میں پھر سے تنہا رہ گئی' میری اکلوتی زادِ راہ بھی مجھ سے چھن گئی' آتا تو وہ مجھ سے ملنے ہر دوسرے دن ہے۔ لیکن ساتھ رہتا تو نہیں' وہ اپنے من پسند جیون ساتھی کے ساتھ بہت خوش ہے۔ دونوں ہنی مون پر بھی گئے تھے۔ اسکردو وغیرہ' آج میرے گھر کی زہریلی تنہائیاں مجھے ڈستی رہیں۔

امن اور زوئیلہ اپنا فلیٹ اور کلینک بیچ کر اور رقم کا انتظام کرکے امریکہ جارہے ہیں۔ آج دونوں مجھے سمجھانے آئے تھے۔ کہ ماما' پاکستان کی زندگی کوئی زندگی نہیں' یہاں صرف بے ایمانی ہے' تکلیف ہے' اصل زندگی تو باہر ہی' ہر چیز ڈسپلن میں' طریقے کے اندر اور پھر امن نے مجھ سے اجازت مانگی' اصل میں وہ مجھ سے اجازت مانگنے نہیں مجھے بتانے آئے تھے اور میں اگر اجازت نہیں بھی دیتی تو اس نے چلے جانا تھا کہ تیاریاں پہلے ہی ہوچکی ہیں۔ ایک ماں کی کسے پروا ہے' نہ دنیا کو نہ بیٹے کو۔

پتہ نہیں اس خواب کا کیا ہوگا جو امن کی پیدائش پہ میں نے دیکھا تھا' امن کا میرے گھٹنے تک آنا...... اور پھر میرے کندھے تک...... اور پھر اک جوان مرد بن جانا اور میں ایک کمزور بوڑھی عورت جسے امن کے سہارے کی سخت ضرورت ہے اور اس کے سہارے کے بغیر سیڑھیوں سے اترنا بھی میرے لیے انتہائی مشکل ہے۔

امن' کیا تمہیں یاد ہے' وہ دن...... کہ جب میں تمہیں سہارا دیتی تھی' سیڑھیوں سے اترنا' چڑھنا' سکھاتی تھی' اور یاد کرو کہ جب میں تمہیں اکیلا چڑھنے کے لیے کہتی تھی' تب تم چند سیڑھیاں چڑھ کے تھک کر بیٹھ جاتے تھے اور ہم دونوں پھر مسکرا کے باقی سیڑھیاں چڑھ کے تھک کر بیٹھ جاتے تھے اور ہم دونوں پھر مسکرا کے باقی سیڑھیاں گنتے تھے۔

یاد ہے تمہیں کہ جب ہم آنکھ مچولی کھیلتے تھے اور میں بند آنکھوں سے تمہیں ڈھونڈنے کے لیے ہاتھ سے ٹٹولا کرتی تھی۔

کیا وہ دن تمہیں یاد ہے! کہ جب تم نے میرا کہا نہیں مانا تھا اور میں تم سے ناراض ہوگئی تھی' پھر مجھے اس پر افسوس بھی ہوا۔ میں نے تمہیں منانا بھی چاہا۔ پر جب ہم دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا' تب تمہارے ہونٹوں پہ جگمگاتی مسکراہٹ نے مجھے بھی ہنسادیا۔

مجھے سہارا دو میرے بچے! میں تیرے سہارے کے بغیر تیرے مضبوط مردانہ ہاتھ کے بغیر مرجاؤں گی۔ گرجاؤں گی' لڑکھڑا جاؤں گی۔

☆......☆☆......☆

امن باپ بننے والا ہے' چند ہی ماہ بعد' اس کے گھر آنگن بھی اک ننھا سا امن اترے گا' چند ہی دنوں میں وہ دونوں بلکہ وہ تینوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امریکہ چلے جائیں گے۔ آج امن کا فون آیا تھا' کہتا ہے......!

"ماما' میرا جو بھی سامان ہے وہاں' وہ ذرا بھجوادیں' زوئیلہ نے پیکنگ شروع کردی ہے۔ خاموش ہوگیا تھا' اور ویسے بھی اولاد جب بڑی ہوجائے تو ان کے پاس ماں باپ کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔

اولاد اگر نہ ہو تو ایک دکھ ہوتا ہے۔
اولاد اگر ہو کے مرجائے...... تو سو دکھ ہوتے ہیں
اولاد اگر ہو کے جدا رہے...... تو دکھوں کا کوئی انت نہیں ہوتا۔

میں نے آج امن کے سامان سے بھرا پرانا ٹرنک کھولا اور اس کا ہر سامان نکالا' اس کی فیرکس والی کٹوری' چمچ' فیڈر' اس کے ننھے سے پاؤں کے جوتے' کپڑے' اس کے کھلونے' واکر' سوئیٹر' موزے' دودھ پینے والا گلاس' پلیٹ' کہانیوں کی کتابیں' اسکول میں استعمال کی ہوئی پنسلیں' کاغذ کا پیاں' اس کے رپورٹ کارڈ' اس کے بستے' ٹوپیاں' یونیفارم' لنچ باکس' اس کا مفلر اور سب کچھ...... جو میرے پاس تھا' سوائے "تاثمنز آف امن" کے میں نے بند کرکے امن کو بھجوادیا۔

میرے بچے! تیری ماں کے پاس سوائے تیری یادوں کے اور تیرے وجود کے اور کچھ نہ تھا' کوئی چیز نہ تھی۔

میں نے زوئیلہ کو فون کرکے کہہ دیا تھا کہ "یہ ساری چیزیں میری تمام عمر کا سرمایہ ہیں' انہیں بے وقعت نہ سمجھنا اور انہیں امن کے بیٹے کے لیے استعمال کرنا' تم یہ سمجھنا کہ ان چیزوں کی وساطت سے ایک ماں ایک دوسری ماں کو اپنی ممتا سونپ رہی ہے۔ میں نے اپنا ننھا امن اپنی بہو کے حوالے کردیا تاکہ وہ میرے بیٹے کے بیٹے کی پرورش ویسی ہی کرے جیسے میں نے کی ہے۔"

آج میں ایئرپورٹ گئی تھی' امن کو رخصت کرنے کے لیے...... شاید ہمیشہ کے لیے اور ویسے بھی زندگی کا کوئی بھروسہ تو نہیں۔

اس کے بچھڑتے وقت کے احساسات بہت جان لیوا تھے' میں تو اپنی پوری زندگی سے بچھڑ رہی تھی۔ جاتے وقت اس نے روپیوں کا ایک لفافہ مجھے دینا چاہا...... لیکن میں نے نہیں لیا...... مجھے امن کے روپوں کی نہیں' اس کی ضرورت تھی' یہ کاغذ کے نوٹ میری روح کی اداسی کیا مٹا پائیں گے؟

آج زندگی میں پہلی بار زندگی ختم کرنے کا خیال آیا...... لیکن زندگی امن کی یادوں یا میرے جینے کی محتاج نہیں...... میرے مرنے سے زندگی کا انت نہیں ہوگا...... میرے جیسی کمزور مائیں روز مرتی ہیں...... اور روز زندگی کو جنم دیتی ہیں۔

بہت سردی ہے مما
ابھی کچھ دیر
میرا ہاتھ مت چھوڑیں!
زمستاں کی ہوا سے کپکپاتا
میرے سینے سے لگ
تو کہہ رہا تھا!
زیادہ دن نہیں گزرے
کہ میری گود کی گرمی
تجھے آرام دیتی تھی
گلے میں میری بانہیں ڈالے تو اس طرح سوتا
کہ اکثر ساری ساری رات میری
ایک کروٹ میں گزر جاتی!
میرے دامن کو پکڑ کر
گھر میں تتلی کی طرح سے گھومتا پھرتا
پھر اس کے بعد خوابوں سے بھرا بستہ لیے
اسکول کی جانب روانہ ہوگیا تو
تیرے استاد مجھ سے معتبر تھے
دوست مجھ سے خوب تر تھے
مجھے معلوم ہے......!
میں تجھ سے پیچھے رہ گئی ہوں
سفر اب جتنا باقی ہے
وہ بس پسپائی کا ہی رہ گیا ہے
تیری دنیا میں اب ہر پل نئے لوگوں کی آمد ہے
میں بے حد خامشی سے
ان کی جگہیں خالی کرتی جارہی ہوں
ترا چہرہ نکھرتا جارہا ہے
میں پس منظر میں ہوتی جارہی ہوں
زیادہ دن نہ گزریں گے
میرے ہاتھوں کی یہ دھیمی حرارت
تجھے کافی نہیں ہوگی
کوئی خوش لمس دست یاسمیں آکر
گلابی رنگ حدت تیرے ہاتھوں میں سمو دے گا
میرا دل تجھ کو کھو دے گا
میں باقی عمر
تیرا راستہ تکتی رہوں گی
میں ماں ہوں......!!
اور میری قسمت جدائی ہے......!

نازیہ جمال

"آج بوا حلیمہ آئی تھیں۔" اماں اس کے قریب بیٹھتے ہوئے آہستگی سے بولیں۔

"تو......؟" سر جھکائے کاپیاں چیک کرتے ہوئے اس نے سپاٹ انداز میں مختصراً استفسار کیا۔

"تم کوئی فیصلہ کرو تو میں انہیں کوئی جواب دوں۔ انہیں جلدی ہے۔ اگلے ہفتے آنے کا کہہ دیا ہے میں نے۔"

"میں کیا جواب دوں' کیا فیصلہ کروں؟" اس نے ایک دم سے پین کاپی پر پٹخا۔ "جواب دیا تھا میں نے آپ کو فیصلہ بھی سنایا تھا کوئی تین سال قبل' کوئی اثر لیا تھا آپ نے؟ کوئی وقعت تھی میرے جواب کی جواب پھر رائے طلب کرنے کا تکلف کر بیٹھی ہیں۔" ان کے جھکے ہوئے کمزور چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ اونچی آواز میں گہرے طنز سے بولی۔

"بہت اچھے لوگ ہیں۔ خوش حال' نیک اور مہذب۔" اماں نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے تحمل سے کہا۔

"جی مگر دو بچوں کا باپ' پختہ عمر کا شخص۔" کاٹ دار انداز میں گویا اماں کو یاددہانی کرائی۔

"دو بچوں کا باپ ہے تو کیا ہوا؟ کھاتا پیتا' انتہائی سلجھا ہوا تعلیم یافتہ شخص ہے۔ اپنا کاروبار گھر گاڑی......"

"اگر کوئی سلجھا ہوا تعلیم یافتہ شخص میرا نصیب بننا تھا تو پہلے مجھے کانٹوں پر کیوں گھسیٹا تھا؟ کیوں میری روح کو تار تار کرنے چھوڑ دیا تھا؟" اس نے کم وبیش روز کی طرح آج بھی ایک ہی سوال اماں سے گلوگیر لہجے میں پوچھا تھا۔ "بتائیں' کیوں میرا جان بوجھ کر نصیب پھوڑا تھا؟"

"بیٹا...... یہ سب نصیب کے کھیل ہیں۔ نصیب ایک ان دیکھی دیوار ہے جسے ہاتھ لگا کر چھونا ناممکن ہے۔ ہم اپنی تقدیر سے ایسے ہی بے خبر ہوتے ہیں۔ جیسے اپنی موت سے۔ اگر تدبیر ہی سب کچھ ہوتی تو انسان کب کا انسانیت کے دائرے سے نکل چکا ہوتا۔" اماں دھیمے لہجے میں ناصحانہ انداز میں بولیں۔

"ہونہہ نصیب' تقدیر' دہکتے کوئلوں میں جان بوجھ کر دھکیلا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے دھکا دیا تھا مجھے دہکتے کنوئیں سے باہر لپٹتے شعلے آپ نے بھی دیکھ رکھے تھے اور میں نے بھی۔ اب میری روح تک آبلوں سے اٹ چکی ہے۔ میرا بند بند سوختہ ہوچکا ہے۔ اپنی حرماں نصیبی پر سمجھوتہ کرچکی ہوں میں۔ کس امید پر مجھے زندوں میں شمار کرتے ہوئے میرے سامنے رنگوں' خوشبوؤں اور روشنیوں کی باتیں کرتی ہیں۔" وہ حلق پھاڑ کر بول رہی تھی۔ غیظ کی سرخی نے سانولی رنگت میں سیاہی گھول دی تھی۔

اماں کو اس کے چہرے پر تہہ در تہہ اترتی تلخی اور وحشت سے اتنا خوف آیا کہ انہوں نے گھبرا کر نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں۔ دم توڑتی دوپہر کے سائے دیواروں کی طرف رینگ رہے تھے۔ روز کی طرح آٹا گوندھتے ہوئے نغمہ نے آٹے کی بھور بنائی تو صحن کے وسط میں لگے جامن کے پیڑ سے چڑیاں جھنڈ در جھنڈ بھور چگنے اتر آئی تھیں۔ مگر ڈھلتے سورج کی زردخیالی روشنی میں ڈوبے پرسکوت صحن میں گونجتی اس کی ہذیانی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ چڑیاں پھر سے اڑ کر واپس پیڑ پر جابیٹھیں۔ نغمہ نے پتوں میں چھپی چڑیوں کو بے بسی سے دیکھا پھر ایک غصے بھری نظر اس پر ڈالی۔

"تم اس سارے مسئلے میں اللہ پر بھروسے اور یقین کو کہاں فٹ کرتی ہو جس کے بل بوتے پر اماں نے ہر ماں باپ کی طرح تمہیں اگلے گھر وداع کیا تھا۔ اب اپنی کم نصیبی پر انہیں موردالزام ٹھہرا کر کیوں گھر کی فضا اور اماں کی صحت خراب کرنے پر تلی ہوئی ہو۔" نا چاہتے ہوئے بھی نغمہ کا لہجہ سخت ہوگیا تھا۔

"تم......" کاپیاں سمیٹتے ہوئے اس نے نغمہ کو دیکھ کر دانت کچکچائے۔

"تم تو میرے معاملے سے دور ہی رہا کرو۔ میری زندگی خراب ہوگئی اور انہیں گھر کی فضا خراب ہونے کی پریشانی ہے۔" نغمہ کی بات نے اس کے اندر جلتے بھانبڑ کو ہوا دی تھی۔

"تم اس رشتے سے انکار کردو۔ سپل...... تمہیں کوئی فورس تو نہیں کررہا۔ مگر براہ مہربانی آئندہ اس طرح پرانے کھاتے کھول کر اماں کا بی پی ہائی مت کیا کرو۔ جانتی ہو ڈاکٹر نے ڈپریشن ان کے لیے جان لیوا حد تک خطرناک قرار دیا ہے۔" گیلے ہاتھ دوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے نغمہ اس کی شرربار آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوٹوک انداز میں بولی۔

اسی دم قریبی مسجد سے اذان مغرب کی آواز بلند ہوئی۔ فضا ایک دم سے پرُنور ہوگئی تھی۔ وہ چند لمحے نغمہ کو پرُشور سانسوں کے ساتھ چپ چاپ گھورتی رہی۔ پھر کاپیاں اٹھائیں اور اندر کمرے کی طرف چل دی۔ اس کے قدموں میں جگی کے پاٹ بندھ چکے تھے۔ کاپیاں بے حد تھکے ہوئے انداز میں پیٹی پر رکھیں۔ یہ اس کے جہیز کی پیٹی تھی۔ جس میں برسوں سے سنبھالی اشیاء اسے شادی کے موقع پر بھر کردی تھیں۔ پیٹی پر گلابی سوتی کپڑے کا کور تھا۔ جس پر اماں نے کئی مہینے تک مختلف رنگوں کے دھاگوں سے اپنا کشیدگی کا ہنر آزمایا تھا۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ دھاگے کے ابھرے پھولوں پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے دل سے ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ اگلے ہی لمحے وہ پیٹی پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

❁......❁......❁......❁

اونچا لمبا صحت مند سراپا' نمکین سانولی رنگت جو گرمیوں میں موسم کی شدت کے باعث سیاہی مائل ہوجاتی تھی اور سردیوں میں قدرے صاف۔ نرم ہاتھ پاؤں لمبے مگر پتلے بالوں کی ڈھیلی ڈھالی چٹیا۔ معمولی نین نقوش کی مالک ناہید تبسم ہرگز بھی اتنی معمولی نہ تھی کہ اپنی زندگی کے بارے میں کیے گئے اچانک اور سراسر نامعقول فیصلے پر مہر بہ لب ہوکر سر جھکا دیتی۔ مضبوط کردار' مقبول سیرت وکردار' بہترین تعلیمی ریکارڈ اور دوران معلمی ملنے والی ستائش نے اس کا اپنی ذات پر اعتماد ایسا بڑھایا ہوا تھا کہ وہ بے دھڑک اماں کے سر پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

"اماں...... میں کسی رفیق سے شادی نہیں کررہی۔ آپ پھوپو کو انکار کردیں۔" اس کا انداز جارحانہ اور دوٹوک تھا۔

"کیوں تمہیں کیوں انکار ہے؟ کیا برائی ہے رفیق

میں؟'' سر جھکائے چاول چنتے ہوئے اماں سپاٹ انداز میں پوچھنے لگیں۔ ان کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہ تھا۔

''کیا برائی ہے یہ آپ کہہ رہی ہیں؟'' مارے صدمے کے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

''آپ جانتی بھی ہیں کہ ہمارے اور پھپو کے رہن سہن میں زمین آسمان کا فرق ہے' تمیز سلیقہ اور شعور۔ ان ساری چیزوں کی توقع ان کے گھر میں عبث ہے۔ اور پھپو کا دیور......'' بولتے بولتے اس کے حلق میں تلخی گھل گئی تھی۔ برسوں قبل میٹرک کے دوران وہ خدیجہ پھپو کی بڑی بیٹی فرزانہ باجی کی شادی پر سب کے ساتھ پہلی دفعہ گاؤں گئی تھی۔ اہل دیہہ کے شادی بیاہ کے رسم و رواج میں اس کے لیے ڈھیروں دلچسپی و اشتیاق کا سامان تھا۔ مگر کئی کنال پر مشتمل کچے گھر کی گندگی' مرد و زن کا باہم ہنسی ٹھٹھول سب سے بڑھ کر پھپو کے چھوٹے دیور رفیق کا بات بات پر گالیاں بکنا' شامیانے' قناتیں ٹھونکوانے سے لے کے کچے کمرے کی چھت پر صندوق جتنے سائز کا ڈیک فٹ کرانے تک' شادی کے ڈھیروں کام رفیق نے بلا تکلف و بلا تخصیص گھر کے تمام افراد کو گالیاں دیتے ہوئے سرانجام دیئے تھے۔ خاص طور پر کھانے کی تقسیم کے دوران مہمان خاتون کے دوسری بار کھانا مانگنے پر اسے بے دریغ بھوکی' ندیدی اور لالچی کہہ دیا تھا۔ یہ سب دیکھتے ہوئے اس کی نفیس شائستہ اور صاف ستھری طبیعت خاصی مکدر ہوئی تھی۔ واپسی پر اپنی ناگواری اماں کے سامنے ظاہر کر دی۔

''چھوڑو بیٹا...... یہ دیہاتی لوگ ہیں۔ گالیاں دینا اور ہاتھ اٹھانا تو یہاں معمول کی بات ہے۔ جہاں تعلیم اور شعور کا فقدان ہو وہاں عورتیں بھی اپنی زبان کی حفاظت نہیں کر سکتیں چہ جائیکہ مرد؟'' اور جب اسی رفیق کا رشتہ لے کر پھپو ان کے گھر آئیں تو ابا نے دل و جان سے بہن کا خیر مقدم کیا اور بنا کسی سے مشورہ کیے فوراً ہاں کہہ دی۔ بھلا ایسی بہن کو کیسے انکار کرتے جو سبع الغصی سے کہہ رہی تھی۔

''امین بھائی...... مجھے جہیز کے نام پر سوئی تک نہیں چاہیے۔ تو میرا بھائی ہے۔ بیٹیوں والا ہے۔ بھلا تجھ سے جہیز کی فرمائش کرتی اچھی لگوں گی۔'' ایک تو بہن کا دیور جس کے کردار و شرافت کی بہن خود گواہی دے رہی تھی۔ اوپر سے زیادہ جہیز دینے کی ممانعت امین علی کیسے انکار کرتے یا روایتی چھان پھٹک اور صلاح مشورے کے لیے تھوڑا سا وقت مانگتے۔ مشورہ کرتے بھی تو کس سے؟ اس بیوی سے جو انہیں سوائے چھ بیٹیوں کی قطار کے کچھ نہ دے سکی تھی۔ جس نے نرینہ اولاد کی خوشی کے لیے ساری زندگی ترسایا تھا۔ روکھے پھیکے بے رنگ چہرے والی عورت جو مرحومہ ماں ان کے گلے میں طوق کی صورت ڈال گئی تھی۔ اگر آخری وقت میں ان کے بندھے ہاتھوں کا واسطہ نہ ہوتا تو وہ کب کا اس جاہد تاثرات والی عورت کو گھر سے نکال چکے ہوتے۔

''دیکھ امین علی! کلثوم میری بھتیجی ہے۔ میرے اکلوتے بھائی کی بیٹی۔ ایسا نہ ہو کہ میری آنکھیں بند ہونے کے بعد تو اس کے ساتھ کوئی ظلم کر بیٹھے۔ ورنہ روز قیامت تجھے سامنے نہیں آنے دوں گی اپنے۔'' بوڑھے ضعیف وجود سے برآمد ہونے والے کپکپاتے الفاظ اپنی تاثیر میں اتنے مضبوط تھے کہ وہ کلثوم کو اپنی زندگی سے بے دخل کرنے کی شدید ترین خواہش پر بھی عمل پیرا نہ ہو سکے۔ تاہم اپنے اندر پلتی شریک حیات کے لیے نفرت' بیزاری اور ناگواری کا برملا اظہار کرتے رہتے۔ کبھی کلثوم کو عزت اور مان دے کر اس کی ذات کو سرخرو کیا نہ ہی کبھی بیٹیوں کے سر پر دست شفقت پھیرا اور ماں باپ کی باہمی کشیدگی اور عدم ذہنی مطابقت کے ماحول میں پلتی ناہید اس فیصلے کے خلاف باپ کے سامنے تو احتجاج کرنے کی ہمت خود میں نہ لا سکی۔ بس ماں کے سامنے خوب چیخی چلائی روئی گڑگڑائی۔

''آپ ابھی اور اسی وقت ابا کو انکار کریں رفیق کسی طرح بھی میرے لائق نہیں ہے۔ جاہل ان پڑھ۔''

''بلاوجہ شور مت کرو ناہید رفیق صحت مند نوجوان ہے۔ گاؤں کے چوہدری کا خاص ملازم روپے پیسے کی کمی نہیں۔ اپنی پھپو کا گھر ہے۔ روایتی ساس نندوں کے بکھیڑوں سے بچی رہو گی۔''

''اماں...... مجھے پڑھے لکھے لوگ اچھے لگتے ہیں۔ میں یہ سب کچھ ڈیزرو نہیں کرتی۔'' وہ کرلاتی تھی۔ ماں کا سپاٹ اور غیر جذباتی انداز اسے پہروں آٹھ آٹھ آنسو رلا چکا تھا۔

''روبینہ اور مہرینہ بھی تو تمہاری بہنیں ہیں۔ جو معمولی دکانداروں اور ٹھڑوں پہ چیزیں بیچنے والوں کے ساتھ گزارا کر رہی ہیں؟''

''ہاں مگر ساری مڈل پاس۔ کوئی بھی تو میری طرح گریجویٹ نہیں ہے۔ کسی نے کوئی پوزیشن نہیں لی۔'' پھٹ کر وہ یاد دلاتے ہوئے بولی۔

''ناہید...... تمہیں پڑھنے کا شوق تھا۔ تمہارے اس شوق کو پورا کرنے کی خاطر میں نے پائی پائی جوڑ کر رکھے ہوئے پیسے خرچ کیے۔ اس لیے نہیں کہ تم پڑھ لکھ کر ماں کے منہ کو آنے لگو۔ جانتی بھی ہو کہ تم لوگوں کے ابا کو تم لوگوں کا زیادہ پڑھنا پسند نہیں۔'' اماں اب کے قدرے سختی سے بولیں۔

''تو اماں...... جیسے ہماری تعلیم کے لیے ابا کے آگے ڈٹ گئی تھیں۔ آج اس رشتے سے انکار کے لیے بھی ڈٹ جائیں ناں۔'' وہ جھٹ آس بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے ان سے بولی۔ اماں اس کی بات پر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ سانولے رخساروں پر آنسوؤں کی موٹی موٹی لکیریں تھیں۔

''پتہ ہے ناہید تمہارے ابا تم لوگوں کے پڑھنے کے خلاف تھے مگر میں نے کہا میری بیٹیاں ضرور پڑھیں گی تو انہوں نے مجھے چیلنج کیا تھا کہ زیادہ پڑھ لکھ کر یہی بیٹیاں تمہیں اپنی خودسری اور من مانی سے خوار کریں گی۔ میری پگڑی اچھالیں گی۔ مگر میں نے ان کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے صرف اتنا کہا تھا کہ میری بیٹیاں ہمیشہ میری نیک نامی اور سرخروئی کا باعث بنیں گی۔ نغمہ اور صغیرہ کو بھی تمہاری طرح پڑھنے کا شوق ہے۔ سوچو تمہارے انکار کے بعد وہ اپنی تعلیم مکمل کر پائیں گی؟'' اماں کا لہجہ دھیما تھا۔ وہ منہ کھولے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''ناہید میں اپنے بچوں کے ساتھ اس گھر میں ساری عمر عزت کے ساتھ بتانا چاہتی ہوں۔ بھائی بھابی کے بچوں کے کام کاج مجھ سے اس عمر میں نہیں ہوتے۔ میرا بھائی تنگ دست اور مفلس ہے۔ پہلے ہی آٹھ جی اس کی محنت پر پل رہے ہیں۔ میرا بوجھ وہ کیسے اٹھا پائے گا؟'' اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اماں کا بھیگا ہوا لہجہ ملتجیانہ تھا۔

''اماں......!'' وہ ان کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں دیکھ کر تھرا اٹھی تھی۔

❁......❁......❁......❁

''رفیق...... بیوی تو تجھے خوب ملی ہے۔ تو بتا رہا تھا کہ یہ پڑھی لکھی ہے۔ یہ تو اور بھی چنگی گل ہے۔'' بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے چوہدری اکبر نے سرخ آنکھوں سے اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے کہا تو وہ غیر محسوس انداز میں رفیق کی اوٹ میں ہو گئی تھی۔

''جی چوہدری جی...... نہ صرف پڑھی لکھی بلکہ قابل استانی بھی ہے۔'' رفیق باچھیں پھیلاتے ہوئے یوں عاجزی سے بولا جیسے چوہدری نے ناہید کی نہیں اس کی اپنی تعریف کی ہو۔

''ہوں...... دلہن پہلی واری ہماری حویلی آئی ہے تو خالی ہاتھ جانا مناسب نہیں۔'' چوہدری نے واسکٹ کی اندرونی جیب سے نیلے نیلے نوٹوں کی گڈی نکالی اور کئی نوٹ ایک ساتھ کھینچ کر اس کی طرف بڑھائے۔ وہ ہنوز رفیق کے پیچھے چھپی کھڑی تھی۔

''ارے لے ناں...... ان کا دیا کھا رہے ہیں۔ ان سے کیا شرمانا۔'' رفیق اس کا گریز بھانپتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ پھر بازو سے پکڑ کر اسے سامنے کیا۔ تو مجبوراً اسے نوٹ تھامنے کے لیے ہاتھ آگے کرنا پڑا۔ نوٹ تھماتے

ہوئے چوہدری نے اس کا ہاتھ ذرا سا نرمی سے دبا کر چھوڑ دیا تھا۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی تھی۔ بے حد متوحش ہوکر چوہدری اکبر کو دیکھا تو سرخ نظروں کے حریصانہ انداز نے اس کے اندر جیسے آگ سی بھر دی تھی۔ اس کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔ بے حد قیمتی ریشمی جوڑے میں ملبوس ڈھیروں طلائی زیورات سے لدی چوہدرائن نے کافی نخوت زدہ انداز میں واپسی پر چند سو روپے اور ایک جوڑا ریشمی کپڑے کا اسے تحفتاً دیا تھا۔

"دیکھا کتنے اچھے لوگ ہیں۔ بڑے دل والے۔ ہمارے والی اور سر کے سائیں۔" واپسی پر رفیق بے حد مسرورانہ انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

"کوئی انسان کسی کا والی نہیں ہوتا۔ صرف اللہ کی ذات ہی اصل سہارا اور مددگار ہوتی ہے۔" وہ بے حد خراب موڈ کے ساتھ ترشی سے بولی تھی۔ رہ رہ کر چوہدری کی بے باک نگاہیں یاد آ رہی تھیں۔

"عجیب کم عقل عورت ہو؟ وہ ہمارے مالک، ہم ان کے نوکر تو سائیں کیسے نہ ہوئے؟" رفیق کو اس کی بات پر غصہ آ گیا تھا۔

"اٹھارہ سال کا تھا جب سے چوہدری صاحب کا نمک کھا رہا ہوں۔ یہ جو اناج کے بھڑولے گھر میں بھرے کھڑے ہیں سب انہی کی عنایات ہیں۔ ہماری شادی کا خرچہ دکھ بیماری کی دوا دارو سب ان کے ذمے تو کیسے ہمارے مائی باپ نہ ہوئے۔" رفیق کو جیسے اس سے اس بات کی توقع نہ تھی۔ اس لیے بے حد جذباتی انداز میں اسے چوہدری اکبر کے احسانات کی طویل فہرست سنائی جو وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ رفیق کی زندگی میں چوہدری اکبر کی حیثیت کسی بیل کی سی ہے۔ پھپھو خدیجہ نے بتایا تھا کہ رفیق چوہدری اکبر کا معاون کار اور معتمد خاص ہے جو اس کے ڈیرے کے معاملات کے ساتھ ساتھ زمینوں کا حساب کتاب بھی رکھتا ہے۔ چوہدری شناختی کارڈ کی طرح ہر وقت اسے اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مگر اسے ان گزرے تین ماہ میں علم ہو چکا تھا کہ رفیق جانثارانہ حد تک چوہدری کا وفادار اور والہ و شیدا ہے۔ چوہدری کے کسی مخالف بندے کو پھڑکانا یا کسی مخالف کی لڑکی اٹھانا اس کے فرائض منصبی میں شامل ہیں۔ تبھی تو آنے والے الیکشن میں رفیق کی ذمہ داریوں اور مصروفیات میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ چوہدری اکبر ایم پی اے کی سیٹ کے امیدوار کے طور پہ گاؤں اور گاؤں سے باہر جلسے جلوسوں اور ریلیوں میں خود کو اہل امیدوار ثابت کرنے کے لیے بھرپور کوشاں تھا۔ رفیق لمحے لمحے کا ساتھی، بے حد پرجوش بے باک اور نڈر ہوکر چوہدری کے ساتھ ساتھ سب کی توجہ کا مرکز تھا۔ اس دن رائفل چیک کرتے ہوئے بے حد مصروف انداز میں اسے حویلی چلنے کا کہا۔

"الیکشن کی وجہ سے حویلی میں کام بڑھ گیا ہے۔ تم ذرا چوہدرائن جی کا ہاتھ بٹاؤ۔"

"نہیں، میں حویلی نہیں جا رہی۔ تم پھپھو کو بھیج دو۔" اس نے صاف دو ٹوک انداز میں جانے سے انکار کر دیا۔ رفیق نے سر اٹھا کر بے حد خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر دروازے کی طرف رخ کر کے آواز دینے لگا۔

"بھابی او بھابی...... ادھر آ بات سن۔"

"کیا بات ہے رفیق کیوں بلا رہا ہے؟" دروازے پہ کھڑے ہوکر خدیجہ نے پوچھا۔

"تیری بھتیجی حویلی جانے سے انکار کر رہی ہے۔ تو اسے اپنے لفظوں میں سمجھا کہ شوہر کیا ہوتا ہے؟ اور اس کی بات کیا درجہ رکھتی ہے ورنہ میں اپنے انداز میں سمجھاؤں گا تو تو ناراض نہ ہونا۔" بے حد تیز چنگھاڑتے ہوئے انداز میں بولنے والا رفیق بے حد سرد اور ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہا تھا۔

"وے فیقے...... مجھ سے کیا کہتا ہے۔ میں تو خود اسے لا کر پچھتا رہی ہوں کسی کم جوگی نہیں۔ بوکر کرتے ہوئے اس کی کمر درد کرتی ہے۔ چولہے کا دھواں آنکھوں میں جلن پیدا کرتا ہے۔ مرغیوں کا ڈربہ صاف کرتے ہوئے بدبو سے دماغ پھٹتا ہے۔ چکی چلاتے ہوئے اس کے ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔ بتا مجھے کون سا سکھ دیا ہے جو میری تیری دل جوئی کروں۔" خدیجہ نے دکھڑا رونا شروع کیا تو پھر چپ ہونے کا نام نہیں لیا۔

"سارے گھر کا کام خود کرتی ہوں۔ مہارانی سارا دن کمرے میں بند اللہ جانے کون سے جاب فر بند ہونٹوں سے پڑھتی رہتی ہے؟" جلے کٹے انداز میں کہتے ہوئے ایک کھا جانے والی نظر اس پر ڈالی تھی۔ جواب اطمینان سے کرسی کی بیک پر ڈھلا ہوا گور چڑھا رہی تھی۔

"مجھے صرف تیرا لحاظ ہے۔ ورنہ کب کا سیدھا کر چکا ہوتا۔ فیقے استاد کے آگے بڑے بڑے سورما سیدھے ہو جاتے ہیں اور یہ تو میری بیوی ہے۔ جو شاید مجھے اب تک شوہر کے روپ میں قبول نہیں کر پا رہی۔" کہتے ہوئے بھرپور استہزائیہ انداز میں اسے دیکھا تھا۔

خدیجہ کے برعکس رفیق کو اس سے شکایتیں کچھ اس نوعیت کی تھیں کہ ناہید اس کی عزت نہیں کرتی۔ کبھی شوہروں والا رتبہ نہیں بخشا۔ توجہ، محبت، فکر...... جو اس نے اپنے اردگرد ماحول میں ہر بیوی کے اندر اپنے شوہر کے لیے دیکھی تھی۔ مگر رفیق کیا جانے کہ وہ محبت اس سے طلب کر بیٹھا ہے جس کا اپنا من محبت سے شاکی ہے۔ کیسے شاکی نہ ہوتا؟ کبھی باپ نے عام دن تو دور کی بات عید کے عید بھی مسکرا کر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بھینچ کر خود سے نہ لگایا تھا۔

رزلٹ ڈے پر گلے میں میڈل تو کبھی ٹرافی ہاتھ میں لیے خوشی سے سرشار دل کے ساتھ، اماں سے پرائز اور ماتھے پر بوسہ لینے کی خواہش لیے گھر آتی تو ماں نے کبھی سلائی مشین سے سر اٹھا کر اسے مبارک باد دینے کا تکلف نہ کیا تھا۔ وہ کیسے رفیق کی شکایتیں دور کرتی۔ خود اس کا دل پیار، محبت، گرم جوشی اور فکر سے خالی تھا۔ مفلس کسی کو کیا عنایت کرے۔ رفیق کو یہ بات چبھتی کہ وہ اس کے گھر آنے پر بھاگ کر تکیہ اٹھا کر اس کی پشت سے کیوں نہیں لگاتی۔ اس کے دیر سے گھر آنے پر فکر مندی کیوں ظاہر نہیں کرتی۔ سب کے سامنے ہاتھ تھامے جانے پر وہ اپنا ہاتھ کیوں چھڑا لیتی ہے۔ بیوی کے نام پر وہ ایک مسلسل اذیت تھی۔ جسے وہ تین ماہ سے جھیل رہا تھا۔ اس کا اپنا کلیجہ جل کر خاک ہو چکا تھا۔ وہ کیسے خدیجہ کے آگے سر نہ پٹختا۔

"میں نے تجھے کئی بار چندا کے بارے میں کہا تھا۔ چندا جو پورا چاند ہے۔ جو ڈھیروں اجالے اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے۔ چوہدرائن کی خاص ملازمہ، خوشبوؤں سے مہکتا خوش رنگ پھول۔ جسے دیکھ کر دل و دماغ معطر ہو جائے۔ شیرنی ٹپکاتے لب اور تیری بھتیجی، کانٹوں بھرا جھنڈ، کیکر، تھوہر۔ جس کے قریب جا کر سوائے چبھن اور درد کے کچھ نہیں ملتا۔" بولتے بولتے ایک ناگواری سے بھرپور نگاہ اس نے پرسکون چہرے پر ڈالی۔ جہاں اتنی لن ترانیوں کے بعد کوئی تغیر نہ جاگا تھا۔ بس خاموشی سے حویلی جانے کے لیے چادر اوڑھ رہی تھی۔ انتخابات کے سلسلے میں حویلی میں کافی گہما گہمی تھی۔ ہر وقت مہمانوں کی آمد و رفت۔ واقعی حویلی میں اس کی ضرورت تھی۔ کوکنگ اس کی بہترین تھی۔ اس لیے کچن کا انتظام بخوبی سنبھال لیا۔

وہیں اسے چندا نظر آئی۔ چوہدرائن کے پاؤں دباتی، تو کبھی اس کے پراندے کے بل کھولتی۔ دودھ میدے سی رنگت، گہری غزالی آنکھیں، گلابی لب، اوپر سے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ۔ رفیق ایسے تو غلط اس کی تعریف نہیں کر رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

"ناہید...... تجھے چوہدری بلال اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔" کچن سلیب صاف کرتے ہوئے اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ چندا پراندہ گھماتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

وہ ناہید تبسم تھی۔ ذہین، سمجھ دار اور ذہانت محض تعلیمی میدان میں کامیابیوں کے جھنڈے گاڑنے کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ تعلیم تو اپنی روزمرہ زندگی کے معاملات کو بہتر طور پر نمٹانے کا نام ہے۔ چندا کو سر اثبات میں ہلا کر

جانے کا عندیہ دیا اور سیدھا حویلی سے گھر آ گئی۔ رات کو بے حد غصیلے اور اکھڑے ہوئے لہجے میں رفیق اس کے سر پر کھڑا ہو چھ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں چوہدری کا ہاتھ بٹانے کی خاطر حویلی بھیجا تھا یا چوہدری بلال کا دل بہلانے۔ کیوں اس کے کمرے میں جاتی ہے؟ بول۔" رفیق حلق کے بل دھاڑا تھا۔

"میں چوہدری بلال کے کمرے میں کبھی نہیں گئی۔ اس کے بلانے پر بھی نہیں۔ میں جانتی ہوں وہ ایک بدقماش اور نظر باز انسان ہے۔ پورا اپنے باپ کا پرتو۔ اس لیے تو میں حویلی جانے سے انکار کرتی تھی۔" چادر درست کرتے ہوئے اس نے تحمل سے جواب دیا۔

"بکواس مت کرو۔ چندا نے خود مجھے بتایا کہ چوہدری بلال تمہارے اردگرد منڈلاتا رہا۔ تمہیں اپنے کمرے میں بلایا۔ تمہیں پیسے دیئے؟" مارے غضب کے رفیق کے سرخ چہرے پر پسینہ پھوٹ نکلا۔

"بکواس کرتی ہے تمہاری معشوقہ۔ چوہدری بلال واقعی میرے اردگرد منڈلاتا رہا۔ مگر میں نے اسے کوئی لفٹ نہیں کروائی۔ خود سوچو، جس کا باپ اتنا نفس پرست اور عیاش ہو۔ اس کا بیٹا کس حد تک گھٹیا ہوگا۔" اس کی بات پوری ہوتے ہی رفیق کا زوردار تھپڑ اس کے رخسار پہ آ پڑا۔

"چوہدری صاحب کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو تیری جان لے لوں گا۔" رفیق انگلی اٹھا کر اسے دھمکاتے ہوئے میز کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا۔

الیکشن والے دن چوہدری اکبر اور ان کے حریف کے حامی گروپوں کے درمیان زبردست تصادم پیدا ہو گیا۔ رفیق کی فائرنگ سے مخالفین کا ایک بندہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ چوہدری اکبر انتخابات میں تو جیت گئے مگر مخالفین نے پرچہ کٹوا کر رفیق کو حوالات میں بند کروا دیا۔ غنڈے بدمعاش کے ساتھ ساتھ وہ گاؤں میں ایک قاتل کی بیوی کے نام سے بھی مشہور ہو گئی۔ اماں اس کی ذہنی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے آ کر اسے لے گئیں۔ پھپھو نے بڑے دل سے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ کون سا انہیں کوئی سکھ دے رہی تھی۔ سارا دن خاموش بیٹھی خلاؤں میں گھورتی رہتی تھی۔

پورے آٹھ ماہ کی مقدمے بازی کے بعد چوہدری اکبر نے رفیق کو رہا کروا لیا۔ وہ بھی ضمانت پر مگر اس نے ناہید کو واپس لانے سے انکار کر دیا۔

"جو بیوی مشکل وقت میں مجھے چھوڑ گئی۔ وہ آگے میرا کیا ساتھ نبھائے گی۔" امین علی نے مدد طلب نظروں سے خدیجہ کی طرف دیکھا تھا۔

"معاف کرنا بھائی...... تمہاری بیٹی خود ہی اپنا گھر نہیں بسانا چاہتی۔ اسے رفیق سے نام کا بھی لگاؤ نہیں۔ وہ یتیم بچہ روتا ہے میرے آگے میرا ہاتھ اس کے سر پہ ہے۔" خدیجہ نے صاف ہاتھ جھاڑ دیئے تھے۔

زور زبردستی کے بندھن ڈھیلے ہی بندھتے ہیں۔ وہ بندھن جن کی بنیاد ہی نفرت، بے زاری اور اندیشوں پر ہو۔ انہیں ٹوٹنے میں بھلا کتنی دیر لگتی ہے۔

❀......❀......❀......❀

چہرہ آئینہ کے قریب کر کے اس نے چمکیلا رنگوں سے مرصع جھمکا کانوں میں ڈالا اور پھر قدرے دور ہو کر اپنا جائزہ لیا۔ گہرا نیلا شیفون کا جوڑا اس کے بدن پر سجا ہوا تھا۔ جس کے گلے اور بازوؤں پر سفید نگوں اور موتیوں کا کام تھا۔ بالوں کی پف بنا کر پیچھے سے کھلے چھوڑ دیئے تھے۔ کل وہ سارا دن پارلر میں گزار کر آئی تھی۔ بیوٹیشن کی کارگزاری اس کے چمکتے چہرے پر واضح نظر آ رہی تھی۔ لائٹ آئی میک اپ کے ساتھ ڈارک گلابی لپ اسٹک کی تہہ لبوں پر جمائی، جھک کر بائی ہیلو سینڈلز پہنتی۔ ذرا سا رخ موڑ کر آئینے میں از سر نو اپنا جائزہ لیا۔ وہ عام دنوں کی نسبت کافی مختلف اور خاص لگ رہی تھی۔ خود سے مطمئن ہو کر پرس میں چیزوں کو چیک کرنے لگی۔

آج اس کے اسکول میں اسٹوڈنٹس ویک کا فائنل ڈے تھا۔ پورا ہفتہ اس نے اپنی کلاس کے بچوں پر بہت

محنت کی تھی۔ بچوں نے ٹیبلوز، ڈانس، لوک رقص، قومی نغموں غرض ہر پروگرام میں بہترین پرفارمنس دی تھی۔ آج تو فائنل ڈے پر ایم پی اے صاحب بطور چیف گیسٹ مدعو تھے۔ انہوں نے بہترین پرفارمنس پر کسی بھی کلاس کو کیش پرائز سے نوازنا تھا۔ آج کے دن کے لیے وہ کافی پرجوش تھی۔ اس کی محنت کا ثمر ملنے والا تھا۔ وہ پریقین اور مطمئن تھی۔

رفیق سے علیحدگی کے بعد اس نے انگلش میں ماسٹرز کیا اور ایک بہترین مقامی سرکاری اسکول میں ٹیچنگ شروع کر دی۔ اپنی محنت، قابلیت اور ذہانت کی بدولت اس نے جلد ہی پروموشن حاصل کر لی تھی۔ مگر چرخ کہن نے حور پنکھ کو تصویر میں بدل ڈالا تھا۔ جس کی ایک ایک نوک سے اماں کو دیکھتے ہوئے زہر ٹپکنے لگتا تھا۔ بات بات پر کاٹنے کو دوڑتی۔ خصوصاً ان دنوں میں جب کوئی پروپوزل اس کے لیے آتا تو وہ چیخ چیخ کر گھر سر پر اٹھا لیتی۔ نیم دیوانگی کی سی کیفیت میں رفیق کے ساتھ گزارے تلخ ایام کو دہراتی۔ وہ اپنی زندگی پر لگے داغ کی وجہ سراسر اماں کی بزدلی اور کم ہمتی کو قرار دیتی تھی۔ جنہوں نے اس کے لاکھ انکار کے باوجود اسے رفیق سے بیاہ دیا تھا۔ اسے دہکتے انگاروں پر دھکیلا تھا۔ مگر اماں کا بھی وہی ازلی واضح اور صاف موقف۔

"میں بے حد کمزور ہوں۔ میری پوزیشن سے تم لوگ بخوبی واقف ہو۔"

"ناممکن۔ ایک عورت کمزور ہوتی ہے مگر ماں نہیں۔ آپ کے ساتھ چھ بیٹیاں تھیں۔ ہم دیکھتے ابا کیا کرتے۔ اب اس علیحدگی کے بعد انہوں نے کچھ نہیں کہا تو اس وقت بھی نہ کرتے۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ کر ان کے ہر موقف کو رد کرتی۔ اپنی وہ منت سماجت اور گریہ وزاری یاد دلاتی جو اس نے شادی سے قبل کی تھیں۔ نغمہ اور الوینہ اس کی زندگی کے تغیرات کو سراسر قسمت کا لکھا قرار دیتی تھیں۔

"تقدیر سے زیادہ اثر پذیر کوئی شے نہیں۔ تمہارا گاؤں میں جانا، پھر واپس آنا سب مقدر کے کھیل ہیں۔ اگر تم دونوں پیروں کو اٹھا کر کھڑی ہو جاؤ تو جو تم کہو، ہم مانیں گے۔" نغمہ اپنی طرف سے بات ختم کر دیتی۔ ہر وقت کی کل کل سے وہ تنگ آئی ہوئی تھی۔ جواب میں وہ انہیں کم عقل، بے حس اور دشمن نجانے کیا کیا کہتی رہتی۔

پرس میں سب کچھ تھا مگر اس کا ٹچ موبائل نہیں۔ اسے یاد آیا وہ موبائل اوپر کمرے میں چارجنگ پر لگا کر آئی تھی۔ آج تو اس کی خاص ضرورت تھی۔ پرس وہیں پر رکھ کر وہ باہر نکلی، برآمدہ عبور کرتے ہوئے اسے اماں کی آواز سنائی دی۔

"ناہید!" وہ اسے بلا رہی تھیں۔

وہ چق اٹھا کر اندر آ گئی۔ اماں رضائی میں دبکی چہرہ باہر نکالے ہوئے تھیں۔ انہیں تیز بخار تھا۔ وہ دو دن بعد انہیں دیکھ رہی تھی...... بہت کمزور ہو رہی تھیں۔ نغمہ نے اسے بتایا تھا کہ اماں بیمار ہیں۔ وہ اسٹوڈنٹس ویک کی مصروفیات میں اتنی گم تھی کہ نوٹ ہی نہ کر سکی کہ اماں کچن میں نہیں آ رہیں۔

"اسکول جا رہی ہو؟" نحیف آواز میں پوچھا۔

"جی۔" مختصراً یک لفظی جواب۔ ان کی خاموش نگاہیں اسے سر تا پا پڑھ رہی تھیں۔ ٹخنوں سے اوپر تنگ شلوار، شارٹ قمیص۔

"ذرا لپ اسٹک ہلکی کر لو اتنی تیز اچھی نہیں لگتی۔"

"کیوں میں کوئی بیوہ عورت ہوں جو سادگی کا چولا پہن لوں۔" اکھڑے پن سے جواب دے کر وہ باہر نکل آئی۔

"کمال ہے، میری زندگی کو گہن لگ گیا بجائے میری دل جوئی کے زندگی سے اکتاہٹ کا مشورہ دے رہی ہیں۔" انتہائی غصے سے پلگ کھینچ کر موبائل سے نکالا۔ بیٹری فل چارج تھی۔ آج ڈھیروں پکس لینی تھیں۔ ایک ایک یادگار لمحہ کیمرے میں محفوظ کرنا تھا۔

"آؤچ......" دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی ہائی ہیل سلپ ہوئی تھی۔ وہ لڑھکتی ہوئی سیڑھیوں سے

نیچے آئی۔ ایک دل سوز چیخ اس کے حلق سے نکل کر گھر کے کونے کھدرے میں پہنچ گئی۔

❁......❁......❁......❁

مخنہ بری طرح سے سوجا ہوا تھا۔ دائیں ٹانگ کی ہڈی دو جگہ سے فریکچر ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے پلستر چڑھاتے ہوئے چار ہفتے کا مکمل بیڈ ریسٹ بتا دیا۔

''ہائے میرے اللہ! میں تو بیٹھے بٹھائے لنگڑی ہوگئی۔ پورا ایک ماہ چارپائی پر کیسے گزاروں گی۔'' انتہائی رقت سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ایک تو درد اوپر سے معذوری اور بے بسی کا شدید احساس۔ وہ روتی نہ تو اور کیا کرتی۔

''روؤ نہیں سنبھالو دل کو...... صرف ایک ماہ کی تو بات ہے۔'' پیار سے دلاسہ دیتے ہوئے نغمہ نے دلیے کا باؤل اس کی طرف بڑھایا۔

وہی اس کی ہمدرد، تیمارداری کے طور پر اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھے ہوئے تھی۔ دوست اور مربی۔

''کتنی ایکسائیٹڈ تھی میں کتنی بھرپور اور مکمل تیاری تھی میری۔ میری ہی کلاس نے فرسٹ پرائز وِن کیا مگر میری بدنصیبی کہ اتنے اہم موقع پر میں موجود نہ تھی۔'' وہ دکھ بھرے انداز میں بول رہی تھی۔

''میری جان...... تدبیر جتنی بھی مکمل کیوں نہ ہو۔ تقدیر کا وار چل ہی جاتا ہے۔ تدبیر کنند بندہ، تدبیر کنند خندہ۔ یہی بات تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔ تمہارے نصیب میں درج تھا کہ تم یہ فنکشن اٹینڈ نہ کرسکو گی۔ اس لیے تمہیں سیڑھیوں سے گر کر تکلیف اٹھانا پڑی۔'' واشنگ مشین کا چکر گھما کر نغمہ اس کے قریب آکر نرمی سے بولی۔ وہ خاموش رہی، بے کاری اور بے بسی نے اسے خاصا چڑچڑا اور زود رنج بنایا ہوا تھا۔

''ویسے تمہیں سیڑھیوں پر اترنے، چڑھنے کی پریکٹس ہونی چاہیے۔ آخر کو کمال حسن صاحب کے گھر میں کافی زیادہ اور بل دار سیڑھیاں ہیں۔'' نغمہ کا لہجہ شرارت لیے ہوئے تھا۔

''بکواس مت کرو۔'' وہ بے زاری سے جھڑک کر بولی۔

''ناہید...... میں سچ کہہ رہی ہوں۔ کمال حسن واقعی بہت اچھے انسان ہیں۔ بڑا سا خوب صورت گھر، دو کیوٹ بچے۔ ماضی کو ایک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔ آگے بڑھو۔ اب موو آن کرنے کا وقت ہے۔'' نغمہ دھیرے دھیرے بولتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی ٹانگ کو دھیرے سے فولڈ کررہی تھی۔ چہرے پر کوئی خاص تاثر نہ تھا۔

''پتہ ہے فنکشن کے بارے میں نیوز چینل پر بھی پٹی چلی تھی۔ مقامی اخبار میں بھی خبر چھپی۔ سب ٹیچرز نے ایم پی اے صاحب کے ساتھ تصاویر بنوائیں۔ خوب مزہ کیا۔'' دکھ سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں پھر جھر جھر آنسو بہہ نکلے تھے۔ مشین نے زور سے بزر بجایا۔ نغمہ گہری سانس کھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁......❁......❁......❁
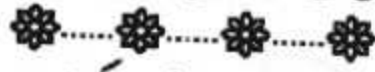
''ماں وہ ہستی ہے جو اپنے بچوں کی خدمت بغیر کسی صلے کی امید میں کرتی ہے۔ ماں کائنات کا سب سے سچا رشتہ ہے۔ ماں کی زندگی اولاد کی خوشیوں، سکون اور آرام کے لیے کی جانے والی کوششوں سے عبارت ہے۔ ماں کا ادب کرنے، اس کی خدمت کرنے سے زندگی میں کامیابیاں ملتی ہیں۔'' بولتے بولتے اس کے حلق میں کچھ گولہ سا پھنسا تھا۔ آنکھیں خوامخواہ بھر آئی تھیں۔ بچے یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے اسے بغور سن رہے تھے۔

''آج مدرز ڈے ہے۔ 11 مئی۔ ماؤں کا عالمی دن۔ ماں کی محبت، خدمت اور اس کی لازوال قربانیوں کو خراج تحسین صرف ایک دن تک مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم آپ سب اپنی مدرز کو وش کرنے کے لیے خوب صورت وشنگ کارڈ بنائیں، گھر جاکر انہیں وش کریں۔ دیکھیے گا وہ کتنی خوش ہوں گی۔'' آنکھیں جھپکتے ہوئے اس نے مسکرا کر کہا۔ بچوں کے کھٹا کھٹ کلرز بکس کھل گئے۔ معصوم چہروں پر دبا دبا سا جوش تھا۔

''ٹیچر...... آپ اپنی مدر کو وش کرنے کے لیے وشنگ کارڈ نہیں بنائیں گی۔'' آئمہ نے اچانک اس سے پوچھا۔

''آں...... ہاں میں انہیں زبانی وش کروں گی۔'' گڑبڑا کر جواب دیتے ہوئے موبائل کھولا تو مدرز ڈے کے حوالے سے ڈھیروں واٹس اپ میسجز آئے ہوئے تھے۔

''جسم تو باقی ہے مگر جان نہیں ہے
وہ شخص جو زندہ ہے مگر ماں نہیں ہے۔''

وہ خالی الذہنی میں کافی دیر تک اسکرین کو دیکھتی رہی تھی۔ کھلکھلاتے بچے کو گود میں لے کر محبت سے بے خود ہوکر تکتی ماں۔ اسی پل چھٹی کی گھنٹی بجی تو وہ چونک کر خیالوں سے نکلی۔ بچوں کے کارڈز گلیٹرز سے خوب جگمگا رہے تھے۔

گھر میں داخل ہونے سے قبل اس نے گھر کے دروازے پر ایک سیاہ کار دیکھی۔ پل بھر کو اس نے آنکھیں سکیڑیں پھر سر جھٹک کر اندر داخل ہوگئی۔ گھر میں غیر معمولی چہل پہل تھی۔ تینوں شادی شدہ باجیاں مع اپنی پلٹن کے آئی ہوئی تھیں۔ اس نے بیگ اور چادر تخت پر رکھے اور سیدھا کچن میں آگئی۔ اسے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ کچن میں معمول سے بڑھ کر اشیائے خور و نوش تھیں۔ پھل، مٹھائی، کھیر مکس، کباب، کچریلا، کڑاہی گوشت، روغنی نان، اور بہت کچھ۔

''واہ مزہ آگیا۔'' اس کی بھوک تو مزید چمک اٹھی۔ ایک پانچ سالہ کیوٹ سی بچی پلاسٹک کی چیئر پر بیٹھی پاستا کھارہی تھی۔

''یہ کون ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کمال حسن کی بیٹی ہے۔'' الوینہ نے مختصر جواب دیا پھر بچی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''فایا...... آپ کو پاستا اچھا لگتا ہے؟'' بہت پیار سے پوچھا۔

''جی...... مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ ماما پاستا بہت اچھا بناتی تھیں۔ مگر ان کی ڈیتھ کے بعد کسی نے بھی ویسا بنا کر نہیں دیا۔'' بچی نے بے حد معصومیت اور شائستگی سے جواب دیا۔

''تم آگئی ہو؟'' نغمہ کچن میں داخل ہوئی۔

''کمال حسن آئے ہوئے ہیں۔ اماں، ابا اور باجیاں ان کے ساتھ بیٹھک میں کھانا کھا رہے ہیں۔ وہ لوگ آج فائنل جواب چاہتے ہیں۔ منگنی کا کافی سامان لائے ہیں۔ اماں، ابا ابھی کچھ دیر میں تم سے جواب مانگیں گے۔ سوچ سمجھ کر انہیں جواب دینا۔'' ہمیشہ کے برعکس نغمہ کا لہجہ روکھا پھیکا اور بے تاثر تھا۔

اس کی بھوک ایک دم سے غائب ہوگئی۔ تھکے ماندہ قدموں سے چلتے ہوئے وہ کمرے میں آگئی۔ سامنے بیڈ پر ڈھیروں قیمتی اور برانڈڈ اشیاء بکھری پڑی تھیں۔ میک اپ، پرفیومز، جیولری، ڈریسز، شوز اور بہت کچھ۔ ایک ڈریس بہت خوب صورت اور نفیس کام والا تھا۔ اس نے بالکل میکانکی انداز میں دوپٹہ اتارا۔ بیڈ پر رکھا اور کامدار دوپٹا اٹھا کر اپنے کندھوں پر ڈال لیا۔ ٹیوب لائٹ کی تیز روشنی میں دوپٹے سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔

''ناہید...... تم آگئی ہو بیٹا۔'' پشت پر اماں کی آواز ابھری۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ اماں کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں اور چہرے پر انوکھی سی چمک تھی۔

''اماں......!'' اس کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے اور بھاگ کر اماں کے گلے آلگی۔ اماں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر زرتار آنچل اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔ دونوں آنسوؤں میں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔ ایک بھرپور محبت بھری مسکراہٹ۔

❁

ظرف

فصیحہ آصف خان

گم سم آنکھیں میچے وہ کب سے اوندھا لیٹا تھا۔ دل تھا کہ دکھ کی اتھاہ میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ جانے کس پل آنسو تکیے میں جذب ہونے لگے۔ "میں رو رہا ہوں؟" اس نے خود سے سوال کیا؟ اور ایک دم اٹھ بیٹھا' دل کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ "بزدل ہو مرد بھی روتے ہیں کیا؟" اس نے خود کو سرزنش کی اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ منہ دھو کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ رونے سے آنکھیں سرخ اور سانولا چہرہ سرخی مائل ہو کر عجیب بدرنگی کا احساس دلانے لگا تھا۔ دل ایک بار پھر غم زدہ سا ہوا اور غم کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ تب ایک سرد آہ بھر کے عادل باہر آ گیا۔

اس کی عمر ایسی تھی کہ دل ترنگ و مستی کے لیے ہر پل دھڑکتا تھا۔ ولولوں سے لبریز مگر اس کے اندر تو جیسے سناٹوں کا راج تھا۔ سوچتا اور الجھتا رہا یونہی کافی دیر گزر گئی' اندر کا سارا کرب چہرے پر بکھرا تھا۔ یک دم دستک ہوئی اور رحمہ آپی اندر آ گئیں۔

"عادل ایک تو میں تمہارے ببھلکو پن سے عاجز ہوں۔ مجھے پہلے ہی دیر ہو گئی ہے اور تم ابھی تک جانے کی موڈ میں ہی نہیں ہو۔" رحمہ آپی اپنی ازلی بارعب عادت سے مجبور ہو کر اس پر چڑھ دوڑیں۔

"آپ چلیں میں آ رہا ہوں' بس چینج کرنا ہے۔" عادل لہجے میں تبدیلی لاتے ہوئے بولا۔ رحمہ آپی اسے جلدی آنے کا کہہ کر فوراً باہر چلی گئیں۔ عادل چینج کرنے کے بعد والٹ اور موبائل جیب میں ڈال کر باہر آ گیا۔ لاؤنج میں جلال ماں کی گود میں سر رکھے صوفے پر نیم دراز تھا۔

"میں بھی ساتھ چلوں کیا؟" وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا۔ رحمہ آپی اتنے میں بیگ سنبھالے برآمد ہوئیں۔

"نہیں...... مجھے آپی کو چھوڑ کر اپنے ایک دوست کی طرف جانا ہے۔" عادل چابی کو دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے نرمی سے بولا تو ثانیہ نے جلال کو پیار کیا جب کہ عادل کو غصیلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"لے جاؤ ناں ساتھ چھوٹا بھائی ہے تمہارا۔" ماں کی شہ پر جلال مسکراتا ہوا اٹھا اور بنا عادل کا جواب سنے ساتھ ہولیا۔ عادل بے بسی سے آہ بھر کر پورچ میں آ گیا۔ جب کہ پیچھے سے ماں کا حکمیہ انداز ساتھ ساتھ رہا۔

"سنو عادل' جلال کو گھر چھوڑ کر پھر اپنے دوستوں کی طرف جانا۔" تینوں گاڑی میں آ بیٹھے' عادل نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"رحمہ آپی آپ کی فرینڈ کی منگنی ہے ناں آج؟" جلال نے پوچھا۔

"ہاں پھر۔" رحمہ آئینہ نکال کر اپنا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"آپ کی بھی جلدی سے ہو جائے بس۔" جلال بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا۔ عادل بس خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ رحمہ آپی نے فاران منزل کے گیٹ پر اترنے سے پہلے اسے آنے کی تاکید کی۔

"مجھے میسج کر دیجئے گا۔ آ جاؤں گا۔" عادل ہمیشہ کی طرح متین انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے۔" رحمہ کہتی ہوئی گیٹ کے اندر داخل ہو گئی۔

"بھیا! مجھے آئس کریم' جوس اور چاکلیٹ چاہیے۔" جلال ہمیشہ بچوں کی طرح بات کرتا تھا۔ حالانکہ دسویں کا امتحان دے کر فارغ تھا۔ مگر ابھی تک بچہ بنا ہوا تھا۔

"لے دوں گا۔" عادل کی فطرت میں نہ انکار کرنا تھا نہ کسی کا دل توڑنا' بھلے اس کا دل دن میں کتنی بار ریزہ ریزہ ہو' چور چور ہو کر بکھرے۔ دونوں خاموش تھے' عادل سوچوں میں گھرا' اور جلال اپنی خواہش پوری ہونے پر خوش تھا۔

ہمایوں صفدر اور ثانیہ دور پار کے رشتہ دار تھے۔ ثانیہ بے حد حسین مگر غریب خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ جبکہ ہمایوں کے والد کا بزنس بہت اچھا ہونے کے ساتھ زمین داری الگ سے تھی۔ مگر ہمایوں صرف دولت مند تھے۔ ان کا باطن خوب صورت اور ظاہر بدصورت تھا۔ عام سی شکل وصورت اور معمولی نین نقش اس پر ستم گہرا سانولا رنگ۔ ثانیہ کے والدین نے خوش حالی دیکھی تو سمجھ گئے کہ ثانیہ عیش کرے گی۔ ثانیہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی والدین کے سامنے سر جھکا دیا۔ وہ بھی آرزوؤں کا گلا گھونٹتے ہوئے آسائشوں کو ترسی ہوئی تھی۔ سو غنیمت جانا' جب پہلی بار ہمایوں کو روبرو دیکھا تو دل تھام لیا۔ ثانیہ کو نہ ہمایوں کی محبت نظر آئی نہ صاف شفاف دل۔ بس دولت کی ریل پیل نے ان کے رشتے کو مضبوط کر دیا۔ یوں سمجھوتے کی لائن پر گاڑی چل پڑی۔

ہمایوں والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ ہمایوں کی والدہ ثانیہ کو بہت پیار کرتی تھیں۔ رحمہ پیدا ہوئی تو ہو بہو ثانیہ کی تصویر تھی۔ اس کے تین سال بعد عادل پیدا ہوا تو ثانیہ دل مسوس کر رہ گئیں۔ عادل پورے کا پورا ہمایوں کا پرتو لیے ہوئے تھا۔ وہ کھنچی کھنچی رہنے لگیں۔ دادی نے عادل پر محبتوں کی بارش کر دی۔ ثانیہ تیسرے بچے کا سوچ کر ہچکچانے لگیں۔ اگر بیٹی ہوئی اور وہ ہمایوں پر چلی گئی تو...... وہ ڈرنے لگیں۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ڈیڑھ دو سال بعد جلال دنیا میں آ گیا۔ خوب گورا چٹا' گپلو سا' ثانیہ نے جلدی سے اسے گود میں بھر لیا۔ دادی کی گود میں جلال پلتا رہا اور جلال ثانیہ کی ساری محبتیں حاصل کر رہا تھا۔ ثانیہ اوپری دل سے عادل کو پیار کرتی جب کہ جلال پوری طرح ان کی ممتا وصول کر رہا تھا۔ رحمہ تو تھی ہی سب کی جان' پیاری' خوب صورت سی جیسے جیسے وقت گزرتا گیا عادل کی حساسیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ عادل آٹھویں کلاس میں تھا کہ دادی کا انتقال ہو گیا۔ عادل خود کو تنہا محسوس کرنے لگا۔ اسے اپنی معمولی شکل وصورت کا احساس تھا' یہ احساس اس وقت شدت اختیار کر جاتا جب وہ سب کہیں اکٹھے جاتے۔ لوگ اسے ثانیہ کا بیٹا ماننے سے ہی انکاری ہو جاتے اور ثانیہ ایسے ہو جاتی جیسے کوئی جرم کر ڈالا ہو۔ عادل کو یاد نہیں پڑتا تھا کہ کبھی ثانیہ نے اسے محبت سے سینے سے لگایا ہو' ماتھا چوما ہو۔ اس کے برعکس ہمایوں اسے بہت پیار کرتے تھے۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ عادل نے اپنی ذات کے گرد ایک خول بنا رکھا تھا خود کو پڑھائی میں گم کر لیا۔ رحمہ اگرچہ اس سے صرف تین سال ہی بڑی تھی' مگر رعب ایسے جماتیں جیسے اس کی بزرگ

ہوں۔ عادل فطرتاً صلح جو اور امن پسند تھا۔ ایف ایس سی میں اس کی پہلی پوزیشن آئی تھی۔ اس موقع پر ہمایوں نے اسے پیار کیا اور کئی چیزیں دلائیں جب کہ ثانیہ نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ عادل کا دل بیٹھ سا گیا کیا تھا۔ ماں اگر اسے خوب پیار کرتیں۔ کوئی ایسا جملہ کہہ دیتیں کہ دل کے صحرا میں بارش کے چند چھینٹے ہی پڑ جاتے۔ مگر یہ خواہش اب حسرت بنتی جارہی تھی۔

جلال ان کی ساری محبتیں سمیٹ رہا تھا۔ عادل کو کبھی حسد محسوس نہ ہوا۔ بلکہ اپنی کم مائیگی اور کم گوئی کا احساس شدت سے بڑھتا محسوس ہوتا۔

❁......❁......❁......❁

جلال دسویں کے امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا تو اس نے ہمایوں سے بائیک کی فرمائش کر ڈالی۔ عادل نے دبا دبا احتجاج کیا کہ یہ بہت تیز بائیک چلاتا ہے فی الحال اسے نہ لے کر دی جائے۔

''عادل...... جلال تمہارا چھوٹا بھائی ہے بجائے یہ کہ تم اس کی خواہش پر خوش ہوا الٹا لیکچر دینے بیٹھ گئے۔'' ثانیہ یک دم غصے سے بولیں اور عادل کو گھورنے لگیں۔ عادل چپ کا چپ رہ گیا۔ ہمایوں نے بس اتنا کہہ کر فرض ادا کیا اور چلتے بنے۔

''بیٹا دھیان سے چلانا۔''

''بھائی تو ہیں ہی سڑیل۔ دیکھیں تو مما جل جل کر ان کا رنگ اور بھی سیاہ پڑتا جارہا ہے۔'' جلال نے قہقہہ لگا کر استہزائیہ کہا تو عادل مارے صدمے کے گنگ رہ گیا اور فوراً وہاں سے اٹھ آیا اور کمرے میں آ کر آئینے کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

''ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔'' عادل کی آنکھیں سوچتے ہی بھر آئیں۔ لحہ بہ لحہ وہ اپنی ذات کے خول میں بند ہوتا جارہا تھا۔ رشتہ داروں سے ملنا جلنا تقریباً ختم کردیا تھا۔ کیونکہ سبھی اس کا موازنہ جلال سے کرتے تھے اور عادل برداشت کرتے کرتے تھک سا گیا۔ رحمہ آپی بھی جلال کا ساتھ دیتیں۔ عادل بے بسی سے بس دیکھ کر رہ جاتا۔

صرف ہمایوں ہی تھے جو اس کے اندر کا حال جانتے تھے۔ وہ ثانیہ سے اکثر الجھ پڑتے کہ وہ عادل کے ساتھ اپنا رویہ ٹھیک کرے۔ ماں ہے اس کی وہ بھی سگی۔

مگر ثانیہ تو جیسے سوتیلے پن کو بھی مات دے گئی تھیں عادل نے پڑھائی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ ڈاکٹر بننا ہی اب اس کا خواب تھا اور وہ اس کی تکمیل کے لیے تن دہی سے اپنی پڑھائی میں مصروف تھا۔

❁......❁......❁......❁

جلال کا دھیان کاروبار کی طرف تھا۔ وہ ہمایوں کے ساتھ ان کے آفس جانے لگا۔ انہی دنوں رحمہ آپی کے لیے ثمینہ خالہ نے اپنے ہونہار بیٹے واصف کا رشتہ ڈالا۔ گھر میں چھایا جمود ٹوٹا۔ ثانیہ کی تو جیسے دل کی کلی کھل گئی۔ واصف دوبئی میں ہوتا تھا۔ ایک بار ہی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ گھر میں تیاریاں ہونے لگیں۔ عادل کے لیے یہ موقع بڑا صبر آزما تھا۔

رشتہ دار عادل کو انوکھی اور غیر معمولی شے گردانتے تھے۔ صبر کرکے وہ تقریب کا حصہ بنا رہا۔ یوں شادی بخیر و خوبی انجام پائی۔ جلال نے خوب ہلا گلا کیے رکھا' دو ماہ بعد رحمہ بھی واصف کے ہمراہ دوبئی سدھار گئی۔

❁......❁......❁......❁

دن اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہے تھے۔ جلال اکثر و بیشتر اس کی چیزیں استعمال کرتا۔ پھر واپس بھی نہ کرتا۔ جس پر ثانیہ ہمیشہ ایک ہی جملہ دہراتیں چھوٹا بھائی ہے تمہارا پھر کیا ہوا۔ اس روز بھی اس کی نئی شرٹ اٹھا کر لے گیا اور خوب استعمال۔ جلال سے اس کی تو تکرار ہوگئی۔ جس پر ثانیہ نے عادل کو بے بھاؤ کی سنائیں۔ جلال بس مسکراتا رہا۔ گویا وہ تھا ہی حق دار۔ بھائی آپ پر یہ کلر جچتا بھی نہیں اس لیے میں نے پہن لیا۔ عادل اس کی بات پر تملا گیا۔ اس پر ثانیہ کا بھی جلال پر صدقے واری ہونا صبر و برداشت کا دامن تھامے وہ خود بھی الجھ سا گیا تھا۔ دل تھا کہ غم سے چور چور رہنے لگا تھا۔ کوئی ایسا نہ تھا جو اسے اور اس کے درد کو محسوس کرتا۔

سو وہ مسیحا بن کر دوسروں کا درد دور کرنے کے لیے کوشاں تھا کہ ایم بی بی ایس کا فائنل ایئر آ گیا۔

برسوں سے آسٹریلیا میں مقیم نعیمہ پھوپو کی آمد کا سلسلہ اٹھا۔ نعیمہ ہمایوں کی چچا زاد بہن تھیں کئی سالوں بعد پاکستان آرہی تھیں ہمایوں اور ثانیہ ان کے لیے کمرہ سیٹ کرنے لگے۔ عادل کو ایک اور الجھن کا سامنا تھا کہ نعیمہ پھوپو کے ہمراہ ان کے شوہر اور سب سے چھوٹی بیٹی صبا بھی تھے دو بیٹے اور ایک بیٹی وہیں شادی کے بعد مقیم تھے اب صرف صبا رہ گئی تھی۔ ایک ہفتہ ہی گزرا کہ وہ آج شام پہنچ رہے تھے۔ عادل رات دیر سے گھر آیا۔ تو لاؤنج سے قہقہوں سے آوازیں آرہی تھیں اسے وہیں آنا پڑا۔ نعیمہ پھوپو بے حد نفیس خاتون تھیں اور ذلفی انکل بھی وضع دار اور باوقار تھے اور صبا عادل اسے دیکھتا رہ گیا۔ اجلی رنگت بڑی بڑی خمار آلود آنکھیں اور لمبا قد' رکھ رکھاؤ والی۔ عادل کو پہلی نگاہ میں ہی دل میں اترتی محسوس ہوئی ان سب سے باتیں کرتے کرتے وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ جلال کی صبا سے بہت جلد دوستی ہوگئی۔ نعیمہ اور ذلفی انکل عادل کی قابلیت کے معترف ہوئے۔ اس لمحے عادل پر ہمایوں کو جی جان سے پیار آیا۔ نعیمہ خود عادل سے اس کی شخصیت سے متاثر نظر آرہی تھیں۔ عادل نے خود کو ایک عرصے بعد مطمئن محسوس کیا۔ ثانیہ کے ساتھ باتیں کرتی صبا پر عادل نہ چاہتے ہوئے بھی ایک اچٹتی نگاہ ڈال لیتا۔ صبا کا پاکیزہ چہرہ معصومانہ حسن' جس نے عادل کے اندر زندگی دوڑا دی تھی۔ جینے کی امنگ ترنگ کے ساتھ مستی کی لہر تھرکنے لگی تھی۔ عجیب بے نام سی بے چینی' کئی دنوں سے عادل اپنے اندر کے انسان سے لڑتے لڑتے عاجز آ گیا تھا۔ صبا کو دیکھتا تو خود سے قریب پاتا۔ جب تک وہ گھر میں ہوتی عادل کو اس کی مہک دل کے قریب تر محسوس ہوتی' نعیمہ پھوپو' ذلفی انکل اور صبا اکثر و بیشتر رشتہ داروں سے ملنے چلے جاتے۔

ایک روز جلال نے آؤٹنگ کا پروگرام بنالیا' وہ بے حد پرجوش ہورہا تھا عادل خاص طور پر نوٹ کررہا تھا کہ جلال صبا کے آس پاس آگے پیچھے گھوم رہا تھا۔ عادل کے اندر کسی حسد بھری انگڑائی نے جنم لیا۔

''صبا میری ہے'' اس کے اندر سے آواز ابھری۔

''اپنی صورت تو دیکھو۔'' ضمیر کی آواز پر وہ جیسے رو دیا۔ صبا کے دل میں بھی عادل کی محبت کی چنگاری پھوٹ پڑی تھی۔ وہ صورت سے زیادہ سیرت و کردار کو ترجیح دیتی تھی۔ عادل کی قابلیت' تعلیم سلجھا رویہ اس کے ظاہر پر غالب آ گیا تھا۔

سیدہ لوبا سجاد

میرا نام سیدہ لوبا سجادہ ہے ضلع لودھراں کی تحصیل کہروڑپکا سے تعلق ہے۔ میں نے ایم اے اردو بی ایڈ کیا ہے۔ ہم تین بہن ہیں بھائی کوئی نہیں۔ نئی نئی ڈشز ٹرائی کرنا' بکس پڑھنا اور شاعری کرنا میرا شوق ہے۔ خامیاں خوبیاں تو سب میں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہیں۔ امی کے مطابق بہت بھلکو ہوں بعض چیزیں ایسی سنبھال کے رکھتی ہوں کہ مجھے ہی نہیں ملتیں (ویسے انہوں نے یہ الفاظ کافی عزت سے کہے تھے)۔ اچھی رازدار ہوں' جس سے دوستی رکھتی ہوں تو خلوص سے رکھتی ہوں۔ احمد میرا پیارا بھائی (آنٹی کا بیٹا) کہتا ہے خامی کوئی نہیں ساری خوبیاں ہیں۔ مجھے میری خامی یہ لگتی ہے کہ میں ایک جگہ سے کئی بار دھوکا کھا کر بھی اعتبار کرلیتی ہوں۔ 9th کلاس سے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا۔ 4 جون کے گرم دن میں پیدا ہوئی اور مزے کی بات یہ ہے کہ بیس سال تک ہر سال میری برتھ ڈے پر طوفانی بارش آتی تھی اب شکر ہے سکون ہے اور دو تین سال سے بس کیک کاٹتی ہوں۔ بہت سی کتابیں پڑھی ہیں جن میں مجھے ''پیر کامل' کوئی لمحہ گلاب'' ظاہر لا ہوتی بہت پسند ہیں۔ ہاشم ندیم اور علیم الحق حقی کے تو ہر ناول ہی بہترین ہوتے ہیں (میں مرد رائٹرز کے ناولز زیادہ پڑھتی ہوں)۔ شاعری کا تو بہت سوق ہے ناصر کاظمی میرے پسندیدہ شاعر ہیں' باقی جو بھی اچھا لکھے وہی پسند ہے۔

اس کے برعکس جلال کے پاس اچھی صورت تھی۔ گفتگو اچھی کرتا تھا' دوسرے کو قائل کرنے کا ہنر جانتا تھا۔ جبھی تو صبا' جلال کو چھوٹے بھائی کی حیثیت سے ٹریٹ کررہی تھی۔ اس کا دل از خود عادل کی طرف جھک رہا تھا۔ مگر اس طرف سے کوئی اشارہ نہ پاکر وہ مایوس سی ہوئی۔ وہ دل ہی دل میں عادل کو پوجنے لگی تھی۔ نعیمہ خاموشی وفہم سے دونوں بھائیوں کا جائزہ لے رہی تھیں انہیں عادل ہر لحاظ سے صبا کے لیے موزوں لگا۔ صبا خود ایک سنجیدہ اور قابل لڑکی تھی۔ اس کا جلال کی طرح ہلا گلا کرنا' شوخیاں کرنا عادل کے بس کی بات نہ تھی نہ اس کے مزاج وفطرت کا حصہ۔

❁.......❁.......❁.......❁

''ارے آپ اتنے خوب صورت موسم میں یہاں بیٹھی ہیں۔ چلیے میں آپ کو ایک نیو ریسٹورنٹ میں ڈنر کراکے لاتا ہوں۔'' صبا کمرے میں لیپ ٹاپ پر کام کررہی تھی۔ جب خوشبوئیں بکھیرتا جلال اس کے کمرے میں چلا آیا' بلاشبہ وہ مردانہ وجاہت کا بھرپور شاہکار تھا۔ نیلی جینز پر ریڈ ٹی شرٹ پہنے سلیقے سے بال اور تازہ شو میں وہ مہک رہا تھا۔

''نہیں جلال میں ذرا بزی ہوں۔'' صبا رسانیت سے بولی۔

''چھوڑیں بھی کام تو ہوتے رہتے ہیں' میں امی اور آنٹی سے پوچھ کرآیا ہوں۔'' وہ گویا سارے معاملات طے کرآیا تھا۔

''آپ تیار ہوجائیں میں آپ کا انتظار کررہا ہوں۔'' جلال اس کے معصومانہ چہرے کو جذب سے تکتا کہتا ہوا باہر چلا گیا تو صبا کو ہار ماننا ہی پڑی' جلال کمرے سے جاچکا تھا اور صبا لباس منتخب کرنے لگی۔ تیار ہوکر وہ بیگ لے کر باہر آئی تو لاؤنج میں نعیمہ اور ثانیہ باتیں کرتی پائی گئیں۔ جب کہ جلال بے قراری سے اس کا انتظار کررہا تھا۔ اس لمحے عادل کی آمد ہوئی۔ تھکن اس کے چہرے سے عیاں تھی تاہم وہ خوشدلی سے سب سے ملا عادل نے تیار ہوئی صبا کو دیکھا تو آنکھوں میں ستائش بھری چمک آ گئی۔ جسے صبا نے خاص طور پر نوٹ کیا' اس کی پلکیں عارض پر لرزنے لگیں عادل کو ایسے لگا کہ جیسے بہار کا جھونکا دل سے ٹکرا رہا ہے۔

''چلیں......'' جلال صبا کو دیکھتے ہی بولا۔

''آپ کہیں جارہے ہیں؟'' عادل شائستگی سے پوچھا۔

''ہاں میں صبا کو ڈنر پر لے جارہا ہوں۔'' جلال مغرورانہ انداز میں بولا تھا۔ تب صبا نے کرب کا تاریک سایہ عادل کے چہرے پر اترتے دیکھا اور مایوسی کی لہر اس کی آنکھوں میں شام بن کر اتری تھی۔

اوہ' گڈ چلے جاؤ۔'' عادل خود کو چھپا کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں ہاں بیٹا جاؤ......'' نعیمہ نے بھی انہیں جانے کو کہا تو جلال ایک دلفریب مسکراہٹ لبوں پر سجا کر اسے آنے کو کہنے لگا۔ صبا خاموشی سے ناچاہتے ہوئے بھی چل دی۔

''میں کھانا لگواتی ہوں۔'' ثانیہ عادل سے کہتے ہوئے کچن کی طرف گئیں۔ مگر عادل معذرت کرکے چینج کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ دل تھا کہ ایک بار پھر درد کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔ کیا یہاں پھر مجھے بڑے پن کا ظرف دکھانا ہوگا......

''اگر اس نے کہہ دیا کہ صبا مجھے چاہئے اور امی نے یہ کہہ دیا کہ چھوٹا بھائی ہے تمہارا تو کیا میں صبا سے دستبردار ہوجاؤں گا؟ نہیں ہرگز نہیں' صبا میری ہے۔'' عادل کے اندر آتش فشاں پھٹ رہے تھے اور اس کا وجود جلتا جارہا تھا۔ کھانے کے دوران بھی وہ خاموش ہی رہا۔

❁.......❁.......❁.......❁

رات ثانیہ ہمایوں کے سامنے اپنا کیا ہوا جائزہ پیش کرنے لگیں۔ ''مجھے جلال کا جھکاؤ صبا کی جانب لگ رہا ہے۔'' وہ مساج کرتے ہوئے بولیں۔

''ٹھیک ہے' تم بیٹے کی مرضی معلوم کرلو۔ وہ بے پروائی سے بولے۔'' ہمایوں کا کہنا تھا کہ ثانیہ خوش

ہوگئیں۔ ادھر نعیمہ ذلفی سے مخاطب تھیں۔

''ذلفی آپ نے پھر کیا سوچا۔'' وہ شوہر کی رائے لینے لگیں۔

''مجھے صبا کے لیے عادل کا انتخاب درست معلوم ہوتا ہے' اس کے برعکس جلال ایک بے پروا اور کھلنڈرا لڑکا ہے۔ جب کہ عادل سلجھا ہوا قابل اور کامیاب ڈاکٹر ہے۔ اس کا مستقبل روشن ہے۔'' ذلفی باپ تھے اور بیٹی کے لیے ان کا انتخاب عادل ہی ٹھہرا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں درست تجزیہ کیا ہے آپ نے۔ مجھے اندازہ ہے کہ صبا بھی عادل کو پسند کرتی ہے جبکہ جلال......نو نیور۔'' نعیمہ اور ذلفی عادل کے بارے میں ایک ہی رائے رکھتے تھے انہیں عادل کی دلکش سیرت واضح دکھائی دے رہی تھی' جس سے اس کا باطن روشن تھا۔

❁.......❁.......❁.......❁

مزید کئی دن گزر گئے۔ نعیمہ اور ذلفی کی دعوتیں جاری تھیں۔ جلال ہمایوں کے ساتھ بزنس کے رموز سیکھ رہا تھا۔ اس لیے اسے آفس سے آتے آتے دیر ہوجاتی۔ عادل الگ اپنے ہاؤس جاب میں مصروف تھا۔ نعیمہ اور صبا کے درمیان' ماں بیٹی کے علاوہ دوستی کا رشتہ بھی تھا۔ اسی بنیاد پر انہوں نے صبا کے سامنے عادل کا نام لیا تو وہ شرما گئی۔ اس کے شرمیلے اقرار پر نعیمہ اور ذلفی نے اسے گلے لگالیا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ عادل صبا کو خوش وخرم رکھے گا۔ آج نعیمہ اور ذلفی کے ہمراہ ثانیہ بھی چچا عبدالکریم کے گھر ان کی خیریت دریافت کرنے چلی گئیں۔ رات ہورہی تھی۔ جلال اور ہمایوں آفس میں تھے۔ صبا گھر پر تھی۔ اس کے اندر بے چینیوں کا ڈیرہ تھا۔ وہ لاؤنج میں ٹی وی چینل سرچنگ کرنے لگی کہ عادل کی آمد ہوئی۔

''آپ اکیلی کیوں بیٹھی ہیں؟'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا تو صبا نے تفصیل بتائی۔

''اوہ...... کھانا تو نہیں کھایا ہوگا آپ نے' لگوائیے مجھے بھی بہت بھوک لگی ہے۔ میں فریش ہوکرآتا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ عادل کا

بات کرنے کا انداز اس قدر دلفریب تھا کہ صبا کھل اٹھی۔

"اوکے......" کہہ کر وہ کچن کی جانب بڑھی۔ دس منٹ بعد عادل آ گیا۔ صبا ٹیبل پر کھانا لگوا چکی تھی۔

"بیٹھیے پلیز......" عادل نے بیٹھنے سے قبل اسے احتراماً کہا۔ صبا نے اس کے سامنے ڈونگا رکھا تو عادل نے یک دم اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"سنیے......" عادل ہی کڑا کر کے بولا۔

"جی......" صبا نے گھنی پلکیں اٹھا کر پوچھا۔

"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو۔" عادل آج یہ معاملہ آر یا پار کرنا چاہتا تھا کہ جو دکھ ملنا ہے مل جائے روز روز کی کشمکش اور مرنے سے تو بہتر تھا۔ صبا اس کا سوال سن کر سر جھکا کر رہ گئی۔

برسوں مغرب میں رہنے کے بعد بھی اس کے اندر مشرقی لڑکی پوری آب و تاب سے زندہ تھی۔ وہ خاموش تھی دھڑکتے دل کی صدائیں شور کر رہی تھیں۔

"بولیے میرا ساتھ قبول ہے آپ کو...... یا آپ بھی اوروں کی طرح میری صورت اور رنگت سے نفرت کرتی ہیں۔" عادل کے لہجے میں درد کے ساز بجنے لگے۔ صبا نے تڑپ کر اس کی جانب دیکھا اور بے قراری سے بولی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" صبا سے اس کی آسودگی دیکھی نہ گئی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔" وہ ایک بار پھر غم اور مایوسی بھرے لہجے میں بولا۔

"آپ تو بہت اچھے اور قابل انسان ہیں اور......" صبا رکی۔

"اور کیا......؟" عادل نے محتاط ہو کر پوچھا۔

"مجھے آپ کا ساتھ قبول ہے۔ آپ امی ابو سے بات کر لیجیے۔" اتنا کہہ کر صبا اٹھنے لگی تو عادل کا چہرہ جگمگا اٹھا۔

"ارے یہ کیا...... بیٹھیے کھانا تو کھائیے۔" عادل یک دم اٹھ کر اسے روکنے لگا۔

"اب مجھے بھوک نہیں۔" صبا مسکراتی ہوئی کہہ کر بھاگ گئی اور عادل کو گویا جہاں بھر کے خزانے مل گئے تھے۔ اب بھوک اسے بھی کب تھی۔ زندگی میں ملنے والی یہ پہلی خوشی تھی جو اس نے اپنے بل بوتے پر حاصل کی تھی۔

❁......❁......❁......❁

کئی روز کی سوچ بچار کے بعد نعیمہ اور ذلفی آخر کار ہمایوں کے پاس چلے آئے۔ آج کل وہ ذلفی کے کزن ڈاکٹر فاروق کے ہاں قیام پذیر تھے۔

"آیئے آپا...... آپ کے جانے کے بعد گھر سونا سا ہو گیا ہے۔" ثانیہ مسکرا کر بولیں۔ تو نعیمہ بھی خوش دلی سے ہنسنے لگیں۔

"ہمیں آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" نعیمہ نے ہمایوں اور ثانیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بیٹی کی ماں تھیں جھجک آڑے آ رہی تھی۔

"کہیے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہمیں بھی آپ سے ضروری کام ہے۔" ثانیہ مسکرا کر بولی۔

"تو پہلے آپ کہیے۔" ذلفی صاحب نے ان کے کورٹ میں گیند پھینکی۔

"ارے نہیں بھائی صاحب! آپ بڑے ہیں، آپ چل کر آئے ہیں آپ کہیے ہم ہمہ تن گوش ہیں۔" ہمایوں احتراماً بولے۔ تب نعیمہ نے بات شروع کی۔

"بات یہ ہے کہ ثانیہ ہم نے اپنی بیٹی صبا کے لیے عادل کا انتخاب کیا ہے۔ امید ہے کہ صبا کو آپ اپنی بیٹی بنا لیں گے۔" نعیمہ نے سر جھکائے مدعا بیان کیا جس پر ثانیہ اور ہمایوں حیران رہ گئے۔ ثانیہ حیرت زدہ جب کہ ہمایوں بے حد خوش تھے مگر ثانیہ سے کوئی جواب نہ بن پڑ رہا تھا گنگ سی ہو گئیں۔

"ارے...... اگر...... مگر کیا۔ ہمیں صبا بیٹی پسند ہے۔ بس آپ تیاری کریں۔ ہم جلد ان کا نکاح کر دیں گے۔" ہمایوں نے آن کی آن میں سارے معاملات طے کر لیے اور حتمی فیصلہ سنا دیا۔ ذلفی اور نعیمہ شکریہ ادا کرتے رہ گئے۔

ثانیہ سن سی بیٹھی تھیں، انہوں نے عادل کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہ تھا جیسے وہ کوئی غیر ہو۔ انہیں یہی گمان

تھا کہ جہاں بھی عادل کی بات چلائیں گی وہاں انکار ہوگا۔ آج کل کی لڑکیاں بہت تیز ہیں خوبرو وجیہہ لڑکوں کی تلاش کرتی ہیں۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تھا کہ آج تک کسی لڑکی نے اس کے بارے میں خاندان میں بھی کوئی رائے نہ دی تھی۔ انہیں انہونی سی محسوس ہو رہی تھی۔ جب کہ ہمایوں بے حد خوش تھے انہیں اپنے ہونہار بیٹے پر فخر محسوس ہو رہا تھا اور ثانیہ دم بخود سی بیٹھی تھیں۔

"تم کیا سوچ رہی ہو؟" ہمایوں گم سم بیٹھی ثانیہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"میں تو سمجھی تھی کہ وہ جلال کے لیے بات کریں گے۔" ثانیہ کی آواز میں حیرانگی کے ساتھ ساتھ یاسیت نمایاں تھی۔

"لگتا ہے تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔" ہمایوں نے کہا تو ثانیہ تڑپ سی گئیں۔

"نہیں تو...... وہ...... میں۔" ثانیہ ہکلا کر بولیں۔

"دیکھو ثانیہ عادل کو تم نے ہمیشہ ڈی گریڈ کیا۔ بھلا مجھ سے زیادہ کون جانتا ہوگا۔ جو پیار رحمہ اور جلال کے حصے میں آیا، اس کا ایک فیصد بھی عادل کو نہیں ملا، اب اللہ نے اس کی خوشیوں کا سامان پیدا کیا ہے تو اس کو کھل کر یہ خوشی انجوائے کرنے دو، اولاد ہے وہ تمہاری۔" ثانیہ اس حقیقت پر بغلیں جھانکنے لگیں اور آج سچ کڑوا نہ لگ رہا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ اگر جلال بھی صبا کو پسند کرتا ہو تو......" ثانیہ نے اپنے خدشے کا اظہار کر ڈالا۔

"جلال ابھی چھوٹا ہے، عادل بڑا۔" رشتہ طے ہو چکا ہے اب میں کسی قسم کی کوئی بد مزگی ہرگز برداشت نہ کروں گا نہ کسی کو حق ہے کہ وہ میرے فیصلے کے خلاف آواز اٹھائے۔ یہ بات تم بھی سمجھ لو اور جلال کو بھی سمجھا دو اب جلال بچہ نہیں جسے تم چھوٹا سمجھ کر عادل سے ہر چیز چھین کر اس کی گود میں پھینک دو گی۔ سمجھیں تم اور سو جاؤ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ میں صبح خود عادل سے بات کروں گا۔" انہوں نے کروٹ لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ ثانیہ لائٹ بند کر کے جلال کے کمرے میں آ گئیں۔ وہ جاگ رہا تھا۔

کوئی یاد بہت آئے

جب ہجر کے لمحوں میں
کوئی یاد بہت آئے
اور درد بھی ایسے میں
حدوں سے گزر جائے
پھر دل کے دریچے سے
ایک چاند کو تم تکنا
بے تاب دھڑکنوں کو
قابو میں مگر رکھنا
گزرے ہوئے لمحوں کو
چپکے سے بلا لینا
منظر میرے کیا ہو
تم تو میرے جہاں ہو
اب ایک پل بھی تم بن
مجھ سے رہا نہ جائے
جب ہجر کے لمحوں میں کوئی یاد بہت آئے
اور درد بھی ایسے میں حدوں سے گزر جائے

صائمہ ناز...... تاروجبہ

"کیا...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ صبا تو مجھے...... نہیں میں صبا سے پلیز امی کچھ کریں۔ آئی لو ہر۔" جلال ہتھیلیوں میں بال جکڑے بے بسی سے بولا۔

"بس اس سے آگے ایک لفظ بھی نہیں۔ چند دنوں بعد صبا اور عادل کا نکاح ہے اور تم بچپنا چھوڑو۔ میری ہی غلطی تھی کہ تمہیں بچہ سمجھ کر لولی پاپ تھماتی گئی۔ عادل کو نظر انداز کرتی رہی حالانکہ وہ میرا ہی خون تھا۔ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔ اب احساس ہو رہا ہے کہ میں نے عادل کے ساتھ کتنی ناانصافی کی۔" ثانیہ کی آواز میں ندامت تھی۔ جلال ابھی تک دم بخود بیٹھا تھا۔ صبا کو دل سے قریب تر پایا تھا۔ اب وہ صدیوں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔

"امی یہ کیسے ہو گیا؟" جلال ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں الجھا ہوا تھا۔

"عادل تم سے بڑا ہے۔ پہلے اس کی باری ہے۔ پھر

باجی اور ذلفی بھائی نے خود آ کر یہ رشتہ ڈالا ہے۔ ان
اللہ تمہارے نصیب میں بھی بہت اچھی لڑکی ہوگی۔
بیٹا خود کو سنبھالو۔" ثانیہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر
ھاتی ہوئی باہر چلی گئیں اور جلال سانوں ایک پل چین
وئے کی تصویر بنا اداسیوں کے سمندر میں غوطہ زن
یا۔ اس کو پہلی چوٹ لگی تھی۔ زخم بھرنے میں وقت تو لگنا
کمرے میں آ کر وہ بے قراری لیٹی تھیں۔ عادل کو بھی
ں نے اس نظر سے دیکھا ہی نہ تھا۔ جس نگاہ سے نعیمہ
ذلفی نے عادل کو جانچا اس کی ظاہری رنگت سے قطع نظر
یہ صبا ایک حسین ترین لڑکی تھی' ثانیہ خود سے تو بھی
ل کے لیے صبا کا رشتہ مانگنے کی جرأت نہ کر سکتی تھیں۔
ں تو بس گزرا وقت تڑپا رہا تھا۔
"چھوٹا بھائی ہے تمہارا' تم بڑے ہو اپنا ظرف بڑا
و۔ کیا ہوا جو اپنی چیز چھوٹے بھائی کو دے دی' وہ چھوٹا
ہے۔" کبھی جیومیٹری بکس' کبھی کھلونے' کبھی کلرز' کبھی
ٹ' کبھی ٹافیاں' کس کس موقع پر اور کہاں کہاں ثانیہ
نے عادل سے زیادتی نہ کی اور اب صبا کے معاملے میں
س طرح عادل کو کہہ سکتی تھیں کہ "اپنا یہ حق بھی چھوٹے
ئی کو دے دو۔" ثانیہ کو رہ رہ کر اپنی زیادتیوں اور بے حسی
حد درجہ شرمندگی ہو رہی تھی۔ اس کے رویے کے برعکس
دل ہمیشہ خاموش رہا۔ وہ صبر و برداشت کا پیکر تھا۔ تن کا
لا نہ تھا مگر اس کا من صاف شفاف تھا' کس قدر حوصلہ
ہے میرے عادل میں۔
رات بھر ثانیہ اپنی سوچوں میں گھری شرمندہ ہوتی
ہیں۔ صبح وہ ہمایوں کے جاگنے سے پہلے ہی اٹھ گئیں۔
از پڑھ کر عادل کے کمرے میں چلی آئیں۔ عادل
رآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ ایسے عالم میں ثانیہ کو اس
ا چہرہ نور سے روشن دکھائی دے رہا تھا۔ جواب تک ماں
کے پیار اور اس کے لمس سے نا آشنا تھا ثانیہ کو اس وقت
یکھ کر حیران سا ہوا۔ قرآن پاک بند کر کے چوم کر جگہ پر
ھا۔ ایک بدلی ہوئی ماں سامنے کھڑی تھی۔
"آئیں امی......" وہ احترام سے بولا۔

ثانیہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے کھڑی ہوئیں اور یک دم عادل کے ہاتھ تھام کر رو پڑیں۔ عادل گھبرا سا گیا۔

"یہ کیا کر رہی ہیں امی آپ...... کیا ہوا؟" وہ انہیں کندھوں سے تھام کر بیڈ پر آرام سے بٹھاتے ہوئے بولا۔

"مجھے معاف کر دو بیٹا۔ میں نے ہمیشہ تمہاری حق تلفی کی۔ تمہارے مقابلے میں رحمہ اور جلال کو فوقیت دی۔" وہ زارو قطار رو رہی تھیں اور عادل کے سینے سے جیسے بھاری پتھر کی سل سرکتی جا رہی تھی۔ ثانیہ سرتا پا بدلی ہوئی ماں دکھائی دے رہی تھیں۔ محبتوں کے خزانوں سے چور جو عادل پر لٹنے کے لیے تیار تھے اور عادل کے اندر سکون کے سمندر کی لہریں بہہ رہی تھیں۔

"میں نے کبھی شکوہ تو نہیں کیا آپ سے......" عادل کی آواز میں نمی در آئی۔

"یہی تو بڑائی ہے تمہاری...... تم نے کبھی اپنا حصہ مانگا ہی نہیں' بس دیتے رہے ہو۔ تمہارے صبر' حوصلے' ظرف اور بڑے پن نے میری ممتا کو جھنجوڑ دیا ہے۔ سوئی ہوئی ممتا کو جگا دیا ہے۔" وہ بولتے بولتے ہچکیاں لینے لگیں۔

عادل انہیں بازوؤں کے گھیرے میں لیے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بھی برسات ہونے لگی کہ دروازہ آہستگی سے کھلا اور ہمایوں اندر آ گئے۔ ثانیہ یک دم اٹھیں اور ان کے سامنے کہنے لگیں۔

"ہمایوں......! پلیز اسے کہیے مجھے معاف کر دے۔ میں پاگل تھی...... میں......" وہ بے ربط سا بول رہی تھیں۔

ہمایوں نے انہیں تھاما اور بیڈ پر بٹھایا۔ عادل جلدی سے پانی کا گلاس بھر لایا اور انہیں پلانے لگا۔ ثانیہ نے چند گھونٹ پیے۔ وہ بے حد ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"چلو...... اپنے کمرے میں آرام کرو۔" ہمایوں نے کہا تو ثانیہ نے آنسوؤں بھری ملامتی نگاہیں عادل پر جمائیں۔

عادل کے لبوں پر پرسکون مسکراہٹ تھی۔ اس نے

جلدی سے ماں کو آگے بڑھ کر سینے سے لگا لیا اور ساتھ لگائے ان کے کمرے میں آ گیا۔ بستر پر لٹا کر بی پی چیک کرنے لگا۔ پھر خود ہی دودھ گرم کر لایا ساتھ میں بسکٹ تھے۔ زبردستی کھلا کر دوائی دی اور کمبل اوڑھا کر سونے کو کہا۔

"امی آپ ٹھیک ہوں گی تو سارے کام ٹھیک ہوں گے۔ آپ کچھ نہ سوچیں آپ میری ماں ہیں' میری پیاری ماں۔ میری محبت اور میری جنت ہیں' میرا سب کچھ آپ ہیں۔" عادل نے کہا اور ان کے ماتھے پر پیار کر کے باہر آ گیا۔

ہمایوں آج یوں کایا پلٹنے پر حیران تھے۔ ساتھ ہی ان کی نظریں غنودگی میں ڈوبی ثانیہ پر تھیں۔ جس کے چہرے پر آج انہیں ایک انہونی و انوکھی سی ممتا کی چمک واضح دکھائی دے رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

پھر موسم بدلا' دلوں پر چھائی نفرتوں' کدورتوں اور بے یقینی کی گرد اڑتی گئی۔ جلال نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ کون سا اس کے عہد و پیماں ہوئے تھے صبا کے ساتھ۔ پھر کب صبا نے اسے محبت کا اشارہ دیا تھا۔ زندگی میں وہ سب کچھ نہیں ہوتا جیسا ہم سوچتے اور سمجھتے ہیں۔ جو ہمارے خیال میں درست ہوتا ہے بلکہ زندگی ہمیں ہر آنے والے لمحے میں نئے ادراک و فہم سے آشنا کرتی چلی جاتی ہے۔ ہمیں وہ دے جاتی ہے جو ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے جو اصل میں ہمارے لیے ہی ہوتا ہے۔ ہم سراب کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں جبکہ زندگی ہمیں حقیقتوں سے آشنا کرتی ہے۔ خواہشات تقدیر کے تابع نہیں ہوتیں۔ تقدیر کا پلڑا خواہشات و آرزوؤں پر سدا بھاری رہا ہے۔ ثانیہ کی طبیعت جیسے ہی ٹھیک ہوئی' انہوں نے نعیمہ اور ذلفی کو شادی کی تاریخ دے دی۔ یوں باہمی مشاورت کے بعد چاند کی چودھویں تاریخ بارات کے لیے مقرر ہوئی۔ عادل اور صبا کو اپنی دعاؤں پر پیار آ رہا تھا اور دعائیں قبول کرنے والے رب پر اس سے بھی بڑھ کر۔

یاد رکھنے کی باتیں

- وہ مسکراہٹ بڑی مقدس ہوتی ہے جو کسی کی یاد میں آئے اور دل تو روئے لیکن لب مسکرا دیں کاش کوئی دیکھ سکے اتنی سی مسکراہٹ کے لیے انسان اندر سے کتنا ٹوٹ جاتا ہے۔
- کسی کی حوصلہ شکنی مت کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں حوصلہ دینے والا کوئی بھی نہ ہو۔
- محبت بڑی خود غرض ہوتی ہے یہ انسان کو خود غرض بنا دیتی ہے۔
- مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کہ یہ جلدی سنی جاتی ہے۔
- کبھی بھی جھوٹ نہ بولو کہ جھوٹ ایک نہ ایک دن ضرور عیاں ہوگا۔
- کبھی کسی کا دل مت توڑو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی کرچیوں سے تم خود ہی زخمی ہو جاؤ۔

لاریب انشال...... اوکاڑہ

یوں چودھویں کے مسکراتے چاند کی چاندنی میں دونوں کو ایجاب و قبول کے بعد ایک کر دیا گیا۔ ممتا کی جیت ہوئی۔ محبت کو فتح ملی۔

عادل کا بکھرتا وجود سمٹنے لگا۔ زندگی میں جس شے کی کمی تھی وہ پوری ہو گئی تھی۔ زندگی کے سارے حسین رنگ کھلے دل سے ان کا استقبال کر رہے تھے اور چاند ان کے دلکش ملن پر مسکرا رہا تھا۔

دو ستاروں کا زمین پر ہے ملن آج کی رات
ساری دنیا نظر آتی ہے دلہن آج کی رات
رنگ لائی ہے میرے دل کی لگن آج کی رات
مسکراتا ہے امیدوں کا چمن آج کی رات

❁

قسط نمبر 7

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

کرنل ابرار خان کی موت سے شادی والا گھر ماتم کدے میں بدل گیا تھا دونوں بیٹے مشفق باپ کے سائے سے محروم ہو کر افسردہ ہو جاتے ہیں جبکہ ایسے حالات میں دلشاد بانو نکاح کے ٹل جانے پر خاصی بے فکر نظر آتی ہیں۔ دوسری طرف سفینہ تمام حالات سے بے خبر پارلر میں ہوتی ہے۔ فائز کو پالینے کے مسرور لمحات میں بھی اس کا دل عجیب سے خدشات اور اندیشوں میں گھرا ہوتا ہے ایسے میں عزیر سنبل اور ثوبیہ کو فون کر کے انہیں دادا ابا کی رحلت کا بتا کر سفینہ کو دلہن بننے سے روکنے کا کہتے ہیں ساتھ ہی ان پر یہ ذمہ داری بھی عائد کر دیتے ہیں کہ سفینہ کو فی الحال دادا ابا کی رحلت کی خبر سے آگاہ نہ کیا جائے۔ ایسے حالات میں وہ دونوں گھبرا جاتی ہیں اور پھر پارلر کی اونر سے بات کر کے اس سے مدد طلب کرتی ہیں۔ سفینہ اپنی نامکمل اور ادھوری تیاری پر حیران ہو کر دونوں بہنوں سے استفسار کرتی ہے جس پر وہ اسے شہر کے حالات اچانک خراب ہونے کا کہہ کر فوراً گھر چلنے کا کہتی ہیں جلد ہی فائز سفینہ کو لینے پہنچ جاتا ہے لیکن فائز کے چہرے پر بھی درد اور اذیت کے تاثرات رقم دیکھ کر سفینہ کا دل ڈوبنے لگتا ہے کسی انہونی کے خدشات اسے بے چین کر دیتے ہیں گھر پہنچ کر دادا ابا کے جسد خاکی کو دیکھ کر سفینہ ششدر رہ جاتی ہے اور بے یقینی کے عالم میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جاتی ہے۔

شرمیلا کے غیر معمولی حسن سے متاثر ہو کر نبیل نامی لڑکا مسلسل اسے تنگ کرتا ہے وہ اس سے دوستی کا خواہاں نظر آتا ہے لیکن شرمیلا ایسے سڑک چھاپ اور لوفر مزاج سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی اس کی دوست صائمہ بھی اس سلسلے میں شرمیلا کو محتاط رہنے کا کہتی ہے لیکن شرمیلا انتہائی غصے کے عالم میں نبیل کے منہ پر تھپڑ مار دیتی ہے۔

دلشاد بانو اور سائرہ بیگم اب کھلم کھلا ریحانہ بیگم اور سفینہ کی مخالفت پر اتر آتی ہیں۔ ان کا اب اس نکاح کی بات کو آگے بڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا دوسری طرف ریحانہ اپنی بیٹی کے مستقبل کو لے کر مختلف خدشات میں گھری ہوتی ہیں جب ہی دلشاد بانو اس گھر کو بیچنے کی بات کرتے باتوں باتوں میں ریحانہ بیگم کو بہت کچھ باور کرا دیتی ہے۔ شرمیلا بھی اس کے کہنے پر اب اکثر خان ہاؤس میں نظر آتی ہے اور کچن کے انتظامی امور بھی ان کے ذمہ کر دیے جاتے ہیں فائز کے لیے یہ تمام معاملات انتہائی تکلیف دہ ہوتے ہیں ایسے میں سنبل اور ثوبیہ بھی اپنے گھر واپس جانے کا ارادہ کر لیتی ہیں جلال خان فائز اور سفینہ کی رخصتی کا ذکر کر کے گھر میں خوشیوں بھرا ماحول قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ سائرہ بیگم اور دلشاد بانو ہک دک رہ جاتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.......❁.......❁

کپکپاتی، موی انگلیوں نے تالے میں چابی گھمائی، ایک جھٹکا سا لگا مگر ہاتھوں کی لرزش کی وجہ سے تالا کھل کے نہیں دیا، اس نے اپنے اعصاب کو پرسکون کرتے ہوئے دوبارہ کوشش کی اور سنہری چابی لکڑی کے دروازے کے پرانے قفل میں ڈالی۔

"چرر...... چرر۔" اس بار زوردار گونج کے ساتھ دروازہ کھل گیا، سفینہ نے اذیت بھری سانس لی اور اندر داخل ہونے کے لیے قدم بڑھا دیئے۔

"اف...... یہ کیا ہے؟ کمرے میں ایک غبار سا چھایا ہوا تھا اس نے چاروں جانب دیکھا اور لائٹ جلائی۔ بہت دنوں بعد اس نے یہاں قدم رکھا تھا تا کہ کمرے کی صفائی کی جاسکے۔ ورنہ ابرار خان کے چالیسویں کے بعد سے تو اس کمرے کو تالا لگا دیا گیا تھا پھر کسی کی بھی کھولنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

اس کا دل دکھ سے بھر گیا یہاں کوئی ویرانی سی ویرانی تھی ایک دل دہلاتی ہوئی ابتری جو دکھائی نہیں دیتی مگر بہت قریب سے محسوس کی جاسکتی تھی۔

"آہ......" سفینہ نے اپنے وجود میں، دور دور تک بے چینی اور درد والم کے سائے اترتے محسوس کیے۔

"وہ کمرہ جو دادا ابا کی زندگی میں، روشن روشن لگتا تھا۔ اب کیسا ماند سا پڑا تھا۔" اس نے دکھ سے سوچا۔

ابرار خان اپنی ذات میں انجمن تھے، ان کے نہ ہونے سے یہاں، عجیب ہولناک سی خاموشی اور بے بسی پھیلی ہوئی تھی۔

"دادا ابا آپ کیوں چلے گئے؟" یہ خیال کیا آیا دل ڈوبنے لگا، اس نے دو قدم بڑھ کر ان کی قدیم جھولنے والی براؤن آرام دہ کرسی کے ہتھے پر اپنی انگلیاں پھیریں، یہاں بیٹھ کر وہ اخبار کا مطالعہ و آرام کرتے تھے اور کبھی کبھی گھڑی دو گھڑی کو سو بھی جاتے تھے۔

سفینہ نے نگاہیں گھمائیں، سائیڈ ٹیبل پر رکھی ابرار خان کی سلور فریم میں آویزاں جوانی کی تصویر پر نگاہ جم کر رہ گئی، ہاتھوں کو آگے بڑھایا اور جلدی سے فریم اٹھا کر سینے سے لگالیا، پھر وہیں بیٹھ کر بہت دیر تک پیار سے تصویر کو تکتی رہی۔ وجاہت سے بھرپور مسکراتے ہوئے ابرار خان، بہت پُر وقار لگ رہے تھے۔ شیشے کو دوپٹے سے صاف کیا اور احتیاط سے اپنی جگہ پر واپس رکھ دیا، جلدی جلدی ہاتھ چلاتے ہوئے جھاڑن کی مدد سے کھڑکیوں کے گرد و غبار کو صاف کیا۔ اس کے بعد بستر کی چادر بدلنی، اسے یہاں پھیلے، سکوت میں اضطراب چھپا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"یہیں تو میرے دادا ابا سوتے تھے۔" وہ ایک دم گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بستر پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑبڑائی، جس کروٹ وہ ہمیشہ لیٹے ہوتے تھے وہاں ہاتھ جیسے جم سے گئے۔ دیر تک خاموشی سے بیٹھی اس جگہ کو تکتی رہی پھر بے اختیار سسکیاں نکل گئیں۔

"آپ کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا دادا ابا۔" برداشت جواب دے گئی، وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی آواز کا گلا گھونٹتی ایسے ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کمرے سے باہر نکل آئی، آنکھوں میں بہت سارے آنسو یکایک امڈ آئے تھے ان میں ایک درد و اذیت تھی۔ جو اس کے رخساروں پر بہتی چلی گئی۔

❁......❁......❁

چاندنی کے گھیرے میں چھپی رات بہت گہری ہونے لگی مگر اس کے دکھوں کی گہرائی سے کم، جو تخت پر الٹی لیٹی تلخ یادوں میں ڈوب کر انتہائی دکھ اور اذیت کے ساتھ انگلی سے زمین پر لکیر کھینچنے میں مصروف تھی۔ وجود کی تنہائی اسے بے قرار کیے دے رہی تھی، آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ستاروں سے بھرا آسمان اور اس پر چمکتا روشن چاند بھی اس کے دکھ کم کرنے سے قاصر تھا۔ رات تو بستر پر لیٹ کر سونے کے لیے بنی ہے مگر عزت نفس پر پڑنے والی چوٹ نے بھوک، نیند، سکون سب کچھ چھین لیا تھا۔ وہ تخت پر جھکی زمین پر لکیریں بناتی چلی گئی، حتیٰ کہ رات کا دوسرا پہر گزر گیا۔ اچانک کھٹکا ہوا۔ اس نے سیدھے ہو کر دیکھا تو، ماں کو اپنے پیروں کے پاس کھڑا پایا۔

"شرمیلا اتنی رات کو تم یہاں کیا کر رہی ہو، اب تک سوئی کیوں نہیں؟" بتول کے لہجے میں تشویش کی لہر تھی۔

"آپ ابھی تک کیوں نہیں سوئیں؟" اس نے الٹا ماں سے سوال پوچھا۔

"میری تو پیاس سے آنکھ کھلی ہے پانی پینے اٹھی تو تمہیں یہاں دیکھا اور اس طرف چلی آئی۔" انہوں نے عادت کے مطابق تفصیل سے جواب دیا۔

"بس میں بھی سونے جا رہی تھی۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"وقت دیکھا ہے، بس سونے جا رہی تھی۔" بتول نے بیٹی کی نقل اتارتے ہوئے غصے میں جتایا۔

"سوری مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔" شرمیلا نے اپنی گلابی ہتھیلی کی لکیروں میں جھانکا۔

"کیا ہوا ہے شرمیلا؟" بتول نے پریشانی سے بیٹی کا چہرہ اوپر کیا اور آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"امی میں سوچ رہی تھی کہ کبھی کبھی ہم جیسا چاہتے ہیں ویسا کیوں نہیں ہوتا؟" شرمیلا نے وجود میں اٹھتی شدید قسم کی بے بسی سے مجبور ہو کر سوال کیا۔

"اس لیے بیٹا کہ شاید اس میں ہماری بھلائی چھپی ہوتی ہے اور......" کسی سوچ کے تحت وہ دھیرے سے بول کر خاموش ہوگئیں۔

"میں کئی دنوں سے اضطراب کا شکار ہوں۔" شرمیلا نے منتشر ذہن کے ساتھ خالی ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کس قسم کا اضطراب؟" ان کی سوالیہ نگاہیں، شرمیلا کے حسین چہرے پر جم گئیں۔

"پتا نہیں۔" وہ عجیب انداز میں ہنسی۔

"میں دیکھ رہی ہوں جس دن سے تم سائرہ بہن کے یہاں سے لوٹی ہو بہت اداس اور بے چین رہنے لگی ہو۔" انہوں نے دل میں اٹھتی پریشانی کو زبان دی۔

"امی کو بتا دوں کہ جلال خالو نے میری کتنی بے عزتی کی ہے۔" اس کے لب کپکپائے مگر الفاظ نے ساتھ نہیں دیا۔ سوچ کر رہ گئی۔

"بولو...... نا کیا پریشانی ہے؟" بتول نے بچی کو سوچ میں گم دیکھا تو ہول کر اس کا کاندھا ہلایا۔

"نہیں اگر ان کو یہ سب باتیں پتا چل گئیں تو ان کی پریشانی دہری ہو جائے گی۔" ماں کی ابتری ہوئی صورت برداشت نہ ہوئی، تو خود کو سرزنش کر کے روکا۔

"کچھ نہیں ہوا بس میری طبیعت ٹھیک نہیں پتا نہیں سر کا درد کیوں نہیں جا رہا۔" شرمیلا نے بے خوابی سے مخمور آنکھیں چرائیں اور سر پر ہاتھ رکھ کر بہانہ بنایا۔

"چلو اٹھو اندر چل کر لیٹو میں دوا لاتی ہوں۔" بتول کے چہرے کے نقوش میں گہری سنجیدگی چھا گئی تھی۔

وہ سر ہلاتی ہوئی ماں کے پیچھے چل دی، مرد کے بغیر یہ گھر کتنا غیر محفوظ سا لگتا ہے۔ اس نے چاروں جانب نگاہ دوڑا کر سوچا، فائز کی شکل میں اسے ایک مضبوط سہارا نظر آنے لگا تھا، اس خاندان میں رشتہ جوڑنے کے بعد، وہ اپنی ماں، بہن کو تحفظ فراہم کر سکتی تھی مگر ان لوگوں نے تو اسے دو کوڑی کا بھی نہیں جانا یہ بات ناقابل برداشت ہونے لگی تو اس کا وجود چیخ اٹھا۔

"فائز جلال تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟" شرمیلا نے خیالوں میں اسے پکارا۔

"میں جس شخص کا ہاتھ تھاموں گی تم اس سے دو قدم پیچھے ہی نظر آؤ گے۔" ضد کی لہر من میں جاگی، اسے چیلنج کرتی ہوئی، بستر پر دراز ہوگئی۔

❁……❁……❁

دھندلی شام نے خان ہاؤس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کردیا تھا۔ لاؤنج میں اندھیرا پھیلنے لگا مگر ریحانہ اپنے خیالوں میں گم بہت دیر سے تخت پر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھیں، ان کے سامنے لان کا نفیس سوٹ پھیلا ہوا تھا جسے قطع کرکے انہیں، سفینہ کی شرٹ اور ٹراؤزر سینا تھا مگر اس وقت کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا دماغ مختلف الٹے سیدھے سوالات کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ویسے بھی حالات جس ڈگر پر چل پڑے تھے انہیں لگا آئندہ زندگی کا لائحہ عمل طے کرنا اب ضروری ہوگیا ہے۔ انہوں نے ابتدا سے لے کر انتہا تک واقعات کے خدوخال اپنے ذہن میں تازہ کیے۔ پیچھے تو جو ہوا سو ہوا آگے بھی کوئی اچھی امید دکھائی نہیں دی۔

"میری بیٹی ایسی مجبوروں والی زندگی نہیں گزارے گی جس میں اپنے سے زیادہ دوسروں کا عمل دخل ہو۔" ایک تلخ مسکراہٹ ہونٹوں پر آئی۔

کافی دیر سوچنے سمجھنے کے بعد وہ جیسے ایک مشکل فیصلے تک جا پہنچیں گویا بیچ سمندر میں پھنسی ناؤ کو ساحل کا آسرا مل گیا، چہرے پر سکون چھاتا گیا، وجود سے مضبوطی جھلکنے لگی۔ اطمینان نے اضطراب کو پچھاڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے اٹھ کر ساری لائٹس جلا دیں اور اندھیرے سے روشنی کا سفر بڑی سرعت سے طے کیا۔

"اشرفی خالہ ہی میری مدد کریں گی۔" دماغ کو ٹٹولا اور کمرے سے اپنا بیگ اٹھا لائیں، سیاہ ڈائری نکالی کھول کر اس کے ورق پلٹتی چلی گئیں۔

"کہاں گیا یہیں کہیں لکھا ہونا چاہیے۔" انہیں تشویش نے آگھیرا جھنجھلا کر تیزی سے صفحہ پلٹا۔

"شکر ہے مل گیا۔" سفید کاغذ پر سیاہ روشنائی سے ایک نمبر لکھا دکھائی دیا آنکھوں کی چمک بڑھتی گئی۔ جلدی سے فون کی جانب بڑھیں۔ کال ملائی اور دوسری جانب سے فون ریسیو کیے جانے کے انتظار میں محو ہوگئیں۔

❁……❁……❁

دن طلوع ہونے کی خبر دینے والا اجالا فائز کے لیے ذمے داریوں کا پہاڑ لیے حاضر ہونے لگا تھا۔ زندگی اس کو ذرا سی بھی رعایت دینے پر آمادہ نظر نہیں آرہی تھی وہ الجھنوں میں گھرا حالات سے برسر پیکار تھا۔ اب تو فراغت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ کافی دنوں بعد فرصت کے چند لمحے میسر آئے تو وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ٹہلتا ہوا لان کی طرف نکل آیا۔

"ایک شخص کے دنیا سے جانے سے جیسے زندگی کا مفہوم بدل کر رہ گیا ہے۔" سبز روش پر تنہا ٹہلتے ٹہلتے ایک جگہ رک کر اس نے اپنے دادا ابا کو دل کی گہرائیوں سے یاد کیا۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اسے دور دور تک تنہائی، بےچینی، بےبسی اور درد والم کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔

ابرار خان کے نہ ہونے سے خان ہاؤس میں پھیلی اداسی، بےقراری اور ویرانی نہ ختم ہونے والی خلش بن کر دلوں میں سماگئی تھی۔ اب یہ گھر پہلے سے زیادہ خالی لگتا تھا اور فائز پر بھی کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہونے لگی خالی پن کا احساس۔

"قسمت نے اس بار بڑی کاری ضرب لگائی ہے۔" وہ اذیت سے مسکرایا۔

"آہ...... ہمارے ساتھ یہ کیا ہوگیا؟" پُرشفقت ہستی کو کھو دینے کا غم ایک درد اور نہ مٹنے والی تکلیف۔ بےرحم...... زندگی کی گمبھیر خاموشی سے بچ کر جاؤں بھی تو کہاں؟" وہ ٹیڑھے میڑھے سوالوں میں الجھا ہوا تھا۔

"دادا ابا آپ نے مجھے کتنا اکیلا کردیا ہے۔" رواں رواں فریاد کناں ہوا۔ "اب میں کسے اپنے دل کے درد سناؤں؟" فائز کی آنکھوں میں بہت سارے آنسو یکا یک امڈ آئے۔

پتا نہیں کیا ہوا اس نے پیروں میں جوتے پہنے، گاڑی کی چابی اٹھائی اور احتیاط سے گھر کا دروازہ باہر سے بند کرکے گاڑی میں جا بیٹھا، دھیرے دھیرے ڈرائیونگ کرتے ہوئے مین روڈ کی جانب چلا آیا، دماغ ماؤف ہونے لگا تھا، بس گاڑی چلائے چلا جارہا تھا اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ غائب دماغی کے ساتھ قبرستان تک جا پہنچا، بےقراری سے اترا گاڑی لاک کی اور اندر کی جانب بڑھ گیا، دادا ابا کی قبر پر پھیلی خس وخاشاک کو سمیٹتے ہوئے، اس نے ان سے بہت ساری باتیں کر ڈالیں، اپنے اوپر بیتنے والے سارے دکھ کہہ دیئے بےقراری کو جیسے سکون حاصل ہوگیا تھا۔

❁……❁……❁

"میری ایک ہی بیٹی ہے، جسے میں اپنی جان سے بڑھ کر محبت کرتی ہوں۔" ریحانہ نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد دبی زبان میں کہا اور فون مضبوطی سے گیلی ہتھیلیوں میں تھاما۔

"دیکھیں خالہ میں یہاں ہونے والے روز روز کے جھگڑوں اور فضول قسم کی باتیں سن سن کر تھک گئی ہوں۔" انہوں نے اپنے تند لہجے کو قابو کرنا چاہا۔

"آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا میں نہیں چاہتی کہ جس طرح درود پھٹ پھٹ والی زندگی میں نے گزاری ہے میری بچی کا نصیب بھی ایسا ہی ہو۔" ان کا لہجہ گلوگیر ہوا وہ لمحے بھر کو ٹھہر کر دوسری طرف کی بات سننے لگیں۔

"بس میں چاہتی ہوں کہ ایسا رشتہ مل جائے جہاں کم سے کم لوگ ہوں اور لڑکے کی مالی پوزیشن بھی خاصی مستحکم ہو۔" ریحانہ نے آہستہ آواز میں اپنی بات ختم کی۔

"ٹھیک ہے اشرفی خالہ تو پھر میں آپ کے فون کا انتظار کروں گی۔" ریحانہ نے آسودگی کی سانس بھرتے ہوئے فون رکھا اور اپنے پیچھے ہونے والی آہٹ پر گھبرا کر پلٹ کر دیکھا۔ ایک بلی دیوار پر سے نیچے کودی تھی۔ ان کی جان میں جان آئی۔ ڈائری بیگ میں رکھنے کے بعد اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

❁……❁……❁

سڑک کراس کرکے بس اسٹاپ کی طرف جانے والی شرمیلا نے مڑ کر دیکھا، وہ سر جھکائے اس کے پیچھے چلا آرہا تھا۔

"اف...... یہ کیا مصیبت ہے۔" تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہ دوسری جانب پہنچی۔ اپنے پیچھے آہٹ محسوس ہوئی مگر مڑ کر پیچھے نہ دیکھا۔

"بہت زور سے پیاس لگ رہی ہے۔" دھوپ کی شدت سے پریشان ہو کر اس نے گلے پر انگلیاں پھیریں۔

"آج تو اسٹاپ بھی آکر نہیں دے رہا۔" اس نے چڑ کر سوچا مگر چلتی چلی گئی تیز چلنے کی وجہ سے حلق خشک ہوگیا تھا، وہ رک کر سانسیں بحال کرنے لگی۔

"کہاں گیا وہ؟" اسٹاپ پر پہنچ کر بےبسی سے ادھر ادھر دیکھا، وہ ایک گاڑی کی اوٹ میں کھڑا دکھائی دیا۔

"مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے یہاں اتنی چہل پہل ہے کھا تھوڑی جائے گا۔" خود کو تسلی دیتے ہوئے گلابی ہونٹ مسکرائے۔

"کتنی دیر ہوگئی مگر یہ بس ہے کہ آکر ہی نہیں دے رہی۔" شرمیلا نے گھڑی میں وقت دیکھ کر سوچا۔

"اس کا کہیں مجھ سے بدلہ لینے کا ارادہ تو نہیں؟" دل میں ڈر جاگا نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں۔ وہ اب اپنی جگہ چھوڑ کر چل پڑا تھا۔

"یہ تو اسی جانب آرہا ہے۔" وہ سڑک کی سیدھ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنی طرف آتا دکھائی دیا تو جان نکل گئی۔

"اب تم بچ نہیں سکتی رسوائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے سوچا اور نبیل کے قریب پہنچنے پر جھٹ سے آنکھیں بند کرلیں۔

"اب مارے گا۔" وہ سوچتی رہی مگر کچھ نہیں ہوا، ڈر کر آنکھیں کھولیں تو اس کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ شرمیلا نے حیرت سے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ بچ میں کہیں نہ تھا۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور سامنے سے آتی بس کو دیکھ کر رکنا کا اشارہ کیا۔

❁......✿......✿

"بھئی، بھابی کہاں ہیں؟" بہزاد خان نے کافی دیر بعد پوچھا۔ وہ لوگ جب سے نیچے آئے تھے لیکن سائرہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلیں۔

بہزاد مسلسل ریحانہ کی طنزیہ نگاہوں کی زد میں تھے، جو شروع سے اس نئی پارٹی کی مخالفت کررہی تھیں، بہت دیر انتظار کرنے کے بعد آخر انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

"چاچامی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سر میں درد ہے گولی کھا کر سورہی ہیں۔" فائزہ نے گڑبڑا کر بہانہ بنایا۔

"اچھا جب ہی میں کہوں کہ نظر نہیں آرہیں۔" انہوں نے جبراً مسکرا کر جواب دیا۔ آج کافی دنوں کے بعد وہ سب نیچے بیٹھ کر ایک ساتھ چائے پی رہے تھے۔ ابرار خان کی زندگی میں تو سب شام کی چائے مل کر پیتے تھے مگر سائرہ اب اس طرح کی کوئی بھی روایت قائم رکھنے کے حق میں نہ تھی، اس لیے انہوں نے جیسے ہی سب کو ایک ساتھ آتے دیکھا، جھپاک سے ماں کا ہاتھ پکڑا اور جا کر کمرے میں بند ہوگئیں۔

"ان کو چھوڑو ذرا یہ بتاؤ کہ کباب کس نے بنائے ہیں۔" جلال خان کو بیوی کی حرکت بہت ناگوار گزری، اسی لیے ماحول کو خوش گوار بنانے کے لیے چائے سرو کرتی سفینہ سے پوچھا۔

"جی جی میں نے" کیوں کیا اچھے نہیں لگے؟" اس نے گھبراہٹ سے انہیں دیکھا۔

"صرف اچھے یہ تو بہت اچھے ہیں۔" جلال خان کے ہونٹوں پر شفقت بھری مسکراہٹ رینگ گئی۔

"شکریہ تایا جان یہ لیں۔" سفینہ نے کپ اٹھا کر جلال خان کو پیش کیا وہ ساری چیزیں اپنے پورشن سے بنا کر لائی تھی۔

"بھائی...... آپ یہ بسکٹ کھا کر دیکھیں سفی نے خود بیک کیے ہیں۔" بہزاد نے پلیٹ ان کے آگے کی اور فخر سے بیٹی کو دیکھا۔ ریحانہ منہ بنائے چائے کی چسکیاں لینے میں مصروف تھیں۔

"واقعی سب چیزیں بہت عمدہ ہیں۔" جلال خان نے مسکرا کر بھتیجی کو سراہا۔

"پاپا یہ چھولے تو بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے۔" فائزہ نے چمچہ بھر کر منہ میں رکھا اور منہ بنایا۔ سفینہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا، نظروں سے امڈتی محبت اس کے بیان کی نفی کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"میاں اپنی زبان کا علاج کراؤ جسے اچھے ذائقے کا پتا نہیں۔" بیٹے کو سرزنش کرتے ہوئے جلال خان نے پیار سے سفینہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

❁......✿......✿

"اشرفی خالہ...... میں کب سے آپ کے فون کا انتظار کررہی تھی مگر پلٹ کر کوئی خیر خبر ہی نہیں لی۔" ریحانہ جو بے چینی سے فون کان سے لگائے ٹیرس پر ٹہل رہی تھی دوسری طرف سے کال پک ہوتے ہی ماتھے پر بل ڈال کر بولی۔

"آئیں بیٹا تو بلاوجہ کاہے کو فون کرتی جب تک کوئی کام کی بات پتا نہ چلے انسان بات کرتا ہوا اچھا نہیں لگتا۔" اشرفی

نے مدبر بننے کی کوشش کی۔

"چلیں ان باتوں کو چھوڑیں یہ بتائیں۔ میرا کام ہوا؟" ریحانہ کو اپنی سخت گیری کا احساس ہوا تو لہجہ بدلا۔

"اے ہاں ایک ہیرا ڈھونڈ ہی نکالا میں نے مگر پہلے ہی بتارہی ہوں اس رشتے کے پورے پچیس ہزار روپے گن کرلوں گی نہ کم نہ زیادہ اور ایک اچھا سا ریشمین جوڑا بھی۔" وہ خوشی سے اترائیں۔

"ہاں ہاں سب دوں گی مگر پہلے پتا تو چلے کون لوگ ہیں؟" ریحانہ نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"بیٹا صبر تو کرو بتاتی ہوں علی شاہ صاحب کا نام تو سنا ہوگا؟" انہوں نے مزہ لیتے ہوئے تھوڑا سسپنس پھیلایا۔

"کون علی شاہ؟" ریحانہ نے ذہن پر زور دیا مگر یاد نہ آیا۔

"اے لو شاہ گارمنٹس والے۔" وہ تھوڑا اترائیں۔

"اچھا وہ ان کا تو شہر میں بڑا نام ہے۔ کافی معزز خاندان ہے مگر ان کا تو دو سال قبل انتقال ہوچکا ہے نا؟" وہ تیزی میں اپنی معلومات کا خزانہ اگلنے پر تل گئیں۔

"ہاں ہاں...... وہ ہی۔" دوسری طرف سے تصدیق کی گئی۔

"اچھا تو آگے بتایئے ان کے یہاں سے کس کا رشتہ لائی ہیں؟" ریحانہ نے سوالات کی بوچھاڑ کردی۔

"چھری تلے دم تو لو بھئی سب بتاتی ہوں۔" دوسری طرف سے اشرفی کی کڑک دار آواز ریحانہ کے کانوں سے ٹکرائی۔

"لڑکے کا نام آفاق شاہ ہے۔ اتی بڑی دو دو فیکٹریاں ہیں والدین ہیں نہیں اب تو گھر میں ایک چھوٹی بہن اور بوا ہیں...... ماشاءاللہ بہت اچھے لوگ ہیں، ویسے بھی تمہیں جیسا رشتہ چاہیے تھا یہ اسی معیار کا ہے۔" اشرفی نے جوش سے بتایا۔ ان کے لہجے میں فخر آسمایا تھا۔

"بس تو پھر کس دن انہیں یہاں لے کر آرہی ہیں؟" ریحانہ کو بے چینی سی ہوئی۔

"لڑکا اپنے کاروبار کے سلسلے میں باہر گیا ہوا ہے وہ جیسے ہی لوٹتا ہے میں بات آگے بڑھاتی ہوں۔" انہوں نے اطمینان دلایا۔ ویسے بھی ریحانہ سے ان کی بہت پرانی جان پہچان تھی مشکل وقت میں اس نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ سفینہ کو تو انہوں نے گودوں میں کھلایا تھا، چاہ کر بھی اس خاندان کے ساتھ برا نہیں کرسکتی تھیں۔

"سچ خالہ اگر یہ رشتہ ہوگیا تو آپ کو سونے کی بالیاں بنوا کردوں گی۔" ریحانہ نے جوش میں انہیں مزید لالچ دیا۔

"ان شاءاللہ یہ کام میرے ہاتھوں سے ہی انجام پائے گا۔" اشرفی خوشی سے پھولے نہیں سمائیں۔ سفینہ جو ماں کو ڈھونڈتی ہوئی اس طرف آئی تھی، یہ باتیں سن کر چونک گئی۔ ریحانہ فون رکھنے کے بعد خوش خوش اندر جانے لگی اپنے پیچھے بیٹی کو کھڑا دیکھ کر گھبرا گئیں۔

"امی کس کا رشتہ؟" سفی کے حلق سے بڑی مشکل سے لفظ نکلے۔

❁......✿......✿

وہ دونوں بھائی معمول کے مطابق مسجد سے نماز کی ادائیگی کے بعد گھر کی طرف روانہ ہوئے تو جلال کے قدم ہمیشہ سے زیادہ بوجھل ہوگئے۔

"آہ یہ کیسی تکلیف ہے۔" جلال خان دل میں اٹھنے والے درد سے کراہ اٹھے۔ انہیں زمین اور آسمان سب ایک ساتھ گھومتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"بہزاد......" بھائی کو پیچھے سے آواز دینے کے بعد اپنا سر تھام کر فٹ پاتھ پر بیٹھ گئے۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟'' وہ ڈرائیور کے پاس پہنچے اور پریشانی کے عالم میں پوچھا۔
''پتا نہیں کیا ہوگیا ہے کچھ دنوں سے اچانک طبیعت بگڑ جاتی ہے اعصاب پر کنٹرول نہیں رہتا۔'' جلال خان نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔
''آپ نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی۔'' بہزاد نے انہیں سہارا دے کر اٹھایا۔
''پین کلر کھائی تھی سوچ رہا تھا کہ طبیعت خود ہی ٹھیک ہوجائے گی۔'' انہوں نے بتایا۔
''میں آج ہی آپ کو ڈاکٹر کے یہاں لے کر چلتا ہوں۔'' بڑے بھائی کی حالت پر بہزاد کو شدید تشویش نے آگھیرا۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ زندگی کا ایک اور سخت لمحہ تھا۔ باپ کے بعد بھائی کی طبیعت کا بگڑنا ان سے سہا نہیں گیا، فائزہ ابھی تک شاپ سے نہیں لوٹا تھا۔ اس لیے وہ خود ہی گاڑی میں بٹھا کر انہیں نزدیکی کلینک چیک اپ کرانے لے گئے۔ پریشانی کی ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی دوا دینے کے ساتھ ڈاکٹر نے ایک ہی بات پر زور دیا کہ جلال خان کے اعصاب کافی کمزور ہوگئے ہیں۔ انہیں ہر طرح کی ٹینشن سے دور رکھا جائے۔

❁......✿......❁
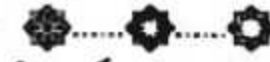
''بہزاد میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ابا جان مرحوم کی خواہش پوری کردیں۔'' جلال خان نے گاڑی کے سائیڈ گلاس میں ٹریفک کا جائزہ لینے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بھائی سے کہا۔ وہ دونوں ڈاکٹر کو دکھا کر واپس گھر جارہے تھے۔
''ٹھیک ہے بھائی جان جیسی آپ کی مرضی' جب آپ مناسب سمجھیں اس کام کو کرلیتے ہیں۔'' بہزاد خان نے سر ہلا کر جواب دیا۔
''اپنی طبیعت کی وجہ سے میرا اطمینان رخصت ہوگیا ہے میں اب نکاح کرنے کا حامی نہیں بس ایک بار ہی شادی ہوجائے تو اچھا ہے۔'' جلال خان نے پریشانی سے کہا۔ لہجے میں اپنائیت چھلک اٹھی۔
''مگر وہ فائزہ کے باہر جانے کے معاملہ کا کیا ہوگا؟'' اسٹیئرنگ پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بہزاد خان نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔
''حالات جس نہج پر پہنچ گئے ہیں فائزہ ابھی ہمیں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا اور آئندہ بھی اس کا کوئی ارادہ بنا تو کیا حرج ہے بیوی کو بھی ساتھ لے جائے گا۔'' انہوں نے پُرسوچ نظروں سے کھڑکی سے باہر ٹریفک کے ریلے کو ساتھ چلتے دیکھ کر کہا۔
''کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں مگر بھائی جان' سفینہ کے فائنل ایگزام قریب ہیں۔'' بہزاد نے اپنی ایک اور مشکل بتائی۔
''ہاں...... یہ مسئلہ تو ہے خیر دیکھتے ہیں۔'' ان کے چہرے پر تفکر کے بادل چھائے۔
''میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔'' جلال خان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
''وہ کیا؟'' چھوٹے بھائی کا دل دھڑکا۔
''ہماری خوش دامن صاحبہ کی باتیں کافی تکلیف دہ ہوتی ہیں ان پر کان نہ دھرنا۔'' وہ تلخی سے مسکرائے۔
''دلشاد خالہ کی باتیں۔'' بہزاد نے بے یقینی کے عالم میں دیکھا۔
''ہاں وہ ہی تو آج کل تمہاری بھابی کے کان بھرنے پر تلی ہوئی ہیں۔'' انہوں نے گاڑی کو گھر کے راستے پر موڑتے ہوئے ایک سرد آہ بھری۔

اوہ..... جب ہی ریحانہ۔" وہ کچھ بتاتے بتاتے ٹھہر گئے۔

"کچھ نہ بولو مجھے سب خبر ہے۔" جلال کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ آگئی۔

"بھائی ان عورتوں کی باتیں تو سدا چلتی رہیں گی آپ یہ بتائیں کہ کیا کرنا ہے۔" بہزاد نے خان ہاؤس آتا دیکھا تو سر جھٹک کر پوچھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ سفینہ کے ایگزام ختم ہوجائیں تو کوئی مناسب تاریخ رکھ لیتے ہیں۔" جلال خان نے گاڑی پارک کرتے ہوئے بھائی کی طرف دیکھا۔

"جانے نکاح کے ساتھ رخصتی کا سن کر ریحانہ کے کیا تاثرات ہوں گے وہ تو بھابی کے رویے سے خاصی بدگمان ہوچکی ہے۔" بہزاد خان کسی سوچ میں گم ہوگئے۔

"ٹھیک ہے نا۔" بھائی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اپنی بات کی تائید چاہی۔

"جی..... بالکل۔" بہزاد خان نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا اور انہیں اترنے میں مدد دی۔

❁......✿......❁

"ایک ہفتہ ہونے کو آیا، وہ لڑکا کہیں دکھائی نہیں دیا۔" صائمہ نے کالج کینٹین میں سموسہ کیچپ سے لگا کر کھاتے ہوئے کچھ یاد آنے پر شرمیلا سے کہا۔

"میں بھی یہ ہی بات سوچ رہی تھی۔" شرمیلا نے مسکرا کر بہانہ بنایا اس کے پیچھا کرنے والی بات کو صفائی سے چھپا گئی تھی۔

"یار تم نے بھی تو حد کردی اتنے زور سے اسے تھپڑ کھینچ مارا میں تو ڈر ہی گئی تھی۔" اس نے چٹخارا لیا۔

"پتا نہیں اس دن کیا ہوا، مجھے بہت زیادہ غصہ آگیا تھا بعد میں تھوڑا افسوس بھی ہوا۔"

"میں بھی یہ ہی سوچ کر حیران ہوتی رہی کہ اچانک تمہارے اندر جھانسی کی رانی کی روح کیسے حلول کرگئی۔" صائمہ نے اسے چھیڑا۔

"بی بی جن لڑکیوں کے سروں پر باپ بھائی کا سایہ نہ ہو انہیں کچھ موقعوں پر ایسا بننا پڑتا ہے۔" شرمیلا نے گھونٹ گھونٹ کولڈ ڈرنک حلق سے نیچے اتارنے کے بعد سوچ کر کہا۔

"یہ تو ہے پتا تو کرو آخر تمہارا عاشق ہے کون انسان بھی ہے یا کوئی خلائی مخلوق؟" صائمہ کی رگ شرارت پھڑکی۔

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں؟" شرمیلا نے ناک چڑھا کر اسے حیرت سے تکا۔

"بھئی صاف بات یہ ہے کہ کسی انسان کی تو اتنی ہمت نہیں کہ وہ تم سے محبت کرسکے یہ تو کوئی دوسری دنیا کی ہی مخلوق ہوسکتی ہے۔" صائمہ نے اسے چھیڑتے ہوئے تالی ماری۔

"مجھے بھی ایسے سڑک چھاپ عاشقوں کی ضرورت نہیں۔" شرمیلا نے اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا مشورہ مانو تو اس فائز کو بھول جاؤ۔ وہ ویسے بھی کسی اور راہ کا مسافر ہے اس لڑکے سے ایک دفعہ بات کرکے دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سنہری موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے۔" صائمہ نے اس کے غصے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے چھیڑا۔

"شٹ اپ اپنے مشورے اپنے پاس سنبھال کر رکھو یہ سب تمہیں فیوچر میں کام دیں گے۔" شرمیلا نے چڑ کر اسے خاموش رہنے کی تاکید کی۔

"او کے..... ڈیئر ایز یو وش میں تو جسٹ مشورہ دے رہی تھی۔" صائمہ نے اس کے تیکھے انداز دیکھ کر کندھے اچکاتے ہوئے بات ختم کی۔

❁......✿......✿

"کیا کہا آپ نے سفینہ کی شادی....." بہزاد نے جیسے ہی بیوی کے کان میں بھائی کی بات ڈالی وہ لرز کر رہ گئیں۔

"ہاں بھئی اب اس عمر میں میں اپنی شادی کی بات تو نہیں کرسکتا۔" بہزاد نے بیوی کے تاثرات سے خوف میں مبتلا ہوئے، ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"اب ایسا ممکن نہیں آپ جلال بھائی کو صاف منع کردیں ہمیں اپنی بیٹی اتنی بھاری نہیں جو اتنا کچھ سن کر بھی....." وہ کچھ بولتے بولتے رک گئیں۔

"اب کون سی نئی بات ہوگی جہاں تک بھابی کی بات ہے ان کی تو عادت ہی ایسی ہے گزارا تو کرنا پڑے گا نا۔" بہزاد نے رسانیت سے سمجھایا۔

"میں نے گزارا کرلیا یہ ہی کافی ہے جہاں تک سفی کی بات ہے میرا اسے امتحان میں ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" انہوں نے جھک کر کہا بہزاد نے سرد آہ بھری، بیوی کا ردعمل ان کی سوچ سے بھی بڑھ کر تھا۔

"ویسے بھی میں نے سفینہ کے لیے ایک بہت اعلیٰ خاندان میں رشتے کی بات چلائی ہے۔" ریحانہ کو لگا بات بتانے کا یہ ہی صحیح موقع ہے۔

"کہنا کیا چاہتی ہیں آپ؟" بہزاد خان دھاڑے۔

"میں نے آپ کی بہت سن لی اب میں اپنی بیٹی کو اس جہنم میں نہیں بھیجوں گی۔" ریحانہ بھی اڑ گئیں۔

"ریحانہ بیگم آج تو آپ نے اپنے منہ سے بات نکال لی آئندہ مت کہیے گا۔" وہ اتنی زور سے گرجے کہ سفینہ بھی شور سن کر اس طرف چلی آئی۔

"ساری زندگی میں نے آپ کی بات مانی مگر اب یہ بیٹی کی خوشیوں کا معاملہ ہے فائز کا ساتھ اس کے دل کو چھلنی چھلنی کردے گا۔" ریحانہ نے سفینہ کی طرف اشارہ کرکے شوہر کو سمجھانا چاہا۔

"امی.....!" اس کے ہونٹوں میں لفظ گھٹ گیا، آنکھیں پھٹ گئیں۔

"سفینہ صرف آپ کی نہیں میری بھی بیٹی ہے اور یہ بات کیوں بھول رہی ہیں کہ یہ میرے مرحوم باپ کی خواہش بھی ہے۔" بہزاد نے بیوی کو بری طرح سے گھورا۔

"یہ سب کو یاد رکھنا چاہیے مگر ابا جان کے اس دنیا سے جاتے ہی ہمیں سوتیلا بنادیا گیا ایسی ایسی باتیں سننے کو ملی رہی ہیں جنہیں برداشت کرنے کا مجھ میں بالکل بھی حوصلہ نہیں۔" ریحانہ کی آواز بھرا گئی۔

"امی.....! آپ پلیز بیٹھ جائیں اور ابو آپ بھی آرام سے بات کریں۔" سفینہ نے ماں کو لرزتے دیکھا تو آگے بڑھ کر تھام لیا۔

"میں مزید کسی دل سوز جملے سے آپ کا دل دکھانے کا ارادہ نہیں رکھتا اس لیے بات کو یہیں ختم کریں مگر یہ بات یاد رکھیے گا جو میں نے کہہ دیا وہ ہی ہوگا۔" بہزاد خان نے بیوی کو کڑے تیوروں سے دیکھا اور باہر نکل گئے۔

"میں بھی دیکھتی ہوں ایسا کیسے ہوتا ہے؟" ریحانہ کے ضدی لہجے سے سفینہ کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

❁......✿......✿

"خاموش کیوں ہو بولتی کیوں نہیں؟ تم لوگوں کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟" جلال خان نے بیوی سے سوال جواب

شروع کردیئے۔

"ہمیں کیا مسئلہ ہوگا۔" دلشاد بانو نے بیٹی کی جگہ اطمینان سے جواب دیا۔

"سائرہ میں تم سے پوچھ رہا ہوں بولو تم میرے بھائی کی فیملی کے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہو۔" جلال خان نے گویا ساس کی بات ہی نہیں سنی۔

"آپ ممی سے کیا پوچھ رہے ہیں پاپا میں بتادیتا ہوں۔" فائز نہ جانے کب آ کھڑا ہوگیا تھا بہت افسردگی سے بولا۔

"فائز تم اس معاملے میں مت بولو۔" سائرہ نے جوان بیٹے کو سینہ تانے اپنے سامنے کھڑے دیکھا تو گھبرا کر بولیں۔

"نہیں ممی! آج یہ بات صاف ہونی ضروری ہے۔" فائز نے سکون سے جواب دیا۔

"یا مولا اب یہ لڑکا کوئی نیا فسانہ نہ کھڑا کردے۔" دلشاد بانو کا دل ڈرا۔

"ہونہہ تم ہی بتادو کہ تمہاری ماں کے دماغ میں کون سی کھچڑی پک رہی ہے؟" جلال نے بیٹے کی جانب رخ پھیر کر سختی سے پوچھا۔

"میں شرمیلا سے شادی کرنا نہیں چاہتا اور ممی چاہتی ہیں کہ وہ لڑکی اس گھر میں بہو بن کر آئے۔" فائز کے لہجے میں درد کے ساتھ سرکشی بھی ابھری۔

"کیوں تمہارے دماغ میں دوبارہ سے یہ خیال کیوں ابھرا؟" وہ چیخے تو سائرہ کے ساتھ دلشاد بھی اچھل پڑیں۔

"ہاں تو کیا ہوا؟ آخر فائز تمہاری اکیلے کی اولاد تو نہیں میری بیٹی کا بھی کچھ حق ہے کہ نہیں۔" دلشاد بانو نے پان چباتے ہوئے بدتمیزی کی انتہا کردی۔ کمرے میں ایک دم خاموشی چھاگئی۔ سب یک ٹک دلشاد بانو کو دیکھنے لگے۔

"ایک منٹ فائز اور سفی کی بات تو شروع سے طے ہے۔ اب بیچ میں نیا ہنگامہ کیوں کیا جارہا ہے۔" جلال خان جھنجلائے۔

"میں چاہتی ہوں کہ ہر بات آج ہی صاف ہوجائے تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ ہو۔" سائرہ نے سوال بنے چہروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... ہاں کہیں آپ بھی اپنی ساری بھڑاس آج ہی نکال لیں۔" جلال خان نے چبا چبا کر کہا۔

"ممی پلیز آپ شاید بھول گئی ہیں ڈاکٹر نے پاپا کے سلسلے میں کیا ہدایت دی ہیں۔" فائز نے ماں کو ناراضی سے دیکھا۔

"ہاں......" وہ ایک دم جھجک کر خاموش ہوگئیں۔

"بول بیٹی۔" دلشاد بانو نے سائرہ کے شانے تھپکتے ہوئے تسلی دی۔

"مجھے اب یہ رشتہ قبول نہیں میں فائز کی شادی شرمیلا سے کروں گی۔" سائرہ کو اپنے الفاظ حلق میں اٹکتے ہوئے محسوس ہوئے پھر بھی بات پوری کرہی لی۔

❁......❁......❁
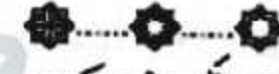
صبح سے ہی سے موسم ابر آلود ہورہا تھا' نم ٹھنڈی ہوائیں سفینہ کے چہرے سے کیا ٹکرائیں اس کا موڈ بہت دنوں بعد خوش گوار ہوا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر کچن میں جا کر بیسن گھولا اور بہت ساری پیاز کتر کر پکوڑے ساتھ میں سوجی کا حلوہ بنایا۔

"امی کھا کر بتائیں کیسے بنے ہیں؟" اس نے پلیٹ میں کیچپ کے ساتھ پکوڑے رکھ کر ماں کو پیش کیے۔

"مزیدار ہیں۔" ریحانہ نے دل نہ چاہتے ہوئے بھی زبردستی ایک پکوڑا کھایا اور تعریف کی۔

"امی وہ۔" اس نے ایک اور پلیٹ میں گرما گرم پکوڑے اور حلوہ نکال کر ٹرے میں رکھا اور جھجکتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

"ہونہہ کیا؟" ریحانہ کا دھیان کہیں اور تھا۔

"امی...... میں ذرا نیچے بھی پکوڑے دے آؤں؟ تایا جان کو بہت پسند ہیں۔" سفینہ نے فائز کا نام بیچ سے حذف کردیا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ برتن وغیرہ دھو کر کچن صاف کیا؟" ریحانہ نے بہانے سے روکنا چاہا۔

"جی...... میں نے سب کام کردیئے ہیں؟" اس نے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سرہلایا۔

"اچھا چلو پھر میرے ساتھ بیٹھ کر چائے پی لو۔" ریحانہ نے کین کی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"پہلے یہ دے آؤں ٹھنڈے ہوجائیں گے۔" سفینہ نے نفی میں سرہلا کر بے چینی دکھائی۔

"ابھی تمہارے ابو نماز پڑھ کر آجائیں تو میں ان کے ہاتھ بھجوادوں گی تمہاری چائے بھی ٹھنڈی ہورہی ہے۔" وہ ایک دم جتاتے ہوئے بولیں۔

"امی میں ایک منٹ میں دے کر آتی ہوں نا۔" اسے بھی ضد سوار ہوگئی۔

"کیسی لڑکی ہے ذرا بھی اپنی عزت کا پاس نہیں بھابی صاحبہ اور ان کی اماں کیسے زبان پر دھار تیز کیے تیار بیٹھی رہتی ہیں اور ان کی ایک ہی رٹ دے آؤں دے آؤں۔" وہ جھنجلا اٹھیں۔

"اچھا امی ٹھیک ہے۔" ماں کے سخت رویے پر سفینہ کی آنکھیں نم ہوگئیں، اس نے بے دلی سے ٹرے میز پر رکھی اور سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ ریحانہ کے دل کو چوٹ پہنچی۔ اٹھ کر بیٹی کے نزدیک گئیں۔

"سفی جان...... اب ہر وقت اپنے تایا کے گھر یوں بھاگ بھاگ کر جانے کی ضد نہ کیا کرو ماحول پہلے بھی کچھ بہت اچھا نہ تھا مگر تمہارے دادا ابا کا ڈر خوف بھابی کو چپ رہنے پر مجبور کرتا تھا لیکن اب تو ان لوگوں میں لحاظ ہی نہیں رہا۔" ریحانہ نے اسے سینے سے یوں چمٹایا جیسے آزمائشوں سے بچانا چاہتی ہوں۔

"امی ایک بات بتائیں تایا جان مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں پھر دوسرے لوگوں کی وجہ سے کیا میں ان کا خیال رکھنا چھوڑ دوں؟" سفینہ نے ماں کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"بے شک جلال بھائی کے خلوص پر مجھے کوئی شک نہیں لیکن بیٹا ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ رہتے ہیں جن کی باتیں اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں۔" ریحانہ نے تلملا کر کہا۔

"ٹھیک ہے لاسٹ ٹائم میں یوں گئی اور یوں آئی۔" سفینہ نے ٹرے اٹھائی اور نیچے لے کر بھاگی۔ ریحانہ نے سرد آہ بھری پھر کچھ سوچ کر اشرفی خالہ کو فون ملانے چل دیں۔

❁......❁......❁

سائرہ کو بہزاد خان اور اس کی بیوی، بیٹی میں ہمیشہ سے خامیاں دکھائی دیتی' وہ شروع سے سفینہ کو اپنی تنقید کے دھارے پر رکھتیں مگر سسر کی وجہ سے ان کی زبان پر ڈر کے تالے پڑے رہتے، تاہم ان کے انتقال کے بعد سے انہیں ایک طرح کی آزادی مل گئی تھی، اس پر ماں کی بے جا حمایت وہ دیورانی کو زچ کرنے پر تل گئیں تاکہ فائز اور سفینہ کے رشتے سے وہ خود ہی بدظن ہوجائیں۔ ابرار خان کی جانب سے فائز اور سفینہ کے فوری نکاح کی بات سنتے ہی سائرہ ایک دم پریشان ہوگئی تھی۔ انہیں ہر صورت اس شادی کو روکنا تھا مگر تب نہ ان کے ہاتھ مضبوط تھے نہ ہی کوئی معقول وجہ جسے پیش کرکے وہ جلال خان کو شادی سے منع کرپاتیں۔

ماضی میں نوکرانی کی باتوں میں آکر ملنگی بابا سے رابطہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی مگر وہاں سے ناکامی کے بعد اب انہوں نے خاموشی سے یہ بات تسلیم کرلی تھی لیکن جب سے شرمیلا کو دیکھ کر ان کے دل نے انگڑائی لی اور بیٹے کو اس کے لیے تیار کرنا چاہا یہاں تک کہ اپنے شوہر جلال خان کے کان میں بھی پھونک ماردی۔ گویا ان کے پاس اب دوسرا آپشن موجود تھا۔ انہوں نے دل میں تہیہ کرلیا کہ وہ اب اپنی مرضی چلائیں گی ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ ریحانہ خود اپنی بیٹی کے لیے کسی بڑے خاندان کا لڑکا تلاش کرتی پھر رہی ہیں اور کسی حد تک کامیابی بھی حاصل کرچکی ہیں۔ انہیں اس بات کی بھنک بھی پڑ جاتی تو شاید خوشی سے ناچنے لگ جاتیں۔

❁......❁......❁

فائز ان حالات میں بری طرح سے ٹوٹ چکا تھا۔ شاپ سے گھر اور گھر سے شاپ اس کی روزانہ کی روٹین بن چکی تھی، باہر جانے کا خواب بھی خواب بن کر ہوا میں اڑ گیا تھا، وہ اپنے باپ کو ایسے مشکل وقت میں چھوڑ کر جاتا بھی تو کیسے جاتا؟ چاچی، چاچا، سفینہ سے بھی کئی کئی دن گزر جانے کے بعد ملاقات ہو پاتی تھی۔

باپ کے انتقال کے بعد سے جلال خان کا دل جیسے کاروبار سے اٹھ گیا تھا زاہد بھی کئی بار ہاتھ کی صفائی دکھا چکا تھا، وہ دکان کا حساب کتاب سنبھالتا تھا، اس لیے یہ سب کرنا چنداں دشوار نہ ہوا۔ فائز کی اس سے بالکل نہیں بن رہی تھی، دونوں کے بیچ ایک دو بار کافی گرما گرمی ہوچکی تھی۔ کاروبار مسلسل خسارے کی طرف جارہا تھا۔ فائز نے باپ سے زاہد کو نکالنے کی بات کی جلال خان نے فی الوقت منع کردیا، وہ کسی بھروسے کے آدمی کی تلاش میں تھے، دوسرے سیلز مینوں سے کام لینے کے لیے، ایک ذمہ دار آدمی کا ہونا ضروری تھا اسی لیے اس شخص کو برداشت کرنا ان کی مجبوری تھی۔

"حیرت کی بات ہے کہ دن کے گیارہ بج رہے ہیں اور زاہد ابھی تک نہیں آیا۔" فائز نے بند شاپ کے سامنے کھڑے ہوکر پریشانی سے سوچا۔ وہ تو گھر پر ناشتہ کررہا تھا، جب دکان کے ایک سیلز مین نے کال کرکے بتایا کہ شاپ بند پڑی ہے اور وہ لوگ صبح سے زاہد کا انتظار کرتے کرتے اب گھر جارہے ہیں یہ سن کر وہ گاڑی دوڑاتا شاپ پر پہنچا تو وہ ہی حال تھا۔

تھوڑی دیر تک نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں گردن ہلائی پھر گاڑی سے اپنی اضافی چابی نکال کر شاپ کے تالے کھولنا شروع کیے۔ اسے ایک دم فکر لاحق ہوئی کہ کل دیر ہوجانے کی وجہ سے سپلائرز کی پے منٹ کے پیسے شاپ میں ہی چھوڑنے پڑے تھے۔ حالات ایسے ہیں کہ گھر لانے اور لے جانے کا رسک بھی مہنگا پڑسکتا تھا۔ اب اسی وجہ سے اس کا ذہن بھٹک رہا تھا۔ اس نے تیزی سے ایک کے بعد ایک لاک کھولا۔ وہ جیسے ہی دکان میں داخل ہوا، جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا' پوری دکان راتوں رات خالی ہوچکی تھی، وہ پیچھے کی جانب بھاگا مگر یہ کیا تجوری کا منہ کھلا پڑا تھا، کل تک اس میں لاکھوں روپے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے، آج ایک ٹکا بھی موجود نہیں تھا وہ حیرت سے دوڑ دوڑ کر ایک ایک جگہ کو دیکھتا رہا مگر ڈاکہ ڈالنے والے نے بڑی صفائی سے ایک ایک چیز لوٹی تھی۔

"تالے ٹوٹے نہیں ہیں کسی نے پلاننگ کے تحت راتوں رات دکان کھول کر صفایا کرڈالا یہ تو زاہد میاں کی کارروائی لگتی ہے۔" اس کا دماغ سوچ سوچ کر چکرا گیا، دیوار تھام کر خود کو سہارا دیا۔

"یا اللہ یہ کون سی آزمائش کی گھڑی آگئی ہے۔" فائز کا صدمے سے برا حال تھا۔ دکان میں ایسا ڈاکہ پڑا کہ سارا الیکٹرونک کا مہنگا مال واسباب غائب تھا۔ جلال خان کا کل سرمایہ لٹ چکا تھا۔ گویا آن کی آن میں وہ لکھ سے ککھ ہوگئے۔

❁......❁......❁

صائمہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ لائبریری میں داخل ہوئی۔ شرمیلا ایک کتاب کی ورق گردانی میں محو تھی۔

"ایک منٹ کے لیے باہر چلو۔" صائمہ نے اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ کر سرگوشی کی۔

"ذرا ریفرنس بک کا یہ چیپٹر ختم کرلوں۔" شرمیلا نے اشارے سے جواب دیا۔

"سنو تو وہ جو لڑکا نبیل جسے تم نے تھپڑ مارا تھا۔ اتفاق سے میرے بھائی کا دوست نکلا۔" صائمہ نے اپنے تئیں جیسے انکشاف کیا جذبات میں آکر زور سے بولی، لائبریرین کی گھورتی نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا۔

"ہمم! تو میں کیا کروں؟" شرمیلا نے کتاب پڑھتے ہوئے بے خیالی میں جواب دیا۔

"ایسے ہی بتا رہی ہوں یار پاگل ہوں نا۔ تم سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے مزہ خراب کردیتی ہو۔" صائمہ نے منہ بناتے ہوئے اس کے انداز کا کافی برا منایا اور وہاں سے اٹھ کر باہر چل دی۔

"سنو تو۔" شرمیلا کتاب واپس کرنے کے بعد عجلت میں اس کے پیچھے بھاگی۔

"اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے میں نے پہلے بھی بتایا تھا نا کہ مجھے اس لڑکے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ نرم لہجے میں صائمہ کو مناتے ہوئے بولی۔

"اب میں جو بات بتانے جارہی ہوں وہ سن کر ہوسکتا ہے تمہیں اس لڑکے میں ایک دم دلچسپی پیدا ہوجائے۔" صائمہ نے آنکھوں کے ڈیلے گھمائے اور مسکرا کر کہا۔

"اس لڑکے کے لیے صائمہ کا رویہ ایک دم تبدیل کیسے ہوگیا؟" شرمیلا نے اسے دیکھ کر سوچا۔

❁......❁......❁

تعلقات کے بیچ میں پیدا شدہ کشیدگی اور اضطراب پر قابو پانا دونوں کو ہی مشکل لگ رہا تھا۔ ایسے میں بہزاد خان کے موبائل فون پر بجنے والی رنگ ٹون نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ بالآخر انہوں نے جیب سے فون نکال کر اسکرین کو دیکھا۔

"عزیر کا نمبر ہے۔" انہوں نے بیوی کو متوجہ کرنے کے لیے زور سے کہا۔

"میری بھی بات کرائیے گا۔" ریحانہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا، پھر تھوڑا شرمندہ ہوگئیں۔

"لو یہ تو لائن ہی ڈراپ ہوگئی۔" انہوں نے بھی تعلقات کی بحالی کے لیے بے تکلفی دکھائی اور خود سے نمبر ملالیا۔

"آپ کے میکے والے ہیں بات کرلیں۔" سلام دعا کے بعد بہزاد نے شوخی سے کہتے ہوئے موبائل بیوی کی جانب بڑھا دیا۔

"السلام علیکم باجی! کیسی ہیں آپ؟" فون کان سے لگاتے ہی عزیر کی آواز کی چہکار کانوں میں گونجی۔

"وعلیکم السلام۔ ہمارا کیا پوچھتے ہو بھائی' تم لوگ یہاں سے کیا گئے گویا ساری رونقیں اپنے ساتھ سمیٹ کر لے گئے۔" وہ خوش دلی سے بولیں۔

"بس جانا تو تھا نا' آپ بتائیں گھر میں سب کیسے ہیں اور سفی کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" عزیر نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں سب ٹھیک ہیں وہ سنبل اور ثوبیہ کو بہت مس کرتی ہے اچھا ذرا شہانہ سے تو بات کراؤ۔" ریحانہ کے انداز میں چاشنی گھل گئی۔ بہزاد نے مسکرا کر بیوی کے بدلتے رنگ دیکھے۔ انہوں کافی دیر بات کرنے کے بعد اجازت طلب کی۔

"اچھا بھئی اپنا خیال رکھنا۔ اوکے اللہ حافظ۔" ریحانہ نے لائن ڈسکنکٹ کرنے کے بعد موبائل شوہر کی طرف بڑھایا چہرہ خوشی کی عکاسی کررہا تھا۔

"ہا…… ہا…… میرے مولا کیا زمانہ آ گیا ہے۔" بہزاد نے آسمان کی طرف شکوہ بھری نگاہ ڈال کر آہ بھری۔

"ک…… کیا ہو گیا؟" ریحانہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میاں برابر میں کھڑا ہے تو ایک نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالی جاتی اور بہن بہنوئی سے بات کرتے ہی چہرہ کھل اٹھا۔ اتنی خوشی، آنکھیں بھی مسکرا اٹھی ہیں۔" بہزاد نے شوخی سے کہتے ہوئے ریحانہ کا ہاتھ تھاما۔

"آپ بھی ناں بہزاد۔" ریحانہ مسکرائیں۔

"کیا میں بھی نا؟" وہ بچوں کی طرح مچل اٹھے۔

"بھلا میری زندگی میں آپ اور سفینہ سے بڑھ کر کوئی ہے۔ وہ تو بس ان لوگوں سے بات ہوئی تو دل خوش ہو گیا۔ ویسے بھی انہوں نے ہمیشہ کتنا خیال رکھا۔" بہزاد کو اس وقت ریحانہ کا انداز تسکین کا احساس دلا رہا تھا۔

"چلیں اندر چلتے ہیں؟" ریحانہ نے شوہر کی نگاہوں سے بچتے ہوئے اندر کی جانب قدم بڑھائے، ایک دم موبائل کی رنگ ٹون دوبارہ بجی، وہ رک گئیں۔

"فائز کیا کہہ رہے ہو۔" بہزاد نے جیسے ہی کال ریسیو کی چیخ پڑے، بے یقینی سے بھرپور لہجے میں حیرت چھا گئی۔

"اللہ خیر اب کیا ہو گیا؟" ریحانہ نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"تم فکر نہیں کرو میں آ رہا ہوں پھر تھانے چلتے ہیں۔" ان کا چہرہ لمحوں میں نچڑ گیا۔

"کیا ہوا؟" وہ انہیں کندھے سے پکڑتے ہوئے جھنجوڑ کر پوچھنے لگیں۔

❁……❁……❁

"میں نے کل جب اسے اپنے بھائی کے ساتھ گھر کے باہر کھڑا دیکھا، پہلے تو ڈر گئی پھر جب احسن واپس لوٹا تو غصے میں کہا کہ تم اس لفنگے کے ساتھ کیا کر رہے تھے۔" اس نے شرمیلا کو پاؤں ہلاتے ہوئے قصہ سنانا شروع کیا۔

"اچھا پھر احسن نے کیا کہا؟" شرمیلا نے دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

"وہ پہلے تو میری شکل دیکھتا رہ گیا پھر بولا آپی کیا کہہ رہی ہیں یہ نبیل بھائی تو شہر کے ایک بڑے بزنس مین کے بیٹے ہیں۔ جس یونیورسٹی سے میں بی بی اے کر رہا ہوں، یہ وہیں سے ایم بی اے کر رہے ہیں۔ پڑھائی کے سلسلے میں اکثر میں ان کی مدد لیتا ہوں۔" صائمہ نے جیسے انکشافات کی بھرمار کر دی۔

"کیا…… مگر حرکتیں تو اس کی ایسی نہیں کہ……" شرمیلا کو صائمہ کی بات سن کر جیسے جھٹکا سا لگا۔

"میں خود حیران ہوں اتنے بڑے گھرانے کا لڑکا اور یوں کالج کے باہر فارغ کھڑا ہوتا ہے۔" صائمہ نے بھی اس کی بات کی تائید کی۔ شرمیلا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جسے وہ سڑک چھاپ، لفنگا اور آوارہ مزاج سمجھتی تھی وہ اس کے برعکس نکلے گا۔ پہلی مرتبہ اسے اپنی سوچ پر غصہ آیا۔

"نہیں ہرگز نہیں، ان بڑے لوگوں کی محبت ان کے ظاہری حلیہ کی طرح جھوٹی ہوتی ہے۔" اس کے دماغ نے اسے نبیل کے بارے میں سوچنے سے منع کیا۔

"تمہیں یا پھر تمہارے بھائی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ وہ کوئی اور نبیل ہو گا۔" اس نے سر جھٹک کر بات کی نفی کی۔

"میں نے احسن سے کئی بار اس بات کی تصدیق چاہی مگر اس نے نبیل کے بارے میں یہ ہی بتایا۔" صائمہ نے اپنی بات پر زور دیا۔

"سوچو اگر ایسا ہوتا تو کیا اس کے پاس لڑکیوں کی کمی ہوتی جو وہ میری خاطر ایسے کالج کے باہر کھڑا ہوتا۔" شرمیلا نے سوچتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو لگتا ہے جیسے یہ تمہارا سچا اور پکا چاہنے والا ہے ورنہ اس طرح سے کون اپنی انسلٹ برداشت کرتا ہے سوچو۔ یہ اس کی محبت ہی ہے جو تھپڑ کھا کر بھی اس نے جوابی کارروائی نہیں کی۔ ورنہ کیا وہ طاقت ور نہیں ہے۔" صائمہ کی باتوں سے وہ اندر ہی اندر عجیب مخمصے کا شکار ہونے لگی۔

"مجھے اس سے ملنا چاہیے۔" شرمیلا نے اچانک صائمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں…… کیا دوبارہ اسے مارنے پیٹنے کا ارادہ ہے؟" صائمہ نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں یار شاید اس دن کچھ زیادہ ہی ہو گیا' مجھے نبیل سے سوری کرنا ہے۔" شرمیلا نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔

"واٹ…… !تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا پہلے اسے مارا اور اب……" صائمہ کو جیسے یقین نہیں آیا۔

"کیا اس پر سے فائز کا بھوت اتر گیا؟" صائمہ نے دوست کی آنکھوں میں جھانکا، وہ نگاہیں چرا کر کھڑی ہو گئی۔

❁……❁……❁

روئی روئی سنہری دلکش، عالم بے خوابی سے مخمور، آنکھوں کی پیاس، صرف اس کے دید سے بجھ سکتی تھی۔ سفینہ نے ٹیرس کی دیوار سے سر ٹکایا، پژمردہ چہرے پر تکان بھری شکن ابھری، اس نے گاڑی کی آواز پر ایک سحر کے عالم میں نیچے جھانکا مگر گلی سے گزرنے والی یہ گاڑی کسی اور کی تھی۔ اس کی نگاہیں ایک بار پھر اسی سمت جم گئیں، جس راستے سے وہ لوٹتا تھا۔

"آج تو میں اس سے بات کر کے رہوں گی۔" ایک ہی ضد سوار تھی۔ اس کا دماغ سوچوں میں گم ہو گیا۔

"زندگی تو نے مزید کون کون سے تماشے دکھانے ہیں۔" غموں سے مغلوب، قسمت کے نئے کھیل پر حیرت زدہ اضطرار اور بے بسی کے ساتھ ہاتھ ملتی، سفینہ نے تھک کر شکوہ کیا۔

ہر سو خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اکیلی اس کے انتظار میں ایک اضطرار سے جڑی کھڑی تھی ایک کے بعد ایک تابڑ توڑ واقعات نے جیسے ان پر دکھوں کی چادر تان دی۔ وہ فائز سے بات کرنے کو ترس گئی تھی، مگر اس کی حالت بھی سامنے کی بات تھی۔ وہ اندر باہر کے بکھیڑوں میں ایسا الجھا کہ کبھی کبھی تو اسے کھانے پینے کا وقت بھی نہیں ملتا۔ اسے وہ سفینہ یاد تک نہ رہتی، جسے وہ کبھی خواب میں بھی بھلانے لگتا تو اس کی نیندیں اڑ جاتی تھیں۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کے خیالات کی ڈور ٹوٹی۔ وہ سیڑھیوں کی جانب بھاگی۔

"فائز کہاں جا رہے ہو؟" اس نے خاص طور پر نیچے اتر کر اس کا راستہ روکا۔

"او سفینہ تم۔" وہ جانے کن خیالوں میں گم تھا چونک کر مسکرایا۔

"ہاں میں' تمہیں پتا ہے میں روزانہ کتنی بار تمہارے کمرے کا چکر کاٹتی ہوں جب تم گھر سے نکلتے ہو میں تمہاری عافیت کی دعائیں کرتی رہتی ہوں' جب تک واپس نہیں آتے، دل عجیب طرح کے دھڑکے میں رہتا ہے کہ سب خیر ہو' شام کو تمہاری واپسی کا بے صبری سے انتظار کرتی ہوں' مگر جب تم آتے ہو تو نگاہ اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھتے بھی نہیں سر جھکا کر گزر جاتے ہو۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی جانے کتنے دنوں کا غبار تھا جو آنسوؤں کے ساتھ بہہ نکلا۔

"سوری سفی مگر زندگی جس مقام پر لے آئی ہے' وہاں مجھے اپنی خبر بھی نہیں ہے۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

"فائز میرا دل چاہتا کہ تم میرے پاس آ کر کبھی تو بیٹھا کرو اپنے غم بانٹو۔ میں تمہارے زخمی دل پر اپنی محبت کے مرہم رکھ دوں، فائز کاش میں تمہارے لیے کچھ کر سکوں۔" سفینہ کی آنکھوں سے پیار بھری چمک ابھری اس نے فائز کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔

"میرے اللہ میں کیا کروں؟" غموں نے وہ حال کردیا ہے کہ کسی کو دلاسہ دینے کی ہمت بھی خود میں نہیں پاتا۔ وہ بے چین ہوکر ٹوٹے انداز میں کمرے کی جانب چل دیا۔ گہری، اندوہناکی اور اضطراب نے اس کے گرد اپنا شکنجہ کسنا شروع کردیا تھا۔

"آہ...... فائز...... کیا تمہیں اب میری ذات اور مجھ سے وابستہ محبت بھی تسکین نہیں دیتی؟" دل پر غموں کی بوچھاڑ سی ہوئی۔

سفینہ فائز کو دور تک جاتا دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے گالوں پر پھسلتے چلے گئے۔ اپنے اردگرد پھیلی تنہائیوں سے پیچھا چھڑاتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی طرف چل دی۔

❁......❁......❁

پریشانیوں نے جیسے خان ہاؤس کا راستہ دیکھ لیا تھا۔ فائز دہرے عذاب کا شکار ہوگیا تھا۔ دکان میں پڑنے والی ڈکیتی کا جلال خان پر بہت برا اثر پڑا، وہ گم صم سے اپنے بستر پر پڑے چھت کو تکتے رہتے، کھانا پینا کم کردیا کسی سے بات بھی نہیں کرتے اس پر سپلائرز کے تقاضے شروع ہوگئے، کریڈٹ پر بہت سارا مال اٹھایا گیا تھا، اس کی ادائیگی باقی تھی۔ وہ لوگ بھی اپنے پیسے کے لیے تقاضہ کرنے لگے تھے، الیکٹرانک مارکیٹ میں ان کے دیوالیے ہوجانے کے چرچے عام ہوگئے تھے۔ عزت بچانی تھی اسی لیے بینک میں موجود جمع جتھا سے قرض خواہوں کا منہ بند کردیا گیا تھا۔

فائز کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ شاپ کو از سر نو شروع کرنے کے لیے بھاری سرمایہ کہاں سے لائے؟ اس معاملے میں ویسے بھی ناتجربہ کار تھا جلال خان کو سارے داؤ پیچ آتے تھے مگر وہ تو اپنی ہمت کھو بیٹھے۔ ابھی باپ کے جانے کا صدمہ نہیں بھلا پائے تھے کہ شاپ پر ڈکیتی کا واقعہ پیش آگیا، ان کے اعصاب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئے تھے۔ یہ صدمہ بھی اس قدر بھاری تھا کہ ان سے برداشت نہیں ہوسکا۔ فائز نے اپنے دوست اور چچا کے ساتھ جا کر ڈکیتی کی ایف آئی آر درج کروائی، اس نے شبہ ظاہر کیا کہ یہ ڈکیتی ان کے ملازم زاہد کی ملی بھگت سے ہوئی ہے۔ فائز کو روزانہ تھانے کے چکر لگانے پڑ رہے تھے۔ نہ ہی ڈاکو ہاتھ آئے نہ ہی زاہد کا کچھ پتا چلا۔ پولیس کی خانہ پری جیسی کارروائی جاری تھی۔ وہ الٹا فائز سے چائے پانی کے لیے پیسے اینٹھتے رہتے۔ ان حالات میں وہ صبح سویرے گھر سے نکلتا تو اسے گھر واپسی کی خبر نہیں ہوتی۔ ابھی بھی وہ ان ہی پریشانیوں میں گم تیار ہوکر باہر نکل رہا تھا کہ سائرہ کی زوردار چیخ نے اس کے قدم روک دیئے۔

"فائز بیٹا جلدی بھاگ کر آنا۔" سائرہ نے چیختے ہوئے بیٹے کو آواز لگائی۔ فائز گھبرا گیا۔

"کیا ہوا ممی! سب خیریت تو ہے نا؟" اس نے کمرے کے باہر کھڑی ماں سے عجلت میں دریافت کیا۔

"جلدی چل کر اپنے پاپا کو دیکھو نہیں پتا نہیں کیا ہورہا ہے؟" سائرہ کی بات پر اس کی سانس رکنے لگی۔

"پا...... پا......" فائز بھاگتا ہوا جلال خان کے کمرے میں پہنچا تو وہ بستر سے نیچے گرے، تکلیف سے کراہ رہے تھے۔

سائرہ نے ایک دم رونا شروع کردیا، شور کی آواز سن کر بہزاد خان تیزی سے نیچے اتر آئے۔ پیچھے ریحانہ اور سفینہ بھی دوڑیں چلی آئیں تھیں۔

❁......❁......❁

"شکر ہے بیٹی تم آگئی میں کب سے انتظار کررہی تھی۔" شرمیلا اداس منہ بنائے اندر داخل ہوئی تو بتول نے جلدی سے کہا۔

"کیوں خیریت؟" اس نے بیگ ٹیبل پر رکھ کر شوز اتارتے ہوئے پوچھا۔ دھوپ میں چل کر آنے کی وجہ سے اس کی گوری رنگت سرخ ہورہی تھی۔

"بیٹا......! وہ جلال بھائی کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے دلشاد خالہ کا فون آیا تھا۔" بتول نے شرمیلا کے لیے جلدی سے کھانا لگاتے ہوئے بتایا۔

"اچھا کیا ہوگیا؟" اس نے واش بیسن سے ہاتھ دھوتے ہوئے کافی نارمل انداز میں پوچھا۔ ویسے بھی اسے اب ان لوگوں سے کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی۔

"فالج کا اٹیک ہوا ہے۔" ان کے لہجے میں فکر تھی۔

"اچھا ویسے کافی بدمزاج انسان ہیں یہ جلال خالو بھی۔" اس نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے تنفر سے کہا۔

"کیسی باتیں کررہی ہو وہ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔" انہوں نے بیٹی کو اچنبھے سے دیکھنے کے بعد سرزنش کی۔

"ہوں گے خیر آپ کو جانا ہے تو چھوٹی کو ساتھ لے جائیں ابھی تو اتنی گرمی سے آئی ہوں اس وقت تو میری کہیں جانے کی بالکل ہمت نہیں۔" وہ آخری نوالہ چبانے کے بعد سستی سے بولی۔

"کمال ہے میں نے بلاوجہ تمہارا انتظار کیا۔" صاف لگ رہا تھا انہیں بیٹی کی باتیں بہت ناگوار گزری ہیں۔

"تو کیا ہوا اب چلی جائیں۔" شرمیلا نے مسکرا کر ماں کو دیکھا۔ مگر اپنی جگہ سے ہلی نہیں۔

"چلو چھوٹی جلدی سے تیار ہوجاؤ۔" وہ تھوڑا تلخ ہوئیں۔

"بات سنو وہ جو تمہاری نانی دلشاد ہیں نا انہوں نے تمہیں ساتھ لانے کے لیے بڑی تاکید کی تھی؟" انہوں نے بغور دیکھتے ہوئے بتایا کہ شاید وہ جانے پر راضی ہوجائے۔

"ان سے کہہ دیئے گا میرا سر درد سے پھٹا جارہا تھا، کالج سے واپس آکر سوگئی۔" اس نے پانی کا گھونٹ بھرا اور مسکراتے ہوئے ماں کو پٹی پڑھائی۔

❁......❁......❁

جلال خان کو فوری طور پر اسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ فالج کے حملے میں ان کا نچلا دھڑ مفلوج ہوکر رہ گیا تھا، فالج سے بائیں آنکھ پر اثر ہوا منہ ٹیڑھا ہوگیا اور چلنے میں بھی معذور ہوگئے تھے۔ اسپتال کے برآمدے میں سب لوگ پریشانی کے عالم میں دعاؤں کا ورد کرتے ہوئے بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے، فائز کے سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اس نئی افتاد پر کیا کرے بہزاد مسلسل اس کے ساتھ بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔ سائرہ ایک دم ڈھے گئیں دلشاد بانو کے آنسو بھی نہیں رک رہے تھے۔ داماد سے لاکھ اختلاف سہی، مگر جلال خان کو اس حالت میں دیکھنا ان سے برداشت نہیں ہورہا تھا۔ آخر وہ ان کی بیٹی کا سہاگ جو تھے۔

سفینہ الگ تایا جان کے لیے رو رو کر پاگل ہورہی تھی۔ وہ ریحانہ اور دلشاد بانو تھوڑی دیر پہلے بہزاد کے ساتھ اسپتال پہنچے تھے۔ صبح تو فائز سائرہ اور بہزاد ہی جلال کو لے کر اسپتال آئے تھے۔ دلشاد بانو نے جب فون کرکے بیٹی سے داماد کی حالت کے متعلق پوچھا تو وہ بلک بلک کر رو دیں۔ ماں کے سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے دیور سے استدعا کی اور ماں کو اسپتال بلوالیا، یہاں پہنچ کر انہوں نے خوب واویلا مچایا، کبھی بیٹی کو سدا سہاگن رہنے کی دعائیں دیتی اور کبھی اس کی قسمت پر رونا دھونا مچاتیں۔ فائز نے پریشانی سے نانی کو دیکھا اور گلے لگا کر تسلیاں دیں۔

"بھابی پریشان نہیں ہوں سب ٹھیک ہوجائے گا۔" بہزاد خان نے جائے نماز پر آنسو بہاتی بھاوج کو دیکھا تو سر پر ہاتھ رکھ کر دلاسہ دیا۔ وہ دیور کا ہاتھ تھام کر روتی رہیں۔

"بھابی اپنے آپ کو سنبھالیے۔" ریحانہ نے شوہر کے اشارے پر جٹھانی کو پانی پلایا اور چپ کرانے میں لگیں۔ سفینہ بھی تائی اماں کے پاس بیٹھ کر دعائیں مانگنے لگیں۔ دلشاد بانو مسلسل فون پر مصروف تھیں۔ جانے کس کس کو اطلاع دیے جا رہی تھیں۔

"بیٹی یہ لے شکیل اور نرما کی کال آئی ہے۔" دلشاد بانو نے اپنا موبائل بیٹی کی جانب بڑھایا۔

"بھابی میں لٹ گئی۔" شکیل کی آواز سنتے ہی وہ ایک بار پھر اپنی برداشت کھونے لگیں۔

❁......❁......❁

"ایکسکیوز می۔" دلکش نسوانی آواز پر نبیل نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا تو اس کو اپنے عقب میں شرمیلا، صائمہ کے ساتھ کھڑی دکھائی دی۔

"یس۔" نبیل نے بھی اختصار سے جواب دیا۔ وہ صائمہ کی ضد پر یہاں آئی تھی۔

"کیا ہم کہیں بیٹھ کر سکون سے بات کر سکتے ہیں۔" شرمیلا نے اردگرد اسٹوڈنٹ کو دیکھا تو ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"کیوں اب کی بار مجھے میرے ہوم گراؤنڈ میں مارنے کا ارادہ ہے؟" نبیل نے طنزیہ انداز میں شرمیلا کی آنکھوں میں جھانکا، وہ ایک دم سرخ پڑ گئی۔

"آئی ایم سو سوری۔" شرمیلا نے سر جھکا کر کہا۔

"وہ کیوں بھئی؟" بلو جینز اور لائننگ والی شرٹ میں انجان بنتا، وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔

"وہ اس دن مجھے بہت غصہ آ گیا تھا اور......" شرمیلا نبیل کی بات پر شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔

"زہے...... نصیب کہ آپ کو اپنی غلطی کا احساس تو ہوا۔" نبیل نے اس کی معذرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ خفگی کو دل میں جگہ نہیں دیں گے نا؟" اس نے اصرار کیا۔

"میرے خیال میں غلطی میری بھی تھی مجھے یوں سر راہ آپ کو اس انداز میں مخاطب نہیں کرنا چاہیے تھا مگر پہلے تو یاروں کے چڑھانے میں آ کر، اس کے بعد آپ کے حسن نے مجھے مجبور کر دیا۔" نبیل نے مسکرا کر اعتراف کیا، تو وہ دلکشی سے مسکرا دی۔

"میرے خیال سے ہمیں کہیں بیٹھ کر بات کرنی چاہیے۔" صائمہ نے ان دونوں کو ایک دوسرے میں کھویا ہوا دیکھا تو برجستہ بولیں۔

"ہمم...... کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔" اس نے اشارے سے راستہ دیا، وہ تینوں اس پرائیوٹ یونیورسٹی کے شاندار سے ٹی شاپ کی جانب بڑھے۔ شرمیلا اپنے آگے چلتے ہوئے، لمبے چوڑے نبیل کو مسلسل دیکھ رہی تھی۔ وہ اس دن سے بہت مختلف لگ رہا تھا، چال میں وقار لہجے میں شائستگی نشست و آداب سے بھی کسی اعلیٰ گھرانے کا چشم و چراغ دکھائی دیا۔ شاید نظر بدلنے سے نظریہ پر بھی فرق پڑتا ہے ورنہ اس سے قبل تو وہ نبیل کو صرف نفرت کی نگاہ سے دیکھتی آئی تھی۔

"یار بندہ ڈشنگ ہے۔" صائمہ نے شرارت سے اسے ٹہوکا دیا۔

"یہ صائمہ کے دل میں اچانک نبیل کے لیے اتنی ہمدردی کیوں پھوٹ پڑی۔" کیفے ٹیریا کے خنک ماحول میں قدم رکھتے ہوئے وہ چونک اٹھی۔ اس ایک خاص نقطے پر سوچ کی سوئی اٹک گئی تھی۔ "صائمہ کا اس معاملے میں اس قدر دلچسپی لینا حیرت کا مقام ہے۔" شرمیلا مسلسل سوچ رہی تھی۔ "مگر اسے ان باتوں سے کیا فائدہ؟" اچھی دوست کے خیال سے اس نے فوراً ہی ان باتوں کو رد کر دیا۔ وہ صائمہ پر بہت بھروسہ کرتی تھی۔

"پلیز یہاں بیٹھیں۔" نبیل نے اسے اپنی برابر والی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ دیا تو وہ مسکراتی ہوئی تھوڑا فاصلہ رکھ کر بیٹھ گئی۔

❁......❁......❁

فائز گھر سے باپ کا پرہیزی کھانا لینے آیا تو سفینہ نے جلدی سے ٹفن میں کھچڑی اور سوپ رکھ کر اسے دیا۔ آج کل دونوں گھرانوں کے کھانے پینے کی ذمہ داری اس کے کاندھوں پر آ گئی تھی۔ سائرہ مسلسل اسپتال میں رہتیں، فائز بھی دن بھر باپ کے پاس ہوتا، دلشاد بانو اور باقی لوگ آتے جاتے رہتے۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، بڑھی ہوئی شیو، ملجگا حلیہ، سرخ آنکھیں اس نے دکھ سے فائز کی طرف دیکھا، ایک کے بعد ایک مصیبتوں کے پہاڑ تلے دبا ہوا تھا وہ۔

"اب تایا جان کی طبیعت کیسی ہے؟" سفینہ نے نرمی سے پوچھا۔

"پہلے سے کچھ بہتر ہیں الحمدللہ۔" اس نے دھیرے سے لب ہلائے۔

"ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں۔" سفینہ نے پوچھا۔

"وہ تو تسلی دیتے رہتے ہیں مگر مجھے پاپا کی طبیعت میں کچھ خاص فرق دکھائی نہیں دے رہا۔" اس کا لہجہ نم سا ہوا۔

"میرے اللہ۔" سفینہ کی برداشت جواب دے گئی وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر روتی ہوئی اندر کی جانب بھاگی۔

"اوہو مجھے ایسے ایک دم نہیں کہنا چاہیے تھا۔" فائز نے خود کو ملامت کی۔

"سفینہ پاپا سے کتنا پیار کرتی ہے ان کی تکلیف بھلا اس سے کہاں برداشت ہو رہی ہوگی۔" فائز بھی اس کے پیچھے اندر کی جانب بڑھا۔

سفینہ کرسی پر سر جھکائے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ فائز اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے اس نے سفینہ کو بغور دیکھا پھر اس کے پاس پڑی دوسری کرسی پر بیٹھ کر تسلی دینا چاہی، جس کی وہ اس وقت شدید ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

"سفی یوں آنسو بہانے سے کیا ہوگا؟" فائز نے اس کا نرم ہاتھ چھوا۔

"میں کروں بھی تو کیا اور کتنے دکھ سہوں؟ بتائیں......" سفینہ نے بے اختیار سر اُٹھایا فائز کی آنکھوں میں ملائمت بھرا پیار دکھائی دیا۔

"میں سمجھتا ہوں مگر رونے سے کیا دکھ کم ہو جائیں گے۔" اس نے سفینہ کی بات کاٹی اور ہاتھوں پر اپنا دباؤ بڑھایا۔

"چلو پانی پی لو۔" فائز کہتا ہوا اُٹھا اور گلاس میں پانی بھر لایا اور اسے تھما دیا۔

"نہیں۔" اس نے ہاتھ سے گلاس پرے کیا، رونے کی وجہ سے اسے اب آہستہ آہستہ ہچکیاں نکل رہی تھیں۔

"دادا ابا اس کے بعد تایا جان......" سفینہ نے کہنے کی کوشش کی لیکن ہچکیوں کی وجہ سے بات مکمل نہ کر سکی۔

"پہلے...... تم پانی تو پیو پھر آرام سے بات کرنا۔" فائز کے اصرار پر اس نے گھونٹ گھونٹ پانی پیا۔

"پاپا...... جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ تم بالکل ٹینشن نہ لو۔" فائز نے دھیمے لہجے میں اسے تسلی دی۔

"حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ ٹینشن نہ لوں۔ تو کیا کروں؟" سفینہ نے گلابی لبوں کو کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"اچھا ایک کام کرو......" فائز نے ہاتھ بڑھا کر اس کی تیکھی ناک دبائی، جو رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھی۔

"وہ کیا؟" سفینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"پاپا کے لیے دن رات دعائیں مانگو اور بس انہیں اس وقت اسی چیز کی ضرورت ہے۔" وہ مسکراتا ہوا اسپتال جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ سچ کہتے ہیں دعاؤں کے آگے کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں۔" وہ جو گھٹن زدہ سی ہو رہی تھی فوراً وضو کر کے نماز

پڑھنے کھڑی ہوگئی۔
یہ دعائیں ہی تو ہوتی ہیں جو بھٹکنے سے بچاتی ہیں مایوسی اور ناامیدی کے اندھیروں میں دور تک ایک چمکیلا راستہ بناتی چلی جاتی ہیں۔

❁......❁......❁

"ہائے کہاں جارہی ہو؟" وہ کالج سے باہر نکل کر بس اسٹاپ کی طرف جارہی تھی کہ پیچھے سے شناسا مردانہ بھاری آواز کانوں میں پڑی۔
"نبیل......! آپ یہاں؟" شرمیلا نے چونکتے ہوئے پوچھا۔
"کیوں ہمارا آنا کیا برا لگا......؟" نبیل نے ہاتھ باندھ کر بڑے اسٹائل سے پوچھا۔
"ظاہری بات ہے اس وقت اور یوں اچانک آپ کی حاضری کچھ غیر معمولی سی لگی۔" وہ ایک دم بولی۔
"غیر معمولی ہاں یہ بات بھی جاسکتی ہے کیوں کہ ہم خود بھی تو غیر معمولی شخصیت کے مالک ہیں۔" نبیل نے ہر لفظ پرزور دیتے ہوئے زیرلب کہا۔
"بہت تیز دماغ پایا ہے۔" شرمیلا نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔
"شکریہ تعریف کرنے کا ویسے تیز کی جگہ کہیں "شاطر" لفظ تو نہیں لگانے کا ارادہ تھا۔" نبیل نے شرمیلا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے چھیڑا۔
"آپ کی مرضی جو سمجھیں مگر میں نے تو ایسا کچھ نہیں سوچا۔" اس نے قدرے برا مانتے ہوئے کندھے اچکائے۔
"چلو میں تمہیں اپنی گاڑی میں گھر تک چھوڑ دوں۔" نبیل نے اشارے سے چمک دار بلیک کار کی طرف اشارہ کیا۔
"آپ کو تکلیف ہوگی۔" اپنی آنکھوں کی چمک چھپاتے ہوئے وہ تکلف میں پڑی۔
"تکلف تکلیف کا دوسرا نام ہے چلو بیٹھو۔" نبیل نے بڑے استحقاق سے کہا اور فرنٹ ڈور کھول دیا۔
"ویسے مجھے آپ سے "تم" کہو تو زیادہ اپنائیت کا اظہار ہوگا۔ اتنے تکلفات مجھے بالکل بھی نہیں بھاتے۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد ایک اور دیوار گرانا چاہی۔
"وائے ناٹ شیور۔" شرمیلا فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد سکون سے بولی۔
"میرا خیال ہے کہیں بیٹھ کر کچھ کھایا پیانہ جائے۔" نبیل نے گاڑی چلاتے ہوئے شرمیلا کو دیکھا۔
"نہیں نبیل...... مجھے اس وقت گھر پہنچنا ہے۔ پھر کبھی سہی۔" شرمیلا نے اس دعوت کو ٹالتے ہوئے کہا۔
"تم کس ایریے میں رہتی ہو؟" مزید اصرار کیے بنا اس نے کافی سنجیدگی سے پوچھا۔
"یہاں سے رائٹ سائیڈ پر موڑ لینا۔" وہ راستہ بتاتی چلی گئی دونوں کے بیچ میں ناگواری خاموشی آگئی تھی۔

❁......❁......❁

جلال خان کو روم میں شفٹ کردیا گیا تھا۔ ڈاکٹروں کی مسلسل کوششیں جاری تھیں۔ رات میں بہزاد خان نے ضد کرکے سائرہ کو گھر بھیج دیا۔ خود بھائی کے پاس اسپتال میں رک گئے، ریحانہ شوہر کو ساتھ لے جانا چاہتی تھیں مگر موقع ایسا آگیا کہ انہیں خاموش ہونا پڑا۔
"کیسی طبیعت ہے اب ان کی، وہ ٹھیک تو ہیں نا؟" ڈاکٹر سلیم اختر کو چیک اپ کے بعد روم سے باہر آتے دیکھ کر بہزاد ان کی طرف لپکا۔
"اب پہلے سے کافی بہتر ہے۔ مگر ان کو مکمل توجہ اور ہمدردی کی ضرورت ہے۔ کوئی پریشانی کی بات ان کے سامنے

انمول موتی

- زندگی نہ جانے کس کس کا انتظار کرتی ہے لیکن موت کسی کا انتظار نہیں کرتی۔
- آنسو اس وقت مقدس ہوتے ہیں جب دوسروں کے دکھ میں نکلیں۔
- غصہ تھوڑی دیر اور غرور ہمیشہ کی دیوانگی ہے۔
- ہر شے کا حسن ہوتا ہے نیکی کا حسن ہے کہ فوراً کی جائے۔
- سچائی اپنی تلاش کرنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتی۔
- دنیا میں جفا تو سب ڈھونڈتے ہیں لیکن خود وفا سے خالی ہوتے ہیں۔
- جو زندگی کو مقدس فریضہ سمجھ کر بسر کرتے ہیں وہ کبھی ناکام نہیں ہوتے۔
- مسکراتے رہو خواہ سینے میں کتنے طوفان کیوں نہ ہوں۔

حافظہ صائمہ کشف......فیصل آباد

مت کیجیے گا یہ چیز ان کی صحت یابی کی راہ میں رکاوٹ ہوسکتی ہے۔" ڈاکٹر نے جلال خان کی طبیعت سے متعلق آگاہ کیا اور ہدایت جاری کردیں۔
"کاش پریشانیوں سے بچنا ہمارے اختیار میں ہوتا۔" انہوں نے سرد آہ بھر کر مٹھی بند کی۔
"مجھ سے کچھ کہا۔" ڈاکٹر سلیم نے بشاشت سے پوچھا۔
"جی نہیں میں تو یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا بھائی کو ہم گھر لے جاسکتے ہیں؟" بہزاد نے بات بدل کر فکرمندی سے پوچھا۔
"ایک دن اور رک جائیں کل کچھ ٹیسٹ کرواؤں گا اس کے بعد انہیں ڈسچارج کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔" انہوں نے عجلت میں کہا۔
"اوکے ڈاکٹر تھینک یو۔" بہزاد خان نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور جلدی سے جلال خان کے روم کی جانب قدم بڑھا دیے۔ وہ بے سدھ بستر پر آنکھیں موندیں پڑے تھے۔
"بھائی جان آپ کو یہ کیا ہوگیا؟" انہوں نے بھائی کا ہاتھ تھام کر دکھ سے سوچا، جلال خان نے ایک دم سے آنکھیں کھولیں، بہزاد کو افسردہ سا دیکھا تو مسکراتے ہوئے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ جیسے وہ بڑے ہونے کے ناطے چھوٹے بھائی کو تسلی دینا چاہ رہے ہوں کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔
قدرت نے کیسے کیسے رشتے بنائے ہیں۔ ان رشتوں میں بھائی کا رشتہ بھی بہت لازوال ہوتا ہے۔ ابرار خان کا پہلا بیٹا ہوا تو اس کا نام جلال خان رکھا گیا۔ دوسرا بیٹا ہوا تو اس کا نام بہزاد خان رکھا گیا۔ دونوں بھائیوں میں اس قدر محبت تھی کہ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر دن نہیں گزرتا۔ سکینہ ابرار خان نے ہمیشہ بہزاد کو ایک ہی بات کا سبق سکھایا کہ اپنے بڑے بھائی کا ادب کرنا اور جلال خان سے امید رکھے کہ وہ بہزاد سے پیار کرنے کے ساتھ پورے خاندان کو ساتھ لے کر چلے گا۔ ان دونوں نے والدین کو کبھی مایوس نہیں کیا، ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا ان کی فطرت میں رچ بس گیا۔ ہمیشہ والدین کا مان بڑھایا۔
خان ہاؤس کے ماحول میں جب بھی کوئی کشیدگی پھیلتی تو جلال خان ہمیشہ بڑے بھائی ہونے کی حیثیت سے تمام اختلافات بھلا کر سب کے ساتھ انصاف سے کام لینے کی کوشش کرتے اور بہزاد خان نے بھی ہمیشہ ان کا مان رکھا، کبھی

بھی اپنے بھائی کے کسی فیصلے سے انحراف نہیں کیا جیسا کہہ دیا ویسا کرلیا۔ آج بھائی کو اتنا مجبور دیکھ کران کی آنکھیں بھر آئیں۔ جلال خان خود کو لاچار نہیں دکھانا چاہتے تھے۔ جبھی وہ اس بری حالت میں بھی مسکرانے کی کوشش کرکے انہیں حوصلہ دیتے رہے۔

❁......❁......❁

''تمہیں پتا ہے کہ میں تم سے کچھ نہیں چھپاتی ہوں۔'' شرمیلا نے دھیرے سے کہا۔

''بہتر ہوتا کہ تم نبیل والی بات بھی مجھ سے شیئر کرتیں مگراب تو وہ حال ہے کہ دوست دوست نہ رہا۔'' صائمہ نے دکھی صورت بنائی۔

''ارے نہیں یار۔ ایسا کچھ نہیں ہوا وہ...... اصل میں......'' شرمیلا نے منمناتے ہوئے صفائی دینا چاہی مگر پھر چپ ہوگئی۔

''کچھ تو بات ہے جس کی پردہ داری ہے۔'' صائمہ نے اس کی چوری پکڑی۔

''تم کل کالج نہیں آئی تھی اور اتفاق سے وہ آگیا۔'' اس نے نگاہیں جھکا کر اعتراف کیا۔

''یہ اتفاق کچھ زیادہ ہی نہیں ہونے لگے ہیں؟'' صائمہ نے کائیاں پن دکھایا۔

''نبیل نے مجھے بس گھر تک چھوڑا اور کچھ نہیں۔'' دل تھا کہ کبوتر کی طرح سینے کے پنجرے میں پھڑ پھڑانے لگا تھا۔

''اوہ......! تو اصل بات اب آئی ناں لبوں تک۔'' صائمہ ہونٹوں پر بے ساختہ امڈ آنے والی ہنسی کو قید کرنے میں ناکام رہی۔

''میرا مذاق نہ اڑاؤ۔'' اس نے سہیلی کو چٹکی بھری۔

''اوہ تو نبیل صاحب نے کوچہ جاناں کا رخ کر ہی لیا۔'' صائمہ نے بے ساختہ کہا۔

''بس یار وہ پیچھے ہی پڑ گیا تو......'' شرمیلا نے بولتے ہوئے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''اچھی بات ہے یہ نہ ہو کہ پیچھے پڑ کر وہ محبت کا اقرار بھی کروا بیٹھے۔'' اس نے چھیڑتے ہوئے گہری بات کی۔

''ایسے کیسے......!'' اس نے تیکھا انداز اپنایا۔

''کیوں اتنا بھی برا نہیں۔'' صائمہ نے دوست کو ٹٹولنا چاہا۔

''یہ بات تو ہے وہ اتنا برا بھی نہیں جتنا میں اس کے بارے میں سوچتی تھی۔'' بشاشت سے بولتی ہوئی وہ بہت پیاری لگی۔

''چلو تم تو خوش ہوناں؟'' صائمہ نے ایک دم رک کر اسے دیکھا۔

''شاید۔'' وہ بے اختیار بولی اور ایک اداسی بھری مسکراہٹ اس کے لبوں کے گوشوں پر ابھر کر غائب ہوگئی۔

''خوش تو میں بھی ہوں' نبیل صاحب نے شرط ہی ایسی رکھی کہ......'' صائمہ کچھ سوچتے ہوئے مسکرادی۔

❁......❁......❁

''تیرے میاں کی طبیعت اب کیسی ہے۔'' دلشاد بانو نے سائرہ کے گھر پہنچتے ہی عجلت میں پوچھا۔

''جی بہتر ہے ڈاکٹر نے ایک دو دن تک مزید اسپتال میں رکھنے کا کہا ہے۔'' سائرہ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا اور جا کر منہ دھونے لگیں۔

''ہائے رے قسمت کے پھیر اچھا بھلا کام ہوتے ہوتے بگڑ گیا۔'' دلشاد بانو نے واش روم کے دروازے پر ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا۔

ہمیشہ یاد رکھیے

☆ چلتے وقت خیال رکھو کہ تمہارے قدموں کی دھول سے کسی کی منزل کم نہ ہو۔
☆ ہر قہقہے کے پیچھے آنسو ہیں اور آنسوؤں کے پیچھے زخموں اور آہوں کی جلن ہوتی ہے۔
☆ جہاں جاؤ وہاں اپنی خوشبو چھوڑ کر آؤ تاکہ لوگ آپ کو اچھے الفاظ میں یاد رکھیں۔
☆ ساری بات تعلق کی ہوتی ہے اگر تعلق ہی ٹوٹ جائے تو شکایتیں کیسی۔
☆ زیادہ نہ ہنسا کرو اس سے دل مردہ ہوجاتا ہے۔

سونیا نورین گل...... ونڈ شاہ بلاول

''اماں کیا ہوگیا ہے؟ کبھی تو کوئی خیر کے جملے ادا کرلیا کریں آپ کا کون سا کام بگڑ گیا ہے مصیبت میں تو ہم پڑ گئے ہیں۔'' سائرہ نے منہ دھوتے ہوئے ناراضگی دکھائی۔

''تجھے پتا ہی نہیں ہے ارے اس دن کے بعد سے شرمیلا نے آنا جانا چھوڑ دیا، مجھے تو لگتا ہے۔ وہ جو داماد جی نے اس کی بے عزتی کی اسی کو دل سے لگا کر بیٹھ گئی ہے۔'' انہوں نے منہ میں دبائے پان کی ایک پچکاری اگلدان میں پھینکنے کے بعد کہا۔

''اماں برا مان کر بیٹھ گئی ہے تو بیٹھنے دیں ویسے بھی اس وقت میرا ذہن صرف ان کی طبیعت میں اٹکا ہوا ہے۔'' سائرہ نے ماں کی حرکت کو ناگواری سے دیکھا۔

''میں تو خود جلال میاں کی طبیعت کی وجہ سے پریشان ہوں مگر......'' وہ کچھ بولتے بولتے تھم گئیں۔

''اگر مگر کیا اماں۔'' سائرہ نے پنکھے کے نیچے کرسی رکھ کر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

''ڈرتی ہوں کہ کہیں معاملہ الٹ نہ ہوجائے۔ بتول کا کچھ پتا نہیں وہ مایوس ہوکر بیٹی کا رشتہ کہیں اور کردے۔ اس کے بعد تو فائز اور سفینہ کا بیاہ پکا سمجھو۔'' دلشاد بانو نے ہنگامی صورت حال سے آگاہ کرنے کے انداز میں کہا۔

''اچھا چھوڑیں ان بیکار کی باتوں کو میرا دل پہلے ہی اتنا پریشان ہے دعا کریں کہ ان کی طبیعت بہتر ہوجائے تو پھر فائز کے بارے میں سوچوں گی۔'' سائرہ نے درد بھرے انداز میں کہا۔

''چل جیسی تیری مرضی۔'' دلشاد بانو کو نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

❁......❁......❁

''مریض کو آپ لوگ گھر لے جاسکتے ہیں۔'' ڈاکٹر سلیم نے معائنے کے بعد مطمئن انداز میں کہا۔

''اب مزید پیسوں کا انتظام کہاں سے کروں؟'' فائز گھبرا گیا' بینک میں ایک پیسہ نہیں بچا تھا، گھر میں موجود رقم جلال خان کی دواؤں پر خرچ ہوگئی تھی، اسپتال کی ادائیگی کے لیے بھی موٹی رقم چاہیے تھی۔

''جی ڈاکٹر صاحب۔'' بہزاد نے بھتیجے کے شانے پر دباؤ ڈالا اور حامی بھری۔

''ہاں ایک بات یاد رہے' مریض کی یہ حالت کسی گہرے صدمہ کے نتیجے میں ہوئی ہے' ایسے میں انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی والی بات نہ بتائیے گا۔'' ڈاکٹر نے ضروری ہدایت کے ساتھ اس بات کی دوبارہ تاکید کی۔

''جی ایسا ہی ہوگا۔'' بہزاد نے اثبات میں سر ہلایا اور ان کے پیچھے باہر نکل گئے۔

''بیٹا اب کیا ہوگا میں نے تمہارے ماموں سے بھی کچھ پیسے بھیجنے کا کہا تھا مگر اس نے ابھی تک کچھ نہیں کیا۔'' سائرہ نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"میں بھی اسی فکر میں ہوں۔" فائز نے سوچ میں کھوئے کھوئے جواب دیا۔ اسپتال کے اخراجات بہزاد خان نے خاموشی سے ادا کیے اور ڈسچارج لیٹر کے ساتھ واپس لوٹے۔

"چاچا وہ۔" فائز نے کچھ بولنا چاہا مگر بہزاد نے روک دیا۔

"چلیں بھابی جلال بھائی کو گھر لے کر چلتے ہیں۔" انہوں نے بھتیجے کو جواب دیئے بغیر بھائی کا سامان سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں چلو۔" انہوں نے بدلتے حالات پر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے سر ہلایا۔

خان ہاؤس واپسی کے بعد بھی جلال خان خود سے چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے، وہیل چیئر کے محتاج ہو کر رہ گئے تھے۔ سائرہ مستقل طور پر شوہر کی خدمت پر مامور ہو کر رہ گئیں تھیں۔ فائز کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ زندگی کا کون سا کونا پکڑے اور کون سا چھوڑے۔ پہلے دکان پر چلا جاتا تھا مگر اب تو کاروبار ہی ختم ہو گیا اس نے ادھر ادھر نوکری کی تلاش شروع کردی، فی الحال کوئی ملازمت بھی نہیں مل رہی تھی۔ وہ دن بھر پریشان پھرتا کئی جگہوں پر جاب کے لیے اپلائی کیے انٹرویوں بھی دیے مگر ابھی تک کہیں سے امید کی کوئی کرن نہیں پھوٹ پائی تھی۔

❁......❁......❁

وہ دن کے اجالے میں، میں فائز کو نرمی سے کچھ باتیں سمجھاتا اور تسلی دینا چاہتی تھی مگر وہ سوائے رات کے اندھیرے کے گھر پر دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ اب جو دوپہر کو ٹیرس پر آتا دکھائی دیا تو وہ بھی دبے پاؤں گرل کراس کرتی باہر نکل آئی۔

"جناب ایسے منہ لٹکائے کیوں کھڑے ہو؟" سفینہ نے ٹیرس پر کسی فریم کی طرح ایستادہ فائز کو پیچھے سے مخاطب کیا۔

"سوچ رہا ہوں کبھی کبھی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیت تھکا دیتی ہے اور کبھی بے جا فراغت بھی انسان کو بیمار کردیتی ہے۔" فائز نے دھیمے سے کہا اور جھکے سر کے ساتھ اسے مسکرا کر دیکھا۔

"اچھا تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے بھئی۔" اس نے آنکھوں میں جھانکا۔

"پریشانی کی بات ہے تو۔" اس نے لب چبائے۔

"یاد کرو دادا ابا کہتے تھے کہ کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں۔"

"ان شاء اللہ یہ فراغت بھی وقتی ثابت ہوگی تم دوبارہ اتنے مصروف ہو جاؤ گے کہ تمہیں مجھ سے بھی بات کرنے کی فرصت نہیں ملے گی۔" سفینہ نے پیار بھرے لہجے میں دلاسہ دیا۔

"یہ بتاؤ تمہیں کوئی کام تھا کیا...؟" ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے اس نے چڑایا۔

"میں کیا صرف کام پڑنے پر ہی تم سے بات کرسکتی ہوں؟" سفینہ نے برا مانے بغیر اسے حوصلہ افزا انداز میں دیکھتے ہوئے چھیڑا۔

"نہیں میرا مطلب ہے....." وہ خود کو کنفیوژ سا محسوس کررہا تھا، سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا کہ کیا کہے۔

"فائز..... اس طرح سے گھورنا بند کرو۔ میں تم سے باتیں کرنے کو ترس گئی ہوں، تمہارے گھر لوٹنے کے انتظار میں جاگتی رہتی ہوں آج دن میں تمہیں اوپر آتا دیکھا تو آگئی۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ہوں....." فائز نے ایک ہلکی سی سانس بھری اور آسمان پر نگاہ جما کر اپنی قسمت کو تلاشا۔

"اگر میری موجودگی اتنی ہی بری لگ رہی ہے تو واپس اندر چلی جاتی ہوں۔" سفینہ سلگ کر رہ گئی۔

"اچھا۔" اس نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔

"کیا اچھا۔" اس نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا اور اندر جانے کے لیے مڑ گئی۔

شکیلہ نصیب

السلام علیکم! ہم ہیں شکیلہ نصیب ہمارا تعلق میاں چنوں کے قریب قصبہ اقبال نگر سے ہے۔ ہم 6 مئی 1987ء میں پیدا ہوئے ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ ہم صرف آٹھویں تک پڑھ سکے پھر ہماری شادی ہوگئی۔ ہماری فیملی آنچل کی فیملی کی طرح ہے ہم سب اکٹھے رہتے ہیں جوائنٹ فیملی سسٹم ہے۔ میرے میاں جانی کے چار بھائی ہیں اور ان کے بچے بھی۔ میرے تین بیٹے ہیں' حیدر نصیب' سعد نصیب وہ اب ہمارے ساتھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جنت کے مزے لے رہا ہوگا اور وارث نصیب جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک سال بعد واپس دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھوں بار شکر ہے۔ جی میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علامہ اقبال اور اب مولانا طارق جمیل ہیں۔ خامیاں تو جناب بہت سی ہیں کیا کیا بتاؤں سب سے بڑی خامی نماز کبھی کبھی پڑھتی ہوں (صبح کی تو ضرور پڑھتی ہوں)۔ کسی سے کوئی بات نہیں کہہ سکتی اس لیے کوئی ناراض نہ ہو جائے' بزدل ہوں' ہاہاہا۔ خوبیاں تو دوسرے زیادہ بہتر بتاتے ہیں' میری بہن کہتی ہے کہ مجھ میں صبر بہت ہے۔ کھانا بھی اچھا پکاتی ہوں' چائنیز بریانی اور اچار گوشت بہت اچھا پکاتی ہوں۔ تعارف کیسا لگا ضرور بتانا' اللہ حافظ۔

"ایک منٹ سنو تو۔" فائز نے اسے بے ساختہ مخاطب کیا۔

"نہیں۔"

"سنتی جاؤ۔" اس نے منہ موڑا اور ٹیرس سے نیچے جھانکا۔ "اتنے برے حالات میں ایک سفی کا وجود ہی تو باعث قرار ہے۔" فائز خاموش کھڑا خلاء میں گھورتا رہا۔

"فائز سب خیریت تو ہے ناں؟" اس سے برداشت نہ ہوا تو پریشان نظروں سے اس کے چہرے پر کچھ ڈھونڈا۔

"ہاں یار لگتا ہے دادا ابا کے جانے کے بعد سے خوشیاں خان ہاؤس سے دور چلی گئی ہیں۔ زندگی تو کیلی ہو کر نا قابل برداشت ہونے لگی ہے کوئی سرا ہاتھ آتا ہی نہیں۔" وہ بہت دقت سے بولا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں نا۔" سفینہ نے پیار سے سرگوشی کی۔

"اب تو غم جاناں کا ہوش بھی نہیں رہا غم روزگار نے مشکل میں ڈالا ہوا ہے۔" اس نے لہجے کو ہلکا پھلکا بنانا چاہا مگر ناکام رہا۔

"میں ساری باتیں سمجھتی ہوں مگر ایک بات تم بھی سمجھ لو۔" سفینہ نے اس کے مزید قریب ہو کر مدھر آواز میں کہا۔

"وہ کیا؟" فائز نے چونک کر اس کی سنہری آنکھوں میں جھانکا۔ مگر چہرے پر بے نام سکوت طاری رہا۔

"صرف اس مشکل وقت میں ہی نہیں زندگی کی ہر مشکل گھڑی میں، میں تمہارے ساتھ کھڑی رہوں گی۔" اس نے بڑے جذب کے عالم میں براہ راست دیکھتے ہوئے یقین دلایا محبت چھم سے ان کے بیچ اتر آئی، اس کا موڈ ایک دم تبدیل ہو گیا، پریشانیاں اڑن چھو ہو گئیں۔

"ایک بات تم بھی سمجھ لو۔" فائز نے جوابی حملہ کیا اور اس کے چہرے پر انگلی ٹکا کر آنکھوں میں براہ راست دیکھا۔

"وہ کیا؟" اب کی بار چونکنے کی باری سفینہ کی تھی۔

"تم پہلے سے زیادہ پیاری اور سمجھدار ہو گئی ہو۔" فائز نے اس کے قریب ہو کر بل دار لٹ ہٹا کر کان میں سحر پھونکا۔

"فائز....." سفینہ کے لہجے کی رعنائی نے رگوں میں جیسے سرشاری کی کیفیت پیدا کردی تھی۔

"جی سفی؟" اس کے بھاری لب و لہجے میں اپنا نام سننا، دل خوش گوار دھڑکنوں کے شور میں ڈوبنے لگا۔

"سفینہ کہاں ہو؟" بالکونی کے پچھلی طرف گلی گرل سے ریحانہ کی تیز آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔
"اف......!!" ماں کی آواز پر اس نے کچھ دیر کے لیے ساکت ہوکر اسے دیکھا۔
"جی امی آرہی ہوں۔" سفینہ نے گھبرا کر جواب دیا اور ایک اچٹتی نظر فائز کے سراپے پر ڈالی۔
"جلدی جاؤ کہیں چاچی پریشان ہوکر یہاں نہ چلی آئیں۔" فائز نے اسے ڈرایا۔
"تمہیں تو پہلے ہی میرا یہاں ہونا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔" وہ چڑ کر بولی مگر فائز تھوڑا شوخ ہوا۔
"سفی جلدی آؤ۔" ریحانہ نے دوبارا پکارا۔
"اب جاؤ۔" سفینہ پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی اس نے فائز کو جانے کا اشارہ دیا۔
"مجھے کبھی بھی چھوڑ کر نہیں جانا ہمیشہ میرے ساتھ رہنا۔" فائز نے دھیرے سے سرگوشی کی اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔
"کبھی نہیں۔" سفینہ نے زیر لب دہرایا، فائز کے لفظوں نے امیدوں کے نئے چراغ جلا دیے تھے۔
وہ محبت کی اس آگ سے خود کو کیسے بچاتی جو شروع سے فائز کے نام سے اس کے دل میں لگی ہوئی تھی۔ ایک گہری سانس لی اور خوش خوش اندر لوٹ گئی۔

❁......❁......❁

جلال خان کے حالات جس نہج پر پہنچ گئے تھے، بہزاد اس بات سے بالکل بھی بے خبر نہیں تھے۔ انہوں نے فائز کے لیے نوکری کی کوششیں شروع کردیں۔ مگر فوری مسئلہ روزمرہ کے اخراجات اور جلال خان کے علاج معالجے کے لیے پیسوں کی فراہمی کا تھا، وہ خود کون سے لکھ پتی تھے، ان کے حالات تو بھائی کے مقابلے میں شروع سے بہت زیادہ گئے گزرے تھے، تھوڑی بہت رقم جو پاس جمع تھی، اس سے اسپتال کے ڈیوز کلیئر کرا کر انہیں گھر لے آئے اب آگے کے لیے سوچ میں پڑ گئے تھے۔
"ریحانہ بھئی ذرا یہاں آیئے گا؟" انہوں نے کچھ دیر غور کیا اس کے بعد کچن کی جانب منہ کرکے بیوی کو پکارا۔
"جی کیا ہوا؟" وہ آٹا سنے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ بہت عجلت میں برآمد ہوئیں۔
"اوہ ہاتھ تو دھو کر آئیں۔" انہوں نے اظہار ناگواری کی تو اپنے ہاتھوں کو دیکھتی ہوئی وہ دوبارہ اندر چلی گئیں۔
"یہ پیسے دینے میں کوئی اعتراض نہ کردے۔" بہزاد کو دھڑکا لگا۔
"جی اب بتایئے ایسی کون سی مصیبت آپڑی۔" ریحانہ نے پھولے منہ سے کہا۔
"وہ جو میں نے سفینہ کے نکاح کے سلسلے میں آپ کے پاس روپے رکھوائے تھے نا......" انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"ہاں وہ پیسے میرے پاس الماری میں رکھے ہیں مگر آپ کو اچانک ان کا خیال کیسے آگیا؟" ریحانہ نے سر ہلاتے ہوئے چونک کر پوچھا۔
"وہ ذرا مجھے لاکردو۔" انہوں نے جواب دیے بنا بیوی کو ہدایت کی۔
"پتا تو چلے ارادے کیا ہیں؟" ریحانہ نے زچ ہوکر ان کی جانب دیکھا۔
"میں سوچ رہا تھا کہ آج کل بھائی جان کے حالات بہت خراب ہیں تو ان کو دے آؤں۔" بہزاد نے تھوک نگلتے ہوئے بات پوری کی۔
"کیا......؟" وہ ایک دم اچھل پڑیں۔

❁......❁......❁

"شرمیلا......" اس کا گھمبیر لہجہ اس کی تنہائی میں بری طرح سے اثر انداز ہونے لگا۔
"ہاں بولو کیا بات ہے؟" شرمیلا نے فون کو دوسرے کان سے لگا کر مسکرا کر پوچھا۔
ان دونوں کے بیچ رابطے بہت تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ ہر دوسرے دن باہر ملاقاتیں ہوتیں۔ اس کے ساتھ ہی رات گئے تک فون پر گھنٹوں باتیں کی جاتیں۔ غیر محسوس طریقے سے نبیل علی اس کے قریب آتا چلا گیا۔ اس کی محبت کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔
"تمہیں پتا ہے کہ مجھے تمہاری کس بات نے بری طرح سے متاثر کیا...... میں بے بس ہوکر کٹھ پتلی سا بنا تمہارے اشاروں پر ناچنے کو تیار ہوگیا؟" اس نے دھیرے سے اعتراف کیا۔ شرمیلا کو خبر نہ تھی کہ وہ جھک کر جھکا تا تھا۔
"نہیں تو۔" اس نے ناز سے جواب دیا اور سیل فون کے ریسیور کو یوں دیکھا، جیسے وہاں سے نبیل کی صورت دکھائی دے جائے گی۔
"دیکھو آج کل لڑکیاں تو اپنے دل ہتھیلیوں پر لیے پھرتی ہیں مگر تمہارا اس قدر رکھ رکھاؤ مجھے بھا گیا۔" اس نے مخمور لہجے میں کہا، شرمیلا کے دل میں گدگدی سی ہوئی۔
"میں شروع سے ہی ایسی ہی ہوں، کبھی کسی کی جانب نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔" اس نے اپنے آپ کو بڑے فخر سے سراہا۔
"سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم جتنی خوب صورت ہو تمہاری شان اتنی ہی نرالی ہے۔ اس پر تمہارا مغرورانہ انداز مجھے لے ڈوبا میں نے سوچا اس لڑکی کی نفرت اتنی پیاری ہے تو محبت کیسی عجیب ہوگی اور میں تم سے اپنے دل کے معاملات جوڑنے کے لیے بے قرار ہوگیا۔" وہ دلکشی سے بولتا ہوا دل میں اتر گیا۔
"نبیل چھوڑیں بھی کوئی اور بات کرتے ہیں۔" وہ دلکشی سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔
"شرمیلا یقین جانو تمہارا ساتھ پاکر مجھے اتنا سرور حاصل ہوا کہ اب مجھے دنیا میں کسی اور بات کا خیال ہی نہیں رہتا۔" وہ ایک بار پھر کانوں میں رس گھولنے لگا تھا۔
"جناب آپ تو بہت رومینٹک انسان نکلے۔" اس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔
"تم مجھے کیا سمجھتی تھی؟" اس نے پوچھا۔
"کیا مطلب۔" وہ تھوڑا گڑبڑائی۔
"ایک لفنگا اور سڑک چھاپ ہاں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں پتا نہیں سوال کیا یا بتایا۔
"یہ کیا کہہ رہے ہو۔" وہ ایک دم چونکی یہ الفاظ تو اس نے صرف صائمہ کے سامنے کہے تھے۔
"کچھ نہیں میڈم جو ہوا سو ہوا اب تو ایک بات کا دھیان رکھنا۔ مجھے تمہاری محبت اور رفاقت کی ضرورت ہے۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا مگر شرمیلا جواب نہ دے سکی وہ کہیں اور کھوئی ہوئی تھی۔
"اگر میں کہوں کہ وہ تمہیں نہیں مل سکتی کچھ اور مانگ لو تو پھر۔" شرمیلا کا لہجہ بدل گیا۔
"کوئی اور چیز تمہاری محبت کا بدل نہیں ہوسکتی سمجھیں۔" وہ بے قراری سے بولا، شرمیلا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔
"ایک بات ذہن نشین کرلو میں تمہاری بے رخی نہیں سہہ سکتا...... بالکل بھی نہیں، کبھی بھی نہیں۔" اس کا سرد لہجہ جیسے شرمیلا کو ان دیکھے خوف میں مبتلا کرگیا تھا۔ اس نے فوراً لائن کاٹ کر سیل فون خود سے دور کردیا۔

پچھتاوا

ام ایمان قاضی

"اماں......" فلکین نے بڑے ذوق وشوق سے ٹی وی دیکھتی اماں کا کندھا پکڑ کر ہلایا کیونکہ ڈرامہ میں ان کا انہماک اس حد تک تھا کہ اس کی مہین سی آواز ان تک پہنچی نہیں تھی یا اگر پہنچی بھی تھی تو انہیں ٹی وی دیکھنے کا جو جنون کی حد تک شوق تھا اس میں خلل ہرگز گوارا نہیں تھا۔

"اوہ ہو...... کیا مسئلہ ہے بھئی کیا بات ہے اب کہہ بھی دے۔" ذرا سی نظر اٹھا کر اس کو بے زاری سے دیکھتے وہ ایک بار پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوئیں گویا انجان بنی بیٹھی تھیں ورنہ انہوں نے اس کی پہلی پکار بھی سن لی تھی۔

"اماں وہ...... فیض نے کل مجھے ملنے کو بلایا تھا...... میں نے منع کر دیا تھا تو وہ بہت ناراض ہو گیا ہے کہتا ہے اب شادی سے انکار کر دے گا۔" انگلیاں مروڑتے وہ بھری آنکھوں اور سرخ چہرے کے ساتھ ساتھ اٹک اٹک کر اپنا مسئلہ بیان کر رہی تھی۔ اماں کا ڈرامہ بھی ختم ہو چکا تھا سو وہ حیرت سے چونکیں۔

"کب کی بات ہے یہ؟" تیکھے چتون سے اس کی گوشمالی شروع ہونے کو تھی۔ "پرسوں جب آپ اور یقین بازار گئی تھیں۔"

"تو تمہیں کیا مروڑ اٹھے تھے جو انکار کر دیا، چلی جاتیں جہاں کہہ رہا تھا۔" فلکین نے بے حد شاکی نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

"ہاں تو کیا غلط کہہ رہی ہوں میں...... پہلے محرم نامحرم کا ڈرامہ رچا کے سب کو مجبور کر دیا کہ نکاح کر دو منگنی کوئی شرعی رشتہ نہیں، یہ تو اللہ کا لاکھ شکر ہے جو لڑکے کی نظر ٹھہر گئی تم پر ورنہ تیرے ابا کہتے ہیں کہ یہ بڑی بڑی دکانیں اور ورکشاپیں ہیں ان کی دوبئی میں...... تمہارا باپ نوکر ہے ان کا نکاح ہو چکا اب تو بس رسمی سی رخصتی ہے ایک دو دن میں اس کی بھی تاریخ لینے آنے والے ہیں وہ لوگ، پھر تمہیں کیا تکلیف تھی ساتھ جانے میں۔ کھا تھوڑی جاتا تھا تم کو اس بھلے مانس نے...... دو سال ہو گئے نکاح کو میں نے کوئی عیب کوئی برائی نہیں دیکھی اس میں، جب بھی آتا ہے یہ ڈھیروں ڈھیر سامان کا انبار لیے آتا ہے۔ اماں اماں کہتے منہ نہیں تھکتا اس کا اب بتاؤ بھلا وہ انکار کر دے شادی سے تو کیا عزت رہ جائے گی ذات برادری میں۔ سب نے لڑکی میں ہی عیب ڈھونڈنا ہے کہ لڑکی میں کوئی کمی ہوگی۔" اماں کیا اس کا ساتھ دیتیں یا سمجھاتیں الٹا اس کے وہ لتے لیے کہ وہ ہراساں ہو کر ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

"اب رونا کاہے کا...... کوئی تدبیر کرو اور مناؤ اسے یقین کو بھیج دینا بلا لائے گی، میں جمیلہ کے گھر چلی جاؤں گی۔ حسین عورت کی اداؤں میں بڑا جادو ہوتا ہے، ارے عقل سے کام لے تو مرد کو ساری عمر پیچھے لگا کے رکھ سکتی ہے اب تمہارے یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کے تو میں پریشان تھی کہ ایسی ملنگ سی لڑکی کو کس نے بیاہنا ہے۔ نہ بننے سنورنے کا شوق، نہ کپڑے پہننے کا ڈھنگ، نہ آئے گئے کی تمیز نہ بات کا سلیقہ وہ تو شکر ہوا کہ اس فیض کو اسی مست ملنگ حلیے میں ہی اچھی لگ گئیں تم...... اب تو روز کا پچھتانا ہے کہ جتنی بھی مشکل کاٹ لیتی تمہیں گاؤں نہ چھوڑتی تمہاری دادی کے پاس۔ کیسی خوب صورت میری بچی کو جھلی بنا کے رکھ دیا۔" وہ ترحم سے ایسے اسے دیکھنے لگیں کہ فلکین خوامخواہ شرمندہ ہو کے رہ گئی۔

"اب بات سنو میری۔" وہ اس کے پاس کھسک آئیں اور کان میں ہولے ہولے کچھ ایسا کہا کہ فلکین کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا انہوں

نے اپنے پروگرام پر عمل درآمد کے لیے دوسرے کمرے میں ٹیپ پر گانے سنتی یشفین کو اونچی آواز میں دو تین دفعہ آواز لگائی۔ یشفین پھولے سانسوں کے ساتھ بھاگ کے آئی۔

"توبہ ہے اماں...... بلایا تو ایسے ہے جیسے دل کا دورہ پڑ گیا ہو تمہیں۔" اس کی ماں سے ایسی گستاخی پر فلکین جو پہلے ہی رنجیدہ اور اداس بیٹھی تھی اب ناگواریت بھی محسوس کرنے لگی، بہت سارے دن یہاں گزارنے کے بعد بھی ابھی وہ نہ تو اس گھر کے طور طریقوں کی عادی ہو پائی تھی نہ اسے یہ طرز تخاطب پسند تھا اس گھر کے مکینوں کا۔

"تمیز سے بات کیا کرو یشفین۔" وہ آہستہ آواز میں سہی گھرک کر بولی۔ یشفین نے ناک سے مکھی اڑائی......

اماں کے تاثرات البتہ نارمل ہی تھے جیسے عام سی بات ہو پھر اماں نے پوری تفصیل یشفین کے سامنے گوش گزار کردی فلکین جو اماں کے سامنے کل سے ہی یہ سب کہنے کے لیے ہمت باندھ رہی تھی، کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ اس نے تو اپنی پریشانی ایسے وقت میں اماں کے سامنے بانٹنی چاہی تھی جب یشفین نہ ہو۔

"یہ تو مجھے سمجھ نہیں آتی کس دنیا میں رہتی رہی ہے آج تک، دادی مرحومہ خود بھی ہرگز ایسی ستی ساوتری نہیں ہوں گی جیسی اس کو بنا گئی لو بھلا اپنے شوہر کے ساتھ جانے میں کیسی شرم...... قسم سے کیسا موقع گنوا دیا تو نے فلکین...... ابھی تین دن ہوئے ہیں اس کو دبئی سے آئے ہوئے خوب سمیٹنا تھا تم نے موقع کو غنیمت جان کے، قسم سے میں ہوتی ناں...... خود دعوت پر بلاتی اپنے شوہر کو آخر کو پورے دو سال پردیس لگا کے آیا ہے۔"

"تو ہمیشہ کی طرح اپنی راگنی چھیڑ بیٹھنا، چھوڑ اب جو گیا سو ہو گیا، فٹافٹ چلی جا فیض کے گھر کسی بہانے اس کی بہن سے تیری اچھی علیک سلیک ہے ناں، بس کسی طرح پیغام پہنچا دے کہ فلکین گھر پر بلا رہی ہے اسے اور ہاں ان کے گھر کا فون نمبر ضرور لے آنا لو بھلا بتاؤ جو کام اس لڑکی کے کرنے کے ہیں ہم کو کرنے پڑ رہے ہیں۔" اماں کی بےزاری حد سے سوا تھی۔

"اور بدلے میں مجھے یہ گولڈ کے ٹاپس دلوا دے گی اس سے پہلے وعدہ کریں۔" یشفین ٹھنکی۔

"اچھا اچھا جا تو سہی پہلے تو......" اہانت اور بےعزتی کا شدید احساس تھا جس نے فلکین کو اپنے گھیرے میں لے لیا مگر وہ ان بےحس لوگوں کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی، سو آنسو ضبط کرتی اپنے کمرے میں آ گئی۔

"اب سر جھاڑ منہ پھاڑ بنی مت بیٹھی رہنا، نہا دھو کے تھوڑا تیار شیار ہو جاؤ، فیض کے آتے ہی میں یشفین کو لے کر چلی جاؤں گی تم تسلی سے منا لینا اس کو اور آئندہ ایسی غلطی نہیں کرنا۔" جاتے جاتے اس کی سماعتوں سے اماں کے کہے گئے جو الفاظ ٹکرائے انہوں نے اس کے پاؤں میں من من کی زنجیریں پہنا دی تھیں گویا۔

"دادی آپ کیوں چلی گئیں مجھے چھوڑ کے۔" اپنے کمرے میں آتے ہی اسے پہلا خیال اپنی دادی مرحومہ کے ساتھ گزارے خوب صورت وقت کا آیا۔

وہ پانچ سال کی تھی جب شعور کی طرف پہلا قدم بڑھاتے ہی اس نے قرآن پاک پڑھتی دادی کو چونکایا۔

"دادی میں اور یشفین بہنیں ہیں پھر وہ اماں ابا کے ساتھ اور میں آپ کے پاس کیوں رہتی ہوں؟ ہم سب اکٹھے کیوں نہیں رہتے۔" دادی نے قرآن پاک سے نظریں اٹھا کر اس کے پیارے سے چہرے پر تجسس کی لہریں دیکھیں پھر قرآن پاک کو ادب سے بند کرکے جزدان میں لپیٹ کر رکھا۔ پھر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"آپ کا دل کرتا ہے کہ آپ اپنی بہن اور اماں ابا کے ساتھ رہو۔" انہوں نے پیار سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر پوچھا تو اس کا نفی میں ہلتا سر دیکھ کر نہال ہو گئیں۔

"دیکھو بیٹا جب پانچ سال پہلے آپ دونوں بہنیں صرف ایک منٹ کے فرق سے پیدا ہوئیں تو آپ دونوں کو سنبھالنا آپ کی اماں کے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا کیونکہ وہ خود بھی بےحد بیمار ہو گئی تھیں، بس پھر کیا تھا میں نے اپنی ننھی پریوں کو سنبھال لیا پھر آپ کے ابا کو شہر میں نوکری مل

گئی تو آپ کی اماں کو ساتھ لے گئے مجھے بھی ساتھ چلنے کے لیے بہت اصرار کیا، وہ آپ دونوں کو بھی لے جانا چاہتے تھے پر میرا یہ گھر، گاؤں اور سب اپنے میرے لیے چھوڑنا بہت مشکل تھا، سو میں نے آپ کے ابا سے اس کی ایک ننھی پری کو مانگ لیا۔" انہوں نے اس کے ذہن کی وسعت کے لحاظ سے اس کو مطمئن کر دیا۔ فلکین یشفین کی ماں ان کی سگی بھانجی تھی اور انہیں بہت عزیز بھی، پر اچھے لوگوں کو اوپر جانے کی جلدی چاہ ہوتی ہے سو ان دونوں کو جنم دے کر وہ چل بسی تھیں۔ دو جڑواں بچیوں کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ جوان بہو کا غم، بیٹے کی اجڑی زندگی، وہ کس کس چیز کا ماتم کرتیں، احمد رضا جمعرات جمعہ کو گھر آتے تھے کیونکہ شہر میں وہ ایک ورکشاپ میں بہت اچھے مکینک تھے اور ورکشاپ کے مالک کے گھر کی اوپری منزل پر ایک کمرہ کرائے پر لے کر رہتے تھے، پھر جب فلکین یشفین صرف چھ چھ ماہ کی تھیں، دادی اپنی برادری میں احمد کے لیے کوئی رشتہ دیکھنے میں مصروف تھیں جب وہ ایک دن ایک عام سی شکل وصورت والی اور تیز طرار عورت کو بیاہ کر لے آئے۔ وہ عورت طلاق یافتہ تھی، اور پہلے خاوند نے اسے اس لیے طلاق دی تھی کہ وہ ماں بننے کی صلاحیت سے محروم تھی۔ اس کی اس کمی کی بابت جان کر دادی کا نرم دل بہت ہی نرم پڑ گیا، اس عورت نے بچیوں سے خاص محبت نہیں جتائی تو بےرخی بھی نہیں برتی۔ بچیوں کی دیکھ بھال سے زیادہ وہ گھومنے پھرنے کی شوقین تھی پھر شہر میں رہنے والی گاؤں کی سادہ زندگی زیادہ دن برداشت نہ کر سکی اور احمد رضا پر زور دینا شروع کر دیا کہ وہ شہر چل کر رہیں، اس کی ماں نہیں تھی، باپ کے اکیلے پن کا بہانہ کرکے وہ احمد رضا کو قائل کر لینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ویسے بھی احمد رضا اپنے سسر کا احسان مند تھا جس نے ورکشاپ اسے دے کر خود فارغ ہو گیا تھا اور شہر میں پانچ مرلے کا بنا بنایا گھر یقیناً اکلوتی بیٹی کے حصے میں آنا تھا لیکن یہاں دادی اڑ گئی تھیں کہ اس گھر میں وہ بیاہ کر آئیں، ہزاروں دکھ سکھ دیکھے، یہیں ان کے آباؤ اجداد دفن ہیں، تھوڑی بہت زمین بھی تھی جس پر پہلے وہ خود کاشت کاری کرتیں اب بچیوں کی مصروفیت میں ایک مزارعہ رکھ لیا تھا، پورے گاؤں کے بچے بڑے قرآن کی تعلیم کے سلسلے میں انہی سے مستفید ہوئے اور آج تک وہ سلسلہ جاری وساری تھا، وہ کہاں سب کچھ چھوڑ کے جاتیں، لیکن فلکین کو انہوں نے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا۔ احمد رضا کی بیوی بھی دل میں خوش ہو گئی کہ ایک ذمہ داری سے تو جان چھوٹی پھر وہ لوگ شہر چلے گئے لیکن احمد رضا ہر ماہ یشفین اور اپنی بیوی کو لے آتے۔ بچیوں کو ابھی اس حقیقت کا علم نہیں تھا کہ ان کی سگی ماں فات پاچکی ہے۔ ایسے ہی دن پر دن اور سال پر سال گزرتے چلے گئے جب وہ دونوں بچیاں آٹھویں جماعت میں پہنچیں تو احمد رضا کسی دوست کے توسط سے دبئی چلے گئے تو ہر ماہ گاؤں آنے والا سلسلہ بھی تمام ہوا تھا۔

❁......○......❁

وہ جو بےحد غصے میں دوبارہ اس گھر میں قدم نہ رکھنے کا خود سے عہد کر کے گیا تھا، محض دو دن بعد ہی وہ اس وقت سب کچھ بھول بھال گیا جب اس نے اپنی بےحد حسین اور نٹ کھٹ سی سالی کو اپنے گھر میں وہ پیغام پہنچاتے سنا جس کو سنتے ہی اس کی ساری ناراضی بھک سے اڑ گئی۔ وہ گویا اڑتا ہوا اپنی سسرال آیا تھا۔ پرسوں کی طرح آج بھی گھر میں اس دشمن جاں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

"ہاں کہو کیوں بلایا ہے مجھے......؟" کچھ دیر بغور وہ اس کے گھبرائے گھبرائے انداز سے دل ہی دل میں محظوظ ہوتا رہا پر اوپر سے چہرے کے تاثرات سخت ہی رکھے۔

"وہ...... مم...... مجھے آپ سے کہنا تھا کہ آپ اس دن پوری بات سنے بغیر ہی چلے گئے غصہ ہو کر...... اصل میں...... میں ایسی لڑکی نہیں ہوں...... میں جانتی ہوں میں آپ کے نکاح میں ہوں، آپ ہر قسم کا حق رکھتے ہیں مجھ پر...... لیکن مذہب، معاشرہ، رواج ان سب کے بھی کچھ تقاضے ہیں...... میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتی لیکن مجھے آپ کے ساتھ جانے میں یہ سوچ کر برا لگتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے...... آپ...... آپ شادی کے بعد جو

کچھ کہیں گے جہاں چلنے کو کہیں گے میں کرنے کو تیار ہوں لیکن ابھی......" اس نے نظریں جھکائے جھکائے اس پر اپنا مطمع نظر واضح کرنا چاہا۔ وہ جو اپنی بات کے جواب میں ناں سننے والے کا حشر کردیا کرتا تھا نجانے کیا تھا اس لڑکی میں کہ اس کی کہی ہوئی کوئی بات اسے بری نہیں لگ رہی تھی وہ کھل کر مسکرایا اور اس کے سراپے کو ایک بار پھر معنی خیزی سے دیکھ کر ترنگ میں چلتا ہوا اس کے بے حد قریب آن کھڑا ہوا۔

"اچھا...... کہیں باہر نہیں جانا چاہتیں میرے ساتھ...... پر یہاں تو میں تمہارے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں یا یہاں بھی مذہب، معاشرہ اور رواج کی کوئی قدغن موجود ہے؟" جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کرتا وہ اسے بری طرح سے بوکھلا گیا۔ وہ تیزی سے اٹھنے لگی جب اس نے اپنا بازو اس کے نازک وجود کے گرد لپیٹ لیا۔

"ارے جان من...... ہجر کی وہ طویل داستان نہیں سنو گی جو تمہارے بن اس پردیس میں کیسی اذیت ناک گزرتی ہے لمبے لمبے طویل دن اور رات کے چکر میں گھومتا میں...... بس آنکھوں میں تمہاری تصویر سجا کر کیسے ان راتوں کو تمام کرتا ہوں مت پوچھو...... شائستہ کے دو تین رشتے آئے ہوئے ہیں ان کا فائنل کرتے ہی میں اپنی شادی کے ساتھ ہی بہن کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ بس اب بہت چھان لی پردیس کی خاک اب تو بس تمہاری ان خوب صورت زلفوں کی چھاؤں میں ہی زندگی گزارنی ہے۔" مخمور لہجے میں کہتا وہ کوئی گستاخی کرنے کو تھا جب فلکین تڑپ کر اس کی گرفت سے باہر نکلی۔

"میں...... میں چائے لاتی ہوں آپ کے لیے۔"

بے حد تیز دھڑکتے دل اور کانپتے وجود کے ساتھ اس نے کیسے یہ لمحات گزارے تھے وہ خود جانتی تھی یا اس کا خدا اس کے بے حد جذبوں بھری ہجر کی اس داستان کا ایک لفظ بھی اس کے پلے نہیں پڑا تھا وہ بس اس دھڑکے میں ہولتی رہی کہ اگر اماں آ گئیں یشفین یا محلے میں سے ہی کوئی آ گیا۔

"ہاہاہا...... حسن جب سہما ہوا ہو تو اور بھی دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ بس بہت تھوڑے سے دن ہیں جدائی کے پھر تمہیں بتائیں گے کہ......"

"اچھا بھئی بہت ہو گیا یہ رومینس اب جلدی سے میرا تحفہ نکالیے آخر کو آپ کی اکلوتی سالی...... آدھی گھر والی ہوں۔" ابھی وہ اپنی بات پوری نہیں کر پایا تھا کہ یشفین کی شوخی بھری آواز پر پہلے چپ ہوا پھر مسکرا دیا۔

"ہاں بھئی کیوں نہیں...... تمہیں تو ہم منہ مانگا گفٹ دیں گے۔ مانگو کیا مانگتی ہو۔" فلکین کو اس پل اگر یشفین کا آ جانا اچھا لگا تھا تو اس کی بات اس کو اندر سے سلگا بھی گئی تھی۔

"یہ ایسے ہی مذاق کر رہی ہے۔" وہ سختی سے یشفین کو دیکھ کر بولی جس پر اس کی بات یا تاثرات کا چنداں اثر نہیں ہوا تھا وہ ویسے ہی شوخی سے مسکرا کر بولی۔

"دیکھیے ناں فیض بھائی اپنی بیوی کو اکلوتے جیجا جی سے بھی فرمائش نہ کروں تو اور کس سے کروں۔" یشفین اماں کی طرح فلموں کی شوقین تھی۔ یشفین کا اٹھلانا فلکین کو حد سے زیادہ ناگوار گزرا۔ فیض تو سالی کی بے تکلفی پر کھل ہی اٹھا تھا۔

"اپنی پسند کا گفٹ تو جلد تمہیں مل ہی جائے گا سالی صاحبہ لیکن تمہاری جی داری نے دل بڑا خوش کردیا ہے۔ یہ لو اپنی مرضی کا کچھ لے لینا مجھے خوشی ہوگی۔" فیض نے جیب سے والٹ نکال کر بغیر گنے کچھ بڑے نوٹ نکالے اور یشفین کی طرف بڑھا کر بولا اور فلکین......

"ارے ارے یشفین...... فیض نہیں پلیز......" کرتی رہ گئی۔ یشفین نے بغیر کسی تردد کے مسکرا کر وہ نوٹ تھامے اور کورنش بجالائی۔

"تھوڑے سے یہ انداز اپنی بہن کو بھی سکھا دیجیے جو منکوحہ ہو کر ادب و آداب کے چکروں میں بندے کو بہت خواری دیتی ہے۔" وہ غصے میں کھڑی فلکین کو دیکھ کر یشفین سے بولا۔

"سکھا دیں گے...... ضرور سکھا دیں گے جی......

ہمارے جیجا جی نے جیسے ہمارا دل خوش کیا ہم بھی ویسے ہی ان کا دل خوش کردیں گے فکر مت کریں، دیہاتی رنگ چڑھا ہے ناں ہماری دادی کی تربیت کا تو جاتے جاتے ہی جائے گا۔" یشفین کا لہجہ اس پل فلکین کو اتنا عامیانہ اور بازاری لگا کہ وہ پاؤں پٹخ کر وہاں سے چلی آئی، پیچھے سے ان دونوں کا زوردار قہقہہ اسے جی جان سے سلگا گیا۔ اماں بھی کچھ ہی دیر میں لوٹ آئی تھیں۔ یشفین نے داد چاہنے والے انداز میں ساری روداد کہہ سنائی اماں تو جی بھر کے خوش ہوئیں۔

"اے بہت اچھا کیا تم نے تو...... آخر کو حق بنتا ہے تمہارا فیض پر، یہ فلکین تو سچ میں پاگل ہے پاگل۔" اندر کمرے میں کسی بت کی مانند ایستادہ فلکین کی نظروں میں کچھ عرصہ پہلے کا وقت گزر گیا۔

"غلام علی ہمارا دور پرے کا رشتہ دار ہے، دیندار آدمی ہے پر ہے تو نامحرم ناں...... مجھے تمہارا اس کے سامنے آنا بھی پسند نہیں ہے فلکین...... آج کی تو خیر ہے لیکن آئندہ احتیاط کیا کرو اور جب وہ اندر آنے کے لیے دستک دے تو اندر چلی جایا کرو۔" غلام علی مزارعہ کا ان کے گھر تب سے آنا جانا تھا جب سے دادی ضعیف ہو کر خود کھیتی باڑی نہیں کر پاتی تھیں انہوں نے اس غریب شخص کو زمین کاشت کے لیے دے دی تھی۔ اتفاقاً ہی ایسا ہوتا تھا کہ وہ جب بھی آتا فلکین یا تو اندر کسی کام میں مصروف ہوتی یا پچھلے صحن میں موجود آم کے گھنے پیڑ کے نیچے پڑھ رہی ہوتی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ دستک دے کر اندر آ گیا تھا جبکہ فلکین نے دادی سے جو نیا ٹانکا سیکھا تھا فریم، سوئی دھاگے اور کپڑے کے کھیل میں ایسی مگن تھی کہ دھیان ہی نہیں گیا تھا اس کے جانے کے بعد دادی نے اس کے پاس آ کر اسے سمجھایا تھا۔ دادی کی تربیت نے اس کو سنوارا تھا، تعلیم اس میں مزید نکھار لائی تھی، وہ تعلیمی میدان میں جتنی اچھی تھی اتنی ہی گھریلو معاملوں میں دادی نے اسے طاق کردیا تھا۔ پھر ایک بار جب یشفین اور اماں کو گاؤں کا چکر لگائے بہت عرصہ ہو گیا تو دادی نے ہی فلکین کے ساتھ شہر کا رخت سفر باندھ لیا تھا۔ غلام علی ان کو تانگے پر پکی سڑک پر چھوڑنے آیا پھر شہر جانے والی لاری میں بٹھا کر چلا گیا تھا۔ شہر پہنچ کر انہوں نے رکشہ لیا جس نے تھوڑی سی تگ و دو کے بعد ہی پرچے پر لکھے ایڈریس پر ان کو پہنچا کر دم لیا تھا، علی الصبح روانہ ہونے والی دونوں دادی پوتی دن کے گیارہ بجے منزل مقصود تک پہنچی تھیں، بہت دیر دستک دینے کے بعد کہیں جا کر دروازہ کھلا تھا۔ دروازہ کھولنے والی یشفین تھی، بے حد فٹنگ والی قمیص، پر گہرا گلا اور دوپٹے سے بے نیاز۔ یشفین کو پہلی ہی منزل پر دادی نے ٹوک دیا تھا۔

"لڑکی کیا ٹکر ٹکر دیکھ رہی ہو۔ باپ کے جاتے ہی گاؤں کا چکر لگانا تو دور کی بات اب بوڑھی دادی کو سلام کرنے کی بھی توفیق نہیں رہی یا عرصہ ہی اتنا زیادہ ہو گیا کہ رشتوں سمیت طور طریقے ہی بھول گئے تم لوگوں کو۔" یشفین خفیف سی ہو کر سلام جھاڑ گئی، دادی کو اصل غصہ تو اس کے کپڑے دیکھ کر آیا تھا۔ تھوڑی دیر میں ان کو یہ بھی فکر لاحق ہو گئی کہ بہو صاحبہ بھی گھر سے غائب تھیں۔

"یشفین ایسا کون سا ضروری کام تھا تمہاری ماں کو کہ جوان بچی کو گھر پر اکیلا ہی چھوڑ کے چلی گئی اور دو گھنٹے تو ہمیں ہو گئے ہیں آئے ہوئے۔" جدید انداز کا بنا ہوا پانچ مرلے کا وہ گھر اس وقت انتہائی غلیظ حالت میں تھا۔ لاؤنج میں جا بجا چلغوزے، مونگ پھلیوں کے چھلکے پڑے تھے۔ فرنیچر پر گرد مٹی کی ایک تہہ موجود تھی۔ درمیان میں پڑی ٹیبل پر صبح یا شام والے گندے برتن ویسے ہی موجود تھے۔

"ارے دادی اپنا محلہ ہے یہاں سب جانتے ہیں ایک دوسرے کو...... اماں کو کوئی ضروری کام تو نہیں تھا بس کبھی وہ تو کبھی محلے کی خواتین آ جاتی ہیں یہاں۔" یشفین جو چائے بنا کے لائی تھی نے دادی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا...... یہ گندے برتن ہی سمیٹ لو مجھے تو گندگی دیکھ کر ہی کچھ ہونے لگتا ہے۔"

"میں تو اماں کو روز ہی کہتی ہوں، دادی اس ریشمی کم بخت کی چھٹی کردیں۔ اینٹھنے کو ہزاروں روپے لے کر جاتی

ہے پر چھٹیاں ہفتے میں دو دن تو ضرور ہی مار لیتی ہے۔ پھر بہانے باز وہ بلا کی ہے کہ ہر بہانہ ختم اسی پر ہے شروع اسی پر ہے۔" دادی کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اکیلی ان دو ماں بیٹیوں کا کام ہی کتنا تھا یا پانچ مرلے کا وہ گھر کیا اتنا بڑا تھا کہ اس کی صفائی کی مد میں ہزاروں روپے ہر ماہ خرچ کیے جاتے۔ پھر صرف دو روز میں ہی یہ عقدہ حل ہو گیا کہ احمد رضا کی بیوی انتہائی بد سلیقہ پھوہڑ عورت تھی' جسے صرف ٹی وی دیکھنے اور سی ڈی پر فلمیں دیکھنے کے علاوہ اگر کوئی شوق تھا تو گھر سے باہر رہنے کا' اور تو اور ناشتہ مارے باندھے سلائس اور چائے کا کرنے کے بعد باقی دو وقت کا کھانا بازار سے آتا۔ جیسی وہ عورت خود تھی اس نے اپنی تربیت کے تمام خصائل یشفین میں منتقل کر چھوڑے تھے۔ انسان خاص طور پر عورت اس چکنی مٹی کی طرح ہوتی ہے جس کو اچھا اور باہنر کمہار مل جائے تو وہ اپنا ہنر اور صلاحیت بروئے کار لا کر اس پر ایسی کاری گری دکھاتا ہے کہ اس کے بنائے گئے شاہکار کو دیکھ کر دنیا عش عش کر اٹھتی ہے۔ یہی حال اناڑی کمہار کا ہوتا ہے۔ مٹی کو تو وہ بھی کسی نہ کسی صورت ڈھال ہی لیتا ہے پر برتن کی چیز کی بدہیئتی اس کے ہنر پر بدنما داغ ہوتی ہے۔ "میں خوش تھی کہ میرے احمد رضا کا گھر بس گیا' گھر بسا ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا اصل چیز تو عورت کا سلیقہ اور تربیت ہوتی ہے جس سے نسلیں بگڑتی اور سنورتی ہیں۔" دادی دو دن میں ہی بے حد افسردہ تھیں آخر ایک رات فلکین کو پاس بٹھا کر بول اٹھی تھیں۔

"میرا بیٹا دیار غیر میں پتا نہیں کتنی مشکلوں سے دن رات کے چکر میں پھنسا مصیبتیں اٹھا کر خون پسینہ ایک کر کے کمائی کرتا ہے اور یہاں جس بے دردی سے وہ کمائی اڑائی جاتی ہے میرا دل پھٹنے کو ہے تو اس پر کیا گزرتی ہو گی جب وہ آتا ہو گا۔ صرف دھن لٹانے کی بات ہوتی تو میں صبر کر لیتی یہاں برسوں کی کمائی' بیٹی کی تربیت کا ہی ہوش نہیں اس عورت کو اتنی حیا نہیں ہے اس میں کہ کیسے کیسے واحیات اور اخلاق باختہ ڈرامے اور فلمیں وہ بیٹی کو ساتھ بٹھا کر نہ صرف دیکھتی ہے بلکہ تبصرے بھی ہوتے ہیں۔

اونچے اونچے قہقہے بھی لگتے ہیں۔ ماں بیٹی کیسا پیارا اور تقدس بھرا رشتہ ہے اس کو اتنا بھی نہیں پتا۔

"بس کریں دادی آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" فلکین نے دادی کے ہاتھ سہلائے۔

"اے فلکین اب تو چین کہاں آئے گا' جو رنگ ڈھنگ میں یہاں دیکھ کر جا رہی ہوں' انہوں نے مجھے جینے نہیں دینا۔ جاؤ بہو سے کہو فون ملا دے میں نے احمد رضا سے بات کرنی ہے۔" وہ یک لخت بے حد سنجیدہ سی ہو کر بولیں۔ دونوں حسب معمول کسی نئی انڈین فلم میں مگن تھیں۔

"افوہ اس وقت کہاں ہوں گے ابو فلیٹ پر وہ تو رات دیر سے آتے ہیں۔ گیارہ بجے کے بعد۔ دادی سے کہو کل صبح ملا دوں گی' آؤ تم بھی بیٹھو نئی فلم آئی ہے بہت مزے کی ہے۔ پتہ نہیں دادی نے کیسا بنا لیا ہے تمہیں اپنے جیسا' بوڑھی روح......" یشفین نے فلکین کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی بٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ تو شرمناک سین دیکھ کر ہی بری طرح گھبرا گئی اور جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر دادی کے پاس آ گئی۔

❀......○......❀

دوسرا دن تھا فلکین ہی اٹھ کر دادی کا اور اپنا ناشتا بنا لیتی وہ دونوں ماں بیٹی رات کو بہت دیر تک جاگتی تھیں سو دس بجے سے پہلے صبح نہیں ہوتی تھی ان کی۔ بمشکل دس بجے اماں نے اٹھ کر ابا کو فون ملا کر دادی کو دیا تھا اور خود جھومتی جھامتی وہیں صوفے پر ڈھے گئیں۔

"اے فلکین بیٹا ایک کپ چائے ہی بنا دو کل تمہارے ہاتھ کی چائے پی کر مزہ ہی آ گیا تھا۔" ان کی نیند سے بھرائی آواز اور فرمائش سن کر دادی نے ملامتی نظروں سے ان کو دیکھا۔ پر وہاں پروا کسے تھی۔

"کیسے ہو احمد' میرے بچے؟" دوسری طرف شاید لائن مل گئی تھی۔ دادی بے حد آبدیدہ ہو کر بولیں۔ "لوٹ آؤ احمد...... گھر کو بچیوں کو تمہاری ضرورت ہے بیٹا۔ ہر انسان کو اس کے حصے کا رزق ضرور ملتا ہے وہ دیس میں ہو یا

پردیس...... تمہاری نرینہ اولاد نہیں ہے بیٹا...... دو دو جوان بچیوں کا ساتھ ہے یہاں تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔" دوسری طرف احمد رضا پریشان ہو اٹھے۔

"کیا ہوا اماں' خیر تو ہے ناں...... آپ ہیں ناں بڑی...... ہم سب کی' آپ کے آنے کا بتایا تھا مجھے یشفین کی ماں نے...... بہت اچھا لگا' چھوڑیں گاؤں کو اور یہیں رہ جائیں میں بھی تسلی سے رہوں گا۔"

"نہیں نہیں...... احمد رضا' میں تو بس چراغ سحری کی مانند ہوں بیٹا' اب بجھا کہ تب بجھا...... تم آؤ' بچیوں کی شادیوں کے حوالے سے کچھ کرو میں یہ ذمہ داری پوری کر کے سکون سے مرنا چاہتی ہوں' جوان بیٹیوں کی بہت بھاری ذمہ داری ہوتی ہے بیٹا......"

"ارے اماں کچھ نہیں ہوتا آپ پریشان مت ہوں' میری خود بہت دفعہ بات ہوئی ہے یشفین کی ماں سے' اس نے بہت سے لوگوں سے رشتے کا کہا ہوا ہے' باقی فلکین تو آپ کی بیٹی ہے ایسا کوئی سلسلہ ہے تو مجھے بتائیں۔ خرچے وغیرہ کی فکر مت کیجیے گا میرا اس سال آنا تو قطعاً ممکن نہیں ہے' میں معاہدہ کر چکا ہوں اس سال کا اگلے سال کا کچھ سوچتا ہوں' باقی آپ فکر مت کریں' یہاں سب یشفین کی ماں کے قریبی رشتہ دار ہیں' بہت خیال رکھتے ہیں' بچیوں کو بہت بہت پیار دیجیے گا اپنا خیال رکھیے گا۔" احمد رضا پر بھی یشفین کی ماں کا رنگ خاصا گہرا چڑھا تھا تبھی زبان بھی وہی بول رہے تھے۔ دادی ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں۔ ان دو دنوں میں انہوں نے نوعمر ملازمہ کا اس گھر پر پورا راج دیکھا تھا۔ وہ بے دردی سے ہر چیز استعمال کرتی تھی اور بے توجہی سے کام کرتی یہ جا وہ جا...... بہو بیگم محلے کے دورے پر نکل جاتیں' یشفین یا تو فلمیں دیکھتی یا پھر اونچی آواز میں ڈیک لگائے رکھتی' ماں کی طرح اس کی بھی بے شمار سہیلیاں تھیں جن کے گھر کبھی وہ مدعو ہوتی اور کبھی وہ سہیلیاں یہاں براجمان ہوتیں۔ دادی نے گھبرا کر تیسرے دن ہی رخت سفر باندھ لیا تھا۔ اگلے دن اپنے گھر آ کر انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ حسب معمول فلکین صبح نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتی' ناشتہ تیار کرنے کے بعد پورے گھر کی صفائی گھنٹہ میں مکمل کر کے سبزی لیے دادی کے پاس آ بیٹھتی' باتوں کے درمیان ہی سبزی بن جاتی ایسے ہی چلتے پھرتے کاموں کے درمیان دادی فلکین کو دیکھتیں تو یشفین کے انداز طور طریقے انہیں یاد آ کر ہولا دیتے۔ آج کل وہ ہر ہفتے احمد رضا کو نمبردار کے گھر جا کر فون کرتیں اور یشفین کے رشتے کی بابت کہتیں' دبے لفظوں میں انہوں نے انہیں اس کی بیوی کی روش کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔

"ارے اماں ایک دیہاتی اور شہری زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے آپ نے ساری زندگی ایک ہی چار دیواری میں گزاری ہے' آپ کو کیا پتہ کہ دنیا کتنی ایڈوانس ہو گئی ہے۔ یشفین کی ماں اسے بہت پیار کرتی ہے اس نے اسے کبھی سگی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔" احمد رضا نے ان کی بات ہنسی میں اڑا دی۔

"دنیا کتنی بھی بدل جائے احمد رضا عورت کے لیے عزت' چادر اور چار دیواری کے تقدس کا تصور آج بھی وہی ہے میں نے جو مناسب سمجھا تمہیں بتا دیا ہے جیتے رہو۔" دادی تو کچھ دیر احمد رضا کی بات کے زیر اثر چپ چاپ بیٹھی رہیں پھر یہ جواب دے کر اٹھ آئی تھیں۔ پھر فلکین نے دیکھا کہ دادی بے حد چپ ہو گئی ہیں انہوں نے ابھی ایک دو جگہ فلکین کے لیے جا کر رشتے دیکھے تھے کہ اجل نے آن گھیرا اور ایک رات وہ سینہ مسلتی ہوئی اٹھ بیٹھیں۔ درد اتنا شدید تھا کہ وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھیں' بس ہلکا ہلکا کراہتے ہوئے سینہ مسلے جاتی تھیں۔ فلکین کی آنکھ ان کے کراہنے کی آواز سے کھلی تھی۔

"دادی کیا ہوا؟" اس نے تیزی سے اٹھ کر لائٹ جلائی' سردیوں کی راتیں تھیں ہر طرف ہو کا عالم تھا' دور بہت دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں' دادی سے جواب میں کچھ بھی نہیں بولا گیا' بس پسینے میں تر چہرہ اس وقت سخت اذیت میں تھا۔ فلکین نے گرم شال کو اپنے گرد لپیٹا اور تیزی سے دروازہ کھول کر حویلی کے احاطے

کے کونے میں بنے کمرے کی جانب آ گئی جہاں غلام علی اور اس کی بیوی رحمت تب سے رہائش پذیر تھے جب سے احمد رضا مستقل شہر شفٹ ہوئے تھے۔ فلکین کے تیز تیز دروازہ بجانے اور آواز دینے پر اماں رحمت ہی باہر نکلی تھیں۔ اس نے بے ربط لفظوں میں دادی کی طبیعت کا بتا کر اماں رحمت کو ساتھ لیا اور دادی کے پاس آ گئی۔ دادی کی حالت پہلے سے بھی ابتر تھی اب تو ان کی کراہیں بھی مدھم پڑ چکی تھیں۔ اماں رحمت واپس الٹے پاؤں غلام علی کو بلانے دوڑیں پر بہت دیر ہو چکی تھی۔ بے بسی سے فلکین کا ہاتھ پکڑے کچھ کہنے کی کوشش کرتی دادی نے بے حد آہستہ آواز میں کلمہ پڑھا اور پھر جیسے پرسکون ہو کر گہری اور ابدی نیند سو گئی تھیں۔ احمد رضا کو ماں کا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہو سکا تھا ہاں دادی کی تدفین کے تیسرے دن وہ آ سکے تھے۔ یشفین اور اماں یہیں گاؤں میں ہی تھیں تمام ضروری رسومات کے بعد وہ لوگ شہر واپس آ گئے تھے احمد رضا کی چھٹی صرف پندرہ دن کی تھی۔ گاؤں والے گھر کو فی الحال وہ لوگ غلام علی اور اماں رحمت کے سپرد کر آئے تھے۔ ہر گزرتے وقت نے فلکین کو بہلانے کی بجائے اور اکیلا کر دیا تھا کہ شہر میں اس کے باپ کے گھر کا ماحول اس کی طبیعت سے یکسر میل نہ کھاتا تھا۔ اور چھ ماہ گزار لینے کے باوجود نہ تو وہ خود اماں اور یشفین جیسی بن پائی تھی نہ ہی اسے بننے کی چاہ تھی اور باوجود کوشش کے انہیں بھی اپنے جیسا بنانے میں ناکام ہو کر اپنے خول میں سمٹتی چلی گئی۔ احمد رضا اس کو بے حد تسلی و تشفی دینے کے بعد واپس دوبئی لوٹ گئے تھے۔ دادی کی وفات کے چھ ماہ بعد کی بات تھی جب ایک دن ظہر کی نماز کے بعد وہ حسب معمول قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھی کہ اس سے اسے بہت سکون ملتا تھا اور اسے لگتا کہ وہ تنہا نہیں ہے رب تعالیٰ کی مہربان ذات اس کے ساتھ ہے ویسے بھی ابا کی اجازت سے اس نے تھرڈ ایئر میں داخلہ لے لیا تھا۔ پڑھنا اس کا جنون تھا ایف اے اس نے نزدیکی قصبہ سے کیا تھا جبکہ پڑھنے کی شدید خواہش کے باوجود بھی وہ دادی کو چھوڑ کر نہ تو ہاسٹل گئی تھی نہ اپنے باپ کے گھر یہاں بھی وہ کئی دنوں تک گم صم اور چپ چاپ رہی تھی۔ ابا فون کرتے تو ہوں ہاں کے سوا بات نہ کرتی انہوں نے ہی اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ خود کو مصروف رکھنے کے لیے آگے کیوں نہیں پڑھتی سو اس کا کالج میں ایڈمیشن ہوئے تین ماہ ہو چلے تھے جبکہ یشفین کو پڑھائی سے دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔

"اے فلکین کیا ہر وقت ملانی بنی بیٹھی رہتی ہو لڑکیوں بالیوں والی تو کوئی بات ہی نہیں تم میں...... چلو تیار ہو جاؤ جلدی سے میں اور یشی جا رہے ہیں شادی میں تم کیا کرو گی گھر پہ اکیلی......" اماں بولتے ہوئے اندر آ گئی تھیں اور نہ صرف اسے کہا بلکہ اسے تیار کر کے دم لیا تھا۔ اس کے ہلکے رنگ والے کپڑوں سیدھی نکلی مانگ اور چادر کی طرح اوڑھے دوپٹے کو ناقدانہ نظروں سے دیکھنے کے بعد انہوں نے یشفین کو بلایا جو اپنی تیاری میں اس وقت اداکاراؤں کو بھی مات دے رہی تھی۔ بے حد فٹنگ والی ریڈ کلر کی لانگ شرٹ جو پاؤں تک تھی لیکن اس کے سانچے میں ڈھلے جسم کی خوب صورتی کو بے حد واضح کرتی ہوئی ساتھ ہی ماہرانہ انداز میں کیا اس کا میک اپ اس کے حسن کو دو آتشہ بنا رہا تھا۔

"اے دیکھ تو یشی تیری بہن کسی شادی پہ جانے کے قابل لگ رہی ہے یا ایسا لگ رہا ہے کہ کسی قل خوانی میں شرکت کا ارادہ ہے اس کا۔" اماں کے اس طرح کہنے پر دونوں کا بے ساختہ قہقہہ اس کی آنکھوں میں آنسو لے آیا۔

"چل تیری تیاری مکمل ہو گئی ہے اب جلدی سے دو چار ہاتھ اس کے مسکین بوتھے پر بھی مار دے۔ میں بھی ذرا تیار ہو لوں تب تک۔" اماں فلکین کو یشفین کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود چلتی بنیں۔

"نہیں نہیں یشفین میں نے کبھی میک اپ استعمال نہیں کیا۔ نہ مجھے عادت ہے اس کی میں ایسا کرتی ہوں کہ گھر پر ہی رہ جاتی ہوں مجھے نہیں جانا کسی شادی وغیرہ میں ویسے بھی میں زیادہ فنکشنز اور بھیڑ بھاڑ میں گھبراتی ہوں۔" وہ اپنے دوپٹے کو اپنے گرد لپیٹتی اپنے بستر پر آ بیٹھی۔

"ارے سارے اماں کے غصے کو نہیں جانتی ہو تم ابھی کسی بات پہ توجہ نہ دیں تو نہ دیں جب کوئی بات کہہ دیں تو پھر سمجھو پتھر پہ لکیر ہے چلو زیادہ نہیں کروں گی تھوڑا بہت ہی کرلو۔ اصل میں اماں کے قریبی رشتہ دار ہیں تو اسی بہانے تمہیں سب سے ملوا بھی دیں گی اور تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔" یشفین نے باتوں باتوں میں ہلکا پھلکا ہی اسے تیار کیا وہ اسی میں ہی دمک اٹھی تھی لیکن باوجود یشفین کے شدید اصرار پہ اس نے اپنے لمبے گھنے بال کھول کر جانے سے انکار کردیا تھا۔ پھر بارات کے اس فنکشن میں اس نے یشفین کو جان محفل بنے دیکھا' وہ اماں کے رشتہ داروں سے پہلی بار مل رہی تھی۔ اس کے بعد وہ ہال میں لگی چیئرز میں سے کونے والی چیئر پر آ کر بیٹھی اور ذرا سکون کا سانس لیا تھا۔ جوائنٹ فنکشن تھا' سو مرد اور لڑکے بڑی بے تکلفی سے آ جارہے تھے۔ ایسے میں وہ بے حد گھبرائی گھبرائی سی فیض محمد خان کی آنکھ اور جان میں ایسے سمائی کہ اس سے اگلے روز ہی اس کی رشتے کی تائی اور ایک کنواری بہن اس کا رشتہ لے کر آ گئی تھیں۔ اماں کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ فیض کی تعلیم اگرچہ ایف اے تھی پر دوبئی میں تین ورکشاپس' اس کے ابا کی اپنی تھیں اور احمد رضا اس کے ابا کے دادیاں بازو تھے۔ ابا نے بھی سن کر خوشی کا اظہار کیا تھا' اور فیض کے رشتے کے لیے فوری ہاں کرنے کا کہا تھا۔ پھر دو تین دن بعد برادری کی چند بڑی اور فیض کی قریبی رشتہ دار خواتین نکاح شریک تھیں۔ نکاح کی تقریب اگرچہ خالصتاً گھریلو اور چھوٹے پیمانے پر تھی پھر بھی فیض کی طرف سے آنے والا سامان اور زیور دیکھ کر لوگ تو ایک طرف خود یشفین بھی ہلکی سی جلن کا شکار ہوگئی تھی۔ وہ خوب صورتی میں تو فلکین سے بڑھ کر ہی تھی اسے محفل لوٹ لینے کا فن آتا تھا تو ایسا کیا اس نے اس گھبرائی ہوئی دبوسی لڑکی میں دیکھا کہ دیوانہ ہو کر دہلیز ہی پکڑ لی۔ نظریں جھکا کر بیٹھی فلکین کے نقوش' چہرہ' انداز وہی تھے وہ نہیں جانتی تھی کہ عورت کے حسن میں اگر شرم و حیا شامل ہوجائے تو اس میں چار چاند لگ جاتے ہیں' دوبئی میں لڑکیوں سے آزادانہ میل جول کے درمیان فیض کی بہت سی حسین' طرح دار لڑکیوں سے بات چیت' اٹھنا بیٹھنا اور تعلقات تھے پر پہلی نظر میں تقریب میں وہ گھبرائی سہمی سی لڑکی ڈار سے بچھڑی کوئی کونج لگی تھی جو بے حد خوف زدہ ہو کر کبھی یہاں اڑے تو کبھی وہاں اڑے۔ بار بار دوپٹے کو ماتھے تک کھینچتی وہ گھنی پلکوں کا سایہ اپنے عارض پر گرائے گلابی ہونٹ کچلتی لڑکی اسے بے حد خاص اور اپنی لگی اس نے اپنی بہن کو بلا کر اسے دکھایا اور بتادیا کہ یہی وہ گوہر مقصود ہے۔ فیض تو فوراً شادی پر بھی تیار ہو جاتا پر ان کے خاندان میں رواج تھا کہ جب تک کنواری بہن گھر میں ہو وہ لوگ بھائیوں کی شادی نہیں کرتے تھے۔ لڑکیاں شادی کی عمر کی نہیں ہوتیں وہ اور بات تھی لیکن جوان لڑکی کو گھر سے وداع کر کے پھر دلہن لائی جاتی تھی اور فیض سے اس کی بہن صرف دو سال ہی چھوٹی تھی اس کا رشتہ طے ہوچکا تھا جبکہ اس کا منگیتر تین سال کے معاہدے پر غیر ملک چلا گیا تھا۔ اور جب وہ لڑکا گیا تو اس وقت تو فیض کو کوئی خاص بات نہ لگی تھی پر اس کے جانے کے سال بعد ہی جب اس کی شادی میں اس کی بہن کی شادی والی شرط آڑے آئی تو فیض کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کس طرح ان دو سالوں کو تبدیل کر کے دو پل بنادے اور فلکین کے نازک وجود سے اپنے گھر کو سجادے ان دو سالوں میں نکاح کے باوجود فلکین کا گھبرانا' کترانا اس کے جذبوں کو اور ہوا دے گیا کبھی اسے اس نازک پری کی ان اداؤں پر بے حد پیار آتا اور کبھی اتنا غصہ کہ دل کرتا اس کو جھنجوڑ کر بتائے کہ اس بندھن میں بندھنے کے بعد اس کی ساری دلچسپیاں دوستیاں کلب' پارٹیز دم توڑ گئی ہیں۔ خیال رہتا تو اسی کا اور وہ تھی کہ اس کے جذبوں کو کوئی اہمیت دینے کو تیار ہی نہ تھی' اسی دوران فلکین نے اپنا بی اے مکمل کرلیا تھا اور یشفین کی بھی ایک جگہ منگنی ہوگئی تھی' خدا خدا کر کے وہ تین سال تمام ہوئے اور آج کل ان کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ فیض بہانے بہانے سے چلا آتا اور اس وقت فلکین کو سخت غصہ آتا جب اماں بھی بہانے بہانے سے ان دونوں کو

اکیلے رہنے کا موقع فراہم کرتیں پھر بعض اوقات داماد سے ایسی بے تکلفی کا مظاہرہ بھی کر جاتیں کہ وہ شرم سے پانی پانی ہو جاتی' وہ کچن میں چائے بناتی فلکین کے پاس چلا آیا تھا اور اس سے پہلے کہ اس کی بے باکیاں اور شوخیاں زیادہ بے تکلفی میں بدلتیں فلکین تیزی سے اپنا ہاتھ جو اس نے اچانک اپنی گرفت میں لے کر اس کی مدح سرائی میں مگن ہو گیا تھا چھڑا کر اپنے کمرے کی جانب آ گئی۔

"ارے شکر کرو ایسی ساس ملی ہے فیض میاں جو ایسی عیاشیوں کے موقع فراہم کرتی ہے تمہیں۔ مزہ بھی تو ان باتوں کا شادی سے پہلے ہی ہے پھر بعد میں تو یہ سب کہاں مزہ دیتا ہے۔" اس کی اماں کی شوخ آواز اور فیض کے قہقہے فلکین کو اماں کی عادت کا جاننے کے باوجود سن کر گیا تھا۔ ابھی صبح ہی تو جب یشفین اماں کو بتا کر نکلنے لگی تھی کہ وہ نعمان کے ساتھ شاپنگ کرنے جارہی ہے تو اماں کے بے نیازی سے سر ہلا دینے پر وہ ٹوک بیٹھی تھی۔

"یشفین ابھی منگنی ہی ہوئی ہے تمہاری اور ابھی سے اتنی بے تکلفی اور باہر گھومنا پھرنا ٹھیک نہیں۔"

"تم تو اپنے قیمتی مشورے اپنے پاس ہی رکھا کرو دادی کی جانشین' پتہ نہیں فیض جیسے اپ ٹو ڈیٹ بندے کے ساتھ کیسے گزارا ہوگا تمہارا' مجھے تو ترس آتا ہے بیچارے پر۔ ارے احمقوں کی سرداریہی تو دن ہوتے ہیں آپس کی انڈر اسٹینڈنگ کو ڈیولپ کرنے کے۔" ہونہہ وہ نخوت سے پیروں میں سینڈل کے اسٹریپ بند کرتے بولی۔

"اور اگر انڈر اسٹینڈنگ ڈیولپ نہ ہوپائے پھر؟" اس کی سپاٹ آواز پھر تنگ تنگ کرکے جاتی یشفین دوبارہ مڑ کر اس کے پاس آئی۔

"یہاں فلکین نہیں ہے مادام...... یشفین ہے جو بندے کو بے دام غلام بنا لینے کی ماہر سمجھی جاتی ہے انڈر اسٹینڈنگ تو بہانہ ہے یونہی گھومنے پھرنے کا......" اس نے بہت جاہیانہ انداز میں اس کی تھوڑی چھو کر کہا جبکہ اماں کی بات فلکین کو مزید چونکا گئی جب انہوں نے یشفین کو بیزاری سے ٹوک کر کہا۔

"ارے جاؤ بھئی وہ بے چارہ انتظار میں سڑ رہا ہوگا۔" فلکین گہری سانس بھرتی اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب آ گئی۔ کل یشفین مغرب سے ذرا پہلے ہی لوٹی تھی' اس کے ہاتھ میں بھاری شاپنگ بیگز تھے جنہیں سنٹرل ٹیبل پر گراتے اس نے ایک جتاتی تفاخرانہ نگاہ اس پر بھی ڈالی تھی۔ اف آج تو حد ہوگئی بھئی نومی ہر وہ چیز خریدتا گیا جس پر میری نگاہ بھی ٹھہری تھی۔

"اچھا دکھاؤ تو کیا کیا لیا۔" اماں نے اس پل اپنا پسندیدہ ڈرامہ چھوڑ دیا اور اشتیاق سے ایک ایک شاپر میں جھانک کر دیکھنے لگیں۔ اس کے بات کرنے کا فائدہ کچھ نہیں تھا اور یہاں بیٹھ کر وہ اپنا دل جلانا نہیں چاہتی تھی سو نماز پڑھ لوں کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ان دونوں ماں بیٹیوں کے قہقہے' اونچی آواز میں چلتا ٹی وی اسے بہت دیر تک ڈسٹرب کرتا رہا تھا۔ اگلے ہفتے اس کی مایوں کا فنکشن تھا اماں کی ایک دو ضروری چیزیں اور فلکین کے فنکشن کے جوتے رہ گئے تھے اس کی ساری خریداری اماں اور یشفین کر آئی تھیں' آج کا دن غنیمت سمجھتے ہوئے اماں زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بازار لے آئیں کہ اب دن ہی کتنے رہ گئے تھے۔ ابا نے مہندی والے دن پہنچنا تھا' فیض کے ابا کے ساتھ۔ اپنے گھر سے نکلتے فیض نے رکشے میں سوار ہوتی ہوئی دونوں ماں بیٹیوں کو بڑے خوش ہو کر دیکھا' اس نے اماں کو بعد میں رکشے پر سوار ہوتے جبکہ فلکین کے کپڑوں کی صرف جھلک دیکھی تھی اور اسے وہ یشفین سمجھ کر خوش ہو گیا تھا کہ چلو فلکین گھر پر اکیلی ہوگی تو کیوں نہ دیدار یار ہی کرلیا جائے' ویسے بھی اس کی گھبراہٹ اب اسے مزہ دیتی تھی دوسرا وہ جانتا تھا کہ بازار یشفین ہی جاتی تھی فلکین کی عادت کا پتہ تھا اسے سو بے دھڑک ہی ان کے گھر کی جانب چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر بیرونی دروازہ چوپٹ کھلا دیکھ کر اسے سخت ترین حیرت ہوئی کہ فلکین کی محتاط طبیعت سے واقف تھا وہ گھر پر اکیلی ہونے کی صورت میں اسے دروازہ کھولے بغیر ہی دروازے سے ٹرخا دیا کرتی تھی اور بتا دیا کرتی تھی کہ گھر میں اماں اور یشفین نہیں ہیں

وہ گھر میں اکیلی ہے سو وہ واپس چلا جائے جبکہ آج بھی تو اماں اور یشفین گھر پر نہیں تھیں تو فلکین کیسے اتنی لاپروائی کا مظاہرہ کرسکتی ہے۔ یہ سوچ کر وہ گھر کے اندر داخل ہوگیا۔ اونچی آواز میں آتی گانوں کی آواز اسے خوش گوار حیرت میں مبتلا کرگئی وہ اس کو ادھر ادھر تلاش کرتا ہوا بالآخر کچن کی جانب آ گیا۔ چولہے پر چائے بناتی وہ گنگنا بھی رہی تھی شاید زندگی میں پہلی بار وہ اس کے خوب صورت سراپے کو بغیر کسی دوپٹے یا چادر کے دیکھ رہا تھا۔ اس کے خوابیدہ جذبات کو کچھ ایسے ابھارا تھا کہ اس نے آگے بڑھ کر اس نازک بدن کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا اور کتنا تڑپاؤ گی جان من اپنے اس دیوانے کو......'' وہ اس کے کان میں گنگنایا تو کسمساتا بدن اپنی مزاحمت ڈھیلی کرگیا۔

''انتظار کے یہ لمحات اتنے طویل کیوں ہیں؟ گنتے میں بظاہر سات دن لیکن برتنے پہ آؤ تو جیسے سات صدیاں۔'' اپنے ہجر کے قصے اس کے کان کے پاس سرگوشیانہ بتاتا وہ ہولے سے اس کا رخ موڑ گیا۔ دفعتاً فیض کو جیسے چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ لگا تھا وہ فلکین سمجھ کر جس کو اتنی دیر سے اپنے بازوؤں میں لیے کھڑا محبت کی رنگین داستان رقم کررہا تھا وہ ہولے ہولے کانپتی یشفین تھی۔ فیض نے جلدی سے اسے پیچھے کیا اور شرمندگی کی اتھاہ گہرائی میں ڈوب گیا۔ اس سے تو چلو غلطی ہوئی تھی اسے سمجھنے میں پر یشفین نے اس کی پیش رفت پر مزاحمت کیوں نہیں کی۔ کئی سوالوں نے اسے الجھادیا۔ یشفین کچھ پل اس کے سامنے نظریں جھکائے کھڑی رہی پھر آنسو بھری ایک قیامت خیز نظر ڈال کر وہ تیزی سے اس کے پاس سے گزرتی چلی گئی اور جاکر اپنے کمرے کو اندر سے بند کرلیا۔

''اب جب وہ فلکین کا نصیب ہے تو کیوں میرا دل ہمک ہمک کر اس کی ہمراہی چاہ رہا ہے کیوں اس کی غلط فہمی مجھے اتنی اچھی لگی کہ میں جانتے بوجھتے کہ وہ مجھے فلکین سمجھ رہا ہے اس کی جادو بھری گرفت سے خود کو آزاد ہی نہ کرپائی۔ جب میں بھی ایک بندھن میں بندھ چکی ہوں تو کیوں جب نعمان کے ساتھ ہوتی تو اس کا سراپا بار بار فیض کے سراپے میں ڈھل جاتا ہے۔ فیض کا فلکین کے لیے التفات، دیوانگی اور محبت مجھے عجیب سی چبھن دیتا ہے۔'' وہ بستر پر لیٹی گھٹ گھٹ کر روتی رہی۔ فیض تھکے تھکے قدموں سے دل میں ایک عجیب سا احساس لیے اپنے گھر لوٹ گیا تھا۔ یشفین تب اپنے کمرے سے نکلی تھی جب اماں اور فلکین واپس آ گئی تھیں۔

''تیری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں یشفی...... آنکھیں کیوں سرخ ہورہی ہیں؟'' خریداری دکھاتے اچانک اماں نے گم صم اور چپ چپ بیٹھی یشفین کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں بس ویسے ہی تھک گئی تو سوگئی تھی اب آنکھ کھلی ہے۔'' اس کی بات نے اماں کی تسلی کرائی تو وہ ایک بار پھر شدومد سے ایک کے بعد دوسرا اشاریہ کھنگالنے لگیں۔ فلکین جو کہ بازار وغیرہ جانے کی عادی نہیں تھی بے حد تھک گئی تھی سو اس نے پہلے آ کر چائے بنا کے ان دونوں کو بھی دی خود بھی پی۔ آج کی نمازیں قضا کردینے کا ملال اپنی جگہ تھا۔ سو بہت دیر ان کی کمپنی میں نہ بیٹھ سکی اور اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

پھر پتہ بھی نہ چلا شادی والا دن بھی آ پہنچا تھا۔ ابا بھی مہندی والے دن آ گئے تھے فیض کے والد کے ساتھ۔ فلکین دادی کو یاد کر کے بہت روئی تھی ابا بھی آبدیدہ ہوگئے تھے۔ فیض کی بہن کی رخصتی ایک دن پہلے تھی پھر اگلے دن فیض کی بارات تھی۔ فلکین جو کہ فیض کی طرف سے بہت سے خدشات لیے اس گھر میں آئی تھی ایک ہی رات میں اس کے جذبوں کی شدت اس کی فیض کی زندگی میں اہمیت کا تعین کرگئی تھی اور گزرتے دنوں نے اس کی محبت کو مزید مستحکم کیا تھا۔ فیض کا اب یہیں پاکستان میں بزنس شروع کرنے کا ارادہ تھا۔ سو اسی سلسلے میں اس نے بھاگ دوڑ بھی شروع کردی تھی پھر وہ دن بھی آ گیا جب فلکین کی طرف سے بے حد مطمئن ہوئے ابا نے واپس دبئی جانا تھا فلکین کو فیض صبح سے ہی اس کی اماں کے گھر چھوڑ گیا تھا۔

یشفین سے وہ تسلی سے آج مل رہی تھی اپنی شادی کے بعد اس کی گرم جوشی کے جواب میں اس کا رویہ بڑا پھیکا سا تھا فلکین سمجھ نہیں پائی اور اندر اندر الجھ گئی تھی۔ ابا سے باتوں کے دوران، اماں کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹاتے فلکین کو عجیب سا احساس ہوا تھا جیسے یشفین اسے عجیب ہی انداز میں تک رہی ہو اور جب وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھتی وہ منہ پھیر لیتی۔ شام کو جب ابا روانہ ہونے لگے وہ ان سے لپٹ کر رودی تھی شادی کے بعد لڑکی کا دل میکے والوں کے لیے کچھ اور ہی انداز کا گداز لے آتا ہے۔ ساری زندگی دور رہنے والے ابا سے اسے پتہ نہیں کیسی دل کھینچ لینے والی محبت کا احساس ہورہا تھا۔ فیض کا ڈرائیور انہیں چھوڑنے جارہا تھا جبکہ اماں بھی ابا کو چھوڑنے ایئرپورٹ تک جانے کے لیے تیار ہوگئیں۔ ساتھ میں یشفین کو بھی چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ بے دلی سے ناں کر کے رہ گئی اور تھکن کا بہانا کر کے اندر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''چلیں بھئی بیگم صاحبہ خالی دیواروں کو کیا تک رہی ہیں۔ آپ کی اپنی جنت آپ کے بنا اداس ہے۔'' فیض نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ ہلایا تو وہ چونک گئی۔ آتشی گلابی کام والے شفون کے سوٹ میں ہلکے پھلکے میک اپ اور زیور کے ساتھ اس کا گلابی سراپا دل میں ہی اترا جارہا تھا۔

''جی چلتے ہیں، میں یشفین کو بتا آؤں کہ ہم جارہے ہیں وہ دروازہ بند کرلے۔'' فیض نے مسکرا کر سر خم کیا گویا اسے جانے کی اجازت دے دی۔ یشفین بیڈ پر اوندھی لیٹی پتہ نہیں کس سوچ میں گم تھی۔ لیکن اس کے ہلتے پاؤں اس کے جاگتے ہونے کی نشاندہی کررہے تھے۔ ''یشفین فیض آ گئے ہیں مجھے لینے، ہم جارہے ہیں، تم آ کر دروازہ بند کرلو۔''

''تم خوش ہو فلکین؟'' اپنی بات کے جواب میں یشفین کا اچانک کیا گیا سوال اسے الجھن میں ڈال گیا۔

''ہاں الحمدللہ بہت خوش ہوں کیوں؟'' وہ یونہی الجھی الجھی سی بولی۔

''کچھ نہیں ویسے پوچھ لیا تھا۔ جاؤ تم میں دروازہ بند کرلوں گی۔'' وہ طویل سانس لیتی ہوئی بولی ساتھ ہی جگمگاتی فلکین کا بغور جائزہ لیا۔ اسی شخص کی محبت کا فیض ہے جو اس کا وجود روشن کیے ہوئے ہے ورنہ یہ اس قابل ہے کہ جو مجھے دیکھ لے وہ اس پر نظر بھی ڈال جائے۔ ان دونوں کو ساتھ جاتے اور فیض کی آنکھوں میں اس کی محبت دیکھ کر یاسیت اور تنفر کی ایک بڑی لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ جب بھی ان کو دیکھتی اسی کیفیت کا شکار ہوجاتی تھی اور اسی کیفیت سے جلد نکلنے کے لیے وہ باہر چلی جاتی یا کسی کو فون کرتی یا پھر شاپنگ کرتی۔ وہ فیض کی فرمائش پر چائے بنانے کچن میں آئی تھی۔ جب حواس باختہ سا فیض کچن میں آیا تھا۔

''فلکین چھوڑو بس کرو...... چادر لے لو تمہاری امی کے گھر جانا ہے جلدی کرو۔'' وہ عجلت میں اس کو کہتا پھر واپس چلا گیا۔ فلکین حیران ہونے کے ساتھ پریشان بھی ہوگئی تھی کہ ابھی تو آدھا گھنٹہ بمشکل ہوا تھا جب دونوں وہاں سے آئے تھے پھر کیوں واپس وہاں جانا تھا۔ اس نے گھر کے دروازے لاک کرتے فیض سے پوچھا جس کے چہرے کے تاثرات کچھ عجیب ان کہی سنا رہے تھے۔

''ایئرپورٹ جاتے ہوئے انکل اور آنٹی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ ہم وہیں جارہے ہیں۔'' اس نے خبر سنا کر اس کو حواس باختہ کردیا تھا۔

''وہ...... وہ لوگ کہاں ہیں، ٹھیک تو ہیں ناں، زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں؟'' حواسوں میں واپس لوٹتے اس کے کپکپاتے لہجے پر فیض نے نرمی سے اس کے گالوں پر آئے آنسو اپنی پوروں پر سمیٹ لیے۔

''تم دعا کرو، ہم وہیں چل رہے ہیں۔'' وہاں پہنچنے پر اسے پتہ چلا تھا کہ وہ اپنی بہت ہی عزیز ہستیوں سے محروم ہوچکی تھی۔ وہ لوگ ایئرپورٹ تک نہ پہنچنے پائے کہ اجل نے آلیا تھا۔ اتنا شدید حادثہ تھا کہ ڈرائیور سمیت اماں، ابا موقع پر جاں بحق ہوگئے تھے۔ یشفین بے ہوش تھی۔ اماں کے سب عزیز رشتے دار اکٹھے تھے اور پھر اگلے دن ان کو

سپرد خاک کردیا گیا تھا۔ ان کی ضروری رسومات تک تو فیض چپ رہا پھراسے گھر چلنے کو کہا تھا۔

"کوئی بھی غم، حادثہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو فلکین دنیا کا کاروبار تو نہیں رکتا ناں۔ یہی زندگی ہے اور یہی اس کا دستور۔ میں نہ تو خود اتنے دن یہاں رہنا اچھا خیال کرتا ہوں نہ ہی یشفین کا یہاں اکیلے رہنا مناسب ہے۔ اب ہم ہی اس کے بڑے ہیں، اسے بھی ساتھ لے کر چلو اور پہلی فرصت میں میں اس کے سسرال والوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ انکل آنٹی ہوتے تو جیسے بھی اپنی اولاد کے لیے سوچتے یا کرتے ان کا حق تھا میں اب سادگی سے یشفین کا نکاح اور رخصتی چاہتا ہوں یہی ہم دونوں کے حق میں اور خود اس کے لیے بہتر ہوگا۔" یشفین کا بہت برا حال تھا وہ سارا سارا دن بند کمرے میں پڑی گزار دیتی۔ فلکین ابھی بڑی مشکل سے اسے کھانا کھلا کے لاؤنج میں آ کر بیٹھی تھی جب فیض آ کر اس کے پاس بیٹھا تھا اور دھیرے دھیرے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر یہ سب کچھ سمجھایا تھا۔ فلکین محض سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ اگلے ہی روز وہ لوگ اماں، ابا کے گھر کو تالا لگا کر یشفین کے ضروری سامان کے ہمراہ فلکین کے گھر آ گئے تھے۔ فیض ایک بار پھر اپنے کاروبار کے سلسلے میں مصروف ہوگیا تھا فلکین نے کچھ دن گزرنے دیئے پھر ایک دن یشفین کو پرانے موڈ میں دیکھ کر اس کے سسرال والوں کی بابت دریافت کیا۔

"فیض تمہاری ذمہ داری سے جلد عہدہ برآں ہونا چاہتے ہیں۔ یشفین تم نعمان کا نمبر دو فیض خود ان سے بات کرلیں گے اور سب سے بڑی پریشانی تو مجھے یہ ہو رہی ہے کہ اتنا بڑا حادثہ ہوگیا ہمارے ساتھ میں نے تمہارے سسرال کے کسی ایک فرد کو نہیں دیکھا حالانکہ اس مشکل وقت میں انہیں ہمارے ساتھ کھڑے ہونا چاہیے تھا۔ نعمان نے رابطہ رکھا تم سے یا نہیں؟" اس کے الفاظ و لہجے میں ایک ماں کی سی فکر تھی۔ یشفین کا مسکراتا لہجہ یک لخت سنجیدہ ہوگیا۔

"تمہیں ابھی میری شادی کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے نعمان سے منگنی توڑ دی تھی، وہ مجھے پسند نہیں تھا اور اماں کو بھی یہ بات معلوم تھی۔" یشفین نے گویا بم سا پھوڑا تھا اس کی سماعتوں پر......

"کیوں...... کیوں کیا تم نے ایسا اور کب کی بات ہے یہ؟"

"تمہاری شادی کے فوراً بعد ہی اور یہ جاننا اتنا ضروری نہیں ہے کہ کیوں کیا ایسا، بس اب کوئی بھی ایسا تعلق ہمارے درمیان زندہ نہیں رہ گیا کہ وہ اماں ابا کی تعزیت کو آتے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اندر چلی گئی تھی۔ فلکین کو یہ بتائے بغیر کہ فیض کی محبت اس کے دل میں اس حد تک جگہ بنا گئی تھی کہ نعمان کی قربت اسے وحشت میں مبتلا کرنے لگی تھی، آخر ایک روز دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ انگوٹھی اتار کے نعمان کو دے آئی تھی۔ بغیر اس کو کوئی وجہ بتائے اس کی منتوں، معافیوں کو خاطر میں لائے بغیر اور ایسا کر کے اسے ایک اطمینان سا اپنے اندر اترتا محسوس ہوا تھا۔

اور اس دن شیطان بہت خوش تھا ہر اس کام میں اس کی خوشی دوبالا ہو جاتی جو اللہ کی شدید ناراضی کا سبب بنے اور اللہ کی شدید ناراضی میں ہی اس کی خوشی کا راز پنہاں تھا اور اس وقت تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں ہوتا جب وہ چور راستہ استعمال کر کے دو نامحرموں کے درمیان کشش پیدا کر کے ان کو قریب لے آتا ہے، وہ مردود بہت دن سے اس پر کام کر رہا تھا، پھر جب کسی انسان کی آزمائش آتی ہے تو اس آزمائش میں پورا اتر کر انسان اللہ کو خوش اور شیطان کو ناکام کرنے کا سبب بنتا ہے اور آزمائش میں پورا نہ اترنا شیطان کے کام کو آسان کرتا ہے۔ ان کے ماں باپ کی موت فلکین، یشفین اور فیض کے لیے آزمائش بن کے آئی تھی، اب شیطان کھل کر میدان میں آ گیا تھا۔ اس کو چور راستہ ڈھونڈنے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ راستہ یشفین کے دل میں فیض کے لیے محبت اور فلکین کے لیے بیزاری کا جذبہ تھا اور اب اسے دو نامحرموں کو ترغیب دے کر گناہ کے راستے تک لانا تھا پھر کسی اور ٹارگٹ کی تلاش میں نکل پڑنا تھا کہ اس مردود کا یہی عہد تھا کہ اے معبود میں تیرے بندوں کو رہتی دنیا تک بہکاتا رہوں گا۔

⁂......○......⁂

"تم...... تم ابھی تک جاگ رہی ہو، فلکین کہاں ہے؟" اپنے شوروم کے سلسلے میں بے حد مصروف فیض آج کل رات کو بہت لیٹ گھر آ رہا تھا، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ فلکین اس کا انتظار نہ کر رہی ہو تو آج پھر......؟ اس نے سوچا ہی نہیں سوال بھی کر دیا۔

"ہاں وہ بہت تھک گئی تھی۔ کہا ایک دو دن کی بات ہوتی تو چلو خیر تھی، اب کون روز آدھی رات تک جاگے۔" اس وقت تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا بس گرم گرم کھانا لا کے اس کے آگے دھر دیا پھر گرم گرم چائے جب سامنے لا کر رکھی تو باتوں باتوں میں غیر محسوس انداز میں یہ جتا بھی دیا تھا۔ فیض نے بہت دن بعد ایک مرد کی مخصوص نظر سے اس پر نگاہ ڈالی۔ انسان کی نامحرم پر پہلی نظر اس کی اپنی اور دوسری شیطان کی ہوتی ہے۔ جدید انداز میں سلے سوٹ میں ملبوس وہ شاید ہلکا پھلکا میک اپ کیے ہوئے تھی یا اسے ہی ایسا محسوس ہوا تھا، بہرحال اس پل اسے یشفین کی رفاقت بے حد اچھی لگی تھی۔ اسے اپنے بیڈروم میں سوئی وہ عورت بالکل بھول گئی تھی، جس کی طبیعت صبح سے ہی زکام اور فلو نے خراب کر رکھی تھی اتنی خراب حالت میں بھی اس نے فیض کی پسند کا کھانا پکایا تھا پھر اس کے انتظار میں بیٹھی تھی جب بخار کے باعث لگنے والی شدید سردی نے اسے بے حال کر ڈالا تھا۔ یشفین ہی اسے لاؤنج سے اس کے بیڈروم میں لے گئی تھی۔ کمبل اس کے اوپر ڈال کر اس نے روم ہیٹر آن کر دیا تھا۔ پھر نیم گرم دودھ کے ساتھ بخار کی ٹیبلٹ دے کر اس نے سختی سے فلکین کو لیٹے رہنے کی تلقین کرنے کے ساتھ کہا تھا کہ وہ فیض کو کھانا وغیرہ دے دے گی۔ اعصاب کو ذرا سا سکون اور جسم کو گرمائش کے احساس نے ہی اسے نیند کی وادی میں دھکیل دیا تھا یہ جانے بغیر کہ اس کی سگی بہن نے اس کے گھر پر شب خون مارنے کے لیے پہلی سیڑھی لگائی تھی اس رات فلکین کا پورا ہفتہ رہ جانے والا بخار شیطان کی راہ اور آسان کر گیا تھا۔ یشفین کی طرف سے فیض کے قریب آنے والی شعوری کوشش آخر کامیاب ٹھہری تھی اور فیض کو اس نے متوجہ کر کے ہی دم لیا تھا۔ فلکین نے جس دن ذرا اپنی طبیعت بہتر محسوس کی تھی اس نے بستر چھوڑ دیا اور گھر کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ یشفین مارے باندھے بہت ضروری کام تو کرلیا کرتی تھی لیکن گھر کی ترتیب و صفائی جیسے کاموں سے نابلد تھی وہی پہلا ایک دن تھا جب اس نے کھانا گرم کیا تھا۔ ناشتا وہ سلائس اور چائے پر مشتمل بنا لیتی، باقی دو ٹائم کا فیض لے آتا تھا۔ یشفین کے لیے دل میں گہرے تشکر کا احساس لیے فلکین دلجمعی سے گھر کا کونا کونا چمکانے میں لگی تھی یہ جانے بغیر کہ اس کے گھر کی بنیادوں میں بے ایمانی، بے وفائی کا پانی داخل ہو چکا تھا۔

⁂......○......⁂

"اف اللہ! اس ذرا سے بخار نے جان ہی نکال لی میری تو......" صفائی مکمل کر کے وہ ٹی وی دیکھتی یشفین کے پاس آ بیٹھی اور بڑے پیار سے تک سک سے تیار یشفین پر نظر ڈالی اور دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اماں ابا کے دکھ کو بھلا کر وہ زندگی کی طرف لوٹ ہی آئی تھی۔

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے تمہیں اس طرح زندگی کے رنگوں میں مگن دیکھ کر...... یہ بتاؤ آج کھانے میں کیا پکایا جائے، فیض نے پتا نہیں کیسے اتنے دن باہر کا کھانا برداشت کیا ورنہ عادی نہیں ہیں وہ نہ ہی پسند کرتے ہیں۔" یشفین نے ٹی وی سے نگاہ ہٹا کر عجیب سی نظر سے ملگجے سے حلیے والی فلکین کو دیکھا۔

"اب پسند کرنے لگے ہیں فیض باہر کا کھانا، ہر وقت ہر انسان کا موڈ اور پسند ایک ہی تو نہیں رہتا ناں۔" فلکین کو پتہ نہیں کیوں کچھ دنوں سے یشفین کا لہجہ کچھ طنزیہ سا لگنے لگا تھا۔ وہ اماں ابا سے جدائی کا خیال کر کے ہمیشہ نظر انداز کر دیا کرتی تھی آج بھی اس کا بچپنا جان کے ایک پیار بھری نظر ڈال کے اٹھ گئی تھی۔ کھانا پکا کے اس نے نہا کر کپڑے تبدیل کیے اور ہلکا پھلکا میک اپ کر کے تیار ہوگئی۔ اسے حالانکہ سادہ رہنا پسند تھا لیکن فیض کو وہ بنی

سنوری پسند آتی تھی‘ سو اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے جیسے وہ کہتا ویسے کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ فیض کے ابا ہفتہ میں ایک دوبار اسے فون کرتے تھے۔ کسی آتے جاتے کے ہاتھ اس کے لیے گفٹس وغیرہ بھجواتے رہتے تھے پھر انہی گزرتے دنوں میں ایک دن فیض کی بہن ان کے گھر آئی‘ وہ کسی دوسرے شہر بیاہی گئی تھی اب اس کے خاوند کو یہاں کوئی کام تھا تو وہ بھی بیوی کے ساتھ آیا تھا‘ اسے یہاں چھوڑ کے اس نے آگے جانا تھا‘ پھر تین دن بعد اس نے آنے کا کہا تھا۔ فلکین ویسے تو کئی بار اس سے مل چکی تھی پر تفصیلی ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی تو دونوں ہی بہت خوش تھیں اور باتوں میں مگن بھی۔

"بھابی بھائی نہیں آئے ابھی تک۔" چائے پیتے شائستہ نے پوچھا پھر فلکین کا جواب سن کر کچھ چپ سی ہوگئی۔

"وہ یشفین کچھ اداس ہو رہی تھی‘ اماں ابا یاد آ رہے تھے اسے تو فیض نے کہا اسے کہیں گھما پھرا کے لاتے ہیں۔ مجھے بھی بہت اصرار کیا چلنے پر لیکن مجھے الجھن سی ہوتی ہے زیادہ بھیڑ بھاڑ والی جگہوں سے پھر اچھا ہی ہوا جو نہیں گئی تم سے جو ملنا تھا‘ باتیں کرنی تھیں تم سے۔" وہ سادہ سی لڑکی سادگی سے کہتی چلی گئی اس وقت تو شائستہ نے کچھ خاص نوٹس نہیں لیا تھا اس بات کا‘ اپنے گھر اور شوہر کے قصے لے کر بیٹھ گئی تھی پھر جب فیض کے ساتھ بنی سنوری ہنستی کھلکھلاتی یشفین کو دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"بھابی کو بھی ساتھ ہی لے جاتے بھائی۔ یہ اکیلی اداس ہو رہی تھیں آپ کے بنا۔" فیض سے ملنے کے بعد جب وہ اس کی آمد اور اس کے خاوند کی بابت دریافت کر رہا تھا تو جواب دینے کے ساتھ ہی اس نے خاصی ناگوار نظروں سے ریموٹ سنبھال کر ٹی وی کے سامنے بیٹھتی یشفین کو دیکھا جس کے کسی بھی انداز سے کسی قسم کی کوئی اداسی مترشح نہیں تھی اسٹیپ میں کٹے بال جو شانوں پر بکھرے ہوئے تھے جدید انداز میں سلا سوٹ جس کے ساتھ دوپٹہ صرف نام کو گلے میں تھا جبکہ فلکین کی طرف نظر دوڑانے پر اس نے دیکھا وہ ہلکے سے رنگ کے ایک ہلکے کام والے سوٹ میں ملبوس تھی۔ ہونٹوں پر لگائی گئی دن کی لپ اسٹک کا اب نشان بھی نہیں تھا۔ لمبے بالوں کی چٹیا کے ساتھ اس نے دوپٹہ سر پر لے رکھا تھا اور اب فیض سے کھانا کھانے کی بابت دریافت کر رہی تھی۔

"نہیں بھئی کھا کے آئے ہیں ہم تو‘ چائے کی طلب ہو رہی ہے اب وہ پلا دیں بیگم صاحبہ تو مہربانی ہوگی۔" اس کے شوخی سے کہنے پر فلکین کا جھینپ جانا اور یشفین کا پہلو بدلنا شائستہ کی نظروں سے چھپا نہ رہ سکا۔

"اور یشفین کی شادی کب کر رہے ہیں بھائی آپ؟" فیض تو بغیر کسی تاثر کے چپ چاپ ٹی وی دیکھتا رہا جبکہ یشفین ایک غصے بھری نظر ان تینوں پر ڈالتی ٹیبل پر ریموٹ پٹخ کر وہاں سے چلی گئی۔

"وہ رشتہ تو بہت دن پہلے ہی ختم ہو گیا تھا شائستہ! اماں ابا کی زندگی میں ہی۔ دعا کرو اب کہیں بات بن جائے ایک دو جگہ کہہ بھی رکھا ہے رشتہ کے لیے‘ پہلے اس رشتہ کا ختم ہونا پھر اماں ابا کی وفات ان سب نے مل کر یشفین کا مزاج بھی عجیب سا کر دیا ہے۔ میں خود اٹھتے بیٹھتے بس یہی دعا کرتی ہوں کہ جلد ہی میری بہن کے حصے کی خوشیاں اسے مل جائیں اور میں اس کو جلد ہی اس کے گھر کا کر کے اماں ابا کی روح کے آگے سرخرو ہو جاؤں۔" فلکین افسردہ سی ہوگئی۔ فیض جمائیاں لیتے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا بھئی گڑیا تم اپنی بھابی سے باتیں کرو میں تو بہت تھک گیا ہوں آج۔" شائستہ نے محض سر ہلا دیا۔

"بھابی میں عمر رشتے اور تجربے میں آپ سے کم سہی پر نجانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ آپ کو یشفین کی شادی جلد از جلد کر دینی چاہیے۔ ایک نیا رشتہ‘ نیا گھر اس کی ساری اداسیاں ختم کر دیں گے۔ یہ مزاج‘ یہ بچپنا صرف ماں باپ کے گھر تک ہوتا ہے شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔" شائستہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ فلکین کو اس خطرے سے کیسے خبردار کرے‘ جس کا ادراک اسے کچھ دیر قبل ہوا تھا اور فلکین نجانے کیوں اس سے انجان لگ رہی تھی۔

شائستہ نے دعا کی کہ اسے جو اندیشے لاحق ہو گئے ہیں وہ غلط ثابت ہوں حالانکہ خطرے کا الارم اس کے اندر بج بج کر اسے بے حال کیے دے رہا تھا۔ دو دن میں اس نے یشفین اور فیض کے درمیان بہت کچھ محسوس کیا۔ حالانکہ بظاہر دونوں نے شائستہ کے سامنے بہت احتیاط برتنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ جس بات کو محسوس کر چکی تھی اس کے تناظر میں اسے بہت کچھ غلط دکھائی دے رہا تھا۔

"مردوں کو اپنا بنائے رکھنے کے لیے دنیا کے بہت سے رنگ ایسے اپنانے پڑتے ہیں جو چاہے ہمیں پسند نہ بھی ہوں‘ پھر بھی اپنانے پڑتے ہیں۔ آپ بھی ذرا اپنے انداز بدلیں۔" جاتے جاتے وہ فلکین کو جتانا نہیں بھولی۔

"میں فیض کو ہر رنگ‘ ہر انداز میں پسند ہوں شائستہ‘ تم فکر مت کیا کرو‘ خوش رہو۔" وہ اس کے بزرگانہ انداز پر مسکراتی اسے رخصت کر کے اندر آ گئی۔ یشفین اسی وقت کمرے سے باہر نکلتی تھی جب فیض گھر میں ہوتا‘ اس کے علاوہ وہ اپنے کمرے میں مقید رہتی تھی۔ اس روز شام کو واپسی پر فیض کی نظریں یشفین کو تلاش کرنے لگیں پھر آخر کار اس نے پوچھ ہی لیا۔

"یشفین نظر نہیں آ رہی‘ کہاں ہے‘ کھانا نہیں کھائے گی کیا؟" اس نے اپنی بے چینی کو اندر ہی اندر چھپا لیا تھا۔ گزشتہ کئی دنوں سے یشفین کا اصرار تھا کہ وہ مزید ایسے چوری چھپے کب تک ملتے رہیں گے اب انہیں اس رشتے کو کوئی نام دے دینا چاہیے؟ فیض کے ذہن میں اپنی اور یشفین کی پرسوں اسی موضوع پر ہونے والی گفتگو پھر یشفین کا ردعمل ٹکرایا۔

"یشفین‘ اتنا آسان کام نہیں ہے‘ تم دونوں بہنیں نہ ہوتیں تب بھی میرے لیے یہ مشکل امر نہیں تھا میں تم سے شادی کر کے تمہیں کہیں بھی رکھ سکتا تھا۔ اب میرے لیے ایسا کرنا بہت مشکل اس لیے ہے کہ فلکین سے میرا رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ وہ اکیلی کیسے رہے گی؟ میں مختلف عالم دین سے رابطے میں ہوں‘ ہو سکتا ہے کوئی ایسا حل نکل آئے کہ مجھے فلکین کو نہ چھوڑنا پڑے۔ کوئی ایسی راہ جو ہم عام لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوں‘ کوئی راستہ...... پھر دیکھو ناں یشفین فلکین کا اس سب میں کوئی قصور بھی نہیں ہے۔" وہ بے حد الجھا ہوا سا بولا‘ گویا اس نے آتش فشاں کا دہانہ کھول دیا تھا۔ یہ بات ازل سے ابد تک طے ہے کہ ایک آدمی کے نکاح میں دو کیا چار عورتیں رہ سکتی ہیں لیکن دو بہنیں ہرگز نہیں۔

"یہ بات سب کو پتا ہے تمہارے لیے کوئی نیا فتویٰ نہیں اترے گا۔ پھر اگر فلکین کا ہی سوچنا تھا تو مجھے کیوں یہاں تک لے آئے کہ راستہ پلٹنا ہی میرے لیے موت کے برابر ہو۔ مانا کہ میں بڑھی تھی تمہاری طرف...... تم بھی تو محبت کے اس سفر میں برابر میرے ساتھ رہے ہو۔ اب...... اب جب میں اپنا سب کچھ تمہیں دے چکی ہوں میرے لیے کسی اور کو یہ جگہ دینا ممکن نہیں رہا تو تمہیں یہاں وہاں راہیں...... راستے ڈھونڈنا یاد آ رہا ہے۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔ "مجھے دو دن کے اندر اندر جواب چاہیے‘ مجھے تمہاری زندگی میں اپنی مستحکم جگہ چاہیے‘ میں اس عورت کو مالکانہ حقوق کے ساتھ گھومتا پھرتا دیکھتی ہوں تو کیسے کیسے میرا خون کھول اٹھتا ہے‘ جہاں میری جگہ ہونی چاہیے‘ وہاں وہ کیوں ہے؟" اس کے اتنے زور سے چیخ کر بولنے پر اردگرد کے لوگ مڑ مڑ کر دیکھنے لگے۔ فیض عجیب سی کشمکش میں تھا۔ اسے اب شدید پچھتاوا تھا کہ فیصلہ کے وقت اس نے کیوں فلکین کو منتخب کیا جب اس کی پسند اس کا آئیڈیل سب کچھ یشفین میں تھا۔ فلکین کی شکل کی معصومیت اس کا بھولپن‘ اس کی سادگی‘ اس کی شرم و حیا نے اس کا دل موہ لیا تھا۔ شادی کے بعد اسے اندازہ ہوا تھا کہ زندگی کے پل پل سے خوشیاں کشید کر لینے کا فن یشفین کو آتا تھا‘ وہ شوخ شرارت‘ رنگوں اور جوش سے بھری لڑکی تھی جس کی ہمراہی میں کوئی بھی شخص کبھی بور نہیں ہو سکتا تھا۔ فلکین کی سنگت میں محض دو ماہ ہی رواں ندی جیسی ہمراہی میں وہ مطمئن تھا تو دو ماہ بعد اسے حقیقی خوشیوں سے روشناس یشفین نے کیا تھا۔ اس نے گرم جوشی سے اپنے والہانہ جذبات اسے فیض پر انڈیلے تھے کہ وہ سرشار ہو گیا تھا۔ اسی گرم جوشی ہی

والہانہ پن کی توقع وہ فلکمین سے کرتا تھا۔ فلکمین نے چمچ بجا کر اسے متوجہ کیا وہ سوچوں کے سفر میں اتنی دور نکل گیا تھا کہ حال سے ہی کٹ گیا تھا۔ فلکمین کھانے کی مختلف ڈشز اس کے آگے سرو کرتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"یشفین نے اپنا کھانا آج اپنے کمرے میں کھایا اور کھانا کھانے کے بعد وہ کسی کو ڈسٹرب نہ کرنے کا کہہ کر سوگئی تھی۔ شائستہ نے ایک دو رشتے بتائے ہیں یشفین کے لیے میں آپ کے فارغ ہونے کا انتظار کررہی ہوں کہ فارغ ہوجائیں تو بلوا لیتے ہیں ان کو...... دونوں ہی اچھے گھرانے ہیں۔ ایک لڑکے کا اپنا کاروبار ہے دوسرے کی سرکاری نوکری ہے۔ شائستہ کے سسرالی عزیز ہیں جیسے آپ کہیں۔" وہ جب چائے بنا کر لائی تو یہ جانے بنا ہی کہ فیض کیا سوچ رہا ہے کس حوالے سے سوچ رہا ہے یشفین کے مستقبل کے بارے میں فکرمند تھی جبکہ نفس کے غلام وہ دونوں جو ایک اس کا شوہر اور ایک اس کی سگی بہن تھی اس کے مستقبل کو ہی تاریک کرنے کا فیصلہ کرچکے تھے وہ جو یشفین کے بے حد مجبور کرنے پر اور پھر دل کی بغاوت پر فلکمین کو طلاق دینے کا ارادہ رکھتا تھا اسے اب کچھ عرصہ تک موخر رکھنا تھا کہ فلکمین کے امید سے ہونے کی خبر نے اسے قدرے پریشان اور یشفین کو مشتعل کردیا تھا شاید اسے خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ کتنی مشکل سے اس نے فیض کے دل سے فلکمین کا سحر اتار کر اپنا جادو طاری کیا تھا اب اولاد کا احساس کہیں سب کچھ غلط نہ کرے یہاں قدرت نے اس کا ساتھ دیا تھا کہ فلکمین کو پہلے دن سے ہی ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ بتایا تھا اور مسلسل طبیعت کی خرابی اور لو بلڈ پریشر نے اسے اتنا بے حال کر رکھا تھا کہ وہ ان دنوں خود سے ہی بیزار تھی گھر، فیض یا یشفین پر کہاں دھیان دیتی، یشفین نے یہ سارا عرصہ اپنا کھونٹا مضبوط کرنے کے لیے فیض کو بیوی سے برگشتہ کرنے کے لیے ہر غلط ترغیب اپنائی تھی اور اسے اس حال میں لے آئی تھی کہ وہ خود بھی بمشکل بچے کی پیدائش تک رکا تھا۔

بہت دنوں بعد اماں رحمت کا فلکمین کے پاس چکر لگا تھا وہ خود یشفین کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر بے حد پریشان ہوئی تھیں اور کچھ دن فلکمین کے بے حد اصرار پر اس کے پاس رک گئی تھیں۔

"اللہ تمہیں خیر سے فارغ کرے بچی مگر پہلی فرصت میں ہی اپنی بہن کی کہیں شادی کردو پیٹرول اور آگ کو اکٹھے رکھ کر بھی یہ سوچنا کہ تباہی نہیں پھیلے گی بہت بڑی بے وقوفی ہے۔" وہ تفکر سے بولیں۔ فلکمین جو کہ بے حد نڈھال تھی پٹ سے آنکھیں کھول دیں تو کیا وہ تبدیلی وہ خوف ناک خدشات جو چند دن سے فیض کی اس سے بے رخی اور یشفین سے بے حد التفات پر جاگے تھے ان کا یقین ہوچلا تھا مگر چونکہ آنکھوں سے کوئی قابل گرفت بات گزری نہیں تھی سو سوچتی کہ آج کل طبیعت کیونکہ مضمحل ہے تو اسی کی وجہ سے ہر بات منفی دیکھنے لگی ہے اور چڑچڑی ہورہی ہے۔ فیض بھلا ایسے کیسے کرسکتا ہے اس کے ساتھ خود تو اس کا وہ حال تھا کہ ایک نوالہ بھی منہ میں ڈالتی تو دوگنا باہر نکل آتا الٹی کی صورت، چکر اور متلی کی اس کیفیت نے اس کا برا حشر کرکے رکھا ہوا تھا۔

"اماں رحمت میں کیا کروں مجھے سمجھ میں نہیں آرہا شائستہ جب بھی آئی اس نے ایسی ہی باتیں کیں مگر میں نادان تھی جو ان باتوں کو سمجھ نہ سکی، جب سے بستر کی ہوئی ہوں تب سے ہی اندازہ ہونا شروع ہوا کہ فیض بہت بدل گئے ہیں اور یشفین کا منگنی توڑنا اور گھر سے بہت بہت دیر باہر تک رہنا اماں ابا کی یاد بھلانا نہیں کچھ اور ہے۔" کوئی ہمدرد سامنے آیا تو کئی دنوں کی دل ہی دل میں پلتی الجھن کو وہ زبان دے بیٹھی۔

"اب فیض میاں پر بہن کی شادی کے لیے دباؤ ڈالو اور ابھی کھل کر اپنے شک کا اظہار نہ کرنا ایک دفعہ یہ لڑکی یہاں سے گئی تو پھر اللہ کے کرم سے سب کچھ ویسا ہوجائے گا۔" اماں رحمت نے اسے ساتھ لگا کر تسلی دی تھی۔ یشفین اماں رحمت سے ذرا دبتی تھی سو ان کے سامنے آنے سے گریز کرتی تھی۔

کافی دن بعد آج فلکمین کی طبیعت کچھ بہتر تھی جب وہ ٹی وی دیکھتے فیض کے پاس آن بیٹھی، اس کے بیٹھنے کے چند لمحوں بعد یشفین ٹرے لیے چلی آئی جس میں دو کپ چائے کے تھے فلکمین کو بیٹھا دیکھ کر ماتھے پر بل پڑ گئے۔ خاموشی سے ٹرے ٹیبل پر رکھ کر اپنا کپ اٹھایا اور بگڑے تیور لیے کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی تنہائی کے لمحوں میں بھی فیض کے پاس اس کو کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا اس نے اپنا کپ اٹھایا اور ٹی وی پر نظریں مرکوز کردیں فلکمین کی آنکھوں میں آنسو آگئے کیسے اور کیوں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ اس پر جان چھڑکنے والا اس کا مجازی خدا آج اس سے یکسر انجان تھا۔

"آپ نے پوچھا بھی نہیں کہ میں کیسی ہوں۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا فیض نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہوں...... ہاں کیسی ہو تم؟" بے حد سرسری سے انداز میں پوچھ کر دوبارہ سے ٹی وی پر نگاہ مرکوز کی فلکمین نے بمشکل اس کا روکھا انداز برداشت کیا اور یشفین کے ان رشتوں کی بابت بتانے لگی جو اس نے ایک دو جگہوں سے بتائے تھے پھر ان میں سے جو ایک آدھ معقول تھا اس سے فوری ملاقات پر زور دیتے ہوئے بغور اس کے تاثرات دیکھتی رہی۔

"ٹھیک ہے تم فارغ ہوجاؤ کچھ طبیعت بھی سنبھل جائے تو دیکھ لیتے ہیں۔" وہ نارمل سے انداز میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلے روز فیض کے آفس جانے کے بعد یشفین بھی بن سنور کر باہر نکل گئی تھی۔ دل میں چور تھا یا خودسری کی انتہا کچھ دن سے اس نے فلکمین سے مخاطب ہونا تک چھوڑ رکھا تھا فلکمین کی طبیعت سہ پہر کے وقت پھر خراب ہوئی اور اتنی بگڑی کہ اماں رحمت کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ یشفین صبح کی گئی ابھی تک گھر سے غائب تھی فلکمین نے اماں رحمت کو فیض کا نمبر ملا کر دیا مگر دوسری طرف سے نمبر بند تھا۔ اماں رحمت نے ہی ہمت کی اور ہمسائی کے لڑکے کو بلا کر گیٹ تک رکشہ منگوا کر فلکمین کو بڑی مشکل سے اسپتال لے کر گئیں، ابھی بچے کی پیدائش میں بہت وقت تھا مگر فلکمین کی مسلسل طبیعت کی خرابی اور اب کچھ دنوں سے خود پر سوار کی گئی ٹینشن رنگ لے آئی اور اس نے ایک پری میچور بے حد کمزور بچی کو جنم دیا تھا رات تک وہ اسپتال میں رہی تھی اور فیض کا ہنوز کوئی پتا نہیں تھا فلکمین کی طبیعت کچھ بہتر تھی مگر بچی کو انتہائی نگہداشت میں رکھا گیا تھا فیض آخرکار اگلی صبح کو نمودار ہوا تھا جب بار بار کوشش کرنے پر اماں رحمت کو اس کا نمبر آن ملا تھا اور انہوں نے اسے ساری صورت حال بتائی تھی تاہم اس کا رویہ کچھ خاص گرم جوشی لیے ہوئے نہیں تھا وہ کچھ دیر ہی وہاں بیٹھا تھا اسے ایک ضروری کام کے سلسلے میں کچھ ہی دیر میں شہر سے باہر جانا تھا یہ سن کر فلکمین کا دل دکھ سے بھر گیا تھا اس نے بچی کو بھی دیکھنے کی خواہش نہیں کی تھی اور اماں رحمت کے اصرار پر وہ جلدی نکلنے کا کہہ کر ان کے ہاتھ میں ایک بڑی رقم اسپتال کے واجبات کے سلسلے میں رکھ کر پھر آؤں گا کے وعدے کے ساتھ چلا گیا تھا تیسرے دن فلکمین اماں رحمت کے ساتھ گھر واپس آئی تھی جہاں یشفین اور فیض تو نہیں تھے طلاق نامے کی صورت ایک قیامت نامہ اس کا منتظر تھا ساتھ ہی ایک مختصر خط جس میں یہ مکان ایک بڑی رقم اس کے نام بینک میں موجودگی کے کاغذات و ثبوت کے ساتھ موجود تھی اس نے بغیر کسی شرمندگی کے جلد ہی یشفین سے شادی کرنے کا اقرار کیا تھا۔ فلکمین بے ہوش ہوچکی تھی پھر اماں رحمت جانتی تھیں یا ان کا خدا کہ وہ کس جتن سے اسے ہوش میں لائی تھیں اور کیسے اس کو سنبھالا تھا وہ تو غلام علی اماں رحمت کا پتا کرنے ہر ہفتے آجاتا تھا اس ہفتے بھی آیا تھا اور اس غم کی داستان کو سن کر افسردہ ہوگیا تھا۔

"ہم تو آپ کے نسلوں سے نوکر ہیں جی نمک کا حق تو ادا کر ہی نہیں سکتے ہمارے لیے کیا حکم ہے گاؤں چلنا چاہو تو آپ کی حویلی حاضر ہے یہاں رہنے کا فیصلہ کرو تو ہم دونوں آپ کے ساتھ ہیں بس اپنے آپ کو اکیلا مت سمجھنا۔" غلام علی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"چاچا میں آپ لوگوں کے ساتھ اپنے گھر جاؤں گی، آپ بس اتنی مہربانی کریں کہ اس کم ظرف شخص کی یہ عنایت میں اس کے دفتر کا پتا بتاتی ہوں وہاں دے آئیے

مجھ پر کیا گیا اس کا ایک احسان ہی بھاری ہے، جس کا بوجھ اٹھائے میرا دم گھٹنے کو ہے مزید نہیں سہار پاؤں گی۔" کانپتے ہاتھوں سے وہ اس مکان کے کاغذات چیک بک لے کر آئی اور انہیں غلام علی کے حوالے کر دیا ساتھ ہی فیض کے دفتر کا پتا بھی سمجھا دیا۔

"صاحب تو شہر میں نہیں ہیں بیٹی، دفتر میں ان کا منیجر تھا اس کے حوالے کر آیا ہوں سب کچھ۔" غلام علی نے واپس آ کر کہا اور وہ اپنی نومولود بچی کو سینے سے لگائے ان دو مخلص افراد کے ہمراہ اپنے گاؤں لوٹ آئی تھی ہمیشہ کے لیے۔

اپنی دان کی گئی سوغاتوں کو وہ کتنی ہی دیر ہاتھ میں لیے دیکھتا رہا اپنی طرف سے اس نے اس جرم کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تھی جو وہ اور یشفین اس معصوم لڑکی کو دھوکا دے کر کر چکے تھے مگر وہ اتنی خوددار تھی کہ اپنا حق بھی لینا گوارا نہیں کیا تھا۔ فلکین کو طلاق دینے کے بعد یشفین سے نکاح کر چکا تھا بہت دن بعد اپنے شہر لوٹ کر آیا تھا کہ کاروبار بھی سیٹ تھا۔ جب منیجر نے اس کی امانت لا کر اس کے حوالے کی تھی ملال کی پتا نہیں کون سی قسم تھی جس نے اس کے اندر سر اٹھایا تھا پھر یشفین کو دوبارہ اس گھر میں لے آنے پر پھر ایک بار اس کی یاد نے چٹکی لی تھی، یشفین نے پتا نہیں فلکین کا عکس دیکھا تھا اس کے چہرے پر اس لیے اس کی یاد کا ہر سایہ دور کر دینا چاہا دنوں میں ہی فیض سے کہہ کر گھر کو نئے فرنیچر اور نئے سامان سے آراستہ کیا پرانا سارا سامان فروخت کروا دیا تھا کچھ فالتوں چیزوں کو اسٹور میں بند کر کے تالا لگا دیا تھا احساس جرم ہمیشہ زیادتی کے بعد ہی سر اٹھاتا ہے فیض کو کچھ دنوں سے یشفین کی رفاقت، ہمراہی عجیب طرح کے احساس جرم میں مبتلا کر رہی تھی فطرتاً وہ ایک اچھا انسان تھا شیطان کے بہکاوے میں آ کر اس نے ایک غلط قدم اٹھا تو لیا تھا اور اگر چہ شرعی طور پر ایک بیوی کو طلاق کو دے کر بیوی کی بہن کو اپنے نکاح میں لیا تھا مگر یشفین کے ساتھ خوش رہتے رہتے بھی اسے احساس ہوتا کہ اس سب میں فلکین کا کیا قصور تھا فلکین اس سے لڑتی جھگڑتی عام عورتوں کی طرح واویلا کر کے اس سے اپنا حق وصولتی تو شاید یہ احساس جرم اتنا قوی نہ ہوتا پھر انہی دنوں یشفین کا ایک دفعہ امید سے ہو کر مس کیرج ہو جانا دونوں کو ہی پریشانی میں مبتلا کر گیا فیض تو کچھ دنوں سے تھا ہی پریشان اس بار یشفین بھی اس مرحلے سے گزرتے اسے بھی شاید فلکین یاد آئی تھی اس نے فیض سے ضد کی تھی کہ وہ کچھ دن کسی ایسی جگہ پر گزارنا چاہتی ہے جہاں وہ سب کچھ بھول جائے فیض بھی اپنے اندر کے خوف سے چھٹکارا چاہتا تھا اور وہ اپنی اس حالت اور ان احساسات سے بے حد خوف زدہ ہو کر یشفین کو لے کر شمالی علاقہ جات کی طرف نکل گیا۔

❁......○......❁

"پتر...... تیرے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا، تیرا آدمی چلا گیا ساتھ میں جوان جہان بہن بھی حادثے کی نظر ہو گئی اور پہاڑ سا غم سینے کو لگائے تو اکیلی پڑی رہی...... ہائے میرے ربا میں اپنی وڈی بی بی کو کیا منہ دکھاؤں گی......" وہ اس کی سپاٹ صورت کو دیکھ دیکھ کر روئے جاتیں پھر اسے تسلی دینے بیٹھ جاتیں۔

"دیکھ میرا پتر! اللہ نے تجھ سے باقی ہر رشتہ لے لیا ہے تو اولاد جیسا رشتہ بھی تو دینے جا رہا ہے ناں تجھے آزمائش وچ ڈالتا ہے تو اس سے نکلنے کے راستے بھی دیتا ہے وہ پاک اللہ تو غم نہ کر میں تیری ماں کی جگہ ہوں، میری دھی۔" ابھی کچھ دنوں پہلے ہی تو اسے اپنے اندر ہونے والی اس تبدیلی کا پتہ چلا تھا جس کا اگر اسے فیض کے گھر پتہ چلتا تو پتہ نہیں خوشی کا کون سا رنگ ہوتا اسے کیا پتہ اس نے کون سی خوشیوں کے رنگ دیکھے تھے یہاں اب اس کی زندگی کا ایک ہی رنگ تھا اداسی کا رنگ۔

❁......○......❁

"میں کہتا ہوں جاؤ یہاں سے......" وہ زور سے دھاڑا تھا۔ شاکی نظروں سے اسے دیکھتی یشفین وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ خود وہ بے حد گہرے گہرے سانس لے رہا تھا جیسے اس کے اندر بے حد کثافت بھری ہو اور اس کو وہ

نکال دینا چاہتا ہو۔ یشفین بار بار یہ بات بھول جاتی تھی کہ پہلے وہ اس کی دسترس میں نہیں تھی تو لاڈ سے نخنک نز بدتمیزی سے اپنی ہر بات منوالیا کرتی تھی اب وہ بیوی تھی اب اس کی بعض ادائیں انداز اور طور طریقے فیض کو عجیب سی ناگواری میں مبتلا کر دیتے تھے۔ ویسے بھی ایسی باتیں چھپتی کب ہیں، خاندان برادری والے سب کی لعن طعن اس کے اور یشفین کے حصہ میں آئی تھی۔ لبا نے تو اس سے رابطہ ہی ختم کر دیا تھا۔ شائستہ نے فون پر روتے ہوئے لعنت ملامت کی تھی۔

"بھائی، کسی کی قبر پر کیسے تم اپنے گھر کی بنیاد رکھ سکتے ہو؟ تم سوچ بھی کیسے سکتے ہو کہ تم خوش رہو گے...... وہ مظلوم عورت تمہیں بددعا نہ بھی دے تو بھی اس کا صبر تمہیں کبھی خوش نہیں رہنے دے گا۔ یہ آوارہ عورت جس نے سگی بہن کا خیال نہیں کیا اس کا گھر اجاڑ کر اپنی خوشیاں خریدیں...... تمہارے خیال میں تمہاری وفادار رہے گی؟ کل کوئی اور دل کو بھا گیا تو اس کے لیے تمہیں چھوڑ جائے گی پھر سر پر ہاتھ مار کر روؤ گے۔" وہ چپ چاپ اس کی ساری باتیں سنتا رہا تھا۔ "میں جان گئی تھی اس لڑکی کی خصلت کو اس کی بدنیتی اور بھوکی نظروں کو...... میں نے بھابی کو خبردار بھی کیا تھا پر وہ سمجھ ہی نہ پائیں......" اس نے روتے روتے فون بند کر دیا تھا۔

اس کی وہی ادائیں اور طور طریقے جن پر کبھی وہ نثار ہوا کرتا تھا آج کل اسے غصہ دلانے کا باعث بنتے۔ جیسے ابھی ابھی شائستہ نے فون پر جو کہا تھا وہ انہی باتوں کے حصار میں تھا جب بنی سنوری، اٹھلاتی، یشفین اس کے پاس آئی تھی۔

"انھیں ناں فیض، چلیں کہیں باہر چلتے ہیں، موسم بھی تو دیکھیں کتنا آفت ہو رہا ہے۔"

"کوئی اور دل کو بھا گیا تو اس کے لیے آپ کو چھوڑ دے گی۔" شائستہ کی کہی بات بچھو کے ڈنک کی مانند اس کے دل و دماغ کو لگی۔

"تم ابھی مجھے اکیلا چھوڑ دو......" کچھ دیر فیض نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے فیض انھیں ناں...... کتنے دن ہو گئے آپ مجھے کہیں گھمانے ہی نہیں لے گئے۔"

"میں کہتا ہوں جاؤ......" اس کے چیخنے سے در و دیوار بھی گونج اٹھے تھے۔

❁......○......❁

"فلک پتر مت کیا کر اتنی محنت۔ شکل دیکھی ہے کیسے کملا سی گئی ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچا بن گئی ہو۔" اسے مسلسل مشین کے ساتھ نبرد آزما دیکھ کر وہ جب بھی ٹوکتیں تو کبھی تو وہ مسکرا کر چپ ہو جاتی کبھی کہہ اٹھتی۔

"میری زندگی تو اب اس ننھی کلی کے ساتھ جڑی ہے۔ دعا کرو خالہ اللہ مجھے اتنی ہمت اور استقامت دے کہ اسے پڑھا لکھا کر اچھی انسان بناؤں اچھی مسلمان بناؤں اور کسی مقام تک پہنچاؤں۔ اللہ نہ کرے قسمت کے کسی رولے میں آ بھی جائے تو میری طرح سوچنا نہ پڑے کہ کہاں اور کس در پر جاؤں۔ یہ اتنی مضبوط ہو اتنی مضبوط ہو کہ کوئی بھی آندھی اس کے پاؤں نہ اکھاڑ سکے۔ نہ رشتوں کی، نہ حالات کی نہ وقت کی۔" وہ دور کھیلتی عجوئی کو دیکھ کر کہتی اس

تلخ مگر سچ

انسان

سبھی انسان ہیں مگر فرق صرف اتنا ہے کچھ زخم دیتے ہیں اور تو کچھ زخم بھرتے ہیں۔

ہم سفر

بہت ہیں مگر فرق صرف اتنا ہے، کچھ ساتھ دیتے ہیں اور کچھ چھوڑ دیتے ہیں۔

پیار

سبھی کرتے ہیں مگر فرق صرف اتنا ہے کچھ جان دیتے ہیں اور کچھ جان لیتے ہیں۔

دوستی

سبھی کرتے ہیں مگر فرق صرف اتنا ہے کچھ یاد رکھتے ہیں اور کچھ بھول جاتے ہیں۔

سمیرا بنت یوسف...... ایف بی ایریا، کراچی

نے گاؤں بھر کی خواتین کے کپڑے سینے شروع کردیئے تھے اور بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کردیا‘ دادی نے اسے صرف مشین کی سلائی میں ہی نہیں کڑھائی میں بھی ماہر کردیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے لگے ٹانکے میں ایسی صفائی ہوتی کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا۔ پھر اس کے پاس تعلیم تھی‘ علم کی روشنی تھی جسے آگے بانٹتا تھا۔

❀……○……❀

ٹھاہ…… پلیٹ اڑتی ہوئی سامنے دیوار سے ٹکرائی‘ دیوار پر سالن کے نقش ونگار بناتی زمین بوس ہوگئی۔

”یہ…… یہ سالن ہے…… وہ اور عورتیں ہوتی ہیں جو خود کو گھر ہستی میں مٹا دینے والی ہوتی ہیں‘ تمہاری جیسی نہیں جن کو صرف مردوں کو کیسے قابو کرنا ہے یہ گر سکھائے جاتے ہیں۔“ تین بار فیض اور یشفین کے ہاں پیدا ہونے والے ایب نارمل بچے جو کچھ پل ہی زندہ رہتے تھے‘ دونوں کو صاف صاف سمجھا گئے تھا کہ مکافات عمل شروع ہوچکا ہے۔ فیض کو جو خوف لاحق تھا وہ بھیانک سچ کا روپ دھارے کھڑا تھا۔ فلکین کی بددعائیں اس کا صبر ان دونوں پر پڑنا شروع ہوگئیں تھیں۔ شائستہ کی یہ بات سچ ثابت ہوئی تھی۔ شادی سے پہلے اس کی جن خوبیوں کا فیض دیوانہ تھا اب اس کی بدترین خامیاں تھیں۔ اس کو گھر کے کاموں کی عادت نہیں تھی مارے باندھے کرتی بھی تو ہر کام سے بدسلیقگی اور پھوہڑ پن صاف جھلکتا تھا۔ پھر پے در پے ایب نارمل بچوں کی پیدائش اور فیض کے تلخ رویے نے اس کو بھی بے حد چڑچڑا کردیا تھا‘ سب سے بری عادت اس کی یہ تھی کہ اس نے چپ رہنا سیکھا ہی نہ تھا۔ فیض کی ایک بات کے جواب میں دس سناتی اور چار چوٹ کی مار کھاتی۔ فیض فلکین کو بھول جاتا اگر جو یشفین بھول جاتی‘ اس نے فیض کی ہنسی میں‘ اس کی چپ میں‘ جلوت میں خلوت میں‘ فیض کے ہر عمل ردعمل میں فلکین کو یاد کرکے فیض کو یاد کرا کے اسے گویا اس گھر میں مجسم کردیا تھا۔

”کیا بات ہے‘ بہت ہنس رہے ہو فلکین یاد آرہی ہے کیا؟ ایسی گہری سوچ میں مت ڈوب جایا کرو مجھے لگتا ہے وہ چڑیل تمہیں خود کو بھولنے ہی نہیں دیتی‘ نہ تم اسے بھولنا چاہتے ہو؟“ فیض کبھی غصے میں اس پر ہاتھ اٹھا کر اس کے شک کو پختہ یقین میں بدل دیتا‘ کبھی اس کو بے حد ترحم آمیز نظروں سے دیکھ کر رہ جاتا۔

❀……○……❀

آج اس کی بیٹی نے میٹرک بورڈ میں ٹاپ کیا تھا۔ عجوئی فیض محمد کی تصویر کو اخبارات نے نمایاں جگہ دی تھی۔ ٹی وی میں عجوئی کی تصویر دیکھ کر کچھ دیر کو فیض ساکت رہ گیا تھا۔ مجھے بیٹیاں بہت اچھی لگتی ہیں‘ میں اپنی بیٹی کا نام عجوئی رکھوں گی‘ ایک دھیمی اور سریلی آواز کی بازگشت کانوں میں لہرائی تو کچھ عرصہ پہلے کا وہ پل آنکھوں میں آن سمایا جب شائستہ کی کسی بچے کے حوالے سے پوچھی گئی بات کے جواب میں اس نے شرماتے ہوئے کہا تھا۔ یشفین کی محبت کے نشے میں گم فیض اس وقت یہ بات سن کر بے تاثر سے انداز میں ان کے پاس سے گزر کر چلا گیا تھا۔ تو…… تو کیا عجوئی میری بیٹی ہوگی‘ دل ایک پل کے لیے خوشی کے بے ساختہ احساس اور دوسرے احساس محرومی سے بھر سا گیا تھا۔ عجوئی کی شکل اس کے نقوش چیخ چیخ کر اسے اس کی بیٹی بتا رہے تھے۔ فلکین کے یہاں سے چلے جانے کے بعد ایک ٹی وی تھا اس کا دل ساز و ساتھی‘ اکیلے پن و تنہائی سے بچنے کے لیے وہ اس میں اس حد تک مگن رہتا کہ چھوٹی سے چھوٹی خبر بھی اس کی نظر سے بچ نہ پاتی تھی۔ شادی کے پانچویں سال ہی پہلے پہلے یشفین کی نیند کم ہونا شروع ہوئی تھی‘ بڑی مشکلوں سے ٹرینکولائزر کے سہارے نیند آ بھی جاتی تو وہ چیخیں مار کر اٹھ جاتی اس صورت حال نے آہستہ آہستہ بڑھ کر ڈپریشن کی صورت اختیار کرلی تھی۔ احساس گناہ پر جب تک غفلت کا پردہ پڑا رہے تو پڑا رہے جب آگہی کا ادراک اس پردہ کو چاک کرتا ہے تو انسان تو اپنے گناہ کی سیاہی سے لتھڑا اپنا چہرہ برداشت ہی نہیں کرپاتا پھر ویسا ہوتا ہے جیسا یشفین کے ساتھ ہوا تھا۔ بہترین سے بہترین سائیکاٹرسٹ کے پاس بھی ایسی

سائیکلوتھراپی نہیں تھی‘ جس سے وہ اس کے ضمیر کی اس مار کو کم کردیتے جو ہر پل ہر لمحہ اس کا ضمیر اس کی روح و دل دماغ کو دیتا تھا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کی پہچان بے حد کم ہوگئی تھی وہ چیختی چلاتی جو چیز ہاتھ میں آتی اس کو کھینچ مارتی کئی بار اس نے خود کو زخمی کرچکی تھی‘ خودشناسی کا ایک کڑا سفر تھا جس سے وہ گزر رہی تھی‘ فیض نے کئی ملازمائیں‘ نرسز تبدیل کیں پر ہر بار ہی وہ کسی نہ کسی کو زخمی کردیتی‘ آخر کار ڈاکٹروں نے اسے مستقل پاگل خانے میں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ چھ ماہ سے وہ وہاں تھی۔ فیض ہر ہفتے وہاں چکر لگاتا‘ زیادہ تر وہ غنودگی میں ملتی یا اگر جاگتی ہوئی ہوتی بھی تو چپ چاپ گم صم خلاؤں میں دیکھتی رہ جاتی۔ فیض گھنٹوں وہاں بیٹھ کے واپس آجاتا۔ ابا اب بہت بوڑھے ہوگئے تھے‘ فیض نے کئی بار ان سے معافی مانگتے ہوئے انہیں اپنے پاس بلایا تھا پر انہوں نے شائستہ کے پاس جانے کو ترجیح دی تھی۔ پرانا محلہ‘ پرانے لوگ تو کب سے وہ چھوڑ چکا تھا۔ آج بہت دن بعد اس کے قدم ان گلیوں کی طرف بڑھ رہے تھے فلکین کے باپ کے گاؤں کا پتہ جاننے کے لیے۔ اپنی عجوئی کو ایک نظر دیکھنے کے لیے۔

❀……○……❀

اس نے آکر ماں کے ہاتھ چومے گلے لگی اور پھر بیگ اٹھا کر تیزی سے جانے لگی۔ فلکین کی وہی روزانہ والی ہدایات تھیں کسی سے فالتو بات چیت نہیں کرنی‘ لڑکیوں کو ہمیشہ نگاہیں جھکا کر اور سنجیدگی سے چلنا چاہیے‘ نامحرم مرد اور عورت کے درمیان پہلا چور دروازہ نظر کا ہوتا ہے۔ یہی نظر جھکی رہے تو راہ آسان ہے اگر جو اٹھ جائے پھر انسان انسان نہیں رہتا۔ شیطان کا ہرکارہ بن جاتا ہے۔

”افوہ بھئی فلک پتر! تھوڑی تھوڑی باتیں روز بتایا کرو یہ کیا کہ ایک ہی دن میں اس کو سب کچھ پڑھا دو گی۔ اماں رحمت‘ عجوئی کی مدد کو آگے آئیں‘ بابا غلام علی اسے تانگے تک چھوڑ کے آئے۔ گاؤں سے صرف وہی نہیں چار اور لڑکیاں بھی جاتی تھیں جن کو کوچوان قصبہ تک چھوڑتا تھا‘ جہاں ہائیر سیکنڈری اسکول تھا۔ بوڑھے کوچوان نے پیاسی نگاہوں سے دو چوٹیاں کیے‘ چادر کے ہالے میں نظریں جھکائے اس معصوم چہرے کو تکا‘ جس کا خون اس کی رگوں میں زندگی بن کر دوڑ رہا تھا۔ پر اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ جس اولاد کو اللہ اسے اعزاز کے ساتھ دے رہا تھا‘ اسے اس نے انجانے میں دھتکار دیا تھا پھر ساری عمر اولاد کے لیے ترستا ہی رہا تھا۔ کون جانتا تھا کہ شہر میں ایک شوروم کا مالک اپنی بیٹی کی ایک جھلک دیکھنے کو روز کوچوان کا روپ دھارنے پر مجبور تھا۔ باتوں باتوں میں اس نے سب بچیوں کے کوائف معلوم کیے تھے تو پتہ چلا تھا کہ عجوئی فیض محمد کے والد ایک حادثے میں وفات پاگئے تھے۔ باقی بچیاں راستے میں ہنستی بھی تھیں‘ باتیں بھی کرتی تھیں پر عجوئی اپنی ماں کے انمول موتی مٹھی میں دبائے خاموش اور نظریں جھکا کر بیٹھتی۔

”کیا ہے عجوئی‘ نہ تو تم بولتی ہو نہ ہنستی ہو نہ ادھر ادھر دیکھتی ہو؟“ ایک لڑکی نے اسے ٹہوکا مار کر کہا تھا۔

”میری اماں کہتی ہیں‘ لڑکیوں کو شوخی اور شرارت کو اپنی زندگی کا حصہ نہیں بنانا چاہیے‘ یہ کبھی خود کی تو کبھی دوسرے کی زندگی کا آزار بن جاتی ہے اور میں کچھ جانوں یا نہ جانوں یہ ضرور جانتی ہوں کہ میری اماں کی کہی ہر بات میں ان کی زندگی کا تجربہ بولتا ہے وہ جھوٹ نہیں بولتیں۔“ اس معصوم بچی کی زندگی اب ایسے ہی پھونک پھونک کر قدم رکھتے گزرنی تھی کہ اس کے ساتھ فلکین جیسی ماں تھی اس کی بیٹی بھی ٹھوکر نہیں کھائے گی بلکہ ٹھوکر کھانے سے پہلے سنبھلے گی‘ فیض محمد کے دل نے یقین دہانی کرائی اور وہ تانگے کو تیز دوڑانے لگا۔

❀

حرا قریشی

موسموں کا تشدد تو جاری رہا زندگی تھک گئی
سرد راتیں بدن جھوتنا چیتھڑا زندگی تھک گئی
آنکھوں میں اگی وحشتوں میں گھرے جسم و جاں دیکھ کر
رات چاند اور ستاروں نے بھی کہہ دیا زندگی تھک گئی!

شب نے نیلگوں بادل پہ چھائی چاندنی کو خوش آمدید کہا تھا' چاند دھیرے دھیرے سحاب کی اوٹ میں سرک رہا تھا۔ ہوا میں سرسراتی سرگوشیاں جوں کی توں تھیں۔ در ہوا کی دستک پر بج اٹھتے تھے اور اس ابہام میں ہر ذی روح چونک اٹھتا تھا کہ جیسے کوئی آ گیا ہو۔ سرما کی اس یخ بستہ شب کے پور پور میں خنکی میں دو بھوری آنکھیں کھڑکی کے پٹ پر ہاتھ ٹکائے امید کے کسی ستارے کی جستجو میں سرگرداں تھیں۔ ان آنکھوں کی تلاش میں بار بار سخت کھردری کھوں کھوں کی آوازیں ارتعاش بپا کررہی تھیں۔ یہ ایک نحیف بوڑھے کی آواز تھی جو بوڑھا نہیں تھا' ہاں وقت نے بہت پہلے ہی اسے بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچادیا تھا' جو بان کی چارپائی پر کبھی بان کو اپنی گرفت میں لیے دایاں بازو منہ پر رکھ کر زور زور سے کھانستا تو کبھی چادر جس نے اس کے کمزور جسم کو ڈھانپا ہوا تھا' کا ایک پلو منہ میں دبا کر کھوں کھوں کرتا جو اس کی اس سعی میں آدھے سے زیادہ نیچے گر جاتی۔ پھر کچھ لمحے بعد بے دم سا ہو کر بستر پر ڈھے جاتا' یہ عمل وہ وقفے وقفے سے دہراتا' ہاجرہ جو اس کی شریک سفر تھی' بار بار اس سے پانی کا پوچھتی اور وہ ہر بار ہاتھ کے اشارے سے یا گردن کو خم دے کر انکار کردیتا کہ یہ دائمی کالی کھانسی' آب کی محتاج نہیں تھی یہ تو اس بوڑھے کی زیست کو فنا کرنے کا سامان کررہی تھی۔

پانچ سالہ محسن ہاجرہ کے گھٹنے پر سر رکھے کب سے مہرباں نیند کی آغوش میں کھو چکا تھا اب ہاجرہ نے اپنی سات سالہ بیٹی گڑیا کو پکارا تھا جسے اس کا باپ پیار سے گدتو کہا کرتا۔ باہر فلک کی وسعتوں کو تکتی گڑیا نے جھٹکے سے ماں کی پکار پر منہ موڑا تھا۔

''چل میری گڑیا سوجا' پھر اسکول جانے کے لیے اٹھتے ہوئے روئے گی' منہ بسورے گی' اور پھر سوجائے گی۔'' ہاجرہ نے گڑیا کی طرح منہ بنایا اور کہا۔ وہ مسکراتے ہوئے ماں کی پائنتی میں بچھی بچھونی پر دراز ہوگئی تھی۔

''ماں بابا کو کب نیند آئے گی؟'' گڑیا نے آنکھیں مسلتے قدرے بے چینی سے پوچھا۔

''جب اس کی دوا آئے گی؟'' ہاجرہ نے فی الفور جواب دیا۔

''اس کی دوا کب آئے گی؟'' گڑیا نے فٹ سے ایک اور سوال داغا۔

''اگر کوٹھی کی مالکن کو رحم آ گیا تو جلد ہی' ورنہ ہفتہ یا دو ہفتے بھی لگ سکتے ہیں' تنخواہ ملنے میں۔'' ہاجرہ متفکر لہجے میں بولی تھی۔

''تو کیا اس وقت تک بابا نہیں سو پائے گا؟'' گڑیا نے پھر معصومیت سے پوچھا۔

''سوجائے گا' سوجائے گا۔ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔'' ہاجرہ قدرے غصے سے اب کی دفعہ بولی تھی۔

گڑیا نے ماں کا رویہ بھانپتے فوراً سے کمبل منہ تک تان لیا تھا۔ خود ہاجرہ اب ہاشم بوڑھے کے سرہانے بیٹھ گئی اور اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب نیند کی دیوی نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹا تھا اور کب اس کے مجازی خدا کو ہمیشہ کے لیے......!!

☆......☆......☆

وہ خود سہتا رہا رت جگوں کی سزا چاند کی چاہ میں
مر گیا جب تو نوکناں تھے شجر چاند خاموش تھا

گھر کا سائیں کیا گیا گھر کے درودیوار بھی دشمن لگنے لگے' وہ اپنے جو بہت اپنے ہونے کا دعویٰ کرتے تھے غیروں کی طرح منہ پھیر گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ غیر دید کرلیتے ہیں مگر یہاں تو دید اپنے گلے میں از خود پھندا ڈال کر اجل کے سفر پر رخصت ہوگئی تھی۔ بھوک مرگئی تھی تو پیاس بجھانے کا کاسہ بھی چھن گیا تھا۔ تہی داماں کو بھلا کون خیرات دیتا ہے۔ سب بد کتے ہیں اور بھلا خیرات لیتی بھی کس نے تھی؟ کبھی جرمن کہاوت کہیں پڑھی تھی کہ ''خیرات دیا کرو تاکہ تمہارے بچے بھیک نہ مانگیں' جو ہوہی خالی ہاتھ بھلا وہ کس کو خیرات بخشیں گے' نسیمہ اپنے تینوں بچوں سمیت فوراً ہاجرہ کے پاس پہنچی تھی' ہاجرہ سب سے چھوٹی' نسیمہ دوسرے نمبر پر تو تیسرے نمبر پر سب سے بڑی بہن جو دبئی میں مقیم تھی۔ خالدہ کے مسائل بہت تھے سو وہ چھوٹی بہن کی دلجوئی کرنے کو نہیں آسکتی تھی اور کسی مدِ خیرات کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ میت والا گھر تھا سو خواتین خانہ کی چہ مگوئیاں شروع تھیں' زخموں پر مرہم تو کوئی کیا رکھتا ہاں چھاتی پر مونگ دلنے والے کئی فقرے اچھالے جارہے تھے۔ ترس کے نام پر زخموں کو وقفے وقفے سے ادھیڑا جارہا تھا۔ گویا شان کوئی کی حماقت اسی مقصد کے لیے وافر مقدار میں عطا کی گئی تھی۔

میرے ہاتھ سن ہیں نگاہ پھیلی ہوئی ہے لاش کے چار سو
میرا دھیان اس کے بدن سے ہٹ ہی نہیں رہا
میرا سرا ترہی نہیں رہا ہے صلیب سے
یہ صلیب بھی کوئی نیم صاف قدیم طرز کا حوض ہے
مری سانس پانی میں گھل رہی ہے ادھر ادھر
مرا رنگ پانی میں ڈوبتا ہے ابھر ابھر......!!

میت کے پاس ہوش وخرد سے بیگانہ بے سود گھٹنوں میں سر دیے ہاجرہ بیٹھی تھی' تو اس سے کچھ فاصلے پر گڑیا ہچکیوں کے ساتھ زار وقطار رو رہی تھی' گڑیا کو اب کسی نے گدتو نہیں کہنا تھا ہاں ''یتیم'' کا لقب ضرور دے دیا گیا تھا۔ محسن کو گردونواح سے کوئی سروکار نہ تھا لیکن دودھ کی پکار جاری تھی' اس ماں سے جس کی قوت گویائی کچھ دیر کے لیے سلب ہوگئی تھی۔ نسیمہ نے پیکٹ کا دودھ منگوا کر جلدی سے چینی انڈیل کر اس کے ننھے سے منہ سے لگادیا تھا کہ لمحہ بھر کو تو وہ اپنے راگ سے باز آجائے۔ لوگ آتے رہے افسوس کرتے رہے' اپنی زبان کے دھار سے زخمی کرتے رہے۔ آخر کو تجہیز وتدفین کے بعد میت سپرد خاک کردیا گیا۔ نسیمہ کے شوہر نے جیسے تیسے سارا معاملہ نپٹایا اور عدت تک اسے اب ہاجرہ کے ساتھ رہنا تھا۔ جس پر اس کا شوہر بخوشی راضی ہوگیا تھا واپسی پر جاتے ہوئے کہہ گیا تھا۔

''میں چکر لگاتا رہوں گا' بچوں کو بھی ساتھ لے جارہا ہوں' تو بہن اور اس کے بچوں کا خیال رکھنا۔'' دن گزر

رہے تھے اور نسیمہ کی برداشت جواب دے رہی تھی کہ محسن تو حد درجے شرارتی تھا اور گڑیا کو بھی اس کی ماں نے کبھی کام پر نہ لگایا تھا۔ سارے کام ہاجرہ خود کرتی تھی اور اب......؟ یہ کیسا وقت تھا؟ کیسے دورا ہے پر وقت نے لاکھڑا کیا تھا؟ کاتب تقدیر کیا مزید رقم کرنے کا ارادہ رکھتی تھی؟ زندگی کی گاڑی تو چلائی تھی ناں...... کہ جس کا ایک پہیہ نکل گیا تھا اور کسے پتہ تھا کہ دوسرا پہیہ کہاں تک گاڑی کھینچ سکتا ہے؟ کیا کھینچنے کے قابل ہے بھی یا نہیں؟

"مجھے نہیں پتہ میں بھی لیگ پیس کھاؤں گی اور آج ہی کھاؤں گی' جہاں مرضی سے لاکر دو۔" گڑیا پاؤں پسارے زور و شور سے رو رہی تھی۔ ہاجرہ کو نسیمہ نے نیند کی گولی سر درد کے چکر میں دے دی تھی سو وہ بے سدھ سو رہی تھی۔

"کیا تیری ماں مرگئی ہے جس کے جنازے پر بیٹھی رو رہی ہے؟" نسیمہ ہاتھ میں جھاڑو لیے اس کے سر پر کھڑی کڑے تیوروں سے گھور رہی تھی۔ گڑیا کو اثر تو کیا ہونا تھا اس نے اور زور زور سے رونا شروع کردیا تھا۔ محسن لگ پیس پر ہاتھ صاف کرکے اب بڑے مزے سے وکڑی کا نشان بنا کر اسے چڑا رہا تھا۔ "جتنا چھوٹا ہے اتنا ہی تیز ہے...... جانے کیسے پوری کرتی رہی ہے ہاجرہ ان کی خواہشات......؟ گھر میں نہیں دانے تو اماں چلی بھنانے...... کوئی حال احوال نہیں اس اولاد کا۔" نسیمہ محسن کو دیکھ کر اپنا خطاب شروع کرچکی تھی۔

"ہاجرہ اے ہاجرہ اٹھ! دیکھ کیا گھمسان بنا رکھا ہے تیرے ان دو سپوتوں نے۔ کب اٹھے گی؟ مغرب کا وقت ہونے کو ہے۔" نسیمہ ہاجرہ کو اٹھانے کمرے تک گئی اور بولی تو ہاجرہ لمحہ بھر کو آنکھ کھولتی اور پھر غنودگی میں چلی جاتی۔

"لگتا ہے اسے سر کا درد زیادہ ہے۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے نسیمہ ڈیوڑھی میں موجود چھوٹے سے کچن کی جانب چلی آئی تھی۔ سورج ڈوب چکا تھا۔ پھیری والوں کی آوازیں بھی معدوم ہوچکی تھیں۔ گڑیا ہاجرہ کا سر دبانے اس کے ساتھ ہی کونے میں دبک گئی تھی۔ محسن باہر برآمدے میں بڑے مزے سے اس کی نوٹ بکس کے اوراق کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

"اب پتہ چلے گا اسے میری شکایتیں لگاتی ہے' میری چیزیں کھانے کی ضد کرتی ہے۔" گڑیا جو یک دم باہر آئی تو تحیر سے اس کا منہ کھل گیا' اپنی نوٹ بکس کا یہ حشر دیکھ کر اس نے زور زور سے رونا شروع کردیا تھا کہ محسن کو کسی نے کچھ کہنا نہیں تھا جس سے وہ ڈرتا تھا اور جس کی بات سنتا تھا وہ کب کا داغ مفارقت دیے چلا گیا تھا۔ محسن سارا دن میں ضرور ایسی کوئی حرکت کرتا کہ وہ رو پڑتی اور پھر روتی جاتی۔ اسے اب اس کام میں مزہ آنے لگا تھا۔ مزہ کیوں نہ آتا کوئی روک ٹوک جو نہ کرتا تھا۔ محلے سے جو بھی کوئی ہاجرہ کے لیے چیز بھجواتا وہ مزے سے ہڑپ کرجاتا اور تو لفٹ کا سائن دور سے ہی دکھا دیتا۔

"تیری ماں مرگئی ہے...... جو آج پھر رونے کا شغل جاری ہے۔" نسیمہ نے اسے ہر دفعہ کی طرح روتے دیکھ کر طیش سے اپنے مخصوص جملے دہرائے تھے۔ گڑیا نے مزید رونا شروع کردیا تھا اور اب گھنٹے تک یہ شغل جاری رہتا تھا۔

☆......☆......☆

پرائے پن کی وسیع و عریض دنیا میں
یہ اک خوشی ہی بہت ہے کہ درد اپنا ہے!

"کل عدت پوری ہوجائے گی بھابی کی' میں تجھے آ کر لے جاؤں گا تو اس سے یہ ضرور پوچھنا کہ یہ گھر ہاشم نے کس کے نام کیا ہے؟"

"ہاں...... ہاں پوچھ لوں گی۔ تُو خود وقت پہ آ جانا۔" نسیمہ نے فوراً رازدارانہ لہجے میں اپنے شوہر صفدر کی تشفی کروائی تھی۔ ایک پھانسی کی مدت ختم ہوئی تو دوسری شروع ہونے جا رہی تھی۔ ہاجرہ نے فائزہ خورشید بیگم کی کوٹھی پر جانے کی ٹھانی تھی پر جب وہاں وہ پہنچی تو صورت حال ہی بدلی ہوئی تھی۔ مسز خورشید نے کام والی

ملازمائیں رکھ لی تھیں۔ گویا اب اس کی یہاں ضرورت نہ تھی۔ جب سے ہاشم بیمار ہوا تھا اس نے بڑی مشکل سے ہمت پکڑی تھی اور اب تو وہ بالکل ہی اکیلا کر گیا تھا۔ بچوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا خورشید بیگم نے اسے صاف انکار کہلوا دیا تھا اور تنخواہ کے نام پر بھی آدھی رقم اس کے منہ پر دے ماری تھی جو اس نے کسی بچے کی طرح للچاتے ہوئے اٹھائی تھی اب وہ مزید نوکری کی تلاش کے لیے چل پڑی تھی۔

ایک در بند سو در کھلے اللہ نے اس کی سن لی تھی' جہاں وہ ملازمت کر رہی تھی اسی لائن کی آخری کوٹھی میں اسے ایک بچے کی نگہداشت کے لیے رکھا گیا تھا۔ یہ ڈیوٹی علی الصبح سے ظہر کے بعد تک کی تھی کہ اس کی مالکہ بھی ورکنگ وومن تھی' تنخواہ بھی پہلے سے دوگنا تھی۔ وقت کے پہیے نے حرکت میں آنا شروع کردیا تھا۔

کام کے بعد جب وہ تھکی ہاری گھر پہنچی تو دونوں بچوں کی جنگ جاری ہوتی۔ اس چھوٹے سے کمرے میں خوب جنجال پھیلا تھا۔ ساتھ والی ہمسائی جاذبہ جو اکثر اس کی خبرگیری میں پیش پیش رہتی تھی' اس کے لیے تازہ سیبوں کا جوس لے کر آئی تھی' جس پر گڑیا اور محسن دونوں ہی جھپٹ پڑے تھے' ہاجرہ بمشکل ایک گھونٹ ہی لے پائی تھی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر جاذبہ انہیں ڈانٹنے لگی تھی' جس پر ہاجرہ نے نرمی سے روکا تھا۔

"پینے دے جاذبہ انہیں' صبح سے بھوکے ہیں۔" لہجے سے ممتا کا رس ٹپک رہا تھا۔

"تمہاری دبئی والی بہن کا فون آیا تھا۔ تم سے ملاقات کی متمنی ہے اور ایک خواہش بھی رکھتی ہے۔" اچانک یاد آنے پر جاذبہ بولی تھی۔

"کیسی خواہش؟" ہاجرہ کے لہجے میں حسرت ہی حسرت تھی۔

"وہ چاہتی ہیں' کہ ان کی تو کوئی اولاد نہیں تو وہ......" جاذبہ بولتے بولتے رک گئی تھی۔

"تو کیا وہ؟" ہاجرہ نے بے صبری سے سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

"تو وہ تمہارے دونوں بچوں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔" جاذبہ نے اب فی الفور بات ختم کی تھی۔

"وہ کہتی ہے وہ اپنی اولاد کی طرح ان کو رکھیں گی۔ کبھی کسی شے کی کمی نہ ہونے دے گی۔ مستقبل سنور جائے گا ان کا۔" جاذبہ نے کچھ توقف کے بعد' پھر معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ ہاجرہ عجب الجھن میں پھنس گئی تھی۔ محسن عادت سے مجبور ماں کے گھٹنے پر سر رکھے سو گیا تھا۔ گڑیا بھی تکیے پر سر رکھے بے خبر سو چکی تھی۔ جاذبہ نے بھی اسے سوچوں میں گم دیکھ کر گھر کی راہ لی تھی۔

ہاجرہ کی مالکہ آئمہ نواز فلاحی ادارے سے منسلک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دردمند دل بھی رکھتی تھی' سو انہوں نے جلد ہی اس کے بچوں کو پھر سے اسکول داخل کروا دیا تھا اور آدھی تنخواہ بھی وقت سے پہلے اسے تھما دی تھی۔ جس پر ہاجرہ کافی حد تک مسرور و مطمئن ہوگئی تھی۔

اگلی صبح ایک نئے انداز' نئے روپ میں نمودار ہوئی تھی۔ آفتاب نے فلک پر چہار سو کرنوں کا مجمع بکھیر دیا تھا۔ پرندے غول در غول فضاء میں محو پرواز تھے۔ گڑیا اور محسن سلوٹوں سے پر یونیفارم پہنے چائے پراٹھے کو جلدی جلدی ختم کرنے میں مگن تھے۔ ہاجرہ نے انہیں اسکول چھوڑ کر آئمہ نواز کے عالی شان بنگلے کی راہ لینی تھی۔ آئمہ کا کاشان حد درجے ہاجرہ بی سے مانوس ہوگیا تھا۔ آئمہ جب گھر آتی تو وہ سو چکا ہوتا بس پھر وہ شام میں اسے بہلاتی' کھانا کھلاتی اور پھر وہ نیند کی گہری وادی میں کھو جاتا۔ گڑیا اور محسن نے اپنی روش نہیں بدلی تھی۔ ہمیشہ محسن چھیڑ خانی کرتا اور دونوں پھر تیتر' بٹیر کی طرح لڑ پڑتے یا پھر گڑیا ضد پر آ جاتی پھر محسن تو مار کھائے یا ڈانٹ ہنستا رہتا' جبکہ گڑیا بیچاری گھنٹہ بھر روتی رہتی' کوئی چپ کرواتا بھی تو وہ اور زور زور سے رونا شروع کردیتی۔ وقت کی گاڑی اپنی رفتار لمحہ بہ لمحہ بڑھا رہی تھی۔ آج آئمہ نواز نے اپنی کسی عزیز دوست کے ہاں جانا تھا کہ وہ خود

ہی آ گئی۔ آئمہ گھر پر ہی تھی۔ ہاجرہ حسب معمول کاشان کو ناشتے کے بعد کپڑے بدلوا رہی تھی اور ساتھ ساتھ گدگدی کرنے کا بھی فعل جاری تھا۔ وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

"تمہاری یہ خادمہ نئی ہے؟ لگتا ہے اس نے تو اچھا خاصا کاشان کو اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے۔ اسے تو فکر ہی نہیں کہ ماں بھی یہاں ہے ورنہ بچے تو ماں کا دامن ہی نہیں چھوڑتے۔ تمہارا گھر پر ہونا یا نہ ہونا اس کے لیے صفر ہے۔" مسز رؤف خاصی تشویش سے بولیں۔

"ایسی بات نہیں ہے ہاجرہ تو بس ماں کی طرح اس کا خیال رکھتی ہے۔" آئمہ کے لہجے میں ازلی بے پروائی تھی۔

"بس ماں کی طرح ہی خیال رکھے ماں نہ بن جائے اس کی خیال کرنا ذرا ان مڈل کلاس لوگوں کا کچھ پتہ نہیں کبھی بھی کچھ بھی کر سکتے ہیں دولت میں بہت چمک ہوتی ہے بی بی تم جانے کس دنیا کی مکین ہو؟" آئمہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں چپ کی چپ کھڑی رہ گئی تھی۔ ہاجرہ کو اس کی دوست کے خیالات جان کر دلی افسوس ہوا تھا۔ ڈیوٹی سے واپسی پر وہ اتنا تھک جاتی تھی کہ گھر جا کر جسم کی ہر چیز جواب دینے لگتی تھی۔ شام کا کھانا اکثر ہی آئمہ اس کے بارہا انکار کے باوجود اس کو دے کر ہی بھیجتی تھی جس کو کھا کر محسن اور گڑیا بہت خوش ہوتے تھے لیکن چھٹی والے دن اس کی کمی بھی شدت سے محسوس کرتے تھے کیونکہ اس کی کسی دن چھٹی نہیں ہوتی تھی۔

وقت شب ضیافت برقی قمقموں سے سجا "نواز ولا" آج الگ ہی اپنی چھب دکھلا رہا تھا۔ زرق برق لباسوں میں مزین لوگ کہیں خوش گپیوں میں مصروف تھے تو کہیں ادھر ادھر گھومتے گرد و نواح میں ہوئی سجاوٹ کو دیکھتے اپنی نظروں کو خیرہ کر رہے تھے آئمہ نواز کی آرائش و سجاوٹ کی حس کو سراہ رہے تھے۔ ننھا کاشان جو آج اپنی سالگرہ کے خصوصی موقع پر چھ سال کا ہو گیا تھا۔ شیروانی تنگ پاجامہ اور سفید و سنہری رنگ کے چمکتے دمکتے کھسے پہنے شہزادوں کی سی آن بان لیے صرف اپنی انی بوا یعنی ہاجرہ کا منتظر تھا۔ جسے اس ضیافت میں خصوصی طور پر آنے سے منع کر دیا تھا آئمہ نواز نے کسی بھی ہونے والی انہونی خدشے کے پیش نظر اسے راستے سے ہٹا دیا تھا کہ اس کے کاشان کی تمام تر توجہ کا مرکز بس اس کی ذات رہے وہ ایسا کرتے ہوئے بہت کچھ بھول گئی تھی۔ وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ جذبہ انسیت قلبی خانوں میں نمو پاتا ہے جس سے صرف اور صرف محبت کی آبیاری پروان چڑھتی ہے۔ جس کی جڑیں عمیق زیر زمیں دب جاتی ہیں اسے روپے پیسے کی چمک سے ماند نہیں کیا جاسکتا یہ جذبہ بس محبت کے بدلے محبت طلب کرتا ہے اور وہ نادانستہ طور پر اس سے تغافل برت چکی تھی۔

"مما...... انی بوا کہاں ہے میں ان کے ساتھ کیک کاٹوں گا وہ آئی نہیں انہوں نے تو کہا تھا وہ محسن سے بھی مجھے ملوائیں گی۔ ان کو بلائیں کہیں سے بھی حاضر کریں۔" آخری لفظ کہتے وہ روہانسا ہو گیا تھا دو آنسوؤں نے ٹپک کر رخساروں پر اپنی علامت ثبت کر دی تھی۔ مہمانان خانہ ماں بیٹے کی گفتگو سے بور ہونے لگے تھے۔

"ارے آئمہ! اب کٹوا بھی دو ناں کیک کیا بچے کی ضد پہ چپ چاپ کھڑی ہو۔" مسز احمد جھٹکے سے اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

آئمہ نے شکوہ کناں نظروں سے اپنے گرد اژدھام پر نظر ڈالی تھی اور اسی اثناء میں کاشان نے روتے ہوئے ہجوم کو چیرتے اپنے کمرے کی جانب دوڑ لگائی تھی۔ بڑھتی ہوئی تیرگی نے اس کے شکوک و شبہات کو یقین کی شکل دے ڈالی تھی۔

"میں کیک نہیں کاٹوں گا جب تک انی بوا میری انی بوا نہیں آئیں گی۔" سسکیاں کیک کاٹ لیتی ہیں۔

حسرتیں قہقہے جلاتی ہیں
آہٹیں تالیاں بجاتی ہیں
خود کو اپنے گلے لگاتا ہوں

اس طرح برتھ ڈے مناتا ہوں......!!

اگلے دن چڑھتا گرم ترین سورج اپنی چندھیا دینے والی کرنیں پھیلاتا کاشان پر بھی اپنے اثرات ڈال گیا تھا۔ تمازت سے پر کاشان کی پیشانی پر یخ بستہ پٹیاں رکھتی آئمہ نواز پر بھی سوچ اور فہم و ادراک کے کئی در وا کر گیا تھا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ جانے دکھ کیسا تھا یوں لگتا تھا سارے کا سارا خون رگوں میں ایک ہی جگہ سمٹ آیا ہو نوکری چلی گئی؟ تنخواہ نہیں دی گئی......؟ فائزہ خورشید اور آئمہ نواز میں کیا فرق تھا؟ کیا امید کا پرندہ اب شاخ کے خاک نشین ہونے کے انتظار میں تھا......؟ اپنی سوچ بچار کے ہنگھوڑے میں ادھر سے ادھر جھولتے ہاجرہ بی بی ایک سائیکل سے جا ٹکرائی تھی۔

"بڑھیا اندھی ہے کیا؟ دکھتا نہیں ہے زیادہ مرنے کا شوق ہے تو کسی ٹرک کے آنے کا انتظار کر۔" سائیکل والا قدرے غصے میں چلایا تو ہاجرہ کے ہواس بحال ہوئے تھے اور اس نے بنا کچھ کہے پھر سے ناک کی سیدھ میں چلنا شروع کر دیا تھا۔ ٹریفک کا اژدھام بڑھ رہا ہے۔ کہیں شادیانے بج رہے ہیں؟ کہیں نونہال کرکٹ کا میدان بنائے روڈ پر وکٹیں لگائے شاہد آفریدی کی تان لگا رہے ہیں؟ کبھی کوئی چھکا تو کوئی چوکا پکار رہا ہے۔ آفتاب آگ کا گولہ بنے کب سے غروب ہونے کی چاہ میں ہے؟ اسے کسی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ گرد و نواح کی کوئی خبر نہ تھی۔ راستہ اگرچہ چھوٹا تھا پر جانے کیسے لمبا ہو گیا تھا گھر کے مکین تو جیسے آنے والی کے منتظر ہی تھے اور وہ تھے ہی کتنے...... بس دو اور اس کو ملا کر تین ہو جاتے پھر تکون مکمل ہو جاتی محسن استاد صاحب بنا دیواروں کو پڑھا رہا تھا۔ ماں کو دیکھ کر یک دم اچھلا گڑیا نے جھٹ سے دھلے کپڑے ایک طرف کیے اور ماں کی طرف بڑھی۔

"اماں اب کی دفعہ مجھے وائٹ بورڈ دلانا میں اس پر لکھوں گا اور ڈھیر سارا پڑھ کر تجھے ڈھیر سارے پیسے لا کر دیا کروں گا۔" محسن اپنی ہی دھن میں بولے جا رہا تھا۔ گڑیا نے اس کی طرف پانی کا گلاس بڑھایا تھا۔ ہاجرہ چارپائی کی پائنتی پر ہی ٹک گئی تھی۔ اس نے اپنی گرد سے اٹی پلکوں کو دھیرے دھیرے حرکت دے کر اوپر اٹھایا تھا گویا صدیوں کا سفر ایک دن میں طے کر کے آئی ہو۔

"اماں آج میں نے تیرے لیے پھلکے بنائے ہیں خود کھائے گی لے کر آؤں؟" گڑیا نے تھکی ماندی ماں کی جانب دیکھ کر بڑی چاہ سے پوچھا تھا۔ ہاجرہ کچھ کہے سنے بغیر اندر جا کر لیٹ گئی تھی۔ محسن جو روز گھٹنے پر سویا کرتا تھا آج ماں کی پائنتوں میں ہی لیٹ گیا تھا۔ گڑیا بھی ماں کا سر دباتے دباتے نیند کی وادی میں چلی گئی تھی۔ شب بھر بادل گرجتے رہے بجلیاں چمکتی رہیں جا بجا کتوں کے بھونکنے کی آواز آتی رہی لیکن دونوں بچوں نے ڈر کے مارے آنکھ نہ کھولی۔

ایک کہرام بپا تھا پھر سے اسی گھر محلے کا ہر فرد جمع تھا۔ نفسانفسی کے اس دور میں قاتل عیش و عشرت کے مزے لوٹ رہے تھے اور مظلوم اجل کے آگے شکست کا دامن تھامے بے یار و مددگار تھے۔ محسن دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا تو گڑیا کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوتی تھی۔ وہ بالکل ساکت تھی۔

نسیمہ حواس باختگی میں سامان تھامے اندر آئی تھی۔

"آج محسن رو رہا ہے گڑیا چپ ہے یہ بولتی کیوں نہیں بتاؤ مجھے جاذبہ بتاؤ......" وہ ہذیانی کیفیت میں چلائی تھی۔

"اس کی ماں مر گئی ہے؟"

بقول جبران......! آہ! مجھے کیا معلوم تھا کہ موت اس قدر حامل رازہائے سربستہ ہے اسی سبب مفقود سکون ہے اور اسی وجہ انقلاب!"

قسط نمبر 3

سلمیٰ فہیم گل

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ارقام ڈھکے چھپے الفاظ میں ظعینہ سے اپنی محبت کا اظہار کردیتا ہے زروہ تاباں سے تورع کے رویے کے حوالے سے بات کرتی ہے جس پر تاباں اسے سمجھاتی ہے کہ وہ پچھلی باتیں بھول کر تورع کے ساتھ ازسرنو گھر بسالے۔ارقام آغا مینا کو جاب کرنے سے منع کردیتا ہے وہ چاہتا ہے کہ آغا مینا اس کے آفس میں جاب کرے لیکن آغا مینا کچھ وقت مانگ کر جاب تلاش کرنے لگتی ہے بالآخر اسے ایک کمپنی میں جاب مل جاتی ہے۔ ہاشم بیگ آغا مینا کو دیکھ کر ماضی میں پہنچ جاتے ہیں اور انٹرویو کے دوران ہاشم بیگ آغا مینا سے اس کے والدین کے حوالے سے پوچھتے ہیں جس پر آغا مینا ٹال جاتی ہے۔ ہاشم بیگ ظعینہ کے بڑے ماموں تھے تاباں کی شادی پر ہاشم بیگ کی ملاقات ظعینہ سے ہوتی ہے۔ ہاشم بیگ اپنے بیٹے زاویار کی شادی ظعینہ سے کرنا چاہتے ہیں اور ہاشم بیگ کی خواہش پر ہی زاویار نے ظعینہ کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا تورع ہمیشہ ہی زروہ کو نظر انداز کرتا ہے لیکن وہ ہر مقام پر اس کے سامنے آجاتی ہے۔ تاباں کی مہندی کا ڈریس لینے کے لیے ظعینہ مارکیٹ جاتی ہے وہاں اس کی ملاقات ارقام سے ہوجاتی ہے ارقام ڈریس لینے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ آغا مینا گھر کی کچھ خریداری کرنے مارکیٹ آتی ہے واپسی پر غلطی سے ایک گاڑی پر نشان آجاتا ہے کار کا مالک آغا مینا سے الجھ جاتا ہے زاویار بیچ میں آکر معاملہ رفع دفع کرادیتا ہے۔ یونیورسٹی میں آغا مینا ظعینہ کے والد کا نام پڑھ کر چونک جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

O......OO......O

"ارے زاویار، تو کب آیا؟" آغا مینا کے ایک دم خاموش ہوجانے پر ارقام نے کسی قدر حیرت سے پلٹ کر دیکھا اور زاویار کو کھڑے دیکھ کر خوش گواری سے اس کی جانب بڑھا۔

"بس ابھی ابھی۔ جب تم لوگ اپنی باتوں میں مصروف تھے۔" آغا مینا کی جانب دیکھتے ہوئے طنزیہ گویا ہوا۔

ارقام سمجھ پایا تھا یا نہیں لیکن جسے سنایا گیا تھا وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی تبھی نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"آپ کہاں جارہی ہیں محترمہ؟" ارقام نے فوراً اسے روکا آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ بھی کیا تھا جو زاویار کی نظروں سے اوجھل قطعی نہیں تھا۔ آغا مینا فوراً سمجھ گئی تھی۔

"وہ میں انکل کے پاس جارہی تھی۔ سوچا ان سے بھی مل آؤں۔"

"وہ گھر پر نہیں ہیں۔ ان سے تم بعد میں مل لینا۔ فی الحال میں اور زاویار باہر بیٹھے ہیں۔ ہمارے لیے کولڈ ڈرنک وغیرہ بھجوادینا اور ہاں کیک کا بہت خیال رکھنا ورنہ......!" نظروں ہی نظروں میں دھمکی دی تھی۔

"جی...... جی کیوں نہیں بہت اچھی طرح۔" وہ بھی آغا مینا ہی تھی۔

زاویار ان کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پہلے ہی باہر نکل چکا تھا۔ اس کا موڈ جانے کیوں ایک دم سے آف ہوگیا تھا۔

"بہت جلدی نہیں آ گئیں مس آغامینا احمد۔" ارقام کے سامنے چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے سرسری انداز میں کہا تھا۔ ارقام ایک پل کو چپ ہوا تھا۔

"ہاں وہ ایکچوئلی یہ کیک، بہت اچھا بیک کرتی ہے۔ ایک دفعہ میں نے اس کے ہاتھ کا بیک کیا ہوا کیک کھایا تھا۔ مجھے بہت اچھا لگا تو میں نے سوچا کیوں نا آج اس سے کیک بیک کرالیا جائے بس اسی لیے میں یونیورسٹی سے اسے یہاں لے آیا اور پھر پاپا سے بھی ملنا تھا۔" ارقام نے اس کے یہاں ہونے کی خاصی لمبی چوڑی وضاحت کی تھی جو زادیار بالکل سمجھ نہیں پایا تھا البتہ آخری جملے پر وہ ضرور چونکا تھا۔

"انکل سے...... کیوں؟"

"کچھ کام ہوگا یار۔ بائی دا وے تو بہت دلچسپی لے رہا ہے مس آغامینا احمد میں۔ خیر تو ہے ناں؟" کسی قدر مشکوک سے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ زادیار کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں۔

"شٹ اپ ارقام۔ اسے یہاں اچانک دیکھ کر حیرت ہوئی اس لیے پوچھ لیا۔"

"حیرت کیوں بھئی، میری دوست ہے وہ۔"

"میں نے کب کہا کہ وہ تیری دوست نہیں ہے اور حیرت اس لیے ہوئی کیونکہ پہلے کسی لیڈی کو یوں تیرے گھر میں بے تکلفی سے کام کرتے دیکھا نہیں تھا۔"

"اوئے...... تو لفظوں کو چبا کیوں رہا ہے۔" اس نے بھنویں اچکائی تھیں۔

"تیرے شک کی تردید کر رہا ہوں۔" مسکراہٹ دباتے ہوئے زادیار نے ریلیکس سے انداز میں چیئر کی بیک سے پشت ٹکائی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تو کبھی کسی لڑکی کو میرے سامنے لاکر اپنے منہ سے بھی تھوپنے لگا کہ یہ تیری گرل فرینڈ ہے تو بھی میں کبھی نہ مانوں۔" اس کے انداز پر زادیار قہقہہ لگا کر ہنسا تھا یکلخت اس کے قہقہے کو بریک لگا تھا وہ چونک کر سیدھا ہوا تھا۔ "دم تیکسی میں کوئی رہ رہا ہے کیا؟" اسے وہاں کسی خاتون کی جھلک دکھائی دی تھی تبھی حیرت سے پوچھا۔

"ہاں وہ پاپا کی کوئی عزیز ہیں وہ کچھ دنوں کے لیے یہاں شفٹ ہوئی ہیں۔" اس کے یوں اچانک سے پوچھ لینے پر وہ ایک دم گڑبڑا سا گیا اور بروقت بات سنبھال لینے پر دل ہی دل میں خود کو شاباشی دی تھی۔ جبکہ زادیار محض سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

"السلام علیکم۔" دونوں یکلخت چونکے پلٹ کر دیکھا۔ ظعینہ کے خوب صورت مسکراتے چہرے کو دیکھ کر ارقام کی آنکھوں میں چمک اور شوخی در آئی تھی۔ جبکہ زادیار اسے یہاں دیکھ کر بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم......؟"

"زادیار...... آپ یہاں......!" دونوں نے ہی حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا اب کہ چونکنے کی باری ارقام کی تھی۔

"تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو۔" اگر کسی اور بندے کے سامنے یہ سوال کیا جاتا تو خاصی بے وقوفانہ سی حرکت لگتی۔ ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے ایک دوسرے کو جاننا خاصا عجیب سا لگتا تھا مگر ایسا تھا۔

"ہاں یہ ظعینہ ہے۔ میری کزن سگی پھوپو زاد۔" ارقام کے ارد گرد جیسے دھماکہ سا ہوا تھا۔

"واٹ یہ وہ ہے جو...... او گاڈ۔" ارقام ایک دم جیسے سناٹے میں آ گیا تھا دل ڈوب کر ابھرا تھا وہ حیرت اور بے یقینی کی تفسیر بنا ظعینہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو اس کی کیفیت سے انجان حیرت سے اس کے ردعمل کو دیکھ رہی تھی اور ارقام اسے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین و آسمان گھوم رہے ہوں۔ ہر چیز تہس نہس ہو رہی ہو وہ بالکل خاموش حیران حیران سا کھڑا تھا قوت گویائی ایک دم سلب ہوئی تھی۔ آج اسے لگا تھا کہ اگر آگہی تکلیف دہ ہوتی ہے تو بے خبری اس سے بھی زیادہ تکلیف دیتی ہے اور آج وہ اپنی ہی بے خبری میں مارا گیا تھا۔

"ارے آغامینا تم کب آئیں۔" اس وقت آغامینا چلی آئی تھی۔

"بس ابھی ہی تم کب آئیں۔"

"میں ارقام بھائی کے ساتھ...... کیا ہوا ارقام بھائی آپ ٹھیک ہیں۔" بات کرتے کرتے اچانک اس کی نظر ارقام کے فق سے چہرے پر پڑی تو وہ بری طرح چونکی۔ اس کی بات پر ان دونوں نے بھی چونک کر ارقام کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ارقام تم ٹھیک تو ہو؟" زادیار پریشانی سے اس کی جانب بڑھا۔ ظعینہ چاہنے کے باوجود آگے نہ بڑھ پائی تھی۔

"آں ہاں نہیں کچھ نہیں میں ٹھیک ہوں تم لوگ بیٹھوں نا۔" پھیکے سے انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

"آر یو شیور۔" زادیار نے جانچتے ہوئے دیکھا۔

"ہاں یار میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ اسے یقین دلانے والے انداز میں بولا معنوعی بشاشت لانے کی کوشش کی جس میں اگر کامیاب نہیں تو ناکام بھی نہیں رہا تھا۔

آغامینا اور ظعینہ آپس میں باتیں کرنے لگی تھیں جبکہ زادیار ارقام کے ساتھ تھا۔ ارقام اس کی باتوں پر محض ہوں ہاں کر رہا تھا یا پھر محض سر ہلا دیتا تھا اس کے یوں اچانک سے گم صم ہو جانے پر کوئی اور چونکا تھا یا نہیں البتہ آغامینا ضرور چونکی تھی۔ ظعینہ کی موجودگی میں ارقام کا یوں سنجیدہ ہو جانا یا یوں ایک دم سے چپ ہو جانا آغامینا کے لیے خاصی حیرت کا سبب تھا مگر ابھی پوچھنا مناسب نہیں لگا تھا اس لیے دانستہ ظعینہ کی جانب متوجہ ہوگئی۔

O......OO......O

"ظعینہ تمہارے فادر کا نام حسن احمد بخاری ہے کیا؟" آغامینا ظعینہ کی ڈائری کھولے بیٹھی تھی اس سے کچھ لیکچرز مس ہو گئے تھے جن کی اسے اشد ضرورت تھی خوش قسمتی سے ظعینہ نے وہ لیکچرز نوٹ کر لیے تھے جو کہ خاصی حیرت انگیز بات تھی مگر تھی باعث فرحت۔ آغامینا لیکچرز نوٹ کرنے کی غرض سے ڈائری کھول رہی تھی تبھی سرورق پر اس کی سرسری نظر گئی تھی وہ اسے اگنور نہیں کر پائی تھی چونک کر دوبارہ وہی صفحہ الٹا تھا جس پر خوش خط انداز میں "ظعینہ حسن احمد بخاری لکھا تھا۔" وہ کتنے ہی پل ساکت سی اس نام کو دیکھتی رہی تھی دل ہی دل میں اس کا نام کو دہراتی رہی تھی یقین کرنا دشوار لگ رہا تھا۔

بے یقینی سی بے یقینی تھی بالکل غیر ارادی طور پر جیسے کھوئے کھوئے سے انداز میں اس نے ظعینہ سے استفسار کیا تھا شاید اپنے یقین پر مہر ثبت کرنا مقصود تھا۔ اس کے انداز پر ظعینہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا اور کسی قدر حیرت سے مسکرائی تھی۔

"ہاں میرے پاپا کا نام حسن احمد بخاری، کیوں تم نہیں جانتی کیا؟" اسے حقیقتاً حیرت ہوئی تھی۔

"اور تمہارے گرینڈ فادر۔" اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے سرسری سے انداز میں پوچھا تھا۔

"محمد احمد بخاری۔"

"تم لوگ کتنے بہن بھائی ہو ظعینہ؟" انداز ابھی بھی سرسری تھا۔ ظعینہ چونکی۔

"کیا ہوا آغامینا کیا تم نہیں جانتی ہو کہ ہم دو ہی بہن بھائی ہیں۔ ایک میں اور ایک میرے بھائی تورع حسن بخاری۔" اس کے انداز میں بے پناہ حیرت تھی ایک سال سے زیادہ ہو گیا تھا انہیں ساتھ پڑھتے ہوئے اور وہ اب یہ سب پوچھ رہی تھی۔

"تورع حسن بخاری۔" وہ آہستگی سے بڑبڑائی۔ اس کے یقین پر مہر ثبت ہو چکی تھی۔ اس کا دل یکلخت بے چین سا ہوا وہ بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی ظعینہ بھی حیرت لیے اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا آغامینا...... کچھ تو بتاؤ۔" اس کی خاموشی پر ظعینہ نے دوبارہ اسے پکارا تو وہ ایک دم چونکی۔

"نہیں...... کچھ نہیں۔" اس نے فوراً سر جھٹکا۔ اور بہت پیار سے اپنے سامنے کھڑی ظعینہ کو دیکھا تھا چند پل پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہنے کے بعد جانے اسے کیا ہوا کہ بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی تھی۔ دوسری جانب

ظعینہ اس کی اس درجہ گرم جوشی پر گھبرا سی گئی تھی۔

"کیا بات ہے یار بڑی عجیب حرکت کررہی ہو۔ تم ٹھیک تو ہوناں؟"

"ہاں...... میں بالکل ٹھیک ہوں......!" آنکھوں کے گوشے بھی بھیگ گئے تھے چہرہ دوسری جانب کرتے ہوئے اس نے فوراً اپنی آنکھیں صاف کی تھیں۔

"کیا بات ہے بھئی، آج بہت پیار آرہا ہے مجھ پر۔" ظعینہ ایک دم شریر ہوئی۔

"ہاں بہت زیادہ دل چاہ رہا ہے تمہیں اپنے دل میں چھپالوں۔" پیار بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے بلاتوقف اقرار کیا۔

"ہاں تو...... رکھ لوناں میں نے منع تھوڑا ہی کیا ہے۔"

"وہ تو میں نے رکھ لیا ہے اپنے دل میں چھپا کے سب کی نظروں سے۔" وہ زیر لب مسکرائی جبکہ نگاہیں مسلسل اس کے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔

"ہیں...... ہیں کیا بات ہے بھئی سڑک چھاپ عاشق لگ رہی ہو، خیر تو ہے ناں عجب بہکی بہکی حرکتیں کررہی ہو۔" بغور اس کی جانب دیکھتے ہوئے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"پتا نہیں کیا ہوا ہے؟ بس اچانک ایک عجیب سا احساس ملا ہے۔ عجب سرشاری کا احساس ہورہا ہے بے پناہ خوشی محسوس ہورہی ہے۔ قہقہے لگانے کا دل کررہا ہے، بے تحاشہ ہنسنے کو دل کررہا ہے دل چاہ رہا ہے چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتاؤں کہ...... کہ آج میں کتنی خوش ہوں۔"

"آہستہ محترمہ آہستہ یہ لائبریری ہے یہاں ان سب حرکتوں کی سختی سے ممانعت ہے بائی دا وے ایسا کیا انوکھا احساس ملا ہے جس نے آپ جیسی معصوم اور سوبر سی موصوفہ کو یوں پاگل کردیا ہے۔"

"ہے کوئی احساس اچانک آگہی ہوئی ہے کہ...... خیر چھوڑو یہ پھر کبھی ڈسکس کریں گے جب تمہیں بھی ایسا ہی احساس ملے گا تم بتاؤ تمہارے گھر میں کون کون رہتا ہے۔" اس نے دانستہ بات ٹالی تھی۔ ظعینہ چونکی ضرور مگر اسرار کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

"میں ہوں، پاپا ہیں اور اخ۔"

"تمہارے پاپا کیا کرتے ہیں۔" آج تو جیسے وہ سب کچھ جاننے کے موڈ میں تھی۔

"کچھ نہیں اینچویلی میرے پاپا ایک بزنس مین تھے کچھ سال قبل ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا جس کے باعث وہ پیرالائز ہوگئے۔ ان کے بعد اب اخ ان کا بزنس سنبھال رہے ہیں مطلب اب سب کچھ اخ دیکھتے ہیں۔" کچھ پل کے لیے آغامینا خاموش سی ہوگئی تھی۔

"اور...... اور تمہاری مدر وہ کیسی ہیں مطلب......؟"

"میری مدر نہیں ہیں۔" اس کی بات پر آغامینا کو جھٹکا سا لگا تھا۔ دوسرے ہی لمحے پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آکر معدوم ہوگئی تھی۔

"کیا بات ہے آج تمہیں کیسے خیال آگیا میرے بارے میں جاننے کا۔"

"بس یوں ہی...... اچانک تمہارے فادر کا نام پڑھا تو پوچھ بیٹھی۔"

"چلو خیر جو بھی ہے پڑھائی کے علاوہ تمہیں کچھ اور خیال تو آیا۔ تم بتاؤ تمہارے گھر میں کون کون ہے۔"

"میرے گھر میں...... میرے گھر میں...... میں ہوں اور میری امی۔"

"اور تمہارے فادر۔" فادر کے ذکر پر وہ چند لمحے خاموش رہی تھی۔

"میرے فادر ہمارے ساتھ نہیں رہتے۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے آہستگی سے بتایا۔

"اوہ ایم سوری۔"

"تو...... نو اٹس اوکے۔" اس نے فوراً ٹوکا۔

"ویسے کب سے وہ تم لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں؟" ظعینہ نے پوچھا۔

"جب سے میں پیدا ہوئی ہوں تب سے۔"

"واٹ لیکن تم نے تو......!" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی آغامینا کا فون بجنے لگا اس سے ایکسکیوز کرتی

فوراً متوجہ ہوئی اور اس سے پہلے کہ لائبریرین خشمگین نظروں سے گھورتیں اس نے فوراً بٹن پش کردیا تھا۔

"جی انکل میں اس وقت لائبریری میں ہوں۔"

"اوگاڈ...... جی...... جی میں بس ابھی آتی ہوں۔"

"کیا ہوا آغامینا...... خیریت......؟" اس کے یوں پریشانی سے اٹھ کھڑے ہونے پر ظعینہ نے بھی اٹھتے ہوئے استفسار کیا اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"میری امی اسپتال میں ہیں۔ ان کا بی پی شوٹ کرگیا ہے۔ مجھے ابھی اسپتال جانا ہوگا۔"

"میں بھی چلوں آغامینا۔" وہ آغامینا کیے بارے میں نہیں جانتی تھی کیونکہ آغامینا نے کبھی اپنے بارے میں کچھ بتایا نہیں تھا وہ کبھی پرسنل ڈسکشن نہیں کرتی تھی۔ حالانکہ ایک سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا تھا انہیں ساتھ رہتے ہوئے آج جب اس نے خود اس کے متعلق پوچھا تو وہ بھی پوچھ بیٹھی تھی۔ ابھی بھی اس نے جھجکتے ہوئے ساتھ چلنے کو کہا تھا جواباً آغامینا چند پل بغور اس کی جانب دیکھتی رہی تھی۔

"ہاں...... کیوں نہیں ضرور آؤ۔"

"اب شاید یہ مناسب ہے۔ چھپانا اب ٹھیک نہیں ہوگا آگہی کا در وا کرنے کا وقت آگیا ہے۔" دل ہی دل میں خود سے کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی تھی ظعینہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

"اوفو......"

"کیا ہوا؟" آغامینا نے بھی پوچھا۔

"گاڑی کا ٹائر پنکچر ہے، اب اسپتال کیسے جائیں گے۔"

"کوئی بات نہیں ہم ٹیکسی سے چلتے ہیں۔"

"ٹیکسی سے اسے اچانک کچھ عرصہ قبل والا واقعہ یاد آیا تھا اس نے برا سا منہ بنایا اور بنا اسے کوئی جواب دیے ارد گرد دیکھتے ہوئے اس کے پیچھے چلنے لگی، ٹیکسی سے کوئی بہتر آپشن کی تلاش میں تبھی اسے اپنی گاڑی کی جانب بڑھتا ہوا زاویار دکھائی دیا تھا گو کہ موجودہ تعلقات میں اس کی پیش قدمی کوئی بھی اثر کرسکتی تھی مگر اس وقت یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا ٹیکسی تلاش کرنے میں جتنا وقت لگتا اتنے میں وہ اس سے بات کرکے اسپتال بھی پہنچ جائیں گی اسی خیال کے تحت وہ زاویار کی جانب بڑھی تھی۔ جبکہ آغامینا نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ایکسکیوزمی زاویار۔" دروازہ کھولتے ہوئے وہ چونک کر مڑا تھا۔

"کیا ہوا ظعینہ...... خیریت؟"

"کیا آپ ہمیں آئی مین مجھے اور آغامینا کو اسپتال ڈراپ کردیں گے۔ اینچویلی آغامینا کی مدر اسپتال میں ایڈمٹ ہیں میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہوگیا ہے اگر آپ ہمیں ڈراپ کردیں تو......"

"اوکے آجاؤ۔" ایک نظر دور کھڑی آغامینا کو دیکھا اور آہستگی سے مثبت جواب دے کر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ ظعینہ نے وہیں سے آغامینا کو آنے کا اشارہ کیا تھا۔

محبت

محبت روح سے ہوتی ہوئی پاکیزگی اور تقدس کی جانب سفر کرتی ہے اور آخرکار عبادت کا درجہ پاتی ہے اگر صرف جسم سے ہی محبت کرنا مقصود ہوتا تو خداوند کریم کسی بھی انسان کو بدصورت نہ بناتا ہر صورت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت سے تراشا ہے صورت کو دیکھ کر محبت کرنے والے اس روح سے جنگ کرنے کے مترادف عمل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھی۔ محبت کا بھرم تقدس اور پاکیزگی اسی صورت برقرار رہ سکتی ہے جب جسمانی محبت کے بجائے روح سے محبت کی جائے تاکہ عبادت کا درجہ اس محبت کو مل جائے ایسی محبت کرتے ہوئے انسان ختم ہوجائے مرجائے اور خداوند کریم بھی اس محبت پر نازاں ہو جو اس نے انسانی جسم میں پھونکی ہے یا جس محبت سے انسان کو تراشا ہے بنایا ہے اگر انسان ایسی محبت کرے اور فانی اللہ ہوجائے تو وہ شہید کا درجہ پالیتا ہے۔ یہ ہے محبت۔

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ مانسہرہ

وہ نا چاہتے ہوئے بھی آگے بڑھ آئی تھی اس وقت وہ مجبور تھی ورنہ وہ کبھی اس کی مدد نہ لیتی۔ زاویار نے دو تین بار مرر میں آغا مینا کی جانب دیکھا تھا وہ از حد پریشان لگ رہی تھی پریشانی سے ہونٹ کاٹ رہی تھی رنگ فق ہو رہا تھا۔ ایک پل کو اس کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہری گئی تھیں دوسرے ہی پل سر جھٹکتے ہوئے نظریں روڈ پر مرکوز کرلی تھیں۔ اسپتال ڈراپ کرنے کے بعد وہ کچھ دیر یونہی گاڑی میں بیٹھا رہ...... یہ کسی کی پریشانی کا اثر تھا یا پھر انسانیت کے ناتے وہ کچھ سوچ کر گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔

''امی کیسی ہیں انکل۔'' کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے مہران سکندر سے استفسار کیا جو اسے دیکھتے ہی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''فی الحال تو کچھ خاص نہیں کہہ سکتے۔ ابھی بے ہوش ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ٹھیک ہوجائیں گی۔ ڈونٹ وری۔'' اندر داخل ہوتے ہی ظعینہ بری طرح چونکی تھی۔ بیڈ پر دراز وجود میں کچھ خاص کشش محسوس ہوئی کچھ ایسا ضرور تھا جو اسے چونکا گیا تھا کمرے میں موجود افراد سے بھی بے نیاز کر گیا تھا چند پل بغور انہیں دیکھتی رہی تھی، اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے انہیں کہیں دیکھا تھا، کہاں بیا سے یاد نہیں تھا۔

مہران سکندر نے ظعینہ کو بہت حیرت سے دیکھا تھا شاید کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے ان کی نظروں کی تپش ہی تھی کہ ظعینہ فوراً ان کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ اس کے تاثرات بھی ان سے کچھ مختلف نہ تھے۔

''شاید ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں...... رائٹ؟''

ان کی بات پر اچانک ظعینہ دماغ میں جھماکا کا سا ہوا تھا۔

''لیس رائٹ، آپ مہران سکندر انکل ہیں ناں جن سے میں بے خیالی میں ٹکرا گئی تھی۔''

''بالکل یادداشت بہت اچھی ہے تمہاری۔ بہت جلدی پہچان لیا۔''

''ہاں شاید۔'' آہستگی سے کہہ کر دوبارہ بیڈ پر دراز وجود کو دیکھنے لگی اس کے بعد وہ ان سے کوئی بات نہ کرسکی شاید کچھ سوچ رہی تھی آغا مینا نے بغور ظعینہ کی اس خاموشی کو محسوس کیا اور بنا کچھ کہے مہران سکندر سے بات کرنے لگی۔ جبکہ زاویار جس خاموشی سے ان کے پیچھے آیا تھا اسی خاموشی سے واپس پلٹ گیا تھا۔

O......OO......O

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' پیشانی کو انگلیوں کی مدد سے دباتے ہوئے آہستگی سے بڑبڑایا۔

''کیا ہوا زاویار۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔'' ذروہ کی آواز پر یکلخت چونکا اور کسی قدر حیرت سے اپیا کو دیکھا۔

''ہاں...... آں...... جی میں ٹھیک ہوں۔''

''کچھ سوچ رہے تھے کیا؟'' وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''نہیں کچھ خاص نہیں۔ آپ بتائیں کوئی کام تھا مجھ سے۔''

''نہیں بس یونہی...... بابا تمہیں بلا رہے تھے تم نہیں آئے تو میں دیکھنے چلی آئی۔''

''بابا بلا رہے تھے خیریت؟'' اس نے چونک کر دیکھا۔

''تم جانتے ہو وہ تمہیں کس لیے بلا رہے تھے۔'' ذروہ نے گہری نظر سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ لب بھینچتے ہوئے سر جھکا گیا۔

''تم نے بات کی ظعینہ سے۔'' جھجکتے ہوئے پوچھا۔ زاویار نے ایک پل کو خاموشی سے ذروہ کو دیکھا۔

''ایک بات تو بتائیں اپیا، بابا جو کرنا چاہ رہے ہیں آپ کو وہ صحیح لگتا ہے کیا؟'' وہی سوال جو تورع اس سے بار بار کرتا تھا آج وہ سوال زاویار نے بھی پوچھ لیا تھا۔

وہ کیا جواب دیتی جانتی تھی اگر ایک فریق کو جواب دیتی تو دوسرا فریق ہرٹ ہوجاتا اور یہ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی اس لیے خاموش ہوجاتی تھی اس کی خاموشی کی وجہ بابا کا مان تھا ان کے وہ فخریہ الفاظ تھے جنہیں وہ جھٹلانا نہیں چاہتی تھی جو انہوں نے فیصلہ کرتے وقت کہے تھے۔ تب جب تورع نے کہا تھا۔

''بڑے ماموں ایک بار زری سے پوچھ لیں کہ جو فیصلہ آپ اس کی زندگی کے لیے کرنے جا رہے ہیں کیا اسے وہ منظور ہے اگر اس نے ہاں کر دی تو میں بھی اس فیصلے کی تردید نہیں کروں گا۔'' جواباً ہاشم بیگ نے فخریہ کہا تھا۔

''وہ میری بیٹی ہے تورع حسن بخاری ہاشم بیگ کی بیٹی، میں اس کی زندگی کے لیے جو بھی فیصلہ کروں گا وہ اسے کبھی رد نہیں کرے گی، یہ میں نہیں ایک باپ کا یقین کہہ رہا ہے۔'' اور ان کے یہی الفاظ اس کی ہمیشہ کے لیے چپ کا سبب بنے تھے اس کے بابا کو اس پر مان تھا جو وہ نا چاہتے ہوئے بھی توڑنا نہیں چاہتی تھی اس کے لیے خود سے وابستہ ہر رشتہ اہم تھا وہ کسی کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے لب سی لے اور یہی وہ اب تک کرتی آ رہی تھی۔

''آپ نے جواب نہیں دیا اپیا؟'' اس کی مسلسل خاموشی پر زاویار نے دوبارہ پوچھا۔

''میں نہیں جانتی زاویار۔'' اس نے نظریں چرائیں۔

''کیوں نہیں جانتیں اپیا کیوں نہیں کچھ تو ہوگا آپ کے دماغ میں؟ عاقل و بالغ ہیں۔ سمجھ بوجھ رکھتی ہیں صحیح اور غلط میں فرق کرسکتی ہیں تو پھر خاموش کیوں ہیں آپ صرف بابا کا ہی کیوں سوچ رہی ہیں؟ ضروری نہیں کہ بڑے جو فیصلہ یا سوچتے ہیں وہ صحیح ہو، وہ بھی غلط ہوسکتے ہیں۔ وہ بھی غلط سوچ سکتے ہیں۔ آپ صرف ان کے فیصلے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے چار چار زندگیاں داؤ پر کیسے لگا سکتی ہیں اور......!''

''میں ایسا کچھ نہیں کر رہی زاویار میں بس بابا کا مان نہیں توڑنا چاہتی۔ میں انہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی۔''

''اور تورع بھائی کو ہرٹ کرسکتی ہیں آپ۔'' اس نے بہت دکھ سے مگر طنزیہ کہا تھا۔ وہ سر جھکا گئی۔

''میں نہیں جانتا اپیا آپ کے دل میں کیا ہے۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ فیصلہ آپ کے نزدیک بھی صحیح نہیں۔ آپ محض بابا کی خاطر خاموش ہیں۔ ان کے ہرٹ ہوجانے کے خیال سے خاموش ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا یہ آپ سمجھ لیں اور بابا کو بھی چاہیں تو بتا دیں۔ مجھے اب اس مسئلے کو سلجھانا ہے اور اسے سلجھانے کے لیے مجھے کچھ اور کرنا پڑے گا کوئی اور راستہ اپنانا پڑے گا۔''

''کیا مطلب تم کیا کرو گے؟''

''کم از کم ظعینہ سے شادی نہیں کروں گا۔ اسے شادی کے لیے فورس بھی نہیں کروں گا۔ بابا نے اس لیے مجھے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے پر مجبور کیا تھا کہ میں ظعینہ کو مناؤں گا اسے شادی کے لیے فورس کروں گا لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔'' اس کی بات پر ذروہ کے چہرے پر

لوٹ آئو اے جانِ من

لوٹ آؤ اے جانِ من
تونے کہا تھا
آج کرلو میرا دیدار
میں کچھ عرصے کے لیے
تم سے دور جا رہا ہوں
یہ درخت اور
ان پہ بیٹھے
پرندے
ہماری محبت کے گواہ ہوں گے
بس تم اپنی آنکھوں میں
آنسو نہ لانا
اب تو کئی برس گزر گئے
ان درختوں پہ بھی کئی خزائیں آئیں
وہ پرندے بھی ان درختوں کو
الوداع کہہ چکے ہیں
آج میری آنکھوں میں آنسو بھی ہیں
میری آنکھیں تیرے دیدار کو ترستی بھی ہیں
اور تم نظر نہیں آتے ایم
لوٹ آؤ اے صنم

ایم فاطمہ سیال...... محمود پور

سایہ سالہرا گیا تھا۔ زاویار کو ایک پل کے لیے افسوس سا ہوا۔

”آپ پریشان مت ہو ایپا! میں جو کروں گا سوچ سمجھ کر کروں گا اور آپ پلیز فکر مت کریں ہمیں آپ کو اور تورع بھائی کو کوئی الگ نہیں کرسکتا۔ بابا بھی نہیں اب سب کچھ ٹھیک میں کروں گا تمام غلط فہمیاں میں دور کروں گا۔ دلوں کے درمیان جو دیواریں کھڑی کردی گئی ہیں وہ میں گراؤں گا آئی پرامس۔“

”تم کیا کرنے جارہے ہو؟“ اس نے ایک دم پریشانی سے اس کی جانب دیکھا۔ زاویار محظوظ ہوتے ہوئے مسکرالیا۔

”ڈونٹ وری ایپا کچھ غلط نہیں کروں گا۔ میں نے سب صحیح کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو پھر کچھ غلط کیوں کروں گا آپ پلیز فکر مت کریں۔“ اس کے تسلی دینے والے انداز پر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرادی جبکہ زاویار کی آنکھیں کچھ سوچ کر چمکنے لگی تھیں۔

O......OO......O

”کیا بات ہے ارقام! آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کررہے۔“ بہت دنوں سے وہ دیکھ رہی تھی ارقام اسے مسلسل نظر انداز کررہا ہے اس سے بات نہیں کررہا تھا جہاں بھی وہ جاتی وہاں سے نامحسوس انداز میں اٹھ جاتا جہاں بھی وہ موجود ہوتی وہاں جانے سے حتی الامکان گریز کرتا تھا ظعینہ کو اس کے رویے پر ازحد حیرت ہورہی تھی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر وہ موقع ہی نہ دے رہا تھا آج جانے کیسے وہ اسے نظر آ گیا تھا۔

”کوئی بات نہیں ہے سمسٹر شروع ہونے والے ہیں۔ اس لیے مصروف ہوں۔“ وہ بنا اس کی جانب دیکھے کتاب کے اوراق الٹتے ہوئے گویا ہوا۔

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپ ایسا جان بوجھ کر کررہے ہیں۔“ اس کے چہرے کو جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور وہ نظریں چرا گیا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”آپ کو......؟“ ظعینہ اس پُر تکلف لفظ پر لمحے بھر کو اٹک سی گئی تھی۔

”ارقام اگر مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو میرے لیے جو آپ نے آپ سے تم تک کا فاصلہ طے کیا تھا وہ اتنی تیزی سے تم سے آپ کیسے ہوگیا......؟“ کس قدر دکھ اور تاسف تھا اس کی آواز میں آنکھوں سے حیرت اور بے یقینی جھلک رہی تھی۔ ارقام بے بس سا لب بھینچتے ہوئے سر جھکا گیا تھا۔

”بس یونہی آپ کو میرا تم کہنا پسند نہیں تھا اس لیے۔“ کھوکھلی سی وضاحت تھی۔ جس کا کوئی مطلب نہیں تھا۔ نہ ارقام کے لیے اور نہ ظعینہ کے لیے۔

”یہ بہت پہلے کی بات ہے ارقام۔ اب میں نے کب منع کیا ہے آپ کو مجھے تم کہنے سے۔ یہ تو تب کی بات ہے جب آپ میرے لیے اجنبی تھے مگر اب تو ایسا نہیں تھا ارقام۔ اب تو میں آپ کو اپنا سمجھنے لگی تھی اور آپ......؟“

”کیا فرق پڑتا ہے ظعینہ اگر میں آپ کو تم کی بجائے آپ سے مخاطب کروں۔“ اس نے دانستہ اپنے لہجے اور انداز میں اکتاہٹ بھری تھی۔

”فرق پڑتا ہے ارقام بہت فرق پڑتا ہے اینی وے میں نہیں جانتی آپ کو کیا ہوا ہے مگر جاننا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اوائیڈ کیوں کررہے ہیں...... مجھ سے بات کیوں نہیں کررہے؟“

”میں اس وقت مصروف ہوں ظعینہ۔ بعد میں بات کریں گے۔“ اس نے ایک دم تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ ظعینہ کتنے ہی پل خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

”اوکے ہم پھر بات کرسکتے ہیں۔“ وہ آہستگی سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی جبکہ ارقام بس دیکھتا رہ گیا۔

O......OO......O

”تو کہاں غائب ہے یار۔ کتنی بار تجھے کال کی گھر آیا مگر تو کہیں مل ہی نہیں رہا۔ مجھ سے ناراض ہے کیا؟“ آج بڑے دنوں بعد سالار نے اسے آفس میں جالیا تھا اور چھوٹتے ہی شکایتی انداز میں گویا ہوا۔

”ارے نہیں یار۔ تجھ سے ناراض ہوکر کہاں جاؤں گا، بس ذرا مصروفیت بڑھ گئی تھی اس لیے، تو سنا ویسے کب آئے تم لوگ اور تابی کیسی ہے؟“

”بس بس یار ایک ساتھ اتنے سوال، ویسے میں بھی ٹھیک ہوں۔ تیری کزن بھی ٹھیک ہے اور جہاں تک سوال ہے کب واپسی کا تو تو خود اپنے آپ سے بے خبر ہے تو تجھے ہمارا کیا لینا پھر بھی تیری اطلاع کے لیے بتادوں کہ ایک ویک ہوچکا ہے ہمیں واپس آئے ہوئے اور تجھے توفیق نہ ہوئی ایک دفعہ گھر آتا تو در کنار کال ہی کرلیتا تف ہے تجھ پر یار اور تیری دوستی پر۔“

”ایم سوری یار تجھے بتایا تو ہے۔ میں بزی تھا ان فیکٹ ابھی بھی کچھ دیر میں میری میٹنگ ہے نیا پروجیکٹ شروع کیا ہے جن کے ساتھ پارٹنر شپ کی ہے ان کے ساتھ فرسٹ میٹنگ ہے۔“

”تیرا کہنے کا مطلب ہے اب میں دفعان ہوجاؤں۔“ اس کی بات پر سالار نے گھورتے ہوئے کہا اور برا بھی مانا۔ تورع شرمندہ سا ہوگیا۔

”میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے یار۔ میں تو صرف تجھے اپنی مصروفیت سے آگاہ کررہا تھا۔“

”ہاں پتا چل رہا ہے۔ جناب کتنے مصروف ہوگئے ہیں۔ اتنا کہ اپنے دوست کے لیے بھی وقت نہیں رہا۔“

”بس یار اب یہ ایموشنل بلیک میلنگ بند کر یہ تو جانتا ہے میرے دوست میرے لیے کتنے اہم ہیں۔“

”ہاں اتنے اہم کہ اپنے بیسٹ فرینڈ کا ولیمہ اٹینڈ کرنا یاد نہیں رہا۔“ اس کی بات پر تورع کے ذہن میں اس روز والی ذری کے ساتھ ہوئی ملاقات یاد آ گئی تھی وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

”کیا ہوا تورع سب ٹھیک ہے نا۔“

”سب ٹھیک ہے یار۔ تمہیں بتایا تو ہے کہ......!“

”کہ تو بہت مصروف ہے یہ تو پہلے بھی بتا چکا ہے۔“ اس کی بات پر وہ خاموش سا ہوگیا۔

”ذری سے کوئی بات ہوئی ہے تیری؟“ سالار نے کچھ جانچا۔

”نہیں یار ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ سر جھکا گیا۔

”تو مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ تو جانتا ہے۔“

”میں جھوٹ نہیں بول رہا سالار۔“ آہستگی سے کہا۔

”تو بول رہا ہے تورع اور یہ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں...... کیونکہ اس روز میں نے تجھے ذری کے ساتھ کمرے میں جاتے ہوئے خود دیکھا تھا اور ذری کا روتے ہوئے باہر آنا یہ بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔ میں تجھ سے اسی روز بات کرنا چاہتا تھا مگر تو جانے کب وہاں سے چلا گیا اور اس روز کے بعد آج تجھ سے مل رہا ہوں۔ اب تُو تو مجھے جھٹلا بھی نہیں سکتا۔“ جواباً تورع خاموش ہی رہا کچھ بھی نہیں بولا اور بولنے کو کچھ تھا بھی تو نہیں۔

”تو چاہتا کیا ہے تورع۔ کیوں اس مسئلے کو الجھا رہا ہے پہلے ہی وہ بہت الجھا ہوا ہے۔“

”ہممم...... میں تو سلجھانا ہی چاہتا تھا یار لیکن......“

”تھا...... تھا سے کیا مطلب ہے۔“ وہ چونکا۔

”تھا سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں اب اس مسئلے پر بات نہیں کرنا چاہتا۔“

”لیکن کیوں یار، کیوں بات نہیں کرنا چاہتا تو اس مسئلے پر؟“

”میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے اس مسئلے کو سلجھانے کی اس پر بات کرنے کی مگر اب میں کم از کم اس بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا اب جو بھی کریں گی وہ مس ذروہ بیگ کریں گی میں نہیں اب باری ذروہ بیگ کی ہے نا کہ تورع حسن بخاری کی اب جو بھی قدم اٹھانا ہے وہ اسے ہی اٹھانا ہے میری طرف سے یہ پرابلم اب کلوز ہے اب اور نہیں بہت کرچکا ہوں پلیز...... یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

”لیکن تورع......“

”بس بہت ہوگیا سالار۔ اس پر مزید کوئی بات نہیں ہوگی تم اب اس مسئلے پر بات نہیں کروگے اوکے۔“ سالار

نے چند ثانیے بغور اس کی جانب دیکھا۔
"او کے نہیں کروں گا گھر کب آ رہے ہو؟" اس نے ایک دم موضوع سے ہٹتے ہوئے استفسار کیا۔
"بہت جلد۔"

O......OO......O

"تمہیں میرے ساتھ جانے میں کیا پرابلم ہے۔" اس کے لفظ تمہیں اور پھر لہجے کی دوستانہ مہک نے آغا مینا کو بری طرح چونکا دیا تھا۔
"ایکسکیوزمی آپ مجھ ہی سے مخاطب ہیں نا۔" اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے کسی قدر حیرت سے استفسار کیا۔ زادیار نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بڑے غور سے اس کے چہرے کے خدوخال کو جانچا تھا۔
"کیوں تمہیں یہاں کوئی اور دکھائی دے رہا ہے کیا؟"
"نہیں، دکھائی تو کوئی نہیں دے رہا لیکن آپ کے لہجے اور انداز پر شک ضرور ہو رہا ہے۔"
"شک لیکن کیوں......؟" اس نے بھنویں اچکائی۔
"کیونکہ ابھی تک آپ کا ایسا رویہ نظروں سے گزرا نہیں ناں اس لیے۔" انداز طنزیہ تھا۔ وہ دانستہ نظر انداز کر گیا۔
"حالات اور واقعات بہت کچھ بدل دیتے ہیں مس آغا مینا احمد یہ کوئی انہونی بات تو نہیں۔"
"شاید آپ کے لیے نہیں لیکن میرے لیے ہے خیر...... بہت شکریہ۔" اسے نظر انداز کیے وہ آگے بڑھنے لگی یہ جانے بغیر کہ وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔
"تمہاری والدہ کی طبیعت اب کیسی ہیں؟" اس کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی۔
"حیرت ہو رہی ہے، پہلے بے تکلفی اوپر سے دوستانہ لہجہ اور اب میری والدہ کی خیریت بھی دریافت کی جا رہی ہے پوچھ سکتی ہوں کیا وجہ ہے؟" انداز استہزائیہ تھا۔
"رویے بدلے جانے کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہے کیا۔" وہ دانستہ چونکا۔
"بالکل ہوتی ہے اور اگر آپ جیسوں کا برتاؤ کسی کے ساتھ بدل جائے تو لازمی کوئی سبب ہوتا ہے۔"
"میرے جیسوں سے کیا مراد ہے تمہاری......؟"
"اکھڑ، خشک مزاج، متنفر ہر وقت سنجیدگی کا دورہ پڑا رہتا۔ کسی کو بات کرنے کے قابل نہ سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔" بنا جھجکے اس کے بارے میں اپنی تمام تر سوچ کو ظاہر کر دیا تھا۔ وہ خاصا متاثر ہوا۔
"بہت اچھا سوچتی ہیں آپ میرے بارے میں۔" طنز سے پاک لہجہ تھا مگر آغا مینا کو طنز ہی لگا تھا۔
"یہ میری سوچ نہیں، آپ کا کردار ہے مسٹر زادیار بیگ۔"
"جو بھی ہے لیکن مجھے اچھا لگا تمہارا سچ بولنا۔"
"لیکن مجھے اچھا نہیں لگ رہا آپ کا یوں میرے ساتھ فرینک ہونا۔"
"کیوں جب ارقام کے ساتھ اتنی قریب ہو سکتی ہو تو میرے ساتھ کیوں نہیں۔" اس کا انداز اسے از حد ناگوار گزرا تھا۔
"ایکسکیوزمی مسٹر، ان میں اور آپ میں بہت فرق ہے۔ ان کا اور میرا رشتہ بہت الگ ہے۔ وہ میرے دوست میرے بھائی ہیں جبکہ آپ......؟"
"میں اس کا دوست ہوں۔ اجنبی قطعی نہیں، میری شرافت کا اندازہ تمہیں ہو چکا ہوگا۔ اس پر تم کوئی شک نہیں کر سکتی اگر ہے بھی تو ارقام سے پوری طرح انکوائری کر سکتی ہو۔"
"کیوں......؟" وہ چونکی اور اس کی خوش فہمی پر ہنسی بھی آئی تھی۔
"کیونکہ تمہیں مجھ پر شک ہے بقول تمہارے۔"
"میں آپ پر شک نہیں کر رہی۔ آپ کے یوں اچانک سے چینج ہو جانے والے رویے پر حیران ہوں کیونکہ یہ بہت حیران کن ہے مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ مجھ سے اتنے آرام سے اور اتنے بے تکلف ہو کر بات کر رہے ہیں۔ بنا کسی تمسخر کے بنا طنزیہ جملے کے پھر میرا ایسا سمجھنا کچھ غلط بھی نہیں ہے، ہے ناں؟"
"لیکن یہ کوئی اتنا حیران کن بھی نہیں ہے کہ تم خود کو مجھ سے بات کرنے سے زیادہ اس پر غور وخوض کرو، انسان ایک دوسرے کو جاننے میں سمجھنے میں وقت لیتا ہے اور ایمان داری سے کہوں تو میری تمہارے بارے میں رائے کچھ اور تھی مگر اب جبکہ میں تمہیں جان گیا ہوں تو......!"
"یہ دعویٰ قبل از وقت ہے مسٹر زادیار بیگ کہ آپ مجھے جان گئے ہیں۔" اس نے فوراً اس کی بات کاٹی تھی۔
"او کے اس جملے کو ذرا چینج کر دیتے ہیں۔ اس طرح کر لو کہ میں تمہیں جاننے لگا ہوں۔"
"یہ بھی میرے خیال میں قبل از وقت ہے۔ آپ مجھے کب جانتے ہیں۔ ان فیکٹ میری اور آپ کی ملاقات میں صرف لڑائی، لڑائی اور لڑائی ہی ہے......اور کچھ جاننے کے لائق بات نہیں ہوئی باقی رہ گئی خاموشی تو وہ جاننے کے لیے کافی نہیں ہے وہ بھی اس صورت میں جب دونوں فریق ہی ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔"
"او کے فائن، میں تمہیں جاننا چاہتا ہوں۔" گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔
"کیوں......؟" اسے لگا تھا جیسے اس سے پہلے جتنی بھی باتیں ہوئی ہیں وہ اس کیوں تک آنے کو ہی تھیں ورنہ ان کی کوئی ویلیو نہیں تھی وہ اس کی ذہانت سے دل ہی دل میں خاصا متاثر ہوا تھا۔
"کیوں؟ اسے میں ایکسپلین نہیں کر سکتا۔ تم خود جان جاؤ گی۔"
"ہاں اگر مجھے ضرورت ہوئی تو۔"
"ضرور ہوگی۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔
"اتنا یقین مت دکھائیں۔ جس کو آپ جانتے نہیں مگر جاننا چاہتے ہیں۔ اس کے بارے میں اتنا یقین میرا نہیں خیال کہ یہ صحیح ہے۔" وہ جواب دے کر آگے بڑھی تھی تبھی اس نے ہاتھ پکڑ لیا۔
آغا مینا نے پہلے اسے اور پھر اپنے ہاتھ کو دیکھا اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے اس نے فوراً ہاتھ چھوڑ دیا۔
"سوری...... جانتا تو نہیں مگر جو جاننا چاہتا ہے اس کے ساتھ تھوڑی سی مسافت طے کرنے کا حق تو ہو سکتا ہے دونوں کے لیے اگر یہ صحیح ہو۔"
"جاننے نہیں مگر جاننا چاہتے ہیں ایسے شخص کو اتنا تو پتا ہونا چاہیے کہ جاننے کے لیے مسافت طے کرنا ضروری نہیں ہے۔ مسافتیں طے کرنے سے کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے مسافر کو جان لیا ہے کسی انسان کو جاننا اتنا آسان بھی نہیں ہے مسٹر زادیار بیگ بہت مشکل ہے ہوتا اور ہو سکتا کرتا اور کر سکتا جاننا اور جان سکتا ان الفاظ میں اتنا ہی فرق ہے جتنا اس وقت آپ کی اور میری سوچ میں سو پلیز پہلے اتنا سمجھ لیجیے کہ دعوے اور یقین میں فرق کیا ہے؟ دعویٰ وہ ہے جو انسان کچھ کرنے سے قبل کرتا ہے اور یقین وہ ہے جس میں کچھ کرنے کی صلاحیت ہو جو یہ نہ کہے کہ میں کر سکتا ہوں بلکہ یہ کہے میں کر لوں گا۔ آپ یقیناً میرے پوائنٹ آف ویو کو سمجھ چکے ہوں گے چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔" کہہ کر وہ رکی نہیں بنا اس کا جواب سنے تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

O......OO......O

"پریزنٹیشن تیار ہے فضا۔" اندر داخل ہوتے ہی تورع نے استفسار کیا۔
"جی سر بالکل تیار ہے۔" وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔
"او کے اور مسٹر ملک ان کی آمد کب تک متوقع ہے۔"
"چند منٹس میں سر پہنچ جائیں گے لیکن وہ خود نہیں آ رہے انہیں کوئی ایمرجنسی تھی اس لیے ان کی جگہ ان کے بیٹے آئیں گے۔" اس نے بتایا۔
"کوئی بات نہیں۔ میں اپنے کیبن میں ہوں جب وہ آئیں تو انہیں اندر بھیج دینا۔"
"جی سر۔" اسے فائل پر جھکے کچھ ہی دیر گزری تھی جب کسی نے دروازہ ناک کیا تھا اس نے جھکا ہوا سر فوراً اٹھایا۔
"یس کم آن۔" اندر داخل ہونے والے شخص کو دیکھ کر وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا تھا دوسری جانب بھی صورت حال ایسی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ آنے

والے نے لمحے کے ہزارویں حصے میں پہچان لیا تھا جبکہ تورع حسن بخاری پہچان کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

"ہیلو مسٹر تورع حسن بخاری۔" بالکل پروفیشنل انداز میں ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

"ہائے ہاؤ آر یو مسٹر ملک۔"

"فائن تھینکس۔"

"آئی تھنک ہم پہلے کہیں مل چکے ہیں، لیکن مجھے یاد نہیں آ رہا کہاں۔" پرسوچ انداز میں گویا ہوا۔

"جی بالکل ہم مل چکے ہیں اور ہماری ملاقات ایئرپورٹ پر ہوئی تھی میں اپنے ایک فرینڈ کو سی آف کرنے گیا تھا۔"

"او...... یس بالکل آپ میری سسٹر کے یونیورسٹی فیلو ہیں رائٹ۔"

"یونیورسٹی فیلو تھا مگر اب نہیں ہوں۔" وہ بمشکل مسکرایا۔

"کیوں بھئی ایجوکیشن کمپلیٹ ہوگئی کیا؟"

"وہ تو آل ریڈی کمپلیٹ تھی بس یونہی دل چاہا دوبارہ یونیورسٹی کے دنوں کو انجوائے کیا جائے تو بس......"

"اس کا مطلب ہے خوب انجوائے کیا دوبارہ یونیورسٹی جوائن کر کے۔"

"جی ہاں، یہی محسوس ہوتا تھا بس یہی زندگی ہے مگر اب لگتا ہے زندگی میں صرف سہانے پل ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے، جسے فیس کرنا ہی عقل مندی ہے جسے جتنی جلدی قبول کرلیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔" وہ جانے کس رو میں تھا عجب مبہم سی گفتگو تھی جو تورع سمجھ نہ پایا تھا۔

"کیا مطلب بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی؟"

"مطلب یہ سر زندگی صرف انجوائے منٹ کا نام نہیں ہے اسے گزارنے کے لیے ساز وسامان کی بھی ضرورت ہے، جس کے لیے کام بھی کرنا ہوتا ہے محض انجوائے منٹ سے پیٹ نہیں بھرا کرتے اس لیے واپس اپنی فیلڈ میں چلا آیا ویری سمپل۔"

"ہوں خاصے پریکٹیکل انسان ہیں آپ۔"

"انسان کو پریکٹیکل ہی ہونا چاہیے سر۔ خوابوں میں رہنے والوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" اس کی بات پر تورع نے اپنے لب بھینچے تھے دوسرے ہی لمحے مسکرا دیا تھا۔

"بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔" خواب انسان کو بہت خوار کراتے ہیں۔ بہتر یہی ہوتا ہے کہ جلد سے جلد حقیقت کو تسلیم کرلیا جائے اینی وے پروجیکٹ پہ بات ہوجائے۔"

"جی بالکل کیوں نہیں۔"

"میں آجاؤں ارخ۔" تبھی دروازے پر ناک ہوا تورع نے دروازے کی سمت دیکھا تھا ہمیشہ کی طرح دروازے سے سر نکالے اندر آنے کی اجازت مانگ رہی تھی دھیرے سے مسکراتے ہوئے سر کو خم دیتے ہوئے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

ارقام کی اس کی جانب پشت تھی مگر پھر بھی وہ آنے والی کو فوراً پہچان گیا تھا اس لیے اس نے دانستہ پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

"میں لیٹ تو نہیں ہوئی ارخ۔"

"پورے دس منٹ۔"

"اوایم سو سوری ارخ وہ ایکچوئلی میں......!"

"اٹس اوکے، ہر بات میں وضاحت ضروری نہیں ہے۔ ان سے ملو مسٹر ارقام ملک جس پروجیکٹ پہ تم کام کرنے والی ہو یہ اس میں تمہارے ساتھ ہوں گے۔" دونوں نے ہی سرعت سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا ظعینہ کو خوش گوار سی حیرت ہوئی تھی۔

جبکہ ارقام کو جھٹکا سا لگا تھا یہ جان کر کہ اس نے ظعینہ کے ساتھ کام کرنا ہے۔ چند پل تو اسے بالکل یقین نہیں آیا تھا جس سے وہ نظریں چرا رہا ہے۔ جس کے سوالوں کو دانستہ نظر انداز کر رہا ہے، جس سے بات کرنے سے گریز کر رہا تھا اسی کے ساتھ کام کرنا اسے ازحد دشوار معلوم ہوا تھا مگر اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ یہ اس کی چوائس تھی اس پروجیکٹ پر اسے ہی کام کرنا تھا بہرصورت یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا لیکن اس وقت وہ شاکڈ تھا۔

O......OO......O

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے آنٹی۔" تازہ پھولوں کا بکے ان کی جانب بڑھاتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ چند ثانیے وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتی رہیں اور پھر دھیرے سے سر ہلاتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا، سوری بیٹا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"یہ ظعینہ ہے امی میری فرینڈ اور کلاس فیلو۔" آغا مینا جو بار بار ان دونوں کے چہرے دیکھ رہی تھی شاید کچھ تلاش کر رہی تھی فوراً آگے بڑھی۔

"اچھا تو یہ ظعینہ ہے ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے، مینا ہر وقت تمہارا ذکر کرتی ہے، مجھے تو لگتا ہے تم سے زیادہ میں تمہیں جانتی ہوں۔"

"ارے نہیں امی۔ ابھی تو آپ نے کچھ جانا ہی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب......؟" شہناز خاتون کے ساتھ ساتھ ظعینہ نے بھی چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا وہ گڑبڑا سی گئی۔

"میرا مطلب ہے ابھی آپ پہلی بار اس سے ملی ہیں، یہ محترمہ اب روز ہی آن دھمکیں گی پھر ان کے جوہر دیکھیے گا۔" اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں بات بنائی تھی ظعینہ کے ساتھ ساتھ شہناز بیگم بھی مسکرا دی تھیں۔

"اور نہیں تو کیا اب تو میں ہر روز آؤں گی، اگر اس نے مجھے پہلے ہی آپ سے ملوا دیا ہوتا تو آج آپ یوں حیران نہ ہو رہی ہوتیں بلکہ مجھ سے اتنی مانوس ہوجاتیں کہ بات بات پر میرے کان کھینچ رہی ہوتیں اور اس محترمہ کو دیکھیے کیسے آپ کو مجھ سے چھپایا ہوا تھا اتنی پیاری گریس فل اور انوسینٹ سی آنٹی سے پہلے کیوں نہیں ملوایا مجھے ہاں۔" وہ کمر پہ ہاتھ رکھے کسی قدر خفگی سے گویا ہوئی تو وہ دونوں خاصی محظوظ ہوئی تھیں۔

"اب تو ملوا دیا ناں، اب خوش رہو ورنہ کبھی ملنے نہیں دوں گی۔"

"آہاہاہا ملنے نہیں دوں گی منہ دھو رکھو، اب تو میں تمہارے روکنے سے بھی نہیں رکنے والی۔ آنٹی آپ ڈسچارج کب ہونے والی ہیں؟" اسے غور کر دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"شاید کل شام کو۔"

"اوکے آپ مجھے اپنا ایڈریس دے دیجیے گا۔ میں ہر روز آپ سے ملنے آؤں گی صرف آپ کو اور کسی کو نہیں۔" اس پر نار اضگی بھری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ ایک دم گھبرا سی گئیں۔

"ایڈریس......!"

"جی آنٹی، ایڈریس مجھے آپ کا ایڈریس چاہیے میں ہر روز آپ سے ملنا چاہتی ہوں آپ مجھے بہت بہت اچھی لگی ہیں۔ میں نے کبھی اپنی مما کو نہیں دیکھا نہ ہی کبھی ان کی گود میں کھیلی ہوں مگر حسرت ہے اگر وہ ہوتیں تو شاید آپ کے جیسی ہی ہوتیں۔"

"تم نے کبھی اپنی مما کو نہیں دیکھا ظعی۔" آغا مینا نے دانستہ ذکر چھیڑا۔

"نہیں میں نے کبھی انہیں نہیں دیکھا۔ وہ میری پیدائش کے وقت ہی وفات پا گئی تھیں۔" اس کی بات پہ آغا مینا کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں دبایا تھا وہ بمشکل ضبط کر پائی تھی۔

"کبھی ان کی کوئی تصویر بھی نہیں دیکھی؟"

"نہیں کبھی نہیں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے ظعینہ کوئی نہ کوئی فوٹو تو ضرور ہوگی بلکہ ہونی چاہیے۔" وہ کرید رہی تھی جان بوجھ کر جبکہ ظعینہ سوچ میں پڑ گئی۔

"یار یہ تو مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا کوئی نہ کوئی فوٹو تو ضرور ہوگی مما کی اگر نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے، یہ میں نے کبھی کیوں نہیں سوچا۔" وہ پرسوچ انداز میں خود سے ہی مخاطب ہوئی تھی۔

"تم نے کبھی اپنے پاپا سے نہیں پوچھا مما کے بارے میں۔"

"نہیں کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ اخ اور پاپا نے میرا اتنا خیال رکھا۔ قدم قدم پر میری دیکھ بھال کی مجھے کبھی فیل نہیں ہونے دیا کہ مما نہیں ہیں آج جب میں آنٹی سے ملی تو مجھے اپنی مما کا خیال آیا۔ ان کی کمی محسوس ہوئی آج میرا دل چاہا کاش میری بھی مما ہوتیں۔" اس کے انداز میں حسرت تھی آنکھوں میں نمی در آئی تھی لہجہ لڑکھڑا سا گیا تھا آغا مینا نے بہت بے چین ہوکر شہناز خاتون کی جانب دیکھا تھا وہ بھی اسی جانب دیکھ رہی تھی انہیں آغا مینا پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ خوامخواہ میں اسے اداس کیوں کر رہی ہے اسے بار بار کیوں کرید رہی ہے۔

O......OO......O

"اب تم ٹھیک ہو فضا؟" نظریں روڈ پر مرکوز کیے استفسار کیا۔

"میں ٹھیک ہوں سر۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"ڈونٹ وری تمہارے فادر بالکل ٹھیک ہو جائیں گے ہلکا سا انجائنا کا اٹیک تھا اور پھر تمہارے سامنے ہی تو ڈاکٹر نے کہا تھا کہ وہ اب ٹھیک ہیں۔"

"میں جانتی ہوں سر آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے بہت ہیلپ کی ہے میری۔"

"اٹس او کے یہ میرا فرض تھا خیر چھوڑو چلو تمہیں لنچ کروا دیتا ہوں آئی تھنک تم نے رات سے کچھ بھی نہیں کھایا۔"

"نہیں سر مجھے بھوک نہیں ہے آپ پلیز...... سامنے دیکھیے سر۔" بات کرتے کرتے وہ اچانک چلائی تھی۔

گاڑی کی اسپیڈ نہ ہی بہت زیادہ تھی اور نہ بہت کم لیکن وہ اتنی اچانک چلائی تھی کہ تورع حواس قائم نہیں رکھ پایا تھا گاڑی کو ٹرن کرتے ہوئے اس نے اسٹیئرنگ گھمایا اور بریکس پر پاؤں رکھنے سے پہلے ہی اس کی گاڑی فٹ پاتھ کے اوپر چڑھتے ہوئے سامنے دیوار سے ٹکرا گئی تھی تورع اور فضا کا سر ایک ساتھ ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا۔ جس گاڑی کو بچانے کے لیے اس نے اپنی گاڑی کو ٹرن کیا تھا وہ بھی آگے جا کر رک گئی تھی گاڑی میں موجود دونوں افراد تیزی سے گاڑی سے باہر نکلے تھے۔ فضا نے سرعت سے سر اٹھایا اور تورع کو دیکھا تھا اس کی پیشانی کی ایک سائیڈ پر ہلکی سی چوٹ لگی تھی تھوڑا سا خون بھی نکل رہا تھا۔ فضا اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس کی جانب چلی آئی۔

"آر یو آل رائٹ سر؟"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"تورع بھائی۔" ذروہ اور زادیار ان کے قریب پہنچ چکے تھے تورع کو دیکھ کر وہ دونوں بری طرح چونکے تھے۔

زادیار کے پکارنے پر تورع نے کسی قدر چونک کر دیکھا چہرے پر پریشانی لیے زادیار کھڑا تھا زادیار سے ہوتی ہوئی نظر فق چہرہ لیے ذروہ پر آن رکی تھی چند ثانیے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے سرعت سے نظر ہٹائی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں تورع بھائی؟" زادیار نے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" بنا کسی جانب دیکھے پیشانی کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"ایم سوری بھائی غلطی میری تھی ایکچوئلی میں......؟"

"اٹس او کے زادیار۔ ویسے بھی میرا خیال ہے کہ غلطی میری تھی، میں ہی سامنے متوجہ نہیں تھا مجھے راستے پر نظر رکھنی چاہیے تھی نہ کہ کہیں اور۔" وہ ابھی بھی ان کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہا تھا سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ ذروہ لب کاٹنے لگی تھی بے بسی سے آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔

اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا اور وہ اتنی بے بس تھی کہ آگے بڑھ کر صاف بھی نہیں کر سکتی تھی اس کی تکلیف پر مرہم نہیں لگا سکتی تھی حق رکھتے ہوئے بھی استحقاق نہیں دکھا سکتی تھی۔

"چلیں بھائی میں آپ کو اسپتال لے چلتا ہوں۔"

"اٹس او کے زادیار میں ٹھیک ہوں چوٹ بہت زیادہ نہیں ہے اگر ضرورت ہوئی تو میں خود چلا جاؤں گا، تھینکس چلیں فضا۔" اسے جواب دے کر تورع نے ذروہ کے ساتھ کھڑی فضا کو مخاطب کیا تھا بھولے سے بھی ذروہ پر نظر نہیں کی تھی۔ زادیار اور ذروہ نے چونکتے ہوئے ایک ساتھ فضا کی جانب دیکھا تھا۔ فضا تیزی سے آگے بڑھی اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اس کے بیٹھتے ہی تورع گاڑی بڑھا لے گیا۔ ذروہ کی نظروں نے بہت دور تک گاڑی کا پیچھا کیا تھا جبکہ زادیار کی نظروں نے ذروہ کو جانچا تھا۔

"اب رشتوں میں پڑی ہوئی گرہ کو کھولنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ دیوار بھی گرانا ضروری ہے اس سے پہلے کہ سب ختم ہو جائے مجھے یہ کرنا ہے۔" ذروہ کے چہرے پر نظریں جمائے اس نے دل ہی دل میں عہد کیا تھا۔

O......OO......O

کچھ روز سے وہ اچھا خاصا بزی تھا سیلاب متاثرین کے لیے کچھ سامان اور رقم وغیرہ بھیجی تھی سر انجم نے کچھ اور اسٹوڈنٹس کے ساتھ اسے بھی ذمہ داری سونپی تھی اس سب میں وہ خاصا مصروف تھا جونہی فارغ ہوا اسے علم ہوا کہ آج کل آغا مینا یونیورسٹی نہیں آ رہی جبکہ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا اس کے پاس اس کا کوئی کونٹیکٹ نمبر بھی نہیں تھا ارقام کے پاس یقیناً ہوتا مگر ان دنوں وہ خود اپنے پروجیکٹ میں بزی تھا بہت سوچنے کے بعد وہ اس کے گھر چلا آیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام جی کہیے۔" دروازہ ناک کرنے پر ایک خوش شکل سی خاتون باہر نکلی تھی اس کے سلام کا جواب دے کر شائستگی سے پوچھا۔

"جی مجھے آغا مینا احمد سے ملنا ہے۔" اس نے فوراً اپنا مدعا بیان کیا۔

"آغا مینا سے......!" لڑکی نے کسی قدر حیرت سے دیکھا۔

"جی آغا مینا سے ہی یہ اس کا گھر ہی ہے نا۔" اس نے چونکتے ہوئے تصدیق چاہی۔

"جی نہیں۔ آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے آغا مینا میری دوست ہے۔ وہ یہاں رہتی نہیں ہے آپ کو شاید کسی نے غلط ایڈریس دیا ہے زادیار بری طرح چونکا تھا از حد حیرت ہوئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے آغا مینا نے اس روز غلط ایڈریس پر جان بوجھ کر گاڑی رکوائی تھی تاکہ میں یہ نہ جان سکوں کہ وہ کہاں رہتی ہے لیکن ایسا کیوں کیا وہ جانتی ہے کہ میں......!" دل ہی دل میں خود سے سوال کرتے ہوئے اس نے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

"کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ کہاں رہتی ہیں۔ مطلب ان کا کوئی ایڈریس۔"

"جی نہیں میں یہ نہیں جانتی، ایم سوری۔" اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ وہ واقعی میں نہیں جانتی تھی یا پھر جان بوجھ کر اسے بتانا نہیں چاہتی تھی وہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ وہاں سے لوٹ آیا تھا۔ اور آج بڑے دنوں بعد اسے آغا مینا دکھائی دے گئی تھی وہ لپک کر اس کی جانب آیا تھا اور چھوٹتے ہی گویا ہوا۔

"تم آج کل یونیورسٹی نہیں آ رہی؟"

"میرے یونیورسٹی نہ آنے سے آپ کو کوئی پرابلم ہے کیا؟" چلتے چلتے اس نے جواب دیا۔

"پرابلم ہے بھی تو کہہ رہا ہوں۔"

"کیوں آپ کو کوئی پرابلم ہے؟" اب کہ وہ چونکی۔

"میرا خیال ہے تم اتنی میچور تو ہو کہ اس قسم کے سوال وہ بھی میرے جیسے انسان کے منہ سے سن کر جواب جان سکو۔"

"جی نہیں میرا خیال ذرا مختلف ہے۔ میں میچور ضرور ہوں لیکن اتنی عقل مند نہیں ہوں کہ اپنے سوال کے جواب میں کسی کے ذہن کو پڑھ لوں کہ وہ اب کیا جواب دے گا اور نہ ہی مجھے الہام ہوتا ہے کہ اپنے ہی سوال کا جواب خود بخود جان لوں۔" انداز استہزائیہ تھا۔ زادیار نے دانستہ نظر انداز کیا۔

"اس پر بات کرلیں گے اتنی جلدی نہیں ہے۔ ویسے تم رہتی کہاں ہو؟" فوراً بات پلٹتے ہوئے بغور اس کی جانب دیکھا۔ وہ چونکی۔

"میرا خیال ہے آپ جانتے ہیں کہ میں کہاں رہتی ہوں۔"

"ایسا لگتا تھا کہ میں جانتا ہوں مگر اس روز میں تمہارے گھر گیا تو مجھے علم ہوا کہ تم وہاں نہیں رہتیں بلکہ کہیں اور رہتی ہو اور یہی میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"اور آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کو بتادوں گی۔" وہ استہزائیہ مسکرائی۔

"حرج تو کوئی نہیں۔"

"بتانے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے مسٹر زادیار بیگ۔" دوبدو جواب دیا۔

"مت بتاؤ، ڈھونڈنے والے تو خدا کو بھی ڈھونڈ لیتے ہیں تمہیں یا تمہارے گھر تک پہنچنا کون سا مشکل ہے۔" اس نے چند ثانیے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا وہ بھی اس کی جانب متوجہ تھا وہ نظریں چرا گئی تھی جانے کیوں اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں میں ان کہے جذبے تحریر تھے سچ یا جھوٹ یہ وہ نہیں جانتی تھی مگر جاننا چاہتی تھی بہت سارے سوال اس کے اندر سر ابھارنے لگے تھے۔ وہ اتنا اچانک بدل کیوں گیا ہے اکھڑ، بتنفر سرد و خشک جذبات رکھنے والا انسان یکلخت مہربان سا کیوں ہوگیا ہے اس بدلے ہوئے رویے میں کیا راز پوشیدہ ہے وہ جاننا چاہتی تھی۔

"آؤ تمہیں ڈراپ کردوں۔" کسی قدر انجان بنتے ہوئے آفر کی۔

"کیوں گھر تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں فی الحال تمہارے دل تک رسائی چاہتا ہوں۔" اسے یکلخت جھٹکا سا لگا تھا کوئی مبہم الفاظ نہیں صاف اور واضح الفاظ تھے گویا اظہار تھا وہ ایک پل کو ساکت سی ہوگئی قدم تھم سے گئے تھے۔

"آپ جانتے ہیں آپ نے ابھی کیا کہا ہے؟" نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے بھرپور ناگواری سے پوچھا۔

"سوچا ہے، سمجھا ہے پھر کہا ہے اور جو کہا ہے بالکل ٹھیک کہا ہے اور جو تم نے سنا ہے وہ بھی بالکل ٹھیک سنا ہے۔" گہری نظر سے دیکھا تھا۔

"بہری نہیں ہوں جانتی ہوں آپ نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔" تپ کر کہا۔ "آپ چاہتے کیا ہیں؟" خود کو کنٹرول کیا اور دوٹوک انداز میں پوچھا۔

"بتایا تو ہے تمہارے دل تک رسائی چاہتا ہوں۔" دوسری جانب سکون ہی سکون تھا آواز سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں مسٹر زادیار بیگ۔ آپ کی سطحی سوچ سے خوب واقف ہوں آپ کو کیا لگتا ہے آپ مجھے ٹریپ کرنے کی کوشش کریں گے اور میں ہوجاؤں گی آپ کی باتوں پر ایمان لے آؤں گی۔ جو انسان میرے کردار پر یقین نہیں رکھتا وہ یوں اچانک سے بدل جائے مجھ پر ایک دم مہربان ہوجائے میرے ساتھ سڑک چھاپ عاشقوں کی طرح گفتگو کرنے لگے وہ بھی بلاسبب اور میں یقین کرلوں گی......" اس کا لہجہ اور انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ زادیار نے ایک پل کو اپنے لب بھینچے تھے۔

"ابھی یقین نہیں ہے کبھی تو کروگی نا میں انتظار کروں گا۔" اس نے فوراً پینترا بدلا تھا۔

"ہاں اسی خوش فہمی میں رہیے گا۔"

"رہ لوں گا اب چلو تمہیں ڈراپ کردوں۔" اس کی بات پر وہ ایک دم اس کی جانب پلٹی تھی۔

"مسٹر زادیار بیگ آپ زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کریں میں نے کبھی کسی پر انحصار نہیں کیا۔ جو بھی کرتی ہوں اپنے بل بوتے پر کرتی ہوں۔ سو پلیز اپنے کام سے کام رکھیے میری لائف میں انٹرفیئر کرنے کی کوشش مت کریں۔" ایک ایک جملے پر زور دیتے ہوئے کہا اور بنا اس کی جانب دیکھے وہاں سے چلی گئی اور زادیار محض دیکھتا رہ گیا۔

O......OO......O

ارقام حتی الامکان کوشش کررہا تھا ظعینہ سے سامنا نہ ہو مگر یہ ناممکن تھا ایک ہی پروجیکٹ پہ ایک ساتھ کام کرتے ہوئے سامنا نہ ہو لیکن بہرحال وہ کوشش پوری کررہا تھا اس وقت بھی وہ آفس میں بیٹھا تھا کو عالیہ سے اس نے آل ریڈی کہہ دیا تھا کہ وہ کسی کو اندر نہ آنے دے

اور نہ کوئی فون کال دے۔ مگر جانتا تھا چاہے کچھ بھی ہوجائے ظعینہ رکنے والی نہیں وہ اسے اوائیڈ ضرور کررہا تھا مگر چاہتے ہوئے بھی ہرٹ نہیں کرسکتا تھا اس نے کبھی اس کے متعلق سختی سے کسی کو کوئی ہدایت نہیں دی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی سرد مہری کو مصروفیت کا نام دے رہی تھی۔ وہ اس وقت بری طرح اپنے کام میں مصروف تھا تبھی انٹرکام بج اٹھا اس نے ایک پل کو سر اٹھا کر دیکھا دوسرے ہی پل ریسیور اٹھالیا۔

"میں نے منع کیا تھا نا عالیہ مجھے کوئی ڈسٹربنس نہیں چاہیے اس وقت میں بہت بزی ہوں کوئی ملاقات نہیں کوئی کال نہیں پھر بھی آپ......!"

"میں جانتی ہوں سر لیکن ایک لڑکی بہت دیر سے آپ کا انتظار کررہی ہے، میں نے بہت کہا تھا کہ آپ کسی سے بھی نہیں ملنا چاہتے مگر یہ بضد ہیں کہ ہر صورت ملنا ہے اب آپ بتائیے میں کیا کروں۔" مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے شریر سے انداز میں کہا۔ گو آواز بدلنے کی خاصی کوشش کی گئی تھی مگر پھر بھی وہ پہچان گیا تھا وہ تو اس کی موجودگی جان لیتا تھا تو یہ تو پھر آواز بدلنے کی ناکام سی کوشش تھی۔

"اوکے......انہیں بھیج دیجیے۔" بنا ظاہر کیے کہ وہ اسے پہچان گیا ہے سنجیدگی سے گویا ہوا اور ریسیور رکھ دیا۔ دوسری جانب ظعینہ ریسیور رکھ کر گھور کر رہ گئی۔ ارقام دانستہ فائل پر جھک گیا تبھی دروازے پر ناک ہوا۔

"یس کم آن۔" سر جھکا ہوا تھا۔ وہ دبے قدموں اندر آئی اور چند لمحے چیئر کی بیک کو پکڑے کھڑی رہی اسے مصروف سے انداز میں سر جھکائے دیکھتی رہی۔ بہت دیر تک جب وہ کچھ نہ بولی تو مجبوراً ارقام کو سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنا پڑا۔

"او......ظعینہ، آپ ہیں۔" اس کی جانب دیکھتے ہوئے انجان بنتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

"جی میں ہی ہوں آپ کو فرصت مل گئی مجھے دیکھنے کی۔" اس کا ارادہ ہرگز طنز کرنے کا نہیں تھا مگر نہ چاہتے ہوئے بھی کرگئی تو وہ شرمندہ سا ہوگیا۔

"ایم سو سوری، ایکچوئلی میں یہ فائل دیکھ رہا تھا اسی لیے میں......!"

"میں جانتی ہوں ارقام آپ بزی ہیں مگر ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا کہ آپ مصروفیت میں میری موجودگی کو فراموش کردیں۔ میری موجودگی کو محسوس نہ کرسکیں، یہ بہت حیران کن سی بات ہے میرے لیے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے ظعینہ، میں اتنا بزی تھا کہ جان ہی نہ سکا۔" اس نے نظریں چرائیں۔

"آپ کو کیا لگتا ہے ارقام۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا میں محسوس نہیں کرسکتی جیسا کہ آپ مجھے اوائیڈ کررہے ہیں۔ مجھ سے بات کرنے سے گریزاں ہیں آپ ہر بات کو جھٹلا رہے ہیں مگر میں جانتی ہوں میں جو محسوس کررہی ہوں وہ غلط نہیں ہے کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ غلط ہوا ہے آپ کے اس بدلے ہوئے رویے کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے جو میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"میں نے کہا نا ظعینہ ایسا کچھ نہیں ہے تمہیں غلط فہمی......!"

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ارقام میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں جس کی سوچ کو آپ بے وقوفی قرار دے کر بری الذمہ ہوجائیں گے شعور رکھتی ہوں رویوں کے بدلاؤ کو محسوس کرسکتی ہوں اگر میں آپ کے رویے کو اوائیڈ کررہی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کچھ سمجھ نہیں رہی بلکہ میں کچھ غلط نہیں سوچنا چاہتی آپ کو لے کر مگر اب میں جھٹک نہیں پارہی آج میں جاننا چاہتی ہوں پلیز ارقام......!"

"میں نے کہا ناں ظعینہ ایسا کچھ......!"

"اوکے......آپ نہیں بتانا چاہتے مت بتائیں، اب میں آپ سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے اس نے سنجیدگی اور کسی قدر خفگی سے کہا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

جبکہ ارقام اپنے ہاتھ پر مکہ مار کر رہ گیا اپنے بال مٹھی

میں لے کر جھٹکا دیا تھا۔

O......OO......O

”واٹ تمہیں جاب مل گئی ہے، کب، کہاں کیسے؟“ آغامینا کے بتانے پر کہ اسے جاب مل گئی ہے وہ ایک دم اچھلا تھا۔

”کب، کہاں کیسے تو جناب بس مل گئی کافی دن ہوگئے ہیں مجھے جاب کرتے ہوئے آپ پر ہی آج کل بے خبری کا دورہ پڑا ہوا ہے ورنہ کیسی حقیقت آشکار ہو رہی ہے آپ کو علم بھی نہیں ہے۔“

”کیا مطلب۔ ایک سیکنڈ تم پہلے مجھے یہ بتاؤ تمہیں جاب کس نے دی ہے؟“ اس نے کسی قدر خفگی سے استفسار کیا جیسا سے جاب دینے والے پر غصہ ہو۔

”میرے ایم ڈی صاحب نے اور کون دے گا۔“ اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

”زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔ نام پوچھ رہا ہوں۔“ اسے گھورتے ہوئے طنز کیا۔ وہ جھینپ سی گئی۔

”ہاشم بیگ نے۔“ ارقام کو پانی پیتے ہوئے اچھو سا لگ گیا تھا۔

”وہاٹ ہاشم بیگ؟“

”ہاں، کیوں کیا ہوا؟“ اس کے ردعمل نے بری طرح چونکا دیا تھا۔

”جانتی ہو ہاشم بیگ کون ہیں۔“

”کیا مطلب ہے کون ہیں بھئی میرے ایم ڈی صاحب ہیں، اچھے خاصے انسان ہیں خاصی سخت گیر پرسنالٹی ہیں اور......!“

”اور زاویار بیگ کے والد محترم ہیں۔“ اب کہ شاکڈ ہونے کی باری اس کی تھی وہ ایک دم اچھلی تھی۔

”وہاٹ...... زاویار کے والد......!“

”جی ہاں زاویار بیگ کے فادر ہاشم بیگ۔“ وہ چند ثانیے بالکل چپ سی ہوگئی تھی ان دونوں کے نام کے ساتھ بیگ لگتا تھا مگر یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی کہ وہ اس پر سوچتی اسے کبھی خیال نہ گزرا تھا کہ زاویار بیگ ایچ ٹیلی میں ہاشم بیگ کا بیٹا ہے۔

”تمہیں نہیں پتا تھا کیا؟“ ارقام نے اس کا مذاق اڑایا۔

”نہیں میں نہیں جانتی تھی۔“ وہ اپنے خیال سے بری طرح چونکی تھی۔

”تم کچھ کہہ رہی تھیں کیسی حقیقت آشکار ہوئی ہے تم پر۔“ ارقام فوراً پلٹا اور اس بات پر آن ٹکا تھا جسے اس نے چھوڑ دیا تھا۔

”ہاں وہ میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ یہ بات ابھی میں نے امی کو بھی نہیں بتائی۔“

”کیا؟“ اس کے یوں رازداری سے کہنے پر وہ چونکا۔

”بولو ناں آغا کیا بات ہے۔“ اس کی خاموشی پر اس نے دوبارہ پوچھا۔

”ارقام بھائی، ظعینہ...... ظعینہ حسن احمد بخاری کی بیٹی ہے۔“

”واٹ......؟“ ارقام کو جھٹکا لگا تھا۔

”ظعینہ حسن احمد بخاری کی بیٹی ہے۔“

”جی ہاں۔“ اس نے فوراً سر ہلایا۔

”اس کا مطلب ہے تورع حسن بخاری ظعینہ کا بھائی اور حسن احمد بخاری کا بیٹا ہے اور ہاشم بیگ ان کے ماموں۔“ اس کے آخری جملے پر آغامینا جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”کیا ہاشم بیگ ظعینہ کے ماموں ہیں۔“ اس کے اثبات میں سر ہلانے پر آغامینا نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

”اوہ...... اسی لیے وہ مجھ سے میرے متعلق نہیں بلکہ امی کے متعلق جاننا چاہتے تھے۔ انہیں مجھ میں امی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔“ وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی۔

”تم نے امی کو بتایا یہ سب؟“ ارقام نے استفسار کیا۔

”نہیں۔“

”لیکن کیوں؟“

”کیونکہ ابھی مجھے بہت کچھ جاننا ہے ابھی تو صرف رشتوں تک رسائی حاصل ہوئی ابھی تو بہت کچھ جاننا باقی ہے۔“

”لیکن آغا ہمیں امی کو بتا دینا چاہیے۔ وہ انہیں لمحوں کے انتظار میں ہی تو ہیں اگر ہم......!“

”میں سمجھ رہی ہوں بھائی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں لیکن آپ خود بتائیں کیا ابھی امی کو یہ سب بتانا مناسب ہے جبکہ ہم ابھی کچھ بھی نہیں جانتے۔“ اس نے استفسار کیا۔

”ہاں شاید تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو اور جاننا تو ابھی مجھے بھی بہت کچھ ہے۔“ وہ آہستگی سے بڑبڑایا۔ آغامینا نے چونک کر دیکھا تھا۔

”کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں۔“ آہستگی سے کہہ کر کچھ سوچنے لگا تھا۔

O......OO......O

”ظعینہ نہیں آئی مینو بہت دن ہوگئے اسپتال میں ہی ملاقات ہوئی تھی اس سے۔ اس کے بعد ملنے نہیں آئی۔“ وہ انہیں واک کی غرض سے قریبی پارک میں لے آئی تھی کچھ دیر یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے اچانک انہوں نے پوچھا تو آغامینا نے چند پل بغور امی کی جانب دیکھا تھا۔

”آپ کو ظعینہ کیسی لگی امی؟“ کسی خیال کے تحت پوچھا۔

”بہت اچھی، بہت پیاری بچی ہے اس سے مل کر ایسا لگا جیسے میں ہمیشہ سے اسے جانتی ہوں، بہت اپنی اپنی سی لگی مجھے بہت مانوس سی۔ جیسے اپنے ہی وجود کا کوئی حصہ ہو۔ اس سے بار بار ملنے کو دل چاہتا ہے لیکن وہ دوبارہ پھر آئی ہی نہیں، جانے کیوں؟“

”کیونکہ وہ نہیں جانتی کہ میں یہاں رہتی ہوں۔“ انہیں کندھوں سے تھام کر بٹھاتے ہوئے کہا۔

”تم نے اسے ایڈریس نہیں دیا تھا اس روز؟“ وہ حیران ہوئی تھیں۔

"نہیں امی، میں نے اسے ایڈریس نہیں دیا تھا میں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا کہ میں یہاں رہتی ہوں۔"

"لیکن کیوں بیٹا۔"

"امی کبھی کبھی آپ جانتے ہوئے بھی کتنی معصومیت سے سوال کرتی ہیں حالانکہ آپ جانتی ہیں کہ ہم یہاں کیوں آئے تھے اتنے سالوں بعد آپ دوبارہ واپس آ ئیں مجھے پہلی بار میرے ملک میں لے کر آ ئیں سب کچھ چیخ کرنے آپ کے یوں اچانک سب کو چھوڑ جانے کی وجہ بتانے دلوں کو دوبارہ سے جوڑنے آپ کے جانے کے بعد دلوں میں جو غلط فہمیاں در آئی تھیں انہیں دور کرنے آپ کے جانے کے بعد وہ بھی بنا کسی کو بتائے کیا کچھ نہ سوچا ہوگا لوگوں نے آپ کے بارے میں آپ کے اپنوں کے بارے میں اپنے اپنے مفروضوں میں پڑ کر جانے کیا کیا سمجھے ہوں گے، رشتوں میں پڑی ہوئی دراڑوں کو بھرنے ایسے میں اگر میں سب کچھ ظاہر کر دیتی تو جانے کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا اس لیے میں نے کسی کو نہیں بتایا کہ میں کہاں رہتی ہوں۔ کون ہوں۔ کہاں سے آئی ہوں مگر اب ضرور بتاؤں گی اب وقت آ گیا ہے مگر......!"

"مگر کیا مینو؟" وہ چونکیں۔

"مگر ابھی مجھے ایک اور کام کرنا ہے مجھے کسی سے ملنا ہے۔"

"کس سے ملنا ہے؟" آغا مینا نے ان کی بات پر بہت پیار سے ان کی جانب دیکھا۔

"بتاؤں گی امی۔ بہت جلد بتاؤں گی۔ ابھی آپ چھوڑیں اس بات کو چلیں ایک اور راؤنڈ لگاتے ہیں۔" ایک دم بات بدلتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں بیٹا اب اور نہیں چلا جائے گا۔ میں تھک گئی ہوں اب گھر چلتے ہیں۔"

"اچھا چلیں پھر گھر ہی چلتے ہیں۔ ویسے بھی ٹائم کافی ہو گیا ہے مجھے آفس بھی جانا ہے۔" انہیں لیے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پارک سے باہر لے آئی تھی۔ تبھی ایک گاڑی ان کے قریب آن رکی تھی۔ وہ دونوں چونک کر رک گئی تھیں۔

"گاڑی کا دروازہ کھلا تھا ہشاش بشاش ظعینہ بخاری باہر نکلی تھی اور کس قدر حیرانگی سے ان کی جانب بڑھی تھی۔ جبکہ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تورع حسن بخاری ایک دم ساکت سا ہو گیا تھا اپنے سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر جیسے سب کچھ بھول گیا تھا بنا پلک جھپکے ارد گرد سے بے نیاز وہ یک ٹک انہیں دیکھتا جا رہا تھا اور دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ ظعینہ کے بار بار پکارنے پر بھی متوجہ نہ ہوا تھا۔ مجبوراً اسے اس کے قریب آنا پڑا۔

"ارخ...... ارخ...... پلیز باہر آئیں ناں۔ میں آپ کو اپنی فرینڈ سے ملواتی ہوں۔"

"ہاں...... کیا کہا تم نے۔" وہ بری طرح چونکا اور کسی قدر حیرت سے ظعینہ کو دیکھا تھا۔

"باہر آئیں ارخ۔ میں آپ کو اپنی فرینڈ سے ملواتی ہوں۔" اس نے دوبارہ دہرایا۔

وہ بالکل میکانکی انداز میں دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ اس عالم میں بھی اس کی نظریں شہناز بیگم پر لگی ہوئی تھیں۔ یہی کیفیت آغا مینا کی بھی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں تورع کی طرح حیرانگی نہیں تھی نہ ہی وہ اسے پہلی بار دیکھ کر چونکی تھی۔ ضرور چونکتی اگر ظعینہ نے اس کے بارے میں بتایا نہ ہوتا تو اس وقت اس کی آنکھوں میں حسرت تھی دل میں ارمان تھا اسے ظعینہ کی طرح ہی پورے استحقاق سے بلانے کا مگر بلا نہیں سکتی تھی۔ ظعینہ اسے ساتھ لیے ان دونوں کی جانب چلی آئی تھی۔

"ارخ یہ آغا مینا ہے۔ میری فرینڈ۔" ظعینہ نے تعارف کرایا مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا وہ صرف شہناز بیگم کو دیکھ رہا تھا شاید اسے ظعینہ کی بات بھی ٹھیک سے سنائی نہ دی تھی۔

وہ ایک پل کو شرمندہ سی ہو گئی۔ مگر آغا مینا کو قطعاً برا نہیں لگا تھا وہ اس وقت اس کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی اسی لیے خاموش تھی۔ ظعینہ نے دوبارہ انہیں پکارا تھا۔

"ارخ......" ساتھ ہی بازو بھی پکڑ کر ہلایا تھا۔

"ہاں کیا ہوا؟"

"آپ ٹھیک تو نہیں ناں ارخ؟"

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ بمشکل بول پایا تھا۔

"یہ میری دوست ہے آغا مینا اور یہ اس کی امی۔"

"امی یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ ناممکن ہے۔ ان کی کوئی اور بیٹی کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ تو......؟" اس کی بات پر اسے یکلخت جھٹکا سا لگا تھا وہ ایک دم الجھ سا گیا تھا اور بے پناہ حیرت سے دل ہی دل میں گویا ہوا تھا۔

جبکہ دوسری جانب شہناز بیگم اپنے سامنے کھڑے لمبے، خوبرو توانا صحت مند جوان کو دیکھ کر بری طرح چونکی تھیں ان کا دل ایک دم دھڑکا تھا وہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں وہ تینوں ہی اپنی اپنی جگہ خاموشی سے اپنی ہی سوچوں سے الجھ رہے تھے تینوں کے جذبات تقریباً ایک جیسے تھے کسی کو بھی ایک دوسرے کے تاثرات نے حیران نہیں کیا تھا۔ کیونکہ تینوں ہی اپنے اپنے خیالوں میں تھے۔

مگر ظعینہ ضرور حیران ہوئی تھی وہ ضرور چونکی تھی وہ کتنے ہی پل حیران سی باری باری ان کو دیکھ رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرتی یا انہیں متوجہ کرتی تورع بنا کسی سے بات کیے اچانک واپس مڑا اور تیزی سے گاڑی میں بیٹھ کر آناً فاناً وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ دونوں اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی تھیں جبکہ ظعینہ تورع کے یوں بنا بات کیے ان سے حال احوال پوچھے جانے پر شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"ایم سو سوری آنٹی، پتا نہیں اچانک ارخ کو کیا ہوا ہے۔ بنا آپ سے بات کیے چلے گئے ہیں۔ ایم رئیلی ویری سوری۔ میں بہت شرمندہ ہوں ان کے رویے پر۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا، ہمیں برا نہیں لگا۔" وہ خود بھی اپنی کیفیت سے انجان تھیں کچھ محسوس ہی نہ کر سکیں اس لیے ظعینہ کے معذرت خواہانہ انداز پر دھیرے سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"تھینکس آنٹی آپ بہت اچھی ہیں۔"

"تم یہاں کیسے ظعینہ۔" اس کی شرمندگی کو زائل کرتے ہوئے آغا مینا نے استفسار کیا۔

"ہاں مجھے ارقام سے نئے پروجیکٹ کے سلسلے میں کچھ بات کرنی تھی، اس لیے اتنی صبح صبح اس کے گھر چلی آئی اور...... ایک سیکنڈ تم یہاں رہتی ہو؟" کچھ کہتے کہتے وہ اچانک چونکی اور کسی قدر حیرت سے استفسار کیا۔ ایک پل کو آغا مینا گڑبڑائی تھی دوسرے ہی پل گویا ہوئی۔

"ہاں ہم یہیں رہتے ہیں ارقام بھائی کی انیکسی میں۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے بالآخر بتا دیا تھا۔

"واٹ تم یہاں ارقام کی انیکسی میں تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ اس روز بھی میں آئی تھی لیکن تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ تم یہاں رہتی ہو اور ارقام ان سے بھی میں نے دو تین بار تمہارا ایڈریس مانگا مگر وہ ہر بار ٹال جاتے تھے۔ لیکن کیوں......؟" آخری جملہ اس نے دل ہی دل میں ادا کیا تھا اسے ارقام پر حیرت ہوئی تھی اس نے اسے آغا مینا کا ایڈریس بتانے سے گریز کیوں کیا تھا۔ جبکہ آغا مینا کہہ رہی تھی۔

"اس روز بس خیال ہی نہیں رہا اور اس سے پہلے تم نے کبھی مجھ سے پوچھا ہی نہیں اور مجھے بھی کبھی خیال نہیں آیا خیر چھوڑو چلو گھر چلتے ہیں وہیں پر بات کریں گے آ ئیں امی۔" دانستہ بات کو بدلتے ہوئے اس نے کہا اور شہناز بیگم کو لیے دھیرے سے قدم آگے بڑھا دیے۔ جبکہ ظعینہ اپنی ہی سوچوں میں الجھ گئی تھی۔ آغا مینا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"آؤ ناں ظعینہ رک کیوں گئیں؟" آغا مینا جانتی تھی وہ یوں ایک دم خاموش سی ہو کر رک کیوں گئی ہے۔ تبھی اسے متوجہ کیا تھا۔ وہ چونکی تھی۔

"ہاں، میں آرہی ہوں۔" اپنی سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے وہ بھی تیزی سے ان کے پیچھے چلی آئی تھی۔

(جاری ہے)

تربیت

سدرہ فریال

"تربیت؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا۔

"جی ہاں مما! تربیت ہی تو اچھی نہیں کی آپ نے ہماری۔ ورنہ کیوں آج مجھے ذلیل کرکے سسرال سے نکالا جاتا۔ وہ تو شکر ہے عاصم کے بابا آگئے ورنہ وہ تو مجھے طلاق دینے لگے تھے۔" ذرتاش نے روتے ہوئے مہربانو کو سارا الزام دیتے ہوئے کہا اور دنگ کھڑی مہربانو کو اسی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ باہر کھڑی زارا نے اس کو ہمدردی سے دیکھا۔ اور پھر مہربانو کے کانوں نے زارا کی آواز آئی۔

"ٹھیک کہتی ہو آپی...... اگر مما کی تربیت اچھی ہوتی تو آج عاصم بھائی آپ کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے۔" یعنی زارا بھی یہی سمجھتی ہے کہ میری تربیت ٹھیک نہیں تھی۔ مہربانو کو اپنی حالت اس جوہری جیسی لگی جس کی زندگی کا حاصل تمام قیمتی جواہرات لٹ چکے ہوں...... اس کے دل کو کچھ ہوا...... ایک ایسا درد اٹھا کہ جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کو محسوس ہوا کہ اس کے جسم کی تمام توانائی یک دم کسی نے نچوڑ لی ہو۔ بے حد تھکے تھکے انداز میں وہ صوفے پر ڈھے گئیں اور ذہن ماضی کے دھندلکوں میں کھو گیا۔

❁......❁......❁

"اماں آپ نے زندگی میں ہمیں دیا ہی کیا ہے۔ نہ اچھی تربیت کی نہ آسائش و آرام دیا اور نہ خود اعتمادی۔ ایک بے رنگ اور پھیکی زندگی جی ہے ہم دونوں نے۔" مہربانو ہمیشہ کی طرح اپنے غم و غصے کو ماں پر نکال رہی تھی اور زبیدہ اس کی کڑوی کسیلی باتیں سنتے ہوئے بھی کپڑے سینے میں مصروف تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ ضرور پھیکا پڑا تھا اور ہاتھ بھی ایک لمحے کو رکے تھے مگر اگلے ہی لمحے وہ پھر سے مشین پر متحرک تھے۔ ہاں چہرے کا رنگ زرد ہی رہا تھا۔

جب تک علیم ظفر زندہ تھے تب تک ان کی زندگی میں اس قدر آزمائشیں نہیں آئی تھیں۔ علیم ظفر کی ایک چھوٹی سی کریانہ کی دکان تھی۔ جس کی آمدنی میاں بیوی اور دو بچوں کے لیے بہت زیادہ نہیں تو ناکافی بھی نہیں تھی۔ عارف چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ جب کہ مہربانو نے ابھی ابھی اسکول جانا شروع کیا تھا۔ علیم ظفر کے بڑے بھائی کلیم ظفر بھی بیوی بچوں سمیت اسی محلے میں رہتے تھے۔ ان کی کپڑوں کی دکان تھی اور نسبتاً خوش حال تھے۔ پھر قسمت نے پلٹا کھایا ایک بس اور ٹرک کے تصادم میں جو حادثہ ہوا اس میں تین افراد کے ساتھ علیم ظفر بھی اس دنیائے فانی سے چل بسے۔ زبیدہ پر تو مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ تنہا عورت اور دو بچوں کا ساتھ اور کمائی کا کوئی ذریعہ بھی نہ تھا۔ کلیم ظفر نے کچھ عرصے بعد محلہ ہی چھوڑ دیا (نہ رہے بانس نہ بجے بانسری) محلے والوں نے کچھ عرصہ تو ساتھ دیا پر ساری عمر کون کسی کو پوچھتا ہے۔ چنانچہ زبیدہ نے سلائی کے ہنر کو استعمال کرتے ہوئے محلے والی خواتین کے کپڑے سلائی کرنا شروع کردیے۔ ہاتھ میں صفائی بھی تھی اور کچھ محلے والی خواتین زبیدہ سے ہمدردی بھی رکھتی تھیں۔ چنانچہ کچھ ہی عرصے میں زبیدہ کے پاس ڈھیروں کپڑے سلائی کرنے کے لیے آنے لگے۔ مگر اس رقم سے گھر کے اخراجات اور بچوں کے اسکول کی فیس بمشکل ادا ہو پاتی۔ بچے بڑی کلاسوں میں پہنچے تو اخراجات اور بھی بڑھ گئے۔ زبیدہ اب صبح سویرے کپڑے سینا شروع کرتی تو رات گئے تک مصروف رہتی۔ اس طرح عارف اور مہر کی اسکول فیس بمشکل ادا ہو پاتی۔ آرام و سکون کو تو زبیدہ نے اپنے اوپر حرام کررکھا تھا۔ بی اے کرنے کے بعد عارف نے باہر جانے کی ضد پکڑ لی۔ بہت سمجھانے پر بھی وہ نہ مانا

تو مجبوراً زبیدہ کو اپنے جہیز کے زیورات جن میں اب محض دو چوڑیاں بچی تھیں بیچنی پڑیں۔ کچھ محلے والوں سے قرض لے کر اس نے عارف کے باہر جانے کا انتظام کیا۔ اس آس پر کہ وہ باہر جا کر کمائے گا تو وہ یہ ادھار لوٹا دے گی اور زندگی بھی سہل ہوجائے گی۔ لیکن زبیدہ کی یہ آس یاس میں بدل گئی۔ عارف نے نوکری ضرور کرلی مگر ہر وقت رقم کا رونا روتا رہتا اور گھر ایک روپیہ تک نہ بھیجتا۔

مہربانو ایف اے میں تھی اور پڑھائی میں بہت لائق فائق تھی۔ البتہ غیر نصابی سرگرمیوں میں وہ باوجود چاہنے کے حصہ نہیں لیتی تھی۔ کیونکہ اس میں اعتماد کی حد درجہ کمی تھی۔ تقریری مقابلوں میں حصہ لینے والی لڑکیاں اس سے تقریریں لکھواتیں اور جب ان تقریروں سے وہ پوزیشن لیتیں تو مہر کو بے حد دکھ ہوتا۔ اپنے کمپلیکس کی وجہ سے اس نے کبھی دوست نہ بنائی تھی۔ مبادا اسے یہ بتانا پڑ جائے کہ اس کی ماں کپڑے سلائی کر کرکے بمشکل کالج کی فیس ادا کرتی ہے...... یا کبھی اس کو گھر نہ بلانا پڑ جائے...... یہ کبھی اس کے ساتھ کینٹین نہ جانا پڑ جائے اور اس کے پاس پیسے کم ہوں گے تو کس قدر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ سوچ کر ہی جھرجھری لیتی اور مستقبل میں بھی کوئی دوست بنانے سے توبہ کرلیتی۔ اس طرح وہ بہت تنہا رہ گئی تھی۔ وہ اپنی تنہائی کی ساری منفی سوچیں فرسٹریشنز اور بے چارگیاں اپنی ماں پر نکالتی...... ان کی تربیت کو مورد الزام ٹھہراتی۔ سلائی مشین پر جھکی زبیدہ اب اس کی کڑوی کسیلی باتیں سننے کی اس قدر عادی ہوچکی تھی کہ اب اس کی باتیں سنتے ہوئے وہ مشین پر سے سر نہ اٹھاتی اور بظاہر اپنے کام میں مصروف رہتی مگر اس کے اندر کتنا کچھ ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوجاتا اس کا مہربانو کو ہرگز اندازہ نہ ہو پاتا۔ وہ تو سارا غبار نکال کر اپنے کمرے میں چلی جاتی اور کچھ دیر غصے میں رہتی۔ پھر جب غصہ و غم، بے چارگی و بے بسی میں تبدیل ہوتا تو وہ رونے لگتی۔ اس طرح کے ماحول میں مہربانو نے خود سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کی کبھی اپنی ماں کی طرح تربیت نہیں کرے گی۔ آسائشیں اور آرام بھی دے گی مگر سب سے بڑھ کر اپنا وقت اور اعتماد دے گی تاکہ ان کو اس جیسی زندگی نہ گزارنی پڑے۔

بی اے کرنے کے بعد جب مہربانو کے لیے رشتے آنا شروع ہوئے تو وہ بہت ناامید ہوئی۔ ان میں کیڑے نکال کر ماں کو منع کردیتی۔ زبیدہ اسے سمجھاتیں کہ اس کے لیے ایسے ہی رشتے آسکتے ہیں۔ مگر وہ نہ مانی "شہزادہ سلیم نہ سہی کوئی اس کا پاسنگ ہی سہی۔" چنانچہ اس نے پرائیویٹ طور پر ایم اے کرنا شروع کردیا۔ ایم اے مکمل ہونے میں کچھ ماہ باقی تھے جب اس کے لیے ایک رشتہ آیا۔ لڑکا ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا تھا اور بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ وقار کی ایک چھوٹی بہن اور بھائی زیر تعلیم تھے۔ کچھ کشمکش کے بعد بالآخر مہربانو مان گئی۔ وقار کی والدہ کو شادی کی جلدی تھی چنانچہ وہ اسے انگوٹھی پہنا کر چار ماہ بعد کی تاریخ دے گئیں تب تک مہربانو کے پرچے بھی

ہوجاتے تھے۔
وقار کی فیملی کو زبیدہ کے حالات کا علم تھا۔ چنانچہ شادی سادگی سے کی گئی۔ البتہ ولیمہ کا فنکشن انہوں نے نہایت شاندار انداز میں منایا۔ شادی کے ہنگامے اور دعوتوں کے سلسلے ماند پڑے تو زندگی پرانی روٹین پر آ گئی۔ مہربانو اب پرسکون تھی یہ گھر اس کے خوابوں جیسا پرفیکٹ نہ سہی مگر اپنے گھر سے بہت بہتر تھا۔ نند صبا ایف ایس سی میں جبکہ زریاب بی کام کا طالب علم تھا۔ والد کا انتقال ہو چکا تھا اور والدہ گھر کے کاموں میں اور عبادت میں مصروف رہتیں۔ وقار کا رویہ اس سے اچھا تھا مگر وہ زیادہ تر مصروف رہتا تھا۔ رات دیر سے گھر آتا اور کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر اپنے گھر والوں کے ساتھ گپ شپ لگاتا اور پھر سونے کے لیے کمرے میں چلا جاتا۔ ویک اینڈز پر البتہ وہ اکثر مہر کو گھمانے کے لیے باہر لے جاتا۔
سارا دن وہ گھر میں بور ہونے کے بجائے ساس کے ساتھ مل کر گھر کے کام نپٹاتی۔ اس کی ساس رابعہ خاتون کا رویہ اس سے روایتی ساس جیسا نہ تھا۔ وہ اس سے محبت سے پیش آتیں۔ اس پر کاموں کی کوئی خاص ذمہ داری نہ تھی۔ سو راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ انہی دنوں وہ امید سے ہوئی تو گھر بھر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اب وقار اور رابعہ خاتون اس کا زیادہ خیال رکھنے لگے تھے۔ صبا نے تو خود کو نام رکھنے کا حق دیتے ہوئے ڈھیر سارے نام سوچ بھی لیے تھے۔
مہر کے ہاں بیٹی نے جنم لیا تو سب سے زیادہ خوشی خود مہر کو ہوئی۔ اس نے بیٹی کی اچھی تربیت جو کرنی تھی نا۔ اس نے ذرتاش کو نہایت محبت سے پالنا شروع کیا۔ محبت تو ذرتاش کو پورے گھر سے ملتی تھی مگر مہر نے تو اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا۔ ذرتاش مجسم محبت ہی تھی۔ ہر کسی کی محبت کا محور۔ ذرتاش کی پیدائش کے تین سال بعد زارا اور تابش جڑواں پیدا ہوئے۔ اب مہر کو مشکل ہونے لگی تھی۔ تین چھوٹے بچوں کا ساتھ۔ تابش اور زارا کو اکٹھے سنبھالنا بہت مشکل تھا۔ کسی ایک کو وہ سنبھالتی تو دوسرے کو رابعہ خاتون۔ اس کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کاج بھی کرنے ہوتے۔ اسی طرح وقت گزرنے لگا۔
زریاب کا ایم بی اے مکمل ہوا تو گھر میں اس کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لڑکی کا انتخاب اس نے خود کیا تھا۔ اشبہ اس کے ساتھ پڑھتی تھی۔ شادی کے تمام اخراجات وقار کو اٹھانے تھے۔ چنانچہ اس نے کمپنی سے قرضہ لے لیا۔ شادی بخیر و عافیت گزر گئی اور اشبہ بیاہ کر گھر آ گئی۔ شادی کے بعد زریاب اور اشبہ گھر کے اوپر والے پورشن میں شفٹ ہوگئے۔ زریاب اب جاب کرنے لگا تھا مگر ماں اور بہن کی ذمہ داری سے آزاد تھا۔ وقار پر ماں، بہن، بیوی اور تین بچوں کی ذمہ داری تھی اور اوپر سے قرضے کا بوجھ...... اس نے اوور ٹائم کرنا شروع کردیا۔ اب وہ رات کا کھانا بھی گھر پر نہ کھاتا اور رات گیارہ بارہ بجے تک واپس آتا۔
بچے بڑے ہوئے تو ذمہ داریاں اور بھی بڑھ گئیں۔ اب صبا کے لیے رشتے آنا شروع ہوگئے تھے۔ ایک مناسب رشتہ دیکھ کر رابعہ اور وقار نے ہاں کردی۔ ایک ہفتہ بعد منگنی کردی گئی جب کہ شادی کی تاریخ دو ماہ بعد کی رکھی گئی۔ اب تک تو وقار نے پچھلا قرضہ بمشکل چکایا تھا۔ اب پھر سے رقم کا مطالبہ؟ زریاب حسب معمول اس ذمہ داری سے آزاد تھا۔ جہیز کے لیے تو رابعہ بیگم نے بہت کچھ جمع کر رکھا تھا۔ باقی جو کچھ رہ گیا تھا اس کے لیے اور شادی کے دیگر انتظامات کے لیے وقار نے دوستوں سے قرضہ لے لیا۔ اس طرح شادی تو بخوبی گزر گئی مگر وقار کے سر پر اچھا خاصا قرض چڑھ گیا۔ مہربانو نے اس کی پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے ایک اسکول میں پڑھانا شروع کردیا۔ ذرتاش کو وہ اپنے ساتھ ہی اسکول لے جاتی۔ جہاں وہ پہلی کلاس میں پڑھتی تھی، جب کہ تابش اور زارا کو گھر میں رابعہ خاتون سنبھالتیں۔ وقار اب بھی رات دیر سے گھر آتا۔
پھر آہستہ آہستہ وقت بدلنے لگا۔ وقار کا گریڈ بڑھا تو اس کی تنخواہ بھی بڑھ گئی۔ قرض بھی اتر گیا۔ چنانچہ اس نے اوور ٹائم لگانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصے بعد اس نے مہر کی نوکری

بھی چھڑوا دی۔ اب مہربانو گھر میں صرف بچوں پر توجہ دیتیں۔ ذرتاش میٹرک میں جبکہ زارا اور تابش ساتویں جماعت میں آگئے ہیں۔ مہربانو کے بے حد لاڈلے بچے...... وہ کون سی فرمائش تھی جو وہ ان کی پوری نہ کرتی۔ رات کے دس بجے اگر کسی کا فرنچ فرائز کھانے کو جی چاہتا تو وہ لبیک کہہ کر کچن میں گھس جاتی اور دس منٹ بعد اس کے سامنے پلیٹ لے کر حاضر ہوتی۔ ان کی پسند کے کھانے بنا کر لاڈ سے کھلاتی۔
رابعہ اس کو اکثر سمجھاتیں کہ اس طرح بچے بگڑ جائیں گے مگر وہ سنی ان سنی کر دیتی بلکہ نہایت فخر سے بتاتی کہ تابش نے فلاح تقریر میں اول انعام حاصل کیا۔ زارا بیڈ منٹن کی چیمپئن بن گئی ہے اور ذرتاش نے فلاح ڈرامہ میں ملکہ کا کردار کس قدر خوبی سے ادا کیا۔ وہ تینوں واقعی بے حد ذہین اور بلا کے خود اعتماد تھے۔ خصوصاً ذرتاش، جس کو ماں کا پیار سب سے زیادہ ملا تھا۔ مہربانو کو برقعہ اور نقاب سے بھی سخت چڑ تھی جو اس کی ماں اسے زبردستی کرواتی تھی۔ چنانچہ اس نے ذرتاش اور زارا کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔ زارا تو پھر بھی باہر جاتے ہوئے دوپٹہ سر پر اوڑھ لیتی مگر ذرتاش کا دوپٹہ کندھے پر رہتا۔
ذرتاش کا ایم ایس سی کیمسٹری مکمل ہوگیا۔ جبکہ زارا کا ایم بی بی ایس کا دوسرا سال تھا اور تابش اکاؤنٹنگ پڑھ رہا تھا ان دنوں ذرتاش کے لیے بہت زیادہ رشتے آنے لگے۔ آتے بھی کیوں نہیں، اس کے پاس سب کچھ تو تھا۔ حسن، تعلیم، دولت اور اعتماد...... مگر اس معاملے میں بھی مہربانو نے سارا فیصلہ ذرتاش کے ہاتھوں میں دے دیا۔ مگر وہ کیوں ان آنے والے رشتوں کی جانب دیکھتی۔ وہ تو اپنا جیون ساتھی منتخب کر چکی تھی...... عاصم اس کے ساتھ پڑھتا تھا۔ اس کا باپ محمود قریشی کاروبار کرتا تھا اور اب عاصم بھی اس کے ساتھ کاروبار میں مدد کروا رہا تھا۔ ماں ہاؤس وائف تھی اور دو چھوٹی بہنیں زیر تعلیم تھیں۔ مہربانو کو ان میں سے کسی بات پر بھی اعتراض نہ تھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ یہ ذرتاش کی پسند ہے۔ چنانچہ دونوں طرف سے شادی کی بھرپور تیاریاں ہونے لگیں۔ ذرتاش نے شادی کی ساری شاپنگ مہربانو کے ساتھ مل کر اپنی پسند سے کی۔
جہاں وہ ذرتاش کی رخصتی پر غمگین تھی وہاں کپڑوں سے لے کر بالوں کے کیچر تک سب اس کی اپنی پسند کا تھا۔ جہیز کے زیادہ تر کپڑے سلیولیس تھے۔ جن پر مہربانو نے کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ اس کی پسند کو سراہا۔ شادی خوب دھوم دھام سے ہوئی۔ عاصم کے گھر والوں نے سارے ارمان پورے کیے تو زارا اور تابش بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے اور مہربانو اس کی خوشی کی بھی انتہا نہ تھی۔ اس نے ایک ماں ہونے کا فرض بخوبی ادا کیا تھا۔ قسمت نے اچھا شوہر بھی عطا کردیا۔ مانو اس کی زندگی مکمل ہوگئی۔ سو مہربانو نہال تھی۔
شادی کے بعد جب عاصم پہلی بار آفس جانے کے لیے اٹھا تو ذرتاش سو رہی تھی۔ اسے سوتا چھوڑ کر وہ آفس چلا گیا۔ آفس سے اسے شام پانچ بجے تک تیار رہنے کا میسج کیا۔ جواباً ساڑھے بارہ بجے اس کا اوکے کا میسج آیا۔ یعنی اب اٹھ رہی ہے اس نے سوچا۔ جب وہ گھر پہنچا تو ذرتاش ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دینے میں مصروف تھی۔ لمبی سلیولیس قمیض ٹراوزر اور ہم رنگ دوپٹہ جو کہ اس نے ایک کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ عاصم کو دیکھ کر مسکرائی اور ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا اسیل فون اٹھا لیا۔ وہ تیار تھی۔
"کیسی لگ رہی ہوں؟" اس نے ایک ادا سے پوچھا۔
"سوری ڈیئر میں ایک لمبی چوڑی تعریف کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔" جواب تو عاصم کی آنکھیں دے چکی تھیں۔ وہ اعتماد سے مسکرائی جیسے اسے اسی طرح کے کسی جملے کی امید تھی۔ وہ دونوں کمرے سے نکلے تو نیچے سامنے لاؤنج میں عاصم کی والدہ عذرا بیگم صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔
"مما ہم ذرا آؤٹنگ کے لیے باہر جا رہے ہیں۔" عاصم نے اطلاعاً انہیں بتایا جو مسلسل ذرتاش کے کپڑوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"ذرتاش تم اس حلیے میں باہر جاؤ گی...... اس سلیولیس شرٹ میں اور دوپٹہ کندھے پر کیوں ڈال رکھا ہے؟" ذرتاش نے حیرت سے ساس کی بات سنی اور احتجاجاً عاصم کی طرف دیکھا جو ماں کے سامنے بے بس نظر آرہا تھا۔ بالآخر ذرتاش خود بولی۔

"مما میں تو اپنے گھر میں بھی......" اس کی بات عذرا بیگم نے کاٹی۔

"گھر میں تم جیسے بھی رہتی تھیں، یہاں پر ویسے رہنا ہوگا جیسے میں کہتی ہوں اور جیسے ثانیہ اور تانیہ رہتی ہیں۔ چلو برقعہ مت اوڑھو مگر چادر دوپٹہ تو ڈھنگ سے کرو اور یہ سلیولیس کپڑے تو آئندہ کے بعد گھر میں مت پہننا۔ ثانیہ اور تانیہ پر برا اثر پڑے گا۔" وہ اپنی بات مکمل کرکے رکی نہیں بلکہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ذرتاش بھی پیر پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سیل کو جھنجلاہٹ کے ساتھ صوفے پر پھینکا اور خود بیڈ پر اوندھی گر گئی۔ اس کا موڈ سخت خراب ہوچکا تھا۔ عاصم اس کے پیچھے کمرے میں آیا۔

"آئم سوری تاشی۔" عاصم کے کہنے پر ذرتاش نے اپنے چہرے کا رخ دوسری طرف پھیرلیا۔ وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کہا نا آئم سوری۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ مما اتنا غصہ کریں گی۔" اس کی بات سن کر وہ سیدھی ہوکر اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں عاصم کے دل کو کچھ ہوا۔

"ٹھیک ہے مما نے غصہ کیا۔ مگر آپ ان کے سامنے میرا دفاع تو کرسکتے تھے نا۔" یعنی اتنی بھی ناراض نہیں کہ منایا نہ جاسکے، عاصم نے سوچا۔ وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ اسے سمجھانے لگا۔

"دیکھو مما اتنی آزاد خیال نہیں ہیں نا انہوں نے ثانیہ اور تانیہ کو ہمیشہ سختی سے پردہ کروایا ہے۔" ذرتاش نے اس کی بات کاٹی۔

"تو آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"مجھے لگا کہ مما اپنے اس قانون کو شاید اپنی بہو پر لاگو نہ کریں۔" عاصم نے بات کو مذاق میں اڑایا۔

"لیکن انہوں نے مجھے برا بھلا کہا۔" ذرتاش کا غصہ تو اتر گیا مگر وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والی نہیں تھی۔

"تو میں سوری کررہا ہوں نا اور ویسے بھی مائیں تو ڈانٹتی رہتی ہیں۔ ان کی باتوں کو مائنڈ نہیں کرنا چاہیے۔ اچھا چلو شاباش اپنی رونی صورت ٹھیک کرلو پھر باہر چلتے ہیں۔"

"نیور...... میں یہ برقعہ اوڑھ کر اپنا تماشا نہیں بنوانا چاہتی۔" وہ قطعی انداز میں بولی۔

"اوں ہونہہ برقعہ کے بغیر بھی کام چلے گا۔" عاصم نے کہا اور نیچے کارپیٹ پر اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ ذرتاش کے گلے میں لٹکے دوپٹے کو ایک کنارے سے پکڑ کر اس طرح نیچے کرلیا کہ اس کا سینہ چھپ گیا۔ اب ایک کونہ اٹھا کر اس کے سر پر ڈال دیا جیسے کالج گرلز اسمبلی میں تلاوت کے وقت دوپٹے کے ایک کونے سے سر کو ڈھانپ لیتی ہیں۔

"بس اب ٹھیک ہے۔ چلو اٹھ جاؤ۔" عاصم اٹھ کر تنقیداً دوپٹے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ کی مما کو اس پر بھی اعتراض ہوگا۔" ذرتاش بھی اٹھتے ہوئے بولی۔

"نہیں ہوگا یار۔ اب وہ اتنی بھی تنگ نظر نہیں ہیں۔"

"جانتی ہوں۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی اور دوپٹہ صوفے پر پھینک کر باتھ روم میں گھس گئی۔ رگڑ رگڑ کر منہ دھوکر پچھلا میک اپ صاف کیا جو کہ رونے سے خراب ہوگیا تھا۔ باہر نکل کر وہ دوبارہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آئی اور میک اپ کرنا شروع کیا۔ ساتھ ساتھ عاصم کے "دقیانوسی عورتوں" والے تبصرے بھی جاری رہے جنہیں وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

میک اپ کرنے کے بعد اس نے دوپٹہ کو اسی طرح سیٹ کیا جیسے عاصم نے کیا تھا اور کندھوں اور سر پر سیفٹی پن لگا کر دوپٹہ سیٹ کرلیا۔ دوپٹہ سے اس کے سلیولیس بازو چھپ گئے۔ وہ دونوں جب لاؤنج میں پہنچے تو عذرا بیگم ٹہلتے ہوئے کوئی کال سن رہی تھیں۔ ذرتاش کو دیکھ کر نظر انداز کردیا۔ یعنی اب اس کا حلیہ اتنا قابل اعتراض نہیں تھا۔

ساحل سمندر کی رونق اور عاصم کی سنگت سے ذرتاش کا موڈ کافی اچھا ہوگیا۔ رات دیر سے دونوں گھر پہنچے تو لاؤنج میں عذرا بیگم کو ٹہلتے پایا۔

"اتنی دیر کردی۔ گھر میں دو جوان بچیاں ہیں، وہ کیا سوچیں گی؟ اور عاصم تم تو کوئی خیال کرلیتے۔" ذرتاش کا اچھا خاصا موڈ ایک لمحے میں خراب ہوا۔ وہ زارا اور تابش تو رات گئے تک باہر گھومتے رہتے۔ مہربانو نے کبھی اعتراض نہ کیا تھا۔ بلکہ اکثر تو وہ خود بھی ان کے ساتھ ہوتیں اور ماں کی کمپنی میں بچوں کی آؤٹنگ کا مزہ دوبالا ہوجاتا۔ ذرتاش کو عاصم کی آواز حال میں کھینچ لائی۔

"سوری مما آئندہ خیال رکھیں گے۔"

"ٹھیک ہے اب جاکر سوجاؤ۔"

"گڈ نائٹ مما۔" عاصم ماں کے ہاتھوں کی پشت کو باری باری چومتے ہوئے بولا۔

"گڈ نائٹ بیٹا۔ جیتے رہو خوش رہو۔" عذرا بیگم نے محبت سے عاصم کی پیشانی چومی۔

"کچھ دنوں بعد عاصم کو ان کے کلاس فیلو آذر کی شادی کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ آذر عاصم اور ذرتاش کا دوست بھی تھا اور گروپ فیلو بھی۔ چنانچہ نا جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مہندی کا فنکشن رات میں ہوا جس میں دونوں نے شرکت کی۔ ذرتاش نے گھر سے نکلنے کے بعد دوپٹہ کندھے پر لے لیا۔ عاصم نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ ویسے کے فنکشن پر عذرا بیگم نے بھی شرکت کی۔ وہ دیگر خواتین کے ساتھ الگ ٹیبل پر جا بیٹھیں۔ ذرتاش نے کچھ جھجک کے بعد دوپٹہ سر پر سے اتار کر گلے میں لے لیا۔ فنکشنز پر تو سب چلتا ہے نا...... اس نے سلور کلر کی فراک پہنی ہوئی تھی جس کی برائے نام سلیوز تھیں اور نیچے پاجامہ۔ وہ عاصم کے ساتھ کھڑی تھی جہاں ان کے دیرینہ دوست اور یونیورسٹی فیلوز بھی کھڑے گپ شپ لگارہے تھے۔ عاصم کا فون بجا، وہ ایکسکیوز کرتا کچھ فاصلے پر فون سننے چلا گیا۔ اسی وقت آذر بھی وہیں آنکلا۔ سب سے ہیلو ہائے کرتے

ہوئے اس نے ذرتاش سے بھی بے تکلفی سے ہاتھ ملایا۔
"ویسے آذرا تم بہت لکی ہو۔" ذرتاش کا اشارہ اسٹیج پر بیٹھی سجی سنوری حسنہ کی طرف تھا۔
"ہاں مگر عاصم سے کم۔" وہ ذرتاش کو دیکھتے ہوئے معنی خیزی سے بولا تو وہ ایک ادا سے مسکرائی۔ وہ اسی جملے کی توقع کررہی تھی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ دو آنکھیں کہیں دور سے اسے گھور رہی ہیں۔
واپسی کا سفر سکون سے طے ہوا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر عاصم اور اس کے ساتھ والی سیٹ پر ذرتاش بیٹھی تھی۔ عذرا بیگم طبیعت خرابی کا کہہ کر پہلے ہی جاچکی تھیں۔ وہ گھر پہنچے تو عذرا بیگم لاؤنج میں بے چینی سے ٹہل رہی تھیں جب کہ محمود صاحب صوفے پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ جب وہ دونوں کسی بات پر ہنستے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے تو عاصم سامنے ماں کو دیکھ کر ان کی طرف بڑھا۔
"مما...... کیا ہوا تھا آپ کو اب کیسی طبیعت ہے؟"
"عاصم اپنی بیوی کو سمجھا دو کہ مردوں کے ساتھ کھڑے ہوکر قہقہے لگانا اور غیر محرموں سے ہاتھ ملانا اس گھر کی عورتوں کا وطیرہ نہیں ہے۔ پتہ نہیں کس قسم کی تربیت کی ہے ماں نے۔" وہ ذرتاش کی طرف دیکھتے ہوئے بظاہر عاصم سے مخاطب تھی اور آخری جملہ انہوں نے منہ میں بڑبڑایا تھا جسے وہاں موجود تمام نفوس نے سنا تھا۔
"میری مما کی بات مت کریں آپ۔ انہوں نے ہماری بہت اچھی تربیت کی ہے۔" ذرتاش سے ساس کی بات برداشت نہ ہوئی۔
"نظر آرہا ہے۔" انہوں نے طنز کیا۔ "تربیت وہ ہوتی ہے جو میں نے ثانیہ اور تانیہ کی کی ہے۔ کبھی ان کو اس طرح کھلے عام مردوں سے ملتے دیکھا ہے۔"
"یہ تربیت نہیں تنگ نظری ہے۔" ذرتاش کے کہنے کی دیر تھی کہ عاصم بھڑک اٹھا۔
"شٹ اپ ذرتاش! یہ تم مما سے کس لہجے میں بات کررہی ہو؟"
"عاصم وہ میری مما کی تربیت پر الزام لگارہی ہیں۔ مجھ پر بہتان لگارہی ہیں۔ جب سے اس گھر میں آئی ہوں تب سے ثانیہ اور تانیہ کی مثالیں سن رہی ہوں۔ ایسی ہیں وہ ویسی ہیں' یہ مت کرو ان پر برا اثر پڑے گا۔ وہ مت کرو۔ میری اپنی کوئی لائف نہیں' کوئی فیلنگز نہیں' میری ساری خوشیاں آپ کی ماں کی تنگ نظری نے نگل لی ہیں۔" وہ آج اپنے دل کی ساری بھڑاس نکالنے پر تلی ہوئی تھی کہ عاصم کا غصہ شدید تر ہوگیا۔
"شٹ اپ۔" اور پورے زور سے اس کے گال پر تھپڑ دے مارا۔ عذرا بیگم اور محمود صاحب نے حیرت سے عاصم کو دیکھا جس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہورہا تھا۔ ذرتاش پر تو جیسے سکتا ہوگیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ عاصم اس پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔
"تمہارا خیال ہے کہ تم مما کے بارے میں بکواس کرتی رہوگی اور میں چپ چاپ کھڑا سنتا رہوں گا۔ اتنا بھی گرا ہوا انسان نہیں ہوں میں۔ خبردار اب تم نے مما کے بارے میں ایک بھی لفظ بولا تو۔"
"تو کیا کرلیں گے آپ؟" وہ چلائی۔ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔
"تو میں تمہیں اسی وقت طلاق دے دوں گا۔" عاصم نے جو کہا اس کو سب نے بے یقینی سے سنا۔ ذرتاش پر حیرتوں اور سکتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ محمود نے عاصم کے کندھے کو زور سے پکڑ کر ہلایا۔
"عاصم بیٹا خدا کے لیے خاموش ہوجاؤ۔ یہ تم کیا کرنے جارہے ہو؟ لڑائیاں جھگڑے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ یوں بات بات پر طلاق کی بات نہیں کرتے بیٹا۔"
"پاپا...... اسے کہیں میرے سامنے سے ہٹ جائے۔" عاصم نے اس پر سے نظریں ہٹالیں۔ وہ اپنے آپ کو کنٹرول کرنے کی شدید کوشش کررہا تھا۔ عذرا بیگم کچھ فاصلے پر کچھ شرمندہ سی کھڑی تھیں۔ گو انہوں نے ذرتاش کی کسی غلط بات پر شکایت نہیں لگائی تھی مگر بات اتنی بڑھ جائے گی ان کو اندازہ نہ تھا۔
"جاؤ بیٹا آپ اپنے کمرے میں۔" محمود نے ذرتاش

سے کہا تو وہ پیر پٹختی کمرے میں چلی گئی۔ کمرے میں جاکر اس نے بیگ میں کپڑوں کے کچھ جوڑے ٹھونسے اور کندھے پر ہینڈ بیگ لے کر فوراً باہر نکل آئی۔ لاؤنج سے تیزی سے نکلتے ہوئے اس نے محمود کی آواز سنی۔
"بیٹا رک جاؤ' یہ نادانی ہے۔" اس کے جواب میں عاصم کی آواز سنائی دی۔
"جانے دیں پاپا۔ جب دماغ ٹھیک ہوگا تو لوٹ آئے گی۔"
مگر ذرتاش ان باتوں کو نظر انداز کرکے گھر سے نکل آئی۔ ایک ٹیکسی والے کو روک کر اس میں سوار ہوگئی۔ اس کا ذہن دو چیزوں میں الجھا ہوا تھا۔ تھپڑ طلاق۔ کیا عاصم میرے ساتھ ایسا کرسکتا ہے' یہ یقین کرنے کے لیے اسے عمر چاہیے تھی۔ سفر کے ایک گھنٹے میں اس نے بہت سی باتیں سوچیں۔ عاصم کا رویہ ناقابل یقین اور بے حد دکھ دینے والا سہی مگر اس کو عذرا بیگم غلط نہیں لگیں۔ کوئی بھی شریف عورت ایسا نہیں چاہے گی کہ اس کے گھر کی عزت خواہ وہ بیٹی ہو یا بہو' باہر کے مردوں میں کھلے عام گھومے پھرے' ان سے ہاتھ ملائے۔ یا دوپٹہ گلے میں لٹکا کر گھر سے باہر نکلے۔ اسے حیرت ہوئی۔ اس نے ایسا پہلے کبھی کیوں نہیں سوچا۔ اسے اس بات پر بھی حیرت ہوئی کہ اس وقت اسے عذرا بیگم پر غصہ کیوں نہیں آرہا' اور ان کی باتیں ٹھیک کیوں لگ رہی ہیں۔ شاید اس لیے کہ وہ باتیں ٹھیک ہی تھیں۔ عذرا بیگم ٹھیک ہی تھیں۔ ان کی تربیت ٹھیک تھی۔ ثانیہ اور تانیہ بے شک بغیر پردے کے گھر سے نہیں نکلتی تھیں مگر ان میں بلا کا اعتماد تھا۔ ثانیہ کالج کی تمام غیر نصابی سرگرمیوں میں آگے آگے ہوتی۔ تانیہ اسکول کی ہیڈ گرل تھی۔ اعتماد صرف بے پردگی اور آزاد ماحول سے نہیں آتا بلکہ اعتماد کے لیے تو کردار کی مضبوطی چاہیے ہوتی ہے۔ یہ اس نے اب جانا تھا۔ مگر عاصم؟ وہ اس کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہ کرپائی تھی کہ گھر آگیا۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو سامنے لاؤنج میں مہر بانو صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھیں۔ ذرتاش کو دیکھ کر پرجوش انداز میں اس کی جانب لپکیں مگر وہ چپ چاپ کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔
"کیا بات ہے ذرتاش بیٹا' عاصم نے کچھ کہا ہے؟"
"جی ہاں...... عاصم اور مما نے کہا کہ آپ نے میری تربیت اچھی نہیں کی۔ میں اچھی لڑکی نہیں ہوں...... مما آپ نے میری تربیت اچھی کی ہوتی تو عاصم مجھے آج تھپڑ نہ مارتے۔ مما آپ نے میری تربیت کیوں اچھی نہیں کی۔" وہ بے بسی سے پوچھتے ہوئے رو پڑی۔ مہر بانو سکتے کے عالم میں وہیں کھڑی ہی رہ گئیں۔ اس کی حالت ایک لٹے ہوئے جوہری سے کم نہیں تھی۔ اب اس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ ایک ماں کی کل زندگی کا اثاثہ اس کی اولاد جب اس سے کہتی ہے کہ اس کی تربیت اچھی نہیں کی گئی تو ماں پر کیا گزرتی ہے۔ وہ ایک قابل رحم ابتر ذہنی حالت کے ساتھ صوفے پر ڈھے گئی۔ یہ سوچتے ہوئے کہ کاش وہ اپنی اولاد کی تربیت اپنی ماں کی طرح کرلیتی۔ اعتماد نہ سہی ان میں اچھے گن اور اچھا کردار تو پیدا ہوجاتا۔
ادھر ایک نئی امید کے ساتھ ذرتاش لاؤنج سے نکلتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت اپنی ماں کے جیسی نہیں بلکہ عذرا بیگم جیسی کرے گی۔ اپنی بیٹیوں کو ثانیہ اور تانیہ جیسا بنائے گی۔ جن کی صلاحیتوں اور کردار کی مثال دیتے ہیں۔ اسی امید کے ساتھ وہ گیٹ کی جانب چل پڑی۔ جہاں وہ باہر ٹیکسی والے کو پانچ منٹ انتظار کرنے کا کہہ آئی تھی۔ اسے گھر لوٹنا تھا۔ عذرا بیگم سے معافی مانگنی تھی۔ عاصم کو معاف کرنا تھا۔ چنانچہ گیٹ کراس کرتے ہوئے اس نے اولاد کی تربیت کی جانب پہلا قدم اٹھایا۔

سامعہ ملک پرویز

"اللہ اکبر...... اللہ اکبر......" مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے گونجتی یہ صدا فضا میں ہر سو پھیلے سناٹے کا سینہ چیر رہی تھی۔ میں جو ساری رات ٹوٹی بان کی چارپائی پر کروٹ پہ کروٹ بدل رہا تھا یک دم اٹھ کر قبلہ رو ہو کر نہایت ادب اور احترام سے نگاہیں جھکا کر بیٹھ گیا آخر کو عزت دار ہستی کا بلاوا جو فضا میں سکون پھیلا رہا تھا۔ چارپائی سے جیسے ہی میں نے اترنے کی کوشش کی چارپائی نے اپنی خستہ حالی کا رونا رو دیا۔ میں اندھیرے میں چارپائی کے پاس پڑی چپلیں تلاشنے لگا بالآخر مجھے میری پیوند زدہ چپلیں مل ہی گئیں۔ کٹی پھٹی جابجا پیوند زدہ جیسے میری ذات اُدھڑی' بکھری ٹوٹی پھوٹی چپلیں جلدی سے پاؤں میں پہنیں اور مسجد کی جانب چل پڑا۔

نماز کی ادائیگی کے بعد سویرا ہر سو چھانے لگا تھا۔ میں نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی تو نگاہوں میں لاتعداد اور ان گنت ایسے دکھ تھے جو میں رب کائنات کو دکھانے کے سوا کسی کو دکھا نہیں سکتا تھا۔ میری نظر ہاتھوں کی جانب پڑی جابجا زخموں کے کھرنڈ کٹے پھٹے خون سے رستے ہاتھوں کے نشانات میری حالت زار کو بیان کر رہے تھے۔ میں نے اردگرد نگاہ دوڑائی' اکا دکا افراد مسجد سے باہر آ رہے تھے صرف اکا دکا...... وگرنہ ہر جانب تو راج ہے سیاہ تاریکی کا۔ ایسی تاریکی جو ہمارے دلوں پر کسی آسیب کی مانند ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے۔

ایسا اندھیرا جس میں کچھ دکھائی نہیں دیتا' کچھ سجھائی نہیں آتا۔ ہر جانب بدامنی کا دور دورہ ہے فضا پہ چہار سو خموشیوں کا راج ہے زندگی کی رونقیں دور ویرانوں میں اداسی کی بکل مارے خموش پڑی ہیں۔ گونگے بہرے بچوں کی مانند دبیز چپ' امن کی فاختہ نے امن کے گیت سنانا چھوڑ دیئے ہیں۔ گلوں کے گلستان میں تباہی و بربادی نے اپنے پنجے کسی ڈریکولا کی مانند گلستان کی شہ رگ میں گاڑھ رکھے ہیں۔ انصاف کے ترازو میں اب انصاف نہیں بکتا اب تو پیسہ ہی بے گناہ کو مجرم کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے اور پیسہ ہی مجرم کو بے گناہ ثابت کرنے کے ہر جادو سے آشنا ہے۔ اب تو سب کچھ پیسہ ہے ہا آہ......

روزمرہ کی اشیائے خورونوش کے نرخ آسمانوں سے محو گفتگو ہیں اس ہنگامی دور میں مہنگائی میں اضافے کی وجہ سے صاحب امارات کو کسی قسم کا نقصان نہیں اٹھانا پڑتا ہاں انہیں فائدہ ضرور ہو جاتا ہے۔ برانڈڈ اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں جس کی بنا پر ان کی سوسائٹی ویلیو بھی بڑھتی ہے مگر ہائے رے غریب مزدور تو جو پہلے ہی دو وقت کے کھانے کو ترستا ہے بھوکے بچوں کا پیٹ بھرنے کی خاطر (بھوک نہیں) کا لیبل چہرے پر سجاتا ہے کیا تیرے حالات بھی سدھریں گے کبھی؟ صبح کا اجالا چہار سو پھیل چکا ہے میں انہی سوچوں میں مقید اپنے گھر کی جانب دھیمے قدموں سے محو سفر ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ ہمارے حالات کے کی تاریکی کا اندھیرا ابھی بھی چھٹ ہی جائے گا سویرا آ ہی جائے گا روشن سویرا......

آخر مزدور ہوں دنیا کی نظر میں حقیر سہی اللہ کی نظر میں تو نہیں...... میرا "اللہ بہت بڑا ہے" وہی روشن سویرا لائے گا۔ میں یہ سوچ کے ہر فکر سے جیسے بری الذمہ ہو گیا ہوں' سویرا سویرا میرے دل کی دھڑکن یہی صدا لگا رہی ہے۔

میرے سخت کھردرے ہاتھوں میں
ہے فلسفہ حیات مضمر
ہے جینے کا راز مخفی
بے امان و مجبور ہوں میں
کیونکہ اک مزدور ہوں میں......

ہم دو گھنٹے کے خوش گوار سفر کے بعد علی گڑھ پہنچ گئے۔ ہوٹل جانے کے بجائے ہمیں علی گڑھ یونیورسٹی دیکھنے کا بے پناہ شوق تھا کیونکہ ہمارے بزرگوار بھی وہاں کے گریجویٹ تھے جن کی زبانی ہم نے وہاں کے تعلیمی معیار کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ یونیورسٹی کے ڈین نے ہمارا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔

یونیورسٹی دیکھنے کے بعد پروین نے پروفیسر رشید احمد صدیقی جو کہ اردو طنز و مزاح کے مشہور ادیب مانے جاتے ہیں اور علی گڑھ یونیورسٹی میں اردو ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ رہ چکے تھے ان کی رہائش گاہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا ان کے والہانہ لگاؤ' عقیدت اور مثالی کارکردگی کی وجہ سے ان کی یاد میں ان کے گھر کو محفوظ کر لیا تھا۔ ان کے پانچ مرلے تعمیر شدہ گھر کو دیکھ کر ان کی صاف ستھری زندگی اور سادہ رہن سہن سے ہم بہت متاثر ہوئے اور وہاں کی مارکیٹ میں ان کی جتنی کتابیں تھیں ہم نے خرید لیں۔

ہمارے لنچ کا انتظام یونیورسٹی میں ہی کیا گیا تھا ہم نے وہاں کے مایہ ناز پروفیسر کے ساتھ نہایت خوش ذائقہ لنچ کیا اور اس کے بعد ہم ہوٹل آ گئے۔ کچھ دیر آرام کے بعد ہم پانچ بجے مشاعرے میں جانے کی تیاری کرنے لگے۔

مشاعرے میں گردو پیش سے شاعری سے لگاؤ اور شغف رکھنے والے حضرات کو مدعو کیا گیا تھا۔ سرسید احمد خان کی کاوشوں کے نتیجے میں کامیاب یونیورسٹی کا کونا کونا چھان کر دیکھنے کے بعد ہم بھی مشاعرے میں شریک ہو گئے۔ وہاں کے لوگوں میں ہمیں اپنا پن محسوس ہوا تھا' وہ طبعاً خاصے دھیمے مزاج کے لوگ لگے تھے۔ پروین نے افسوس سے کہا تھا کہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ دھیما پن اور نرمی و لحاظ داری جیسی خوبیاں ہم سے کیوں روٹھ گئی ہیں۔ یونیورسٹی کا احاطہ زیادہ وسیع ہرگز نہ تھا لیکن وہاں کے پروفیسرز کام بہت اعلیٰ کر رہے تھے۔ یونیورسٹی ہال میں مشاعرے کی محفل نہایت اہتمام سے سجائی گئی تھی۔ اس کھرے اور سچے خوشگوار ماحول اور پرتسکین فضا میں پروین کے منہ سے اس کی شعروں کی ادائیگی میں مجھے پاکستانی عورت ہونے پر فخر محسوس ہونے لگا تھا۔ میرے دل میں پروین کی عزت اور بڑھ گئی تھی۔ جواں خواہشات' کنوارے جذبات اور کچی عمر کے پاکیزہ

احساسات کی روانی میں بہتے ہوئے اشعار جنہیں بے پناہ داد نصیب ہوئی تھی۔

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی
کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی
وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی
تیرا پہلو ترے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شب تنہائی کی
اس نے جلتی ہوئی پیشانی پر جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی
اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی
(خوشبو)

اس غزل نے وہاں کے ماحول کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا کیونکہ تمام اشعار میں وارفتگی کا یہ عالم ہے کہ محبوب کی بے وفائی کو جانتے ہوئے بھی بے بسی ہے دل کے ہاتھوں مجبوری ہے۔ اس کی محبت سے انکاری بھی نہیں اور دل کو اس کی طرف سے اعتراف پر اکساتی بھی ہے۔ خواہشات بے دم نہیں بلکہ ابھر کر اس کی یادوں میں اضافہ کر رہی ہیں۔

اس کے ذہن کی پیداوار اور انداز بیاں کا کیا کہنا کہ نہ ناز و انداز نہ ہی غرور انا کی شخصیت میں جھلک تھی۔ بے حد سادگی' نرمی اور لہجے میں بلا کی مٹھاس تھی۔ اسی خوبی نے مشاعرے کو لوٹ لیا تھا۔

پروین غزل کا انتخاب خوب سوچ و بچار کے بعد کیا کرتی تھی' وہ اپنی ہی غزل کو ہر زاویے سے دیکھ کر فیصلہ کرتی اور اپنے مداحوں کی پسند کو مدنظر رکھتی تھی۔ مشاعروں میں غزلوں کا چناؤ بھی ایک آرٹ ہے جس پر پروین کو خاصا عبور حاصل تھا۔

زندہ جاوید رہنے والی یہ غزل آج بھی نوجوان نسل میں بے حد مقبول ہے۔ اتنی چھوٹی عمر میں ایسی منفرد شاعری جو اس کی پہچان بن گئی ہے جبکہ پروین کا لکھا ہوا شعر اس کے نام کے بغیر ہی پہچانا جاتا ہے۔

ماشاء اللہ پروین کی قسمت کا ستارہ ابھی بھی درخشاں ہے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے اس کی شاعری پر رتی بھر آنچ نہیں آئی بلکہ اس کی حدت و گرمائش میں وقت گزرنے کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

گاڑی میں ہی ہم نے علی گڑھ خوب گھوم پھر کر دیکھا۔ پروین وہاں کے ماحول میں بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ ہم وہاں رات نہ رہ سکے کیونکہ ہمارا واپس دہلی پہنچنا بہت ضروری تھا۔ عمر اور حمزہ گھر پر ملازموں کے رحم و کرم پر تھے۔ وہاں ہم دن رات ایجنسی کی نظروں میں تھے جب گھر پہنچے تو گیٹ سے چند قدم کے فاصلے پر ایجنسی کی گاڑی موجود تھی۔ ہم گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو وہ بھی فوراً وہاں سے روپوش ہو گئے۔ پروین یہ منظر دیکھ کر ایک دم سے گھبرا گئی تھی جبکہ میں نارمل تھی۔ انسان خود کو ہر طرح کے ماحول میں ڈھالنے میں دیر نہیں لگاتا۔ یہی خوبی تو اشرف المخلوقات کو انعام کی صورت میں بخشی گئی ہے۔

مراد اور سفیان پچھلی سیٹ پر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ پروین کے چہرے پر دن بھر کی تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ اسے دیکھ کر ایسے گمان ہو رہا تھا جیسے بستر تک پہنچتے ہی وہ نیند میں چلی جائے گی پھر ایسا ہی ہوا۔ میں نے صبح پروین کو نائٹ سوٹ کے بجائے مشاعرے میں زیب تن کیے جانے والے لباس میں ہی دیکھا تھا' مجھے اس پر بے ساختہ ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

اس کے سادہ پن کا یہ نیا روپ میرے سامنے تھا جس میں نہ تصنع تھی نہ ہی بناوٹ کا شائبہ تھا۔ خوش قسمتی سے زندگی کے بے شمار نشیب و فراز کی کلفتوں اور اذیتوں کو سہنے کے باوجود پروین کی نیند بہت گہری تھی۔ بلکہ جب بھی وہ اداس و غمگین ہوتی تو فوراً کمرے میں تنہا لیٹ جاتی اور سونے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ اسے کسی بھی اسٹیج پر ٹرانکولائیزر (خواب آور دوا) لینے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

بیدار ہونے کے بعد اس کے مزاج میں مثبت تبدیلی ہوتی تھی۔ چہرے پر سکون ہوتا اور ذہن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشعار نازل ہونے کا انتظار بڑھ جایا کرتا تھا۔

(جاری ہے)

آج کل جس طرح معاشرہ وبائی و دوسری بیماریوں کا شکار ہے اسی طرح بدقسمتی سے یہ معاشرتی و اخلاقی بیماریوں کے بھی پنجے میں بری طرح جکڑا ہوا ہے۔ وجہ مذہب و قرآن سے دوری ہے اگر ہم آج بھی طب نبوی ﷺ کا مطالعہ کریں تو ہمیں بہت سی ایسی باتیں پتا چلیں گی جن پر عمل پیرا ہو کے ہم بیشتر اخلاقی بیماریوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔ آج ہم ان ہی بیماریوں اور ان سے بچاؤ کی تدابیر کے حوالے سے بات کریں گے۔

غصہ دور کرنے کا علاج

معلوم ہونا چاہیے کہ غصہ بھی امراض کی نشانی میں سے ایک مرض ہے اس سے خود اپنے آپ کو بھی نقصان ہوتا ہے اور دوسرے میں بھی غصہ پیدا ہوتا ہے' بعض مرتبہ اس کی زیادتی سے روح اور حرارت عزیزی باہر آ جاتی ہے اور اس کی وجہ سے بخار' درد سر' خفقان' غشی اور ان کے علاوہ طرح طرح کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ کفریہ کلمات زبان سے نکلتے ہیں۔ ایسے شخص کی عزت اور وقار لوگوں کی نظروں میں کم ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کے دشمن بہت ہوتے ہیں اور دوست کم۔

غصہ سے حسد' کینہ اور بغض و عداوت جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں ایسے شخص کو اگر قدرت حاصل ہو تو دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو وہ خود اپنی ہی جان کو ہلاک کرتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ غصہ درویش' بر جان درویش گالیاں دینے لگتا ہے۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے اور کبھی یہ بھی کہ خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"اے لوگو! غصہ وہ چنگاری ہے جو آدمیوں کے دلوں میں سلگائی جاتی ہے اور غصہ کی آگ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں' رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور پورا جسم جوش میں آ جاتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غصہ ایک آگ ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے لیکن پھر بدن پر ظاہر ہوتی ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ حتی الامکان اس آگ سے اپنے آپ کو بچائے اور اگر غصہ آ ہی جائے تو حدیث شریف میں اس کے تین علاج بیان ہوئے ہیں۔

ایک علاج تو یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرے یہ علاج طب یونانی کے بھی موافق ہے چنانچہ حکیم شیرازی قانون کی شرح میں لکھتے ہیں کہ غصہ کی حالت میں روح اور حرارت عزیزی انسان کی ہوتی ہے ایسے وقت میں ٹھنڈا پانی پینے اور بدن پر ڈالنے سے مکمل نفع حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ غصہ کے وقت آدمی اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لیٹ جانے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ آدمی عاجزی کرنے لگے اور اپنے نفس کو سمجھائے کہ تو مٹی سے پیدا ہوا ہے پھر آگ سے کیوں کھیلتا ہے۔ زمین کو دیکھ کر ہم اس پر پیشاب کرتے ہیں' پاخانہ کرتے ہیں' دنیا بھر کی گندگی ڈالتے ہیں اس کے باوجود بھی وہ ہر چیز برداشت کرتی جاتی ہے' تجھے بھی چاہیے کہ تو جس چیز سے بنا ہے (یعنی مٹی سے) اسی کی حرص

کر۔ تجھے آگ سے کیا کام کیونکہ یہ آگ ہی تھی جس نے شیطان کو کافر اور راندہ درگاہ کیا؟ واللہ اعلم باسرارہ رسولہ اور تیسرا علاج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ غصہ کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور

"اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم"

پڑھے کیونکہ غصہ کرنا شیطان کا پیشہ ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام پر سب سے پہلے اسی نے غصہ کیا تھا جس کی وجہ سے اس حال کو پہنچا۔ اس واقعہ سے عبرت حاصل کر کے غصہ کو دفع کرے اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ خدا کو یاد کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو سمجھائے کہ تُو دن بھر خدا کی نافرمانی اور گناہ کرتا رہتا ہے اور خدائے تعالیٰ باوجود ہر قسم کی قدرت کے معاف فرماتا رہتا ہے اور تُو تو عاجز ترین مخلوق ہے تجھے بھی چاہیے کہ ہر وقت عفو کیا کرے تاکہ قیامت کے دن تیرے گناہ معاف ہوں۔

رنج و حزن کا علاج

سفر اسعادت میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کسی کا یا حضرت عائشہؓ کا کوئی رشتہ دار مر جاتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنبیہ پکوایا کرتے تھے اور اس کو ثرید کے ساتھ ڈال کر فرمایا کرتے کہ لوگوں اس کو کھاؤ کیونکہ اس میں شفاء ہے اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ تنبیہ دل کی بیماری کے لیے راحت ہے اور بعض و غم کو کھو دیتا ہے۔

بعض احادیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص یہ کہتا کہ فلاں شخص بیماری کی وجہ سے کھانا نہیں کھاتا تو آپ اس سے فرماتے کہ اس مریض کو تنبیہ پلاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تنبیہ پیٹ کو ایسا دھو دیتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے منہ کے میل کچیل کو دھوڈالتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ تنبیہ ایک رقیق چیز ہے جس کو پیا جاتا ہے اور اس کے بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ جو کا بغیر چھنا آٹا لے کر اس کو دودھ میں پکاتے ہیں اور اس کے اندر شہد ملا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ٹھنڈا کر کے پیا جاتا ہے اور بعض اوقات ثرید میں ملا کر بھی کھایا جاتا ہے۔

ثرید کا مشہور طریقہ یہ ہے کہ شوربہ میں روٹی ڈال کر پکائی جاتی ہے یہ غذا قوت دماغ و قلب کے لیے بہت مفید ہے۔ معدے اور پیٹ کی آلائشوں کو پاک کر کے معدے کی جلن ختم کرتا ہے اور رنج و غم کے لیے بہت مفید ہے مگر ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ تنبیہ طب نبوی ﷺ میں وہی حیثیت رکھتی ہے جیسے طب یونانی میں آش جو۔ جالینوس کا قول ہے کہ جو کے برابر کوئی غذا پیدا نہیں ہوئی کیونکہ یہ غذا بیمار اور تندرستی دونوں کے کام آتی ہے۔ اسی لیے مریضوں کو آش جو پلایا جاتا ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ جو کے بہتر ہونے کی ایک یہی دلیل کافی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور پیغمبروں کی یہی غذا رہی ہے۔

(جاری ہے)

بزمِ سخن

طوبیٰ حسن...... اقبال ٹاؤن لاہور

عشق میں خواب کا خیال کسے
نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

زین الدین شانی...... کراچی

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا
ان کا تھا کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

نادیہ مہتاب...... کوٹ ادّو

میں ہوں وہ ننگ خلق کہ کہتی ہے مجھ کو خاک
اس کو بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

سحرش احمد...... کراچی

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کو پار ہو یا درمیاں رہے

مہوش پاشا...... ڈگری

ہستی کا شور تو ہے مگر اعتبار کیا
جھوٹی خبر کسی کی اڑائی ہوئی سی ہے

آسیہ توصیف...... لاڑکانہ

جنازہ روک کر میرا وہ اس انداز سے بولے
غلطی ہم نے کی تھی تم تو دنیا چھوڑے جاتے ہو

یمنیٰ علی...... ڈیرہ مراد جمالی

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

عشرت جہاں...... ٹھٹہ والہ یار

زندگی کی کشمکش سے مر کے پائی کچھ نجات
اس سے پہلے اے نظر فرصت کبھی ایسی نہ تھی

امرین خان...... لاہور

آدھی سے زیادہ شب غم کاٹ چکا ہوں
اب بھی اگر آ جاؤ تو یہ رات بڑی ہے

مونا شاہ...... حیدرآباد سندھ

راہبر رہزن نہ بن جائے کہیں اس سوچ میں
چپ کھڑا ہوا بھول کر رستے میں منزل کا پتا

حور عین فاطمہ...... کراچی

تم سے اب مل کے تعجب ہے کہ عرصہ اتنا
آج تک تیری جدائی کا یہ کیوں کر گزرا

بشریٰ جمیل...... کھلابٹ ٹاؤن شپ

نہ اذاں ہو نہ سحر ہو نہ گجر ہو شب وصل
کیا مزا ہو جو کسی کو نہ جگائے کوئی

نازش خان...... کوئٹہ

ہجر کی رات کاٹنے والے
کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی

سمیرا ناز...... کراچی

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لو دعا کر چکے اب ترکِ دعا کرتے ہیں

منزہ اقبال...... خیرپور سندھ

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

فضا عائشہ سعدیہ ناز...... کراچی

سبب ہر ایک مجھ سے پوچھتا ہے میرے رونے کا
الٰہی ساری دنیا کو میں کیسے راز داں کرلوں

سحر خان...... لاہور

وہ کون ہیں جنہیں توبہ کی مل گئی فرصت
ہمیں گناہ بھی کرنے کو زندگی کم ہے

شگفتہ ابراہیم...... بھلوال

مٹ چلے میری امیدوں کی طرح حرف مگر
آج تک تیرے خطوں سے تری خوشبو نہ گئی

پروین شاہین...... منڈی بہاؤالدین

مدت کے بعد آئے ہیں اے راہبر جہاں
میرا قیاس ہے کہ چلے تھے یہیں سے ہم

ثناء ناز...... یوسال سکھا

ابتدا میں ہر مصیبت پر لرز جاتا تھا دل

اب کوئی غم امتحانِ عشق کے قابل نہیں
نمروزہ......کہروڑپکا

اب جی رہا ہوں گردشِ دوراں کے ساتھ ساتھ
یہ ناگوار فرض ادا کررہا ہوں میں
شاہین خان......فیصل آباد

یاد آئیں گے زمانے کو مثالوں کے لیے
جیسے بوسیدہ کتابیں ہوں حوالوں کے لیے
فائقہ صدیقی......دیول، مری

تم پاس نہیں ہو تو عجب حال ہے دل کا
یوں جیسے میں کچھ رکھ کے کہیں بھول گئی ہوں
فائزہ بھٹی......خیرپور

آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں
یادوں کے بجھے ہوئے سویرے
نجم انجم......کراچی

ذکر کرتا ہے دل صبح و شام تیرا
گرتے ہیں آنسو بنتا ہے نام تیرا
کسی اور کو کیوں دیکھیں یہ آنکھیں
جب دل پر لکھا ہے صرف نام تیرا
فیاض اسحاق مہیانہ......سلانوالی

طوفان میں کشتی کو کنارے بھی ملتے ہیں
دنیا میں لوگوں کو سہارے بھی ملتے ہیں
زمانے میں سب سے پیاری ہے زندگی
پر کچھ لوگ زندگی سے پیارے بھی ملتے ہیں
اُم ستر......کوٹ مومن

ہمارے بغیر بھی آباد ہیں ان کی محفلیں وصی
اور ہم نادان سمجھتے تھے کہ محفل کی رونق ہم سے ہے
شبانہ امین راجپوت......کوٹ رادھا کشن

جو دل میں بغض رکھ کر دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں
میں ایسے دوستوں کی بزم میں اکثر نہیں جاتا
زباں چاہے میری کاٹو یا ہاتھوں کو قلم کردو
مگر سچ ہی کہوں گا جب تلک میں مر نہیں جاتا
شازیہ اختر......مسن نور پور

مسکراتے ہوئے چہروں کو غموں سے آزاد نہ سمجھو
ہزاروں غم چھپے ہوتے ہیں کسی کی ایک مسکراہٹ میں
حفصہ کنول......ٹوبہ ٹیک سنگھ

بجھ گئی آس تو پھر کوئی اجالا نہ رہا
شام کے بعد کوئی لوٹنے والا نہ رہا
بس گیا جاکے کہیں دور وہ آوارہ مزاج
در کھلا رکھنے کا کوئی بھی حوالہ نہ رہا
ایمان بٹ......لودھراں

آج کی رات بھی قیامت کی طرح گزری
نجانے کیا بات تھی ہر بات پر تم یاد آئے
غینا خان......بھٹوی، ہری پور

دکھ اس بات کا نہیں کہ اسے مجھ سے محبت نہیں
روئے اس بات پر ہیں کہ اسے اس کی محبت مل جاتی
فضہ یونس......گنگاپور

سجدہ عشق ہو تو عبادات میں مزا آتا ہے
خالی سجدوں میں تو بس دنیا ہی بسا کرتی ہے
تیرے سجدے تجھے کہیں کافر نہ کردیں اے اقبال
تو جھکتا کہیں اور ہے اور سوچتا کہیں اور ہے
ہاجرہ جلیل......بابا زمردان

جاتے ہوئے دل میں لگن چھوڑ گیا
محبت کی دہلیز پر کفن چھوڑ گیا
دور رہنے سے محبت بڑھتی ہے فراز
یہ کہہ کر وہ یہ شہر چھوڑ گیا
مشی خان......بھیر کنڈ، مانسہرہ

رستے میں نہ بیٹھو ہوا تنگ کرے گی
بچھڑے ہوئے لوگوں کی صدا تنگ کرے گی
مت ٹوٹ کر چاہو آغاز سفر میں
بچھڑے گا تو اک اک ادا تنگ کرے گی

bshijab@gmail.com

کچن کارنر

زہرہ جبیں

سوہن حلوہ

اجزاء:

دودھ	دس کلو
گندم کا آٹا	آدھا پاؤ
چینی یا کشمش	حسب ذائقہ
بادام، مونگ پھلی، کشمش	حسب پسند
چھوٹی الائچی	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:

دودھ میں پسا ہوا آٹا ہاتھوں کی مدد سے گھول لیں۔ ساتھ تھوڑا تھوڑا سا آٹا بھی مکس کرلیں پھر آگ پر رکھ دیں چمچ برابر چلاتے جائیں ذرا سا گاڑھا ہونے پر چینی شامل کردیں اور جب آمیزہ اکٹھا ہوجانے لگے تو نیچے اتار لیں میوہ ڈال دیں، الگ سے رکھی پراتوں میں پہلے گرم گھی لگائیں اور پھر ان میں یہ آمیزہ ڈال کر پھیلا دیں گرم گرم حلوے کو ٹکیوں کی مطابق نشان لگالیں ٹھنڈا ہونے پر ٹکیاں علیحدہ کرلیں اور مزے سے کھائیں۔

ارم کمال......فیصل آباد

فالسے کا شربت

اجزاء:

فالسے	پانچ سو گرام
چینی	چھ سو گرام
پانی	ایک لیٹر
سٹرک ایسڈ	آدھا چھوٹا چمچ

ترکیب:

فالسوں کو اچھی طرح صاف کریں تھوڑے پانی میں فالسے ڈال کر ہاتھوں کے ذریعے مسلیں اور گٹھلیاں الگ کریں گودا ملا پانی مکسر میں ڈال کر پتلا رس نکال لیں چینی اور پانی ملا کر چینی حل ہونے تک پکائیں چھان کر ایک تار کی چاشنی بنائیں رس ڈال کر تھوڑی دیر تک پکائیں اسے ٹھنڈا کرکے سٹرک ایسڈ ملائیں اب اس شربت کو صاف خشک بوتلوں میں بھر کر رکھیں اب اس کو انگور کے تیار شربت میں اچھی طرح ملادیں۔

صاف اور خشک بوتلوں میں اس مشروب کو بھر کر ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں، گرمی میں آئے مہمانوں کو برف اور ضرورت کے مطابق پانی ڈال کر اس مشروب کو ملا کر پیش کریں۔

سنبل فاطمہ......کراچی

کچے آم کا شربت

اجزاء:

ابلے کچے آم کا گودا	دو کپ
چینی	چار کپ
نمک	ڈیڑھ چھوٹا چمچ
بھنا پسا زیرہ	ایک چھوٹا چمچ
پسا پودینہ	ایک چھوٹا چمچ
پانی	دو کپ

ترکیب:

پانی اور چینی ملا کر چاشنی بنالیں، چاشنی کو ٹھنڈا کرکے چھان لیں۔ آم کا گودا مکسر میں ڈالیں نمک اور پودینہ ڈالیں اور مکسر چلا کر باریک پیس لیں تیار چاشنی میں پسے ہوئے کچے آم کا مرکب ملائیں صاف اور خشک بوتلوں میں بھر کر رکھیں۔

پینے یا پلانے کے وقت ایک حصہ رس یا شربت میں تین حصے پانی اور چورا برف ملائیں۔

تہمینہ فیاض......جھڈو، سندھ

بادام کا شربت

اجزاء:

مغز بادام	۱۲۵ گرام
چار مغز	۱۲۵ گرام
روح کیوڑہ	ایک چھوٹی شیشی
چینی	ڈیڑھ کلوگرام

پانی	ڈیڑھ لیٹر

ترکیب:
بادام کی گریاں اور چاروں مغز الگ الگ برتنوں میں رات ہی کو بھگودیں۔ صبح بادام کی گریاں چھیل لیں۔ اب چاروں مغز اور بادام باریک پیس لیں۔ ڈیڑھ لیٹر پانی میں چینی ملا کر چولہے پر چڑھادیں۔ اس میں پسا ہوا بادام اور چاروں مغز بھی ملا دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں۔ قوام تیار ہوجائے تو اتار لیں۔ ٹھنڈا ہوجائے تو روح کیوڑا ڈال کر دس بارہ منٹ چھوڑ دیں پھر بوتلوں میں بھرلیں۔

طلعت نظامی...... کراچی

صندل کا شربت

اجزاء۔

برادہ صندل	۶۰ گرام (سرخ یا سفید)
چینی	ایک کلو
عرق گلاب	ایک لیٹر
روح کیوڑا	ایک شیشی
ست لیموں	۶ گرام

ترکیب:
صندل کا برادہ صاف کر کے گلاب کے عرق میں ڈال دیں۔ چوبیس گھنٹے بعد برادہ مع عرق گلاب دیگچی میں ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں آنچ ہلکی رکھیں جب خوب پک کر عرق گلاب آدھا رہ جائے تو اتار کر ململ کے کپڑے سے چھان لیں۔ اب اس میں چینی ملا کر دوبارہ پکائیں۔ قوام تیاری کے قریب آئے تو ست لیموں ڈال دیں اور میل اتارتے جائیں قوام ایک تار کا ہوجائے تو ٹھنڈا ہونے دیں۔ پھر اس میں روح کیوڑا ملا دیں۔ چند منٹ بعد شربت کو صاف اور خشک بوتل میں بھر کر ڈھکنا مضبوطی سے بند کردیں۔

انعم حبیب...... گجرات

کیری کا اچار

اجزاء۔

کیری	ایک کلو
لہسن پسا ہوا	دو سو گرام
نمک	ایک کھانے کا چمچ
رائی پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
کلونجی	ایک چائے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	دو کھانے کے چمچ
سرکہ	سو گرام
زیرہ پسا ہوا	دو کھانے کے چمچ
ہلدی پاؤڈر	دو چائے کے چمچ
سرخ مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچ
سرسوں کا تیل	دو سو پچاس گرام
میتھی پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ

ترکیب۔
کیریوں کو ٹکڑوں میں کاٹ لیں اس میں نمک اور سرکہ ملا کر دو تین دن کے لیے دھوپ میں رکھ دیں دو یا تین دن کے بعد جب کیریاں نرم پڑ جائیں تو اس میں لہسن پسا ہوا، پسا ہوا زیرہ، ہلدی پاؤڈر، رائی پاؤڈر، سرخ مرچ پاؤڈر، میتھی پسی ہوئی، دھنیا پسا ہوا اور کلونجی اچھی طرح مکس کرلیں تیل گرم کریں اس میں آدھا چائے کا چمچ میتھی دانہ آدھا چائے کا چمچ رائی، آدھا چائے کا چمچ کلونجی، ایک چائے کا چمچ ثابت زیرہ تھوڑی سی ثابت سرخ مرچیں، چھ یا سات لہسن کے جوے ڈال کر بگھار لیں تیل کو ہلکا ٹھنڈا کریں اس میں مصالحہ ملی ہوئی کیریاں ڈال دیں اور ایک شیشے کے یا چینی کے مرتبان میں محفوظ کرلیں۔ عرصے تک خراب نہیں ہوگا۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

مکس اچار

اجزاء۔

گاجر	سو گرام
مولی	سو گرام
مٹر	سو گرام
لیموں	پانچ سے چھ عدد یا زیادہ
نمک اور پانی	حسب ضرورت
شلجم	سو گرام
پھول گوبھی	سو گرام
آم کے اچار کا مصالحہ	سو گرام
تیل	ایک کٹوری
ہینگ	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
رائی	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:
سبزیوں کو صاف کر کے دھولیں اور برابر سائز میں کاٹ لیں نمک کے پانی میں چوبیس گھنٹے کے لیے بھگودیں اچھی طرح پانی نتھار لیں۔ کسی کپڑے پر پھیلا دیں اور ایک دن ہوا میں خشک ہونے کے لیے رکھ دیں۔ ایک برتن میں مصالحہ، لیمن جوس اور سبزیوں کو مکس کرلیں تیل گرم کریں۔ اس میں رائی اور ہینگ ڈال کر کڑکڑا لیں سبزیوں میں ڈال دیں اور نمک ڈال کر اچھی طرح سے مکس کرلیں۔ حسب ذائقہ نمک چکھ لیں اگر کم ہو تو اور نمک ملا دیں دو دن بعد اچھی طرح سے ملا دیں اور دھوپ میں سکھائے ہوئے صاف مرتبان میں منتقل کر کے اسے سیل کردیں یہ اچار کئی ماہ تک خراب نہیں ہوتا۔

نازیہ عباسی...... ٹھٹھہ

گاجر کا پانی والا اچار

اجزاء۔

گاجر	ایک کلو
رائی کٹی ہوئی	چار کھانے کے چمچ
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچ
بغیر چھلا ہوا لہسن	دو ڈلی (باریک چھل لیں)
لال مرچ کٹی ہوئی	چار کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
گڑ	ایک کھانے کا چمچ
پانی	تین سے چار لیٹر

ترکیب:
گاجروں کو چھیل کر بڑے بڑے ٹکڑے کرلیں درمیان میں سے آدھا کرلیں ایک دیگچی میں گاجروں کو پانی میں ڈال کر ہلکی سی بھاپ دے لیں بھاپ لگی گاجروں کو نکال کر ایک ٹرے میں پھیلا کر اوپر دیا گیا آدھا مصالحہ ملا دیں۔ آدھا مصالحہ ڈال کر پانچ سے دس منٹ تک پکائیں۔ دونوں چیزوں کو تقریباً دو دن الگ الگ دھوپ میں رکھیں۔ دو دن بعد پانی میں آدھا مصالحہ ڈال کر پانچ سے دس منٹ تک پکالیں دونوں چیزوں کو تقریباً دو دن الگ الگ دھوپ میں رکھیں۔ دو دن بعد پانی میں رائی کی کھٹاس آجائے گی تو مصالحہ لگی گاجریں مصالحے والے پانی میں ڈال کر اچھی طرح ہلالیں دوبارہ دھوپ میں رکھیں مٹی کے برتن میں یہ اچار ڈالیں تو مزے دار بھی ہوگا اور زیادہ دن تک رہے گا۔ لکڑی کا چمچ استعمال کریں چوتھے دن مزے دار گاجر کا پانی والا اچار تیار ہے۔ اسی طریقے سے آپ شلجم کا اچار بھی بنا سکتے ہیں۔

نجمہ بخاری...... پاک پتن

مصالحے دار چاول

اجزاء۔

آئل	دو کھانے کے چمچ
الائچی	چھ عدد
ثابت دھنیا	آدھا چائے کا چمچ (ہلکا سا کوٹ لیں)
لہسن	ایک جوا (کتر لیں)
چاول	ایک کپ (بچے ہوئے)
چکن یا مٹن کی یخنی	ساڑھے چھ کپ
دہی	چار کھانے کے چمچ
دالیں	آدھا کپ (بچی ہوئی)
مونگ پھلی	فرائی کی ہوئی (ایک کھانے کا چمچ)
سیاہ مرچ پسی ہوئی	چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	گارنش کے لیے

ترکیب:
ایک ساس پین میں تیل گرم کریں اس میں گرم مصالحے اور لہسن ڈال کر ایک منٹ کے لیے فرائی کریں اس

تیل میں یخنی کے ساتھ دالیں ڈالیں ذرا سا چمچ چلاتے ہوئے پکائیں اور پھر چاول شامل کریں، پانچ سے دس منٹ پکائیں پھر دہی شامل کرکے احتیاط سے چمچ سے مکس کردیں مونگ پھلی بھی ڈال دیں اور دو منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں ہرا دھنیا گارنش کریں۔ مزیدار مصالحے دار چاول تیار ہیں۔

نائمہ ارسل..... ایف بی ایریا، کراچی

شاہی زردہ

اجزاء:

چاول	آدھا کلو
چینی	دو کپ
الائچی	پندرہ عدد
لونگ	دس عدد
مربع	ایک کپ
ناریل	ایک چوتھائی کپ
کشمش	ایک چوتھائی کپ
چھوارے	دس عدد
بادام	ایک چوتھائی کپ
کھویا	ایک پاؤ
دودھ	آدھا کپ
گھی	ایک کپ

ترکیب:

چاولوں کو بھگو کر ابال لیں ساتھ ہی تین الائچی، تین لونگ اور پیلا رنگ شامل کریں ایک کنی کچے رہ جائیں تو چھان لیں۔ اب چاولوں پر چینی ڈال کر مکس کرلیں۔ گھی میں باقی لونگ، الائچی ڈال کر اس میں تمام چیزیں ڈال کر مکس کرکے دودھ ڈالیں۔ دس منٹ دم دے کر پیش کریں۔

سحرش فاطمہ..... کراچی

جے پوری بریانی

اجزاء:

بکرے کا گوشت	۷۵۰ گرام
تلی پیاز	ایک کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	۲ کھانے کے چمچ
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	ایک کھانے کا چمچ
تیل	چوتھائی کپ
سفید الائچی	۴ عدد
ثابت گرم مصالحہ	کھانے کا چمچ
دہی	ایک کپ
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
زعفران	چوتھائی چائے کا چمچ
اُبلے چاول	۶۰۰ گرام
پسی جاوتری	چوتھائی چائے کا چمچ
پسی جائفل	چوتھائی چائے کا چمچ
پسی سفید الائچی	چوتھائی چائے کا چمچ
پسے بادام	۱۲ عدد

ترکیب:

پہلے ۶۰۰ گرام چاولوں کو ۲ کھانے کے چمچ نمک کے ساتھ اُبال لیں۔ اب تیل گرم کرکے اس میں کھانے کے چمچ ادرک لہسن کا پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ نمک، ایک کھانے کا چمچ، پسی لال مرچ، ایک کھانے کا چمچ، ثابت مکس گرم مصالحہ، ۷۵۰ گرام بکرے کا گوشت اور ایک کپ تلی پیاز ڈال کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت گل جائے۔ پھر اس میں ایک کپ دہی، پسے بادام، پسی سفید الائچی ڈال کر اتنا پکائیں کہ وہ تیار ہوجائے۔ اس کے بعد اُبلے چاولوں کو گوشت کے مکسچر کے اوپر ڈال دیں۔ اب اس میں ایک کھانے کا چمچ کیوڑا، ایک چٹکی زردے کا رنگ اور زعفران ڈال کر ڈھکیں اور ۱۵ سے ۲۰ منٹ کے لئے دم پر چھوڑ دیں۔

فہیم انجم..... راولپنڈی

ہونٹوں کی حفاظت

لپ اسٹک کے ذریعے صرف ہونٹوں کو خوب صورت کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذریعے ہونٹوں کو تازہ رکھنا بھی ہوتا ہے اور باعث کشش بھی۔ اگر آپ کے ہونٹ خشک رہتے ہیں تو لپ اسٹک موئسچرائزر کے ساتھ استعمال کریں۔ اس طرح کی لپ اسٹکس مارکیٹ میں دستیاب ہیں جن میں موئسچرائزر بھی ہوتا ہے یہ آپ کے ہونٹوں کو نرم اور ملائم رکھتی ہیں ان میں گلیسرین اور وٹامن اے شامل ہوتا ہے۔ ایسی لپ اسٹک جن میں تیل کا بھی استعمال ہوتا ہے بہترین ہوتی ہے کیونکہ یہ آپ کے ہونٹوں کو شگفتہ اور نرم بنانے کے ساتھ ساتھ انہیں غذائیت بھی فراہم کرتی ہے۔ عام طور پر خواتین جو لپ اسٹک استعمال کرتی ہیں ان میں چمک زیادہ ہوتی ہے اگرچہ یہ ہونٹوں کو گیلا گیلا لک دیتی ہے مگر یہ ہونٹوں سے قدرتی نمی بھی چرا لیتی ہے۔ ہونٹوں کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اس لیے ہونٹوں کی خوب صورتی کے لیے وٹامن ای شامل لپ اسٹک استعمال کریں۔

ہونٹوں کا دلکش میک اپ

ہونٹ جسم کا نہایت حساس، نازک مگر انتہائی اہم اور خوب صورت حصہ ہیں۔ انسان کے مجموعہ حسن میں ہونٹوں کا بڑا اہم حصہ ہوتا ہے اور اگر ہونٹوں کی مناسب دیکھ بھال کی جائے اور صحیح طور پر ان کا میک اپ ہو تو کم خوب صورت چہرے بھی پرکشش اور دلکش نظر آتے ہیں۔ اپنی حسین شخصیت کو مزید پرکشش بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اچھی لپ اسٹک اور کیئر روٹین اپنائی جائے تاکہ ہونٹ خوب صورت اور حسین نظر آئیں۔ ہونٹوں کے اندر قدرتی طور پر ایسا روغن موجود ہوتا ہے جو انہیں دھوپ کے برے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ موسم کی شدت پیدا ہو تو ہونٹ پھٹنے لگتے ہیں اور خراب ہونے لگتے ہیں۔ اس صورتحال میں ضروری ہے کہ ہونٹوں کی موثر دیکھ بھال کے لیے کسی اچھی چپ اسٹک کا انتخاب کیا جائے یا رات کو سونے سے قبل بالائی لگانے کو معمول بنایا جائے اس کے علاوہ کچھ خواتین زیتون کا تیل لگا کر بھی ہونٹوں کو پھٹنے سے بچاتی ہے۔

آرائش حسن میں لپ اسٹک کا کردار

میک اپ اور آرائش حسن میں لپ اسٹک کے کردار کا اندازہ میک اپ کرواتی ہوئی دلہن کو دیکھ کر بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کے بیوٹیشن برائیڈل میک اپ پر سر توڑ محنت کرتی ہے۔ بیس یا فائنڈیشن سے لے کر آئی میک اپ تک ہر چیز پرفیکٹ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور کم و بیش تمام بیوٹیشنز لپ اسٹک کا استعمال آخر میں کرتی ہیں۔ برائیڈل میک اپ کو دیکھتے ہوئے ذرا سا غور کیا جائے تو آپ دیکھیں گی کہ لپ اسٹک لگانے سے قبل بیوٹیشن کی تمام محنت بے رنگ دکھائی دیتی ہے مگر جیسے ہی ہونٹوں پر لپ اسٹک کا رنگ ابھرتا ہے چہرہ یک لخت خوب صورت بارونق اور زندگی سے بھرپور دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس فرق کو دیکھتے ہوئے لپ اسٹک کو میک اپ کی تمام اشیاء میں سے اہم ترین چیز کہا جاسکتا ہے۔ ان دنوں لپ اسٹک میں نسبتاً ہلکے رنگ ان ہیں جن میں گلابی رنگ کے مختلف شیڈز اور نی پنک کلر کے علاوہ مختلف رنگوں کے لپ گلوس شامل ہیں۔

لپ اسٹک کا استعمال ایک آرٹ

ماہرین حسن کی رائے میں لپ اسٹک لگانا ایک فن کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں وہی خواتین طاق ہوسکتی ہیں جو اپنے ہونٹوں کی ساخت سے درست طور پر واقف ہوں۔ ماضی میں خواتین محض لپ اسٹک کے استعمال کو ہی عام حالات میں کیا گیا سنگھار تصور کرتی تھیں تاہم اب لپ اسٹک سنگھار کے اہم جز کی حیثیت رکھتا ہے اس کا استعمال آئی میک اپ اور بلش آن کے بعد کیا جاتا ہے اس کے لیے نیم شفاف پاؤڈر کی ہلکی سی تہہ اپنے ہونٹوں پر لگائیں اس

سے آپ لپ اسٹک ہونٹوں پر طویل عرصے تک قائم رہے گی۔ اس کے بعد پنسل یا لائنر کو اوپری ہونٹوں پر لگائیں پھر نچلے ہونٹ کے مرکزی حصے سے آغاز کرتے ہوئے ہونٹ کے بیرونی کنارے تک لائن بنا کر اسے اوپر کے کناروں سے ملائیں۔ اگر آپ کی لپ اسٹک لائنر کی نسبت گہری ہے تو پھر اندرونی کنارے کے رنگ کو اپنے ہونٹوں سے ہم آہنگ کریں اس کے لیے صاف برش کی مدد سے اس کو آہستہ آہستہ پھیلائیں یوں شیڈ ہلکا ہوتا ہوا ہونٹوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوجائے گا۔

گردن کی خوب صورتی

خواتین کی نازک اور لمبی گردن کو ہمیشہ سے ہی خوب صورتی کی علامت سمجھا جاتا ہے تاہم گردن کا شمار جلد کے ان حصوں میں ہوتا ہے جہاں عمر کے اثرات فوری طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ نیز موٹاپے کی صورت میں بھی جسم کا جو حصہ سب سے پہلے بدنما دکھائی دیتا ہے وہ گردن ہے مگر پھر بھی خواتین کی اکثریت چہرے کے لیے تمام تر احتیاطی تدابیر اور ٹوٹکے اپنانے کے باوجود گردن کو بری طرح نظر انداز کرتی ہے حالانکہ بڑھتی عمر کے فوری زیر اثر آنے کے باعث گردن کو خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ یاد رکھیں گردن پر پڑنے والی جھریوں کو کسی قسم کے میک اپ سے نہیں چھپایا جاسکتا۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ چہرے کے ساتھ ساتھ گردن کو بھی خصوصی توجہ دی جائے تاکہ بڑھتی عمر کے اثرات سے اسے محفوظ رکھا جاسکے۔ گردن پر خصوصی توجہ کے آغاز کی عمر 25 برس ہے۔ اپنی زندگی کی پچیسویں بہار کے آغاز پر اپنے روزمرہ کے معمولات میں گردن کے مساج کو بھی شامل کرلیں۔ اس مقصد کے لیے کسی بھی قسم کا اچھا موئسچرائزنگ لوشن استعمال کیا جاسکتا ہے۔

بازوئوں کی دیکھ بھال

بازوؤں کو اچھی حالت میں رکھنے کے لیے گھر پر کریم بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ دو انڈوں کی سفیدی کو ایک پیالہ عرق گلاب میں چند سیکنڈ ابال لیں پھر چوتھائی چمچ پھٹکری کا پاؤڈر ملالیں اور اتنا پھینٹیں کہ وہ چپ چپ دار ہوجائے۔ اس لیپ کو بازوؤں پر لگائیں اور کم از کم ایک گھنٹے تک لگا رہنے دیں اس کے علاوہ بازوؤں پر مالش کرنے کے لیے کوئی کریم یا لوشن استعمال کرسکتی ہیں۔ اگر بازوؤں پر بہت زیادہ بال ہوں تو مزید احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے بالوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپ ٹھنڈی کریم لگا سکتی ہیں' ایسا کرنے سے آپ کے بازو چکنے اور چمکدار ہوجائیں گے۔ ایسا کرتے رہنے سے بازوؤں پر بہت کم بال اگیں گے ہائیڈروجن پرآکسائیڈ کے تین حصوں کو امونیا کے ایک حصے میں ملائیں۔ روئی سے اسے بازوؤں پر لگائیں اور خشک ہونے دیں' دس منٹ بعد بازوؤں کو ٹھنڈے پانی سے دھولیں اس سے آپ کے بال سنہری ہوجائیں گے۔

ہاتھوں اور ناخنوں کے دھبے دور کرنا

ہاتھوں اور ناخنوں کے دھبوں کو دور کرنے کے لیے آلو یا لیموں کے ٹکڑوں کو ہاتھوں اور ناخنوں پر ملیں۔ ناخنوں کو موم سے رگڑنے سے خون رواں ہوجاتا ہے' جس سے ناخنوں میں سرخی اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ خواتین وقت کی کمی کے باعث اپنے ہاتھوں اور ناخنوں کو نظر انداز کرتی ہیں اور ہاتھوں کی خوب صورتی بے معنی ہوکر رہ جاتی ہے اس لیے خواتین کے لیے ضروری ہے کہ ہاتھ دھونے کے بعد ناخنوں کے کنارے کو صاف کریں اور اچھی طرح دیکھ لیں کہ ناخنوں کی نوکیں بالکل صاف ہیں اور جب بھی آپ کو وقت ملے تو اپنے ہاتھوں پر سفید آیوڈین ملیں۔ ناخنوں کی بہتر نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ ان کی ہفتہ وار صفائی کریں اگر آپ نیل پالش لگانا نہیں چاہتیں مگر اس کے باوجود بڑھے ہوئے ناخنوں کو تراشنا اور ان کو بیضوی شکل دینا بہت ضروری ہوتا ہے تاکہ دھول اور مٹی ان کے اندر نہ جائے اور ناخن جراثیم سے پاک رہیں۔

عائشہ سلیم...... کراچی

غزل

دشت میں پیاس بجھاتے ہوئے مر جاتے ہیں
ہم پرندے کہیں جاتے ہوئے مر جاتے ہیں
ہم ہیں سوکھے ہوئے تالاب پہ بیٹھے ہوئے ہنس
جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں
گھر پہنچتا ہے کوئی اور ہمارے جیسا
ہم ترے شہر سے جاتے ہوئے مر جاتے ہیں
کس طرح لوگ چلے جاتے ہیں اٹھ کر چپ چاپ
ہم تو دھیان میں لاتے ہوئے مر جاتے ہیں
یہ محبت کی کہانی نہیں مرتی لیکن
لوگ کردار نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں

شاعر: عباس تابش
دلکش مریم...... چنیوٹ

تجدید وفا

تم اپنے اندر کے لاکھ موسم چھپالو مجھ سے
میں اپنے جذبوں کی چاندنی سے
نقاب سارے سمیٹ لوں گا
میرے ہی نام انتساب ہوگا
میں چاہتوں کی مسافتوں سے
جو لوٹ آیا تو دیکھ لینا
ہر ایک دل سے
محبتوں کے......
نصاب سارے سمیٹ لوں گا
تم اپنی چاہت کے سنگ ایک دن
میری نگاہوں میں تیرنا پھر
میں اپنی آنکھوں میں ایک دن
حجاب سارے سمیٹ لوں گا
وفا کی تجدید کررہا ہوں
میں بن کے بادل
تمہاری خاطر
سراب سارے سمیٹ لوں گا
میں چاہتوں کے کٹھن سفر کے
عذاب سارے سمیٹ لوں گا

شاعر: مشتاق احمد قریشی
کتاب: طلسم خیال
انتخاب: بلقیس آصف خان...... ملتان

غزل

ہم زباں میرے تھے ان کے دل مگر اچھے نہ تھے
منزلیں اچھی تھیں میرے ہمسفر اچھے نہ تھے
جو خبر پہنچی یہاں وہ اصل صورت میں نہ تھی
تھی خبر اچھی مگر اہل خبر اچھے نہ تھے
بستیوں کی زندگی میں بے زری کا ظلم تھا
لوگ تھے وہاں کے اچھے مگر اہل زر اچھے نہ تھے
ہم کو خوابوں میں نظر آتی ہیں کتنی خوبیاں
جس قدر اچھے لگے اس قدر اچھے نہ تھے
اس لیے آتی نہیں گھر میں محبت کی ہوا
اس ہوا کے لوگ سارے منتظر اچھے نہ تھے
اک خیال خام میں مرشد تھا ان کا اے منیر
یعنی اپنے شہر میں اہل نظر اچھے نہ تھے

شاعر: منیر نیازی
انتخاب: ندیجہ نورین مہک...... برنالی

غزل

رات کے خواب سنائیں کس کو رات کے خواب سہانے تھے
دھندلے دھندلے چہرے تھے پر سب جانے پہچانے تھے
ضدی' وحشی' الہڑ' چنچل' میٹھے لوگ رسیلے لوگ
ہونٹ ان کے غزلوں کے مصرعے آنکھوں میں افسانے تھے
وحشت کا عنوان ہماری' ان میں سے جو نار بنی
دیکھیں گے تو لوگ کہیں گے' انشاء جی دیوانے تھے
یہ لڑکی تو ان گلیوں میں روز ہی گھوما کرتی تھی
اس سے ان کو ملنا تھا تو اس کے لاکھ بہانے تھے

ہم کو ساری رات جگایا جلتے بجھتے تاروں نے
ہم کیوں ان کے در پر اترے کتنے اور ٹھکانے تھے

شاعر:ابن انشاء

مشی خان...... مانسہرہ

غزل

سچ کہوں تو مجھے یہ عنوان برا لگتا ہے
ظلم سہتا ہوا ہر انسان برا لگتا ہے
کس قدر ہوگئی مصروف یہ دنیا اپنی
ایک دن ٹھہرے تو مہمان برا لگتا ہے
ان کی خدمت تو دور حال یہ ہے یہاں
بوڑھے ماں باپ کا فرمان برا لگتا ہے
میرے اللہ میری نسلوں کو ذلت سے بچا
اتنی ذلت میں مسلمان برا لگتا ہے

شاعر:علامہ اقبال

تحریم اکرم چوہدری...... پرل کوئین

نظم

شام ڈھلے نم ناک سڑک پہ
برف سی رنگت والی لڑکی
کسی کا رستہ دیکھ رہی ہے
کھڑکی کھول کے میں کیا دیکھوں
کہہ دے گی وہ نین چرا کر
دنیا کتنا شک کرتی ہے
کان کا بالا ڈھونڈ رہی ہوں

شاعرہ:پروین شاکر

سونیا نورین گل...... دندہ شاہ بلاول

غزل

دوست بن کر بھی نہیں ساتھ نبھانے والا
وہی انداز ہے ظالم کا زمانہ والا
اب اسے لوگ سمجھتے ہیں گرفتار میرا
سخت نادم ہے مجھے دم میں لانے والا
کیا کہیں کتنے مراسم تھے ہمارے اس سے
وہ جو ایک شخص ہے منہ پھیر کے جانے والا
تیرے ہوتے ہوئے آجاتی تھی ساری دنیا
آج تنہا ہوں تو کوئی نہیں آنے والا
منتظر کس کا ہوں ٹوٹی ہوئی دہلیز پہ میں
کون آئے گا یہاں کون ہے آنے والا
میں نے دیکھا ہے یہاں بہاروں میں چمن کو جلتے
ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا
تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

شاعر:احمد فراز

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

بھنور کی گود میں جیسے کنارہ ساتھ رہتا ہے
کچھ ایسے ہی تمہارا اور ہمارا ساتھ رہتا ہے
محبت ہو کہ نفرت ہو اسی سے مشورہ ہوگا
مری ہر کیفیت میں استخارہ ساتھ رہتا ہے
سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعا میں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے
مرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دے دی
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے
اگر وصی مرے لب پر محبت ہی محبت ہے
تو پھر یہ کس لیے نفرت کا دھارا ساتھ رہتا ہے

شاعر:وصی شاہ

انتخاب:سونیا نورین...... دندہ شاہ بلاول

نظم

اب جیون خالی کاسہ ہے
اب گنتی کی کچھ سانسیں ہیں
اب تھوڑے دنوں کا میلا ہے
بازار اجڑنے والا ہے
اب مال ومتاع ختم ہوا
اب تم بازار میں آئے ہو
اس وقت کہاں تھے تم پاگل؟
جب شہر کی اندھی گلیوں میں

میں تم کو پانے کی خاطر
آوازیں دیتا پھرتا تھا......

شاعر:ہیثم علی آغا

سیدہ لوبا سجاد...... کبروڑپکا

غزل

جو اتر کے سینہ شام سے تیری چشم خوش میں سما گئے
وہی جلتے بجھتے چراغ سے میرے بام و در کو سجا گئے
یہ عجیب کھیل ہے عشق کا میں نے آپ دیکھا یہ معجزہ
وہ جو لفظ میرے گمان میں تھے وہ تیری زبان پہ آ گئے
وہ جو گیت تم نے سنا نہیں میری عمر بھر کا ریاض تھا
میرے درد کی تھی وہ داستان جسے تم ہنسی میں اڑا گئے
وہ جو بندگان نیاز میں یہ تمام ہیں وہ لشکر
جنہیں زندگی نے اماں نہ دی تو تیرے حضور آ گئے
تیری بے رخی کے دیار میں میں ہوا کے ساتھ ہوا ہوا
میری خواہشوں کے غبار میں میرے ماہ وسال وفا گئے
میری عمر سے بھی نہ مٹ سکے میرے دل میں اتنے سوال تھے
تیرے پاس جتنے جواب تھے تیری ایک نگاہ میں آ گئے

شاعر:امجد اسلام امجد

ارم کمال...... فیصل آباد

شاعر

کیسے کاریگر ہیں یہ
آس کے درختوں سے
لفظ کاٹتے ہیں اور سیڑھیاں بناتے ہیں
کیسے باہنر ہیں یہ
غم کے بیج بوتے ہیں
اور دلوں میں خوشیوں کی کھیتیاں اُگاتے ہیں
کیسا چارہ گر ہیں یہ
وقت کے سمندر میں
کشتیاں بناتے ہیں آپ ڈوب جاتے ہیں

شاعر:امجد اسلام امجد

شمع مسکان...... جام پور

غزل

اس شہر میں کس سے ملیں ہم سے تو چھوٹیں محفلیں
ہر شخص تیرا نام لے ہر شخص دیوانہ تیرا
کوچے کو تیرے چھوڑ کر جوگی ہی بن جائیں مگر
جنگل تیرے پربت تیرے بستی تری صحرا ترا
تو باوفا تو مہرباں اور ہم تجھ سے بدگماں
ہم نے پوچھا تھا ذرا یہ وصف کیوں ٹھہرا ترا
بے شک اسی کا دوش ہے کہتا نہیں خاموش ہے
تو آپ کر ایسی دوا بیمار ہو اچھا ترا
ہم اور رسم بندگی؟ آشفتگی؟ افتادگی؟
احسان ہے کیا کیا ترا اے حسن بے پروا ترا
دو اشک جانے کس لیے پلکوں پر آ کر ٹک گئے
الطاف کی بارش تری اکرام کا دریا ترا
اے بے دریغ و بے اماں ہم نے کبھی کی ہے فغاں؟
ہم کو تری وحشت سہی ہم کو سہی سودا ترا
ہم پر یہ سختی کی نظر ہم ہیں فقیر رہ گزر
رستہ کبھی روکا ترا دامن کبھی تھاما ترا
ہاں ہاں تری صورت حسیں لیکن تو اتنا بھی نہیں
اس شخص کے اشعار سے شہرہ ہوا کیا کیا ترا
بے درد سنتی ہو تو چل کہتا ہے کیا اچھی غزل
عاشق ترا رسوا ترا شاعر ترا انشا ترا

شاعر:ابن انشاء

کرن شہزادی...... مانسہرہ

ان جھیل سی گہری آنکھوں میں

ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
ایک شام کہیں آباد تو ہو
اس جھیل کنارے پل دو پل
ایک خواب کا نیلا پھول کھلے
وہ پھول بہادیں لہروں میں
جس وقت لرزتا چاند چلے
اس وقت کہیں ان آنکھوں میں اس بسرے پل کی
یاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں

ایک شام کہیں آباد تو ہو
پھر چاہے عمر سمندر کی
ہر موج پریشاں ہوجائے
پھر چاہے آنکھ دریچے سے
ہر خواب گریزاں ہوجائے
پھر چاہے پھول کے چہرے کا
ہر درد نمایاں ہوجائے
اس جھیل کنارے پل دو پل وہ روپ نگر ایجاد تو ہو
دن رات کے اس آئینے سے وہ عکس کبھی آزاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
ایک شام کہیں آباد تو ہو

شاعر: امجد اسلام امجد
انتخاب: جویریہ ضیاء..... کراچی

غزل

کہیں چراغ ہیں روشن، کہیں یہ مدھم ہیں
تمہارے آنے کے امکان ہیں مگر کم ہیں
میں لوٹتے ہوئے چپکے سے چھوڑ آیا تھا
تمہارے تکیے پہ میرے ہزار موسم ہیں
تمہارے پاؤں کو چھو کر زمانہ جیت لیا
تمہارے پاؤں نہیں ہیں، یہ ایک عالم ہیں
محبتیں ہوئیں تقسیم تو یہ بھید کھلا
ہمارے حصے میں خوشیاں نہیں ہیں ماتم ہیں
کچھ اس لیے بھی ہمیں دکھ سے ڈر نہیں لگتا
ہماری ڈھال تیرے درد ہیں، تیرے غم ہیں

شاعر: وصی شاہ
انتخاب: رابعہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان

غزل

ہم نے جو دیپ جلائے ہیں، تری گلیوں میں
اپنے کچھ خواب سجائے ہیں تری گلیوں میں
جانے یہ عشق ہے یا کوئی کرامت اپنی
چاند لے کر چلے آئے ہیں، تری گلیوں میں
تذکرہ ہو تری گلیوں کا تو ڈر جاتا ہے
دل نے وہ زخم اٹھائے ہیں، تری گلیوں میں
اس لیے بھی تری گلیوں سے ہمیں نفرت ہے
ہم نے ارمان گنوائے ہیں، تری گلیوں میں
کیوں ہر اک چیز ادھوری سی ہمیں لگتی ہے
جانے کیا چھوڑ کے آئے ہیں تری گلیوں میں

شاعر: وصی شاہ
انتخاب: زرینہ..... دندہ شاہ بلاول

مکالماتی غزل

کہا اُس نے تمہیں بھی کیا بھنور سے خوف آتا ہے؟
کہا میں نے مجھے گہری نظر سے خوف آتا ہے
کہا اس نے دھوئیں میں بھی دکھائی کچھ نہیں دیتا
کہا اُس نے اسی باعث گُہر سے خوف آتا ہے
کہا اُس نے اگاؤں تم بھی کوئی بیج چاہت کا
کہا میں نے جدائی کے شجر سے خوف آتا ہے
کہا اس نے محبت میں کسے منزل نہیں ملتی؟
کہا میں نے جسے اس رہ گزر سے خوف آتا ہے
کہا اس نے کہ بندے اب خدا سے کیوں نہیں ڈرتے؟
کہا میں نے بشر کو اب بشر سے خوف آتا ہے
کہا اس نے کہ بستی چاہتوں کی پھر بسائیں ہم؟
کہا میں نے مجھے اب اس نگر سے خوف آتا ہے
کہا اس نے میری آنکھوں میں ارشد جھانک کر دیکھو
کہا میں نے مجھے تیری نظر سے خوف آتا ہے

شاعر: ارشد محمود ارشد
انتخاب: ہالہ سلیم..... کراچی

نظم

دل مجروح تمہیں اس کی ضرورت کیسی
چشم افلاک کا آنسو کو بہانا کیسا
وہ کسی اور کی تصور تھا، حسیں دنیا میں
تیری دنیا سے الگ اور کہیں رہتی ہے!
تیری سوچوں کا حسین تاج محل جانِ جاں
ہم فقیروں سے تو مسمار نہیں ہوسکتا
تو کہ ہر روز اسے یاد بہت کرتا ہے
وہ بھی بھولے سے تجھے یاد نہیں کرتی ہے
اس کو اک رسم محبت کا تقاضا سمجھو
پیار ہر شخص کی میراث نہیں ہوسکتا
پیار غمناک اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں
اب کسی طور کبھی وصل نہیں ہوسکتا
اب یہ سوچا ہے، اسے دل سے بھلانا ہوگا
پیار شعلوں پہ بھڑکتے ہوئے لمحوں جیسا
ایسے شعلوں کو کسی طور بجھانا ہوگا
ہم نے دیکھی ہے محبت کی کہانی اکثر
اب کسی طور مکمل بھی نہیں ہوسکتی
دلِ مجروح اسے تیری ضرورت بھی نہیں ہوسکتی

شاعر: راشد ترین
انتخاب: نادیہ احمد..... دبئی

غزل

اے دل داغ دار رونا ہے
ہو کے اب بے قرار رونا ہے
کس نے دیکھی ہے کھول کر قیمت
حسرتِ سوگوار رونا ہے
اب دسمبر کی سرد راتوں میں
ہوکے بے اختیار رونا ہے
اپنے پیاروں میں بانٹ کر خوشیاں
پھر ہمیں زار زار رونا ہے
جیت ان نصیب کرنے کو
لازمی تھا یہ ہار رونا ہے
دکھ کی کشتی میں جب سے آبیٹھے
تب سے بس آر پار رونا ہے

شاعرہ: نازیہ کنول نازی
انتخاب: حنا اشرف کوٹ ادو

پاگل لڑکی

آج وہ
بہت خوش تھی
اس کی آنکھوں میں چمک تھی
اب وہ
اپنے آپ کو قید کرلے گی
میں نے موقع دیکھ کر چپکے سے
"اسے"
چھپادیا
وہ بے چین ہوگئی
متلاشی نظروں سے ہر طرف دیکھ رہی تھی
وہ بڑبڑائی
کون لے گیا
میں اس کا اضطراب دیکھ رہا تھا
شام تک

وہ
اس کے بغیر مرجھا سی گئی
اب مجھ سے رہا نہ گیا
صائمہ بیٹی
"یہ لو"
اُسے میرے ہاتھ میں دیکھ کر
اس کے چہرے پر تازگی چھاگئی
وہ تمتما گئی
اور مجھ پر جھپٹ پڑی
ابو!!!
"میرا آنچل"
وہ "اسے"
میرے ہاتھ سے چھین کر میری نظروں سے اوجھل ہوگئی
میں نے مسکرا کر کہا
پاگل لڑکی
ہوش کھو بیٹھتی ہے اپنا
"آنچل"
کے بغیر

شاعر: افتخار احمد قریشی آکسفورڈ
انتخاب: صائمہ قریشی..... آکسفورڈ

❁

کمزور ہے وہ شخص جس کا کوئی دوست نہ ہو اور اس سے بھی زیادہ کمزور ہے وہ شخص جو اپنا بنا ہوا دوست کھو دے۔
شمع مسکان...... جام پور

مفہوم حدیث

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
کہ میں نے خواب دیکھا کہ تندور کی طرح ایک گڑھا ہے جس کا منہ تنگ ہے اور اندر سے کھلا ہے ننگے مرد اور عورتیں اس میں موجود ہیں اور آگ بھی جل رہی ہے مجھے بتایا گیا یہ وہ لوگ ہیں جو (دنیا میں) زنا کرتے تھے۔ (مسند احمد حدیث 20106 جلد 5 صفحہ 8 درجہ صحیح مسند المصرین راوی، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ناشر موسسہ قرطبہ قاہرہ)
ریما نور رضوان...... کراچی

سنہری باتیں

❁ کمزوروں کو معاف کرنا ہی دلیری ہے۔
❁ خراب باتیں کرنے سے چپ رہنا بہتر ہے۔
❁ کوئی کمزور شخص تمہاری بے عزتی کرے تو اسے بخش دو اس لیے کہ بہادروں کا کام معاف کرنا ہے۔
❁ سچ بولو گے اور نیت اور فعل بھی ٹھیک رکھو گے تو جواں مرد سمجھے جاؤ گے۔
❁ جو شخص اچھا کھانے، اچھا پہننے اور امیروں کی صحبت میں بیٹھنے کی خواہش دل میں رکھتا ہے اس سے دوزخ زیادہ دور نہیں ہوتی۔
❁ جب بندہ دنیا سے منہ موڑتا ہے تو وہ گناہوں کی دلدل میں پھنسنے سے بچ جاتا ہے۔
❁ جو شخص پیارے رسول ﷺ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنے خاص انعامات بھیجتا ہے اور فرشتے بھی اس کی سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں۔
❁ زبان کی حفاظت کرو کیونکہ عزت اور ذلت کی یہی ذمہ داری ہے۔

❁ صدقہ خیرات گن گن کر نہ دیا کرو ورنہ اللہ بھی تمہیں گن گن کر دے گا۔
❁ بہترین خصلت زبان کی حفاظت ہے۔
❁ غصہ ایسی آندھی ہے جو دماغ کے چراغ کو بجھا دیتا ہے۔
❁ غریبوں کے ساتھ ہمیشہ دوستی رکھو اور امیروں کی مجلس سے پرہیز کرو۔
❁ جو شخص حضور ﷺ اور ان کے صحابہ اکرامؓ کے بارے میں نامناسب الفاظ استعمال کرے تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔
❁ اگر توبہ کر لی جائے تو ایمان کی طرف واپسی ہوتی ہے۔
❁ جو حضرت علیؓ کی خلافت کے خلاف ہے وہ بھٹکا ہوا ہے۔
مسز نگہت غفار...... کراچی

تقدیر

زندگی کے دوراہے پر چلتے چلتے کبھی کبھی ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب اپنے جذبات کو کچل کر دوسروں کے جذبات کا احترام کرنا پڑتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں انسانیت تکمیل پاتی ہے اور بلندی سے ہمکنار ہوتی ہے زندگی کے حوادث کا مقابلہ اس خوبی سے کرو تدبیر کی نگر سے تقدیر مسکرا اٹھے۔
سونیا نورین گل...... ڈنڈ شاہ بلاول

دانش کدہ

☆ بہت سے الفاظ میں کم خیالات کا اظہار جہالت، تھوڑے الفاظ میں زیادہ خیالات کا اظہار علمیت ہے۔
☆ مال و زر سمندر کا شوربہ ہے کہ جتنا پیو گے اتنی پیاس بھڑکے گی۔
☆ مرد آزاد وہ ہے جو تنہا رہتا ہے اور اپنی نفاست پر قناعت کرتا ہے۔
نگینہ حسنین شاہ...... ساہیوال

زندگی

زندگی کتنی حسین لگتی ہے
ڈھلتے سورج کی شام
کتنی حسین لگتی ہے
نیلے آسمان کے گرد
ڈھلتے سورج کی سرخ روشنی
کتنی حسین لگتی ہے
کھلتے گلابوں کے درمیاں
جب......
تیری میری ملاقات ہوتی ہے
تو زندگی
کتنی حسین لگتی ہے
ایم فاطمہ سیال...... محمود پور

ماں

مجھے پیار ہے کانٹوں سے کیونکہ پھول تو ایک لمحہ بعد مرجھا جاتے ہیں۔ مجھے پیار ہے برسات سے کیونکہ آنکھیں بھی برستی ہیں کسی پر یا کسی خوشی پر آنکھوں میں بھی ایسی برسات ہوتی ہے۔
مجھے پیار ہے چاند سے جب بھی نیلے آکاش کی طرف دیکھتی ہوں تو کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں ہوتا نہ ستارے اور نہ چاندنی
اس ہستی سے کہ
جس کی دعاؤں سے آج کائنات کا ہر رنگ خوش نما ہے اور یہ دنیا قائم ہے
وہ ہستی ماں ہے۔
فرحت اشرف گھمن...... سیدوالا

ایمان

رزق کے پیچھے اپنا ایمان کبھی خراب مت کرو کیونکہ نصیب کا رزق انسان کو ایسے تلاش کرتا ہے جیسے مرنے والے کو موت۔

سچ

ہمیشہ سچ بولو تاکہ قسم کھانے کی ضرورت نہ پڑے۔

اہمیت

اہمیت ہمیشہ الفاظ کی ہوتی ہے مگر اثر ہمیشہ لہجوں کا ہوتا ہے۔

صفائی

جہاں پر ہر بار اپنی باتوں کی صفائی دینی پڑ جائے وہ رشتے کبھی گہرے نہیں ہوتے۔

سجدہ

بے بس انسان کا سجدہ ہی اس کی بے بسی کا علاج ہے۔
مدیحہ نورین مہک...... برنالی

اقوال زریں

○ الفاظ بکھر جاتے ہیں کردار باقی رہتا ہے۔
○ پریشان ہونا انسان ہونے کی دلیل ہے پریشان رہنا اللہ پر یقین نہ ہونے کی دلیل ہے۔
○ تمنا کو دل میں جگہ نہ دو یہ گہرا زخم ہے۔
○ الفاظ ہمارا کردار ہیں۔
○ دعا انسان کو خاک سے آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔
○ اچھا گمان بہترین عادت ہے۔
○ بندے اور کفر کے درمیان فرق ترک نماز ہے۔
○ سب سے بڑی غلطی اپنی غلطیوں سے بے خبر رہنا ہے۔
○ دنیا کی تھکن اتارنے کا سب سے بہترین طریقہ ذکر ہے۔
○ سکون سے رہنا چاہتے ہو تو لوگوں سے وعدے کم کرو۔
○ انسان ایک دکان ہے اور زبان اس کا تالا جب تالا کھلتا ہے تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ دکان سونے کی ہے یا کوئلے کی۔
○ جب لوگوں کو یہ پتا چلتا ہے کہ زندگی کیا چیز ہے آدھی زندگی گزر چکی ہوتی ہے۔
○ بہت سے نقصانات انسان کو اس وجہ سے پہنچتے ہیں کہ وہ لوگوں سے مشورہ نہیں لیتا۔
○ عدل بارش سے سیکھو جو پھول اور کانٹے دونوں پر برستی ہے۔
آبرو چوہدری...... کولووال سرگودھا

سرمائے میں اضافہ

ایک بچے نے معصومیت سے سوال کیا۔
"سر کیا یہ بات درست ہے کہ بچے قوم کا سرمایہ ہیں اور ملک و ملت کا تابناک مستقبل ہیں۔"
"بالکل۔" سر نے جواب دیا۔ "تم نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔"
بچے نے معصومیت سے کہا۔
"سر تو پھر حکومت اس سرمائے میں اضافے سے پریشان کیوں ہے۔"
غزل عبدالخالق...... فیصل آباد

ایک خوب صورت بات

تعلیم جس کے اندر داخل ہو جاتی ہے وہ سادگی اختیار کر لیتا ہے اور جس کے اوپر سے گزر جاتی ہے وہ ماڈرن بن جاتا ہے۔

ایس انمول...... بچیکلاں

نیو ماڈرن ڈکشنری

ثابت قدمی: جو شادی کے بعد بھی نہ پچھتائے۔
گنڈاسہ: پنجابی فلموں کا ایف 14۔
وی سی آر: بے لوث خدمت، بے خوف قیادت۔
ووٹ: نوٹ کا قریبی رشتہ دار۔
الیکشن + میچ + ہڑتال + امتحانات = سال کے چار موسم۔
ڈاکٹر + نرس + آرام طلبی = اسپتال۔
منشیات + اسلحہ + غنڈہ گردی + فحش تصاویر = بوائز ہوسٹل۔
مظلومیت + معصومیت + فرمانبرداری = شوہر۔
کرن شہزادی...... مانسہرہ

دعا

پرنام سنگھ کی اپنی بیوی سے سخت لڑائی ہوئی اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "واہے گرو میں زندہ نہیں رہنا چاہتا تو مجھے اٹھالے"
پرنام سنگھ کی بیوی اس سے بھی زیادہ اکتائی ہوئی تھی اس نے بھی ہاتھ اٹھالیے اور بولی۔
"واہے گرو میں بھی زندہ نہیں رہنا چاہتی تو مجھے بھی اٹھالے"
یہ سن کر پرنام سنگھ نے دوبارہ ہاتھ اٹھا دیے اور کہنے لگا۔
"واہے گرو تو میری دعا بھول جا اور میری بیوی کی دعا سن لے۔"
سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

یاری اور بیماری

یاری اور بیماری جتنی بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی خطرناک ہو جاتی ہے۔
عاشی شین...... فیصل آباد

قیمتی موتیوں کی مالا

❁ وہ گناہ جس کا تمہیں رنج ہو اللہ کے نزدیک اس نیکی سے کہیں اچھا ہے جو تمہیں خود پسند بنا دے۔
❁ غم اور مشکلات صرف اللہ سے شیئر کیا کرو اس یقین کے ساتھ کہ وہ تمہیں جواب بھی دے گا اور تمہاری تمام مشکلات حل بھی فرمائے گا۔
❁ غصہ نہ کرو کیونکہ یہ شیطان کا کام ہے اس سے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔
❁ زندگی سے زیادہ محبت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ سب سے آخر میں یہی دھوکہ دیتی ہے۔
❁ یا اللہ تو واحد بادشاہ ہے جو مانگنے پر خوش ہو کر دیتا ہے اور نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے اے خدائے کریم ہم تمام مسلمانوں کی مشکلات آسان فرما اور ہمیں مسلمان ہونے کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرما آمین ثم آمین۔
سعدیہ رشید بھٹی...... روڈ فیصل آباد

قابل غور ہے کچھ

......٭ ہلکی پھلکی بات ہلکے پھلکے کھانے کی طرح جلدی ہضم ہو جاتی ہے۔
......٭ جھنجلاہٹ کا سب سے موثر علاج ایک دوست ہوتا ہے جس پر چیخنے چلانے کے بعد آپ اس کی گود میں سر رکھ کر ڈھیر سارا رو سکیں۔
......٭ خاموشی ایک ایسا پردہ جس کے پیچھے لیاقت بھی ہوتی ہے اور حماقت بھی زندگی میں قسم، قلم اور قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے۔
......٭ دنیا کے کام ختم نہیں ہوتے مگر انسان ختم ہو جاتا ہے۔
......٭ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنی کتابوں سے ہے کیونکہ انہوں نے اس وقت میرا ساتھ دیا جب میرے اپنوں نے مجھے ٹھکرا دیا۔
......٭ تعجب ہے اس پر جو یہ جانتا ہے کہ دنیا فنا کی جگہ ہے پھر بھی اس سے محبت رکھتا ہے۔
......٭ کوشش کریں جس کے ساتھ عمر گزارنے کا سودا کرتا ہو ان سے دل ملیں نہ ملیں ذہن ضرور ملتے ہوں۔
......٭ زندگی گزارنا مشکل ضرور ہے لیکن اپنے رب سے تعلق جوڑنے والے کبھی ناکام نہیں ہوتے۔
......٭ دنیا میں سب سے تیز رفتار چیز دعا کیونکہ یہ دل سے زبان پر پہنچنے سے پہلے خدا تک پہنچ جاتی ہے۔
ارم کمال...... فیصل آباد

مسکراہٹیں

بیوی نے شوہر سے پوچھا "آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔"
شوہر "اتنی جتنے اس وقت آسمان پر ستارے ہیں۔"

بیوی نے غصے سے کہا۔ "آپ کو دن میں بھی تارے نظر آ رہے ہیں۔"
شوہر نے معصوم صورت بنا کر کہا۔ "ہاں مجھے تو شادی کے بعد سے روزانہ تارے پابندی سے نظر آ رہے ہیں۔"
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

پوسٹ آفس کا پہلا تجربہ

مجھے تو ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے کہ ہاسٹل سے دادو کے ساتھ گھر جاتے ہوئے کزن عنزہ صاحبہ کے ساتھ ڈاکخانہ کا رخ کیا تو دل نے اودھم مچا دیا اور دھڑکنوں نے بے قابو ہو ناچنا شروع کر دیا بھئی سب چونک کیوں گئے ایسا کچھ نہیں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔ بھئی پہلی دفعہ جو پوسٹ آفس گئے تھے اس لیے آپ سوچ رہے ہوں گے کہ دادو کس قدر براڈ مائنڈڈ ہیں بھئی ایسا کچھ نہیں ہے دراصل دادو سے ہم نے جھوٹ بولا تھا کہ ہم نے یہاں فارم جمع کرانے ہیں ہاں جی تو ہمت کر کے جوں ہی پوسٹ آفس کی دہلیز پار کی سامنے ایک دل کو دہلا دینے والا منظر دیکھا بھئی ہوا کچھ یوں کہ سامنے ایک انتہائی موٹا آدمی اپنی دو سرخ آنکھیں، اکلوتی چھوٹی اور موٹی ناک بڑے بڑے ہونٹوں اور سانولے کلر کے ساتھ براجمان تھا بھئی میں نے کزن عنزہ کا ہاتھ تھام کر کہا دادو یہ کیا چیز ہے اور کیا بنے گا۔ شروعات یہ ہے تو اختتام کیا ہوگا کزن نے بھی آہستہ سے کان میں کہہ دیا کہ "ابھی تو امتحان شروع ہوا ہے۔"
واقعی ابھی تو امتحان شروع ہوا تھا وہی ہوا جس کا ڈر تھا بھئی ہمیں تو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ کیا کرنا ہے کیا طریقہ کار ہے پھر دل پہ پتھر رکھ کر اس موٹے کسوٹے شخص کی جانب بڑھے اور جیسے تیسے ہوا اس کی کھا جانے والی نظروں سے بچ کر پارسل حاصل کیا اب موصوف کو یہ پتا نہ چلے کہ کیسے کہاں اور کیا لکھیں چنانچہ پھر ہوا کچھ یوں کہ ایک مشین پڑی تھی اور ساتھ دو ینگ سے لڑکے کھڑے ہوئے تھے ان سے کہا کہ یہ پوسٹ کرنے ہیں کیا کریں تو ان سے جواب ملا کہ پہلے نام وغیرہ تو لکھیں۔
کزن صاحبہ سے یہ خطا ہوئی کہ ان میں سے ایک موصوف سے کہہ دیا کہ آپ ہی لکھ دیں پر وہ بھی پرلے درجے کے بدتمیز اور ڈھیٹ واقع ہوئے ہوا کچھ ایسے کہ انہوں نے پتے کی جگہ پر کراچی کا پتا اور اس کی جگہ پر ہمارا پتا تحریر فرما دیا اب اندھا کیا چاہے دو آنکھیں ہمیں کیا پتا کہ درست ہے یا غلط...... بھئی اب مرا دماغ پھرا اور میں نے ان سے کہہ دیا کہ یہ لیں یہ پوسٹ بھی آپ ہی کر دیں تو جواب دماغ گھما دینے والا تھا ان میں سے ایک بولا۔
وہ شاید یو ایم ایس کراتے آئے تھے دور تک ان کمینوں کی ہنسی کی آواز ہمارے کانوں میں بیک ساؤنڈ چلتی رہی۔
جناب پھر موت کے کنوئیں کا رخ کیا اور جب اسے پارسل تھمائے تو پتا چلا کہ ان بے غیرتوں نے کیا کیا ہے اور اس لیے وہ ہنس رہے تھے بعد میں میرا دماغ اس لیے ماؤف ہوا کہ انہیں ہمارا محلہ معلوم ہو چکا تھا پر شکر ہے کہ گھر کا اڈریس وغیرہ نہیں لکھا تھا اور ہاں سب سے اہم بات تو بتانا ہی بھول گئی اسے اس موٹے کسوٹے آدمی نے ہم سے 180 روپے بٹور لیے پر اس قربانی پر بھی اسے رحم نہ آیا اور وہ 180 روپے ہڑپ کر گیا اور وہ پہلی تحریریں آج بھی اسی پوسٹ آفس میں ہوں گی جنہیں اس وقت ادارہ آنچل میں ہونا چاہیے تھا بس اب جب بھی اس پوسٹ آفس سے گزر ہوتا ہے تو 180 روپے پر ہمارا دل خون کے آنسو روتا ہے اب ہم اپنے گاؤں کے ساتھ والے پوسٹ آفس کو اس کام کے لیے استعمال کرتے ہیں یہ تھا مرا پوسٹ آفس کا پہلا تجربہ۔
اقرا لیاقت...... حافظ آباد

کام کی باتیں

❁ نادان لوگ دولت حاصل کرنے کے لیے دل کا چین لٹا دیتے ہیں اور عقل مند لوگ دل کا چین حاصل کرنے کے لیے دولت لٹاتے ہیں۔
❁ جس طرح ادھوری چیزیں، ادھوری یادیں اور ادھوری محبت اچھی نہیں لگتی اسی طرح ادھورا اعتماد بھی اچھا نہیں لگتا انسان اپنی ہی نظروں سے گر جاتا ہے۔
❁ انسان کی زندگی میں رشتے درخت کی طرح ہوتے ہیں بعض اوقات اپنے مفاد کی خاطر ہم انہیں کاٹتے چلے جاتے ہیں لیکن جب وقت کی کڑی دھوپ ہمیں جھلسانے لگتی ہے تو سائے کی خاطر پھر کسی رشتے کی طرف ہی بھاگتے ہیں۔
❁ ہم لوگ اللہ کو بڑی بڑی عبادتوں اور بڑی بڑی خدمتوں میں ہی ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اللہ چھوٹی عبادتوں اور لوگوں کے دلوں میں رہتا ہے۔
فریحہ شبیر...... شاہ نکدر

ykdhijab@gmail.com

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، رب العزت کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو مالک ارض وسماں ہے، مئی کا حجاب پیش خدمت ہے امید ہے آپ بہنوں کے ذوق اور معیار کے عین مطابق ہوگا۔آنچل، حجاب و نئے افق گروپ میں تبصرہ مقابلہ میں انعام جیتنے والی بہنوں کو ڈھیروں مبارک باد اور ججز صاحبان ریحانہ آفتاب اور نزہت جبین ضیاء کے بھی بے حد مشکور ہیں۔آئیے اب جانتے ہیں حسن خیال کی محفل میں آپ کے کیا خیالات ہیں۔

کنول خان...... ہری پور ۔ السلام علیکم کیسے ہیں سب؟اس بار کا حجاب کافی سے زیادہ لیٹ ملا پھر کیا تھا انتظار کرتے کرتے ۱۰ ابھی ہوگئی بس دل پر پتھر رکھے انتظار کرتے رہے اور بالآخر ۱۵ کو حجاب مل ہی گیا۔ہائے پھر کیا کہنے۔ابو کے ہاتھ سے لیتے ہی حجاب کو دیکھنا شروع،ارے کون کون آیا ہے اس بار ہماری محفل میں (اوسوری سوری) میرا مطلب ہے حجاب میں...... ہاہاہا...... یہ کیا میری نظم (آغوش مادر) میں۔اتنی خوشی ہوئی بتا نہیں سکتی۔بٹ میرے نام کے بغیر (عائشہ کو اچھی لگی اس نے لکھ لی) کوئی بات نہیں دل سے جو خوشی ہوتی ہے وہ ایسی ہی ہوتی ہے سو اس بار کا حجاب میرے لیے سب سے اہم تھا۔(یادگار) اس کے بعد میں حمد ونعت پڑھنے لگی ماشاء اللہ۔

کر لیا مجھ کو دنیا نے اسیر
یا الٰہی اپنی الفت دل میں ڈال

ابرار اسیر صاحب کا کلام بہت زبردست

اگر کوئی اپنا بھلا چاہتا ہے
اسے چاہیے جس کو خدا چاہتا ہے

سعید ہاشمی صاحب کا خوب صورت نعتیہ کلام دل کو سکون بخشنے کے لیے کافی تھا۔ندا رضوان امہات المومنین ماشاء اللہ۔حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہؓ کے بارے میں بتایا۔سبحان اللہ۔اس کے بعد آتے ہیں پسندیدہ سلسلے کی طرف ذکر اس پری وش کا۔اس بار تو سب ہی پریاں گھوم گھام کے ہمارے گھر آگئیں؟ آپ سب کا آنا اور ہمیں اپنے بارے میں بتانا بہت اچھا لگا ایک تو واقعی پری نکلی...... ہاہاہا...... سندس پری آپ تو سوئٹو بھی ہو اور کھلکھلاتی مسکان بھی ماشاء اللہ۔منفرد سلسلہ رخ سخن سباس گل بہت اعلیٰ۔آپ کی طرح آپ کا سلسلہ بھی خوب صورت بہت شاندار ہے۔مبشرہ انصاری اور صبا جرال سے باتیں بہت خوب۔ملاقات۔صائمہ قریشی سے سوالات کرکے بہت اچھا لگا تھا اور اب ان سوالوں کو پڑھ کے اور زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔سحرش نادیہ اور ندا آپ سب کا کام بہت اچھا ہے۔پہلے جو حصہ نہیں لے سکتے تھے اب آسانی سے سوشل میڈیا کے ذریعے وہ سب بھی حصہ لے رہی ہیں۔اس کے لیے حجاب کی تمام ٹیم کو بہت مبارک باد۔اللہ پاک بہت سی کامیابیاں دیں (آمین)۔اس بار مکمل ناول دونوں بہت زبردست تھے سب سے پہلے تو عائشہ نور محمد آپ کو حجاب میں دیکھ کے بہت زیادہ خوشی ہوئی۔"تیرے نام کردی زندگی" آہ بہت ہی خوب صورت مکمل ناول۔بابا اور رحابہ کی محبت۔حبہ کی چاہت۔ولید کا ایک ہم راز ایک اچھا دوست ہونا۔اس ناول کی جان تھا وہاں ہائے امعان کس پر چلا گیا۔قصور کس کا تھا جو اس کو ایسا بنا گیا۔

جیسا وہ اپنی ماں کو بچپن میں دیکھتا رہا وہی چیز اس کی شخصیت میں ڈھلتی گئی۔رحابہ کی ہر بات کو وہ اپنی ماں کی طرح لیتا۔افسوس لیکن پھر زندگی میں لیلی کا آنا محبت تھی یا پھر کچھ اور......؟ایک چیز مردوں کی فطرت میں شامل ہوتی ہے ان کو ہر کام اپنی مطابق چاہیے ہوتا ہے یہی وجہ تھی امعان کا لیلی کے قریب ہونا محبت کا دعویٰ کرنا مگر ایک باپ کی محبت اپنی اولاد کے لیے کم بھی نہیں ہوتی۔علیشے سے محبت بابا اور رحابہ جیسی محبت آخر ملن تو ہونا تھا رحابہ اگر خاموش نہیں رہتی تو جانے کیا ہوتا چلیں جو ہونا تھا ہو گیا۔امعان واپس آگیا معافی مانگ لی اور کیا چاہیے بھئی۔بہت زبردست تحریر عائشہ کی۔اس کے بعد آتے ہیں "شعلوں سے گلاب" کی طرف ہائے نام سے تو ایسا لگا بہت رونا دھونا ہوگا (ہاہاہا) حنا سس ویسے تھی بڑے مزے کی کہانی۔احمر اور شفق کی محبت ساتھ ساتھ عشر کی خاموش محبت۔شفق احمر کی شادی۔عشر کا باہر چلے جانا پھر احمر کا مرنا اور عشر کا شفق کی زندگی میں آنا محبت کب تک دور رہتی ہے۔عشر کی محبت کو پالینا شفق کا یقین کرلینا محبت آخر جیت ہی گئی۔بہت ہی اچھی کہانی اور ہاں یہاں پڑھے لکھے لوگوں کی اب کوئی اہمیت نہیں سب پیسے کا زور ہے۔بہت زبردست۔بشریٰ سس آپ کی اسٹوری تو واہ مزا آگیا واقعی کچھ ہٹ کے تھی اس بار۔صبا کیا چیز تھی کام وہ کرے اور سزا بے چاری عمارہ کو ملے۔یہ تھوڑی ہوتا ہے اور یہ زین بھائی کون سی چکی کا آٹا کھاتے ہیں اتنا غصہ (ہاہاہا) توبہ ہے۔صبا کی شرارتیں واہ زبردست۔عمارہ کی قسمت پھوٹی یا پھر قسمت چمکی جو بھی تھا زین بھائی کا نیا روپ اچھا تھا انسان شادی کے بعد ایسے بدل جاتا ہے تو ہر بندے کی شادی کردینی چاہیے (ہاہاہا) شانتی تو رہے گی۔سلمیٰ آپی کی کہانی فٹ جارہی ہے۔ہاں جی اب آتی ہوں سلسلے وار ناولز کی طرف جس کا اپنا ایک مزہ ہے۔دونوں ناولز زبردست جارہے ہیں پیدل (ہاہاہا) کمال ہے سب افسانوں میں سارے افسانہ بہت اعلیٰ تھے چھوٹی سی تحریر میں انسان اتنی بڑی بڑی باتیں کہہ جاتا ہے کہ بتانا مشکل۔خراج تحسین ان سب بہنوں کو ماشاء اللہ۔بہت زبردست لکھ رہی ہیں۔خوشیوں کی دستک بہت کمال افسانہ۔انسان کب تک جھوٹ بول سکتا ہے ایک نہ ایک دن جھوٹ سب کے سامنے آ ہی جاتا ہے؟ دانیال کے جھوٹ نے شہباز کو سبق سکھا ہی دیا تھا۔وہی مٹی ستارا ہے۔ہماراؤ کو پہلی بار پڑھا پڑھ کے بہت اچھا لگا۔اصل سے سود پیارا زبردست افسانہ۔ایک بے لوث رشتہ۔نفیسہ جی کا ماں پر لکھا خوب صورت افسانہ۔ماں جو بھی کر لے اپنے بچوں کو کبھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی بہت خوب۔شاندار افسانہ۔ٹھکرا آیا ٹھوکر، محبت آہ کی صورت، سودا سب بہت ہی خوب صورت تحریریں تھیں۔اب بات کرتی ہوں دوسرے سلسلوں کی تو سب سے پہلے بات آتی ہے بزم سخن سحرش، نادیہ سس سب کے شعر بہت خوب تھے۔عالم میں انتخاب پسندیدہ سلسلہ ناصر کاظمی کی شاعری بہت زبردست رہی سب کے انتخاب بہت خوب صورت۔جیسا میں نے دیکھا بہت خوب رفاقت سس طب نبوی ﷺ بہت اچھا سلسلہ ہے ماشاء اللہ ٹوٹکے بتاتی خدیجہ سس نظر آئیں گھریلو نسخے اور بیماریوں کے بارے میں بتائے گے نسخے۔شوبز کی دنیا نائس۔ہومیو کارنر پڑھتی نہیں کیونکہ مجھے کچھ سمجھ آتی نہیں (ہاہاہا)۔اب بات ہو جائے تبصروں کی تو سارہ خان اور عائشہ پرویز کو جیتنے کی بہت بہت مبارک باد۔اور سب کے تبصرے بھی بہت اچھے تھے۔شوخی تحریر ماشاء اللہ بہت کچھ اس سلسلے سے اچھا پڑھنے کو ملتا ہے اقوال زریں، اچھی باتیں، مٹی کا قرض، عورت کا لباس کیسا ہو اور بھی بہت کچھ۔ریما نور رضوان سس کا نام حجاب میں دیکھ کر اچھا لگا۔کچن کارنر بہت زبردست سلسلہ ہے یار سب اگر ایسا ہو جائے تو کیا بات سب کچھ بنا بنایا مل جائے (ہاہاہا) لیکن ہائے رے قسمت۔جب سناٹا روح میں اتر جائے پھر متاثر رونقیں نہیں کرتیں۔سیدہ لوبا سجاد کے شعر بہت زبردست اب اجازت اللہ حافظ۔

عائشہ پرویز صدیقی...... کراچی۔ حجاب رائٹرز پوری آب وتاب سے چمکنے والے نگینے ہیں لیکن یہ بات تو ماننی پڑے گی کہ ان نگینوں کو آپ ہی لوگوں نے تراشا ہے۔ نزہت آپی جن کا قلم کبھی نہ جھکنے والا اور نہ کبھی رکنے والا ہے۔ نفیسہ سعید آپی جو نام ہے اعتماد کا۔ عمیق مشاہدے اور علم سے بھرپور کہانیاں لکھنے والی سباس گل۔ زبردست فصاحت، بلاغت اور سحر زدہ کردینے والی کہانیاں لکھنے والی نادیہ فاطمہ آج بھی کل بھی۔ محبتوں کی دنیا کی باسی اور محبتوں سے اپنا مقروض کردینے والی صدف آصف کا انداز اتنا خالص جتنا پیار۔ ادب کے افق پر ابھرتا ستارہ اور ہرتا پک پر عبور رکھنے والی میری ہم نام عائشہ نور تم ہی تم ہو۔ پیارے حجاب کی پیاری رائٹرز جی ہاں سحرش فاطمہ، صائمہ قریشی، ندا حسنین، نادیہ احمد جن کا قلم یوں چلے کہ ''بلے بلے'' مختصراً تمام رائٹرز سے محبت ہے کیونکہ یہ سارے رنگ ہمارے ہیں۔ حجاب سے دوری سہی نہیں جاتی کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے۔ اپریل کا شمارہ کیا غضب کا ٹائٹل تھا کہ نظریں ہٹنے سے انکاری تھیں۔ سب سے پہلا کام (حمد ونعت) پڑھ کر مستفید ہونے کا کیا۔ (ذکر اس پری وش کا) میں تمام بہنوں سے مل کر اچھا لگا خاص کر جویریہ وحی کے لکھنے کا انداز دل کو بہت بھایا۔ (رخ سخن) میں مبشرہ انصاری اور صبا جرال سے گفتگو اچھی رہی۔ (آغوش مادر) عائشہ پرویز جی ماہ دولت نے جب امی کو پڑھ کر سنایا تو امی نے ایسے دیکھا جیسے میری ذہنی حالت پر شبہ ہو۔ صائمہ قریشی سے (ملاقات) بہترین رہی۔ عائشہ نور کی (تیرے نام کردی زندگی) میں ربہ کا کردار آسمان جیسی ہے، وہ نرم نرم سی لڑکی چٹان جیسی ہے۔ بہترین لگا اور خاص کر رحابہ کا تو بہت پاور فل تھا، جس کا ایک ایک لفظ جادو اثر رکھتا ہے اور میرا دل ان الفاظ کے زیر اثر کئی کئی گھنٹے رہتا ہے بے حد سبق آموز تحریر جس میں خدا پہ بھروسے کی تلقین کی گئی ہے اور اسے پڑھ کر خدا پر بھروسہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ (شعلوں سے گلاب) حنا عندلیب بہت دکھی کہانی، آج کل کے حالات کی مکمل عکاس ہے۔ ناولٹ (کچھ ہٹ کے) بشریٰ گوندل نے واقعی کچھ ہٹ کے لکھا ہے بہت اچھی تحریر جس میں محبت عزت، دکھ سب کچھ شامل تھا۔ (تیرے لوٹ آنے تک) سلمیٰ فہیم نے بہت عمدہ طریقے سے قاری کو اپنی گرفت میں رکھا ہوا ہے اب آگے آگے دیکھیں ہوتا ہے کیا؟ سلسلے وار ناول (دل کے دریچے) صدف آپی تسی تو چھا گئی ہو (میری نانی اماں پابندی سے اس کہانی کا تذکرہ کرتی ہیں) (میرے خواب زندہ ہیں) ابھی سے زرمینہ اور زرتاشہ کے ساتھ ساتھ میرا دل بھی متفکر ہے۔ افسانے (خوشیوں کی دستک) شازیہ فاروق نے لوگوں کے جھوٹ اور ان کے ظاہر وباطن کے بارے میں سب کچھ اتنے خوب صورت انداز میں قلم بند کیا کہ دل خوش ہوگیا۔ (تین کہانی) ریحانہ آفتاب نے ایک ہی بات کو بہت عمدہ طریقے سے دکھایا کہ پڑھ کر حیران ہوگئی واقعی اناثمہ اور واصفہ جیسی لڑکیوں کا دور نہیں اس کے لیے سسرال میں لائبہ جیسی لڑکی کا ہونا ضروری ہے جو سیاست سے چلے اور کامیاب بھی ہو بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے ہمیں اتنا اچھا سبق دیا۔ (ایک بے لوث رشتہ) نفیسہ سعید ہمارے گھریلو حالات کی کہانی، چاہے کوئی امیر ہو یا غریب ہر کوئی گھریلو سیاست کا شکار ہے جب تک ان مسائل کو اجاگر کرکے ختم نہیں کیا جاتا، ہمارا معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا۔ (ٹھوکر) حمیرا قریشی ٹھوکر کھا کر سنبھلنے والے کی جیت ہے تیری ہار نہیں مطلب کی ہے ساری دنیا یہاں کوئی کسی کا یار نہیں ہر ماں کو بہو کترینہ کیف ہی کیوں چاہیے ہوتی ہے چاہے ان کا بیٹا نانا پاٹیکر کیوں نہ ہو ہہہ۔ خیر بہت عمدہ کاوش باقی تمام افسانے زیر مطالعہ ہیں۔ (جیسا میں نے دیکھا) بہت اچھے سے دیکھ اور پڑھ رہی ہوں۔ (طب نبوی ﷺ) سمیرا غزل کے مشورے اکثر بہت کام آتے ہیں۔ (کچن کارنر) وائٹ کڑاہی ہی بنائی آئی اور باقی ڈشز اتنی مشکل لگیں کہ سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ (آرائش حسن) پڑھ کے سوچ رہی ہوں امی پر اپلائی کروں۔ (عالم میں انتخاب) صائمہ سکندر کی غزل میرے حالات کے عین مطابق

ہے۔ (شوخی تحریر) سب کے سب تعریف کے قابل ہیں۔ (حسن خیال) میں سب نے اپنے اپنے حسن سے چار چاند لگادیے۔ (شوبز کی دنیا) ہو یا (ہومیو کارنر) یا پھر ہو خدیجہ کے ٹوٹکے بہت سے لوگوں کے لیے سود مند۔ تبصرہ کافی لمبا ہوگیا چلتی ہوں اس امید کے ساتھ زندگی رہی تو پھر حاضر ہوں گی رب راکھا۔

ریما نور رضوان...... کراچی۔ السلام علیکم ابتدائیہ بڑا خوب صورت لگا۔ امہات المومنین، ندا رضوان۔ زبردست رہا۔ آغوش مادر متاثر کن رہا۔ ملاقات میں اپنی پیاری کیبلی، صائمہ قریشی سے مل کر بہت اچھا لگا۔ سلسلے وار ناول میں نادیہ فاطمہ رضوی اور صدف آصف دونوں منجھی ہوئی نامور مصنفہ ہیں دونوں ناول ٹاپ پر جارہے ہیں۔ مکمل ناول میں عائشہ نور باپ بیٹی کی محبت تو ہوتی ہی مثالی ہے جیسے آپ نے خوب صورت لفظوں میں اجاگر کیا۔ ویلڈن۔ بہت اچھی تحریر لگی۔ منفرد سی بیٹی کا محور باپ۔ باپ کا مرکز بیٹی...... اوسم...... حنا عندلیب۔ آپ کا ناول قسطوں میں پڑھا۔ پڑھنے والے حیراں نہ ہوں قسط وار نہ تھا لائٹ نے آنا جانا کیا ناں اسی لیے ناول موڈ خوش گوار کرتا اور لائٹ کی آنکھ مچولی۔ آپ لوگ خود سمجھدار ہیں عشر نام بہت بھایا یونیک سا، کہانی انٹرسٹنگ رہی۔ کرداروں پر گرفت مضبوط رہی۔ شفق کا کردار بہت اچھا لگا، کہانی میں کہیں بھی طوالت کی وجہ سے بے زاری کا عنصر غالب نہ ہوا آہم آہم آہم۔ بشریٰ جی نٹ کھٹ شرارتی سی اس بزم میں ملیں۔ بشریٰ جی کی تخلیق یکسر منفرد ودلچسپ تھی۔ صبا کی شرارتیں، عمارہ کی معصومیت۔ زین کا غصہ بڑی ہی اچھی لگی یہ تحریر سو میں سے سو دیے آپ کو۔ افسانوں میں خوشیوں کی دستک میں شازیہ فاروق جی جھوٹ کا انجام برا ہی ہوتا ہے خوب واضح کیا آپ نے۔ تین کہانیاں، نام سے ہی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ ریحانہ آفتاب آپی۔ اناثمہ، واصفہ اور لائبہ سو پر سے اوپر واو امیزنگ ہر کردار ہی ہمارے معاشرے میں موجود ہے۔ حقیقت کے قریب تر لکھا۔ بہت خوب۔ بہت عمدہ۔ ٹھوکر حمیرا قریشی جی۔ واہ جی واہ ماں کے ارمان...... سبحان اللہ۔ بیٹا لنگور اور بہو حور پتہ نہیں کب یہ کانسپٹ ختم ہوگا، ہمارا واؤ، نفیسہ سعید، سیدہ ضوباریہ، عقیلہ حق، سلمیٰ غزل، آپ کے افسانے ابھی نہیں پڑھ سکی۔ گھریلو مصروفیات کے باعث۔ مستقل سلسلے تو ہیں زبردست اور شکریہ جی میرا بھیجا ہوا ''اللہ کا کرم'' حجاب میں لگا۔ بس جی اب اللہ حافظ پھر ملیں گے اسی بزم میں، اپنا اور اپنے سے جڑے ہر رشتے کا بہت زیادہ خیال رکھئے گا۔ مجھے دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ اللہ حافظ۔

فصیحہ آصف خان...... ملتان۔ محترمہ قیصر آرا صاحبہ سلامتی وتندرستی کی دولت پائیں آمین، السلام علیکم مزاج اچھے ہوں گے حجاب میں پہلی بار خط لکھ رہی ہوں ویسے تو میرا اور آپ کا تعلق برسوں پرانا ہے، آپ نے حجاب میں میرا ناولٹ لگایا گلاب سارے اس کے بعد مارچ میں میرا احوال شائع ہوا بے حد شکریہ ادا کروں گی۔ سوچا کیوں نہ اس بار خط کے ذریعے حجاب میں شامل ہوجاؤں۔ جی تو اپریل کا حجاب رنگا رنگ سرورق سمیت پسند آیا آپ کی باتیں، امہات المومنین میں حضرت ام سلمیٰؓ بنت ابی امیہ کا پاکیزہ تعارف ہماری عقل و بصیرتوں میں اضافہ کرگیا۔ یہ وہ قابل احترام ہستیاں ہیں جن کے نقش قدم پر چل کر ہم اپنی زندگی سنوار سکتے ہیں۔ ورنہ آج کے پرآشوب دور میں (جہاں بے حیائی) ہر غلط کام کا رواج عام پا گیا ہے وہیں پر ایسی گراں قدر معلومات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ سباس گل نے مبشرہ انصاری کا احوال زندگی بہت خوب صورت انداز میں پیش کیا سباس ایک ورسٹائل رائٹر ہیں جتنی اچھی رائٹر ہیں اس سے زیادہ بہترین خاتون ہیں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ مکمل ناول ''میرے خواب زندہ ہیں'' نادیہ بہت دلکش انداز میں آگے بڑھا رہی ہیں اسی طرح پیاری صدف آصف بھی ''دل کے دریچے'' اپنے مخصوص من موہنے انداز میں کھولے بیٹھی ہیں۔ عائشہ نور محمد اور حنا

عندلیب کے ناولٹ پسند آئے۔ ''کچھ ہٹ کے'' بشریٰ گوندل نے واقعی ہٹ کے لکھا اور ہٹ ہوگئیں، اسی طرح سلمیٰ غزل کا اصل سے سود پیارا بھی بہت پیارا لگا۔ نفیسہ سعید، عقیلہ حق اور شازیہ فاروق کے افسانوں نے بھی اپنی اپنی جگہ خوب بنائی۔ حجاب کے تمام سلسلے بھی انگوٹھی میں نگینوں کی طرح دمک رہے ہیں اب میں آتی ہوں حسن خیال کی طرف صدف آصف، کنول خان، سارہ خان، عائشہ پرویز، شمع مسکان، مدیحہ نورین، کوثر ناز، منشا صدیقی، سنبل بٹ اور میری بہت پیاری قابل احترام فریدہ جاوید فری نے میرے انٹرویو کو جس طرح پسند کرکے اپنے خیالات کا اظہار کیا میں ان سب بہنوں کی تہہ دل سے مشکور ہوں اللہ آپ سب کو بہت ساری دائمی خوشیاں دے اور آپ اسی طرح آنچل کی طرح حجاب کی ترقی میں شانہ بشانہ ساتھ دیں ایک بار پھر شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی والی لمبی عمر عطا فرمائے، آمین۔ والسلام۔

کوثر خالد...... فیصل آباد۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔ پیاری جوہی آپ کا نام بہت خوب صورت ہے پہلی بار حجاب میں حاضری لگوا رہی ہوں گو کہ افسانوی طریقے سے لکھے خط مجھے متاثر کرتے ہیں مگر چونکہ ذاتی طور پر میں سسپنس پسند نہیں کرتی، سادہ ہوں سادہ الفاظ کا سہارا لیتی ہوں یوں بھی مختصر گوئی وقت بچانے کا ذریعہ ہے حیرت ہے میرے لیے خط لکھنا مشکل ہے یہ کہانیاں کیسے لکھ لی جاتی ہیں سب سے پہلے تو شکریہ ان تمام کا جنھوں نے میری حمد ونعت پسند کی۔ میں نے الف تا ے کے حساب سے حمد ونعت لکھ کر ترتیب دے لی ہے اور پہلی کتاب تبصرہ کے لیے تیار ہے دیکھو کب تک منظر عام پر آئے اللہ کرے عید تک ہوجائے پھر میں اپنے تمام رسائل کو تحفہ دوں گی اور آپ اپنی پسند سے حمد ونعت چن کر آنچل وحجاب میں لگا لیا کرنا۔ تبصرہ کا آغاز میں شمع مسکان سے کرنا چاہوں گی اس کی رسائلی عمر میرے برابر ہے مگر چند سالوں میں خوب ترقی کی ہے کیا افسانوی انداز میں تبصرہ لکھنے لگی ہے، لگتا ہے کہانی کی آفرا سے آ ہی جائے گی مبارک ہو شمع۔ میں تو ہرگز ایسی باتیں نہیں لکھ سکتی، مجھے تو اپنا یہ خط بھی لمبا لگ رہا ہے۔ بات چیت قیصرہ جی تو ہمارے دل کی گہرائیوں میں بستی ہیں۔ حمد ابرار اسیر زبردست مگر طرز بنانے میں مشکل ہوئی (بھئی ہم طرز سے پڑھتے بھی ہیں) نعت سعید ہاشمی طرز بنانے میں آسان اور لفظ بھی رواں تھے۔ تیرے نام کردی زندگی، عائشہ نور کیسے لکھتے ہوئی بھئی اتنی الجھنوں کا حل خیر جس کا کام اسی کو ساجھے، جیسے ہم پہیلیاں ہزار بنالیں مگر لطیفہ ایک نہ بنا پائیں، حمد ونعت ہزار لکھ لیں مگر کہانی بھی نہیں شعلوں سے گلاب واقعی بہت دلچسپ انداز کاٹ دار پڑھنا ناممکن ہوگیا پہلی بار حنا عندلیب کو پڑھا اور دھڑلے سے دل کے تخت پر براجمان ہوگئیں۔ اصل سے سود پیارا سلمیٰ غزل لڑکیوں کو سمجھا رہی تھی بھئی سمجھ جانا جیلسی اور قطع رحمی لعنت ہے۔ وہی مٹی ستار اعلیٰ اور ماں کاش سب ایسے ہوجائیں آمین، کچھ ہٹ کے بشریٰ گوندل یہ تو پہلے بھی ہر کہانی کچھ ہٹ کے ہی لاتی ہیں۔ سند یافتہ ہیں ان کا انٹرویو چاہیے ہمیں۔ تین کہانیاں ریحانہ میانہ روی کا درس دے رہی ہیں اچھی بات ہے کاش میں بھی نان اسٹاپ بولنا ترک کرسکوں خط میں نہیں حقیقت میں کاش بقول عطا قادری صاحب لکھ کر باتیں کرنے کا رواج آجائے بھئی پھر سب سے کم میں ہی بولوں گی۔ ایک بے لوث رشتہ نفیسہ میں ایسی ماں ہرگز نہیں ہوں۔ کوئی غلط ہو میرے سامنے تو زلزلہ نہ لے آؤں، ہم اپنے بچوں سے بھی ناجائز نرمی نہیں برتتے جو انہیں خراب کرے پیار راہ کا، شگفتہ آپا، تمثیلہ زاہد، شاعری میں بھی کامیاب ہیں اور کہانی بھی خوب صورت لائی ہیں۔ مگر یہاں بھی ہم متضاد ہیں ایک ہنڈیا دو دن کھلائیں گے اور اگر اچھی نہ بھی بنے تو بھی کھلا کر دم لیں گے (ہاہاہا) ٹھوکر حمیرا قریشی بھئی ہم نے تو تمام عمر کوئی ٹھوکر نہ کھائی الحمدللہ اور دوسروں کے لیے دعا حاضر ہے، کبھی ٹھوکر نہ لگے۔ ''محبت آہ کی صورت'' افسانچہ ہی تھا اشاروں کا المیہ اللہ بچائے اس المیے

سے اسلام کے اصولوں پر چلنے کی توفیق ہو تو ہی بچا جاسکتا ہے۔ بچوں کی تربیت سختی اور دعاؤں سے کرنی چاہیے وہ جو شہہ رگ سے قریب ہے بچی پکار سن لیتا ہے۔ ''سودا'' عقیلہ نے منفرد موضوع سے ہنسا دیا مجھے یاد آگیا جب میری جٹھانی نے بتایا فلاں فقیر کی کوٹھی ہے فلاں نے دو بیویاں کر رکھی ہیں انہیں خیرات نہ دو مگر ہمارا اپنا ہی انداز ہے اپنا ہی طریقہ ہے فقیروں سے بھی ہماری دوستی ہے اور امیروں سے بھی مگر باتیں اللہ ہی کی کرتے ہیں۔ ارے ہاں عقیلہ سے یاد آئی عقیلہ رضی جڑانوالہ جس کی شادی ہوئی بھئی بہت بہت مبارک ہو، اچھا ہوا جو مجھے بلایا نہیں مگر تم نے مجھ سے دوستی کی تو ہمارا حق ہے تمہیں دعائیں دیں تو سنو۔

عزت کرنا عزت پانا
کام کرنا کھانا کھانا
دولت سے نہ دل لگانا
سادگی سے گھر سجانا
تو پھر
پھول اور کلیاں پاؤ گی
رب کو پسند آجاؤ گی
مشکل سے بچ جاؤ گی
کوثر کے دل کو بھاؤ گی

رہ گئے باقی سلسلے تو سب ہی بہت اچھے ہیں دل میں اتر جاتے ہیں کام کی باتیں یاد رکھ لیتی ہوں باقی سب بھول جاتا ہے۔ بڑے شعراء میں برہم برہم ریشم ریشم والی غزل پسند آئی محسن نقوی ہماری ایک نعت میں بھی یہ قافیے ہیں۔

شام غم بدل کے رکھ دی
دیدہ نم بدل کے رکھ دی
عرب کے صحرا میں آئی بہار
وادی عجم بدل کے رکھ دی

اچھا جی باقی پھر کبھی سہی، اللہ حافظ وناصر۔

مسز نگہت غفار...... کراچی۔ السلام علیکم! اس ماہ یعنی اپریل کا حجاب ابھی منگوایا جب سے مسلسل مطالعہ میں مصروف ہوں تھوڑی سی کہانیاں پڑھیں ہیں سرورق اچھا لگا حمد ونعت دونوں سے فیض یاب ہوئے۔ امہات المومنین سے روح کو سیراب کیا ذکر اس پری وش کا میں جویریہ، ہما، ثنا، سندس ان خوب صورت ناموں سے ملی جس میں جویریہ نے بہت ہی عمدہ طریقے سے تحریر کا آغاز کیا ماشاء اللہ۔ سب کی باتیں اچھی لگیں اللہ تعالیٰ ان کو زندگی میں صحت دین ودنیا میں بہتری اور آسانیاں پیدا کرے، آمین۔ رخ سخن میں مبشرہ انصاری کی باتیں اچھی لگیں مبشرہ بیٹا تمہاری چند باتیں مجھے بالکل اپنی لگیں دل پہ لگیں بیٹا جی، جب ہمارے کیے کا رزلٹ خراب ملتا ہے نا تو دکھی مت ہونا اللہ رب العزت ہمیں اس کا جواب اس کا رزلٹ کسی اور کامیابی کی صورت میں دیتا ہے زندگی کب بری لگتی ہے اس کے جواب میں جو تم نے لکھا ہے بالکل سو فیصد سچ ہے اور آخری پیغام جو پیغام دیا ہے وہ بہت ہی اچھا ہے، بہت زیادہ سچ لگا ویلڈن مبشرہ کہانیاں عقیلہ حق سودا بہت ہی اچھا افسانہ تھا یہ افسانہ نہیں

حقیقت ہے ویلڈن عقیلہ زور قلم اور زیادہ بہت خوب۔ ٹھوکر حمیرا قریشی کی کہانی بھی سبق آموز تھی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہم کب آ جائیں ہمیں خبر نہیں ہوتی بندے کو، ہم انسانوں کو کبھی کسی بات پر غرور نہیں کرنا چاہیے کسی کی دل آزادی نہیں کرنی چاہیے اپنی گرفت میں موجود کسی شے پر تکبر نہیں کرنا چاہیے ورنہ...... ورنہ...... پھر اللہ کی رسی کھنچتی ہے تو یہی انجام ہوتا ہے۔ نفیسہ سعید ایک بے لوث رشتہ بے شک اولاد کچھ بھی کرلے یا ایسے ہی نافرمانی کرے والدین کی کفالت کرے یا نہ کرے لیکن والدین میں ماں کا رشتہ ایسا بے لوث ہے اولاد کے دکھ پریشانی اور ضرورت کو دل سے محسوس کرتی ہے اس کی ممتا کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا اللہ پاک دنیا کی تمام اولادوں کو اپنے والدین کے احسانات کا ان کی محبت کا ان کی ممتا کا خیال رکھنے کی ہدایت فرمائے، آمین۔ بزم سخن بختاور افتخار، لاریب انشال، عروسہ ناز، مسرت بشیر، ریما نور رسباس گل، کنزئی رحمان، فوزیہ سلطانہ، سامعہ ملک کے اشعار اور قطعات بہت اچھے لگے سب سے بہترین حمیرا نوشی کا شعر ہے۔

شہر غربت میں موت دیر سے مت آیا کر

خرچہ تدفین کا بیماری پر لگ جاتا ہے

عالم میں انتخاب میں سارے ہی کلام اچھے تھے۔ شوخی تحریر میں نگینہ حنین عورت کا لباس کیسا ہو، ثنا اعجاز، حمیرا عمیر، ریما نور، ثمینہ ناز، تانیہ فاروق، سائرہ حبیب، ملالہ اسلم، سعدیہ رمضان، سونیا نور، صائمہ سکندر، حمیرا نوشین، نظیر فاطمہ، مہوش فاطمہ ان سب کی تحریریں بہترین تھیں۔ حسن خیال میں ماشاءاللہ پندرہ خطوط تھے مگر میں نہیں تھی جبکہ پچھلا خط تو اس سے بھی طویل تھا آپ کو بتاتی چلوں کہ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ عید کے بعد لفٹ آنکھ کا آپریشن ہوگا۔ ماشاءاللہ اس پر بجلی کی شرارتیں اور ہم لکھنے سے باز نہیں آتے اور بچے ٹوکتے ہیں امی یہ کیا کررہی ہیں امی دن میں لکھا کریں امی ختم کریں، ان آوازوں پر یہی کہتی رہتی ہوں کہ بس بیٹا تھوڑا سا ہے بس بیٹا ختم ہورہا ہے چلیں اس پر کوئی تحریر یا خط شائع نہ ہو تو بہت دکھ ہوتا ہے۔ اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ آنچل حجاب نئے افق سب پر سب کی فیملیز پر آپ تمام پر آپ کی فیملیز پر اللہ رب العزت عنایتوں اور کرم کا سایہ فرمادے آمین۔

سنبل خان بٹ...... بورے والا۔ السلام علیکم آپا! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی، اس بار حجاب تھوڑا سا لیٹ ملا، سب سے پہلے تو فہرست پہ نگاہ دوڑائی سب نئے پرانے لکھاریوں کا نام دیکھ کر بہت اچھا لگا، پھر قیصر آپا سے ملاقات ہوئی دل خوش ہوگیا، حمد ونعت سے دل کو پرنور کیا۔ اب ذرا آگے بڑھے "امہات المومنین" میں حضرت ام سلمیٰؓ بنت ابی امیہؓ کے بارے میں بہت سی مفید معلومات حاصل کی۔ ذکر اس پری وش کا، میں سب فرینڈز اچھی لگیں، رخ سخن میں مبشرہ انصاری اور صبا جرال سے مل کے بہت بہت اچھا لگا۔ آغوش مادر میں عائشہ پرویز کا نام دیکھ کے حیرت ہوئی کیونکہ فیس بک پہ تھوڑی سی ملاقات ہوچکی ہے ان سے، اچھا لکھا اور اس کے بعد ہم نے سیدھی چھلانگ لگائی صدف آصف کے ناول "دل کے دریچے" پر جس کا بہت بے صبری سے ہر ماہ انتظار رہتا ہے فائز اور سنی کی محبت کے بیچ میں بچھڑنے کے اتنے دھڑکے، کہیں ہارٹ فیل کرانے کا منصوبہ تو نہیں بنا چکی ہیں صدف آصف، پلیز آپ سے ایک درخواست ہے ان دونوں کو جدا مت کرنا، نادیہ فاطمہ رضوی آپ بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ کہانی آگے بڑھ رہی ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ تیرے نام کردی زندگی، عائشہ نور محمد بہت زبردست ناول لکھنے پہ مبارک باد قبول فرمائیں، ٹھوکر حمیرا قریشی کا افسانہ مجھے بہت پسند آیا، باقی سب کہانیاں بھی اچھی تھیں، حجاب اور آنچل کے سلسلوں کے بارے میں کیا ہی کہنا۔ سپرہٹ، کچن کارنر، ٹوٹکے اور شوبز کی دنیا پڑھ کے مزہ آگیا، حجاب ڈائجسٹ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی چھا گیا، آخر میں ہماری یہ ہی دعا ہے کہ

اللہ پاک اس ڈائجسٹ سے جڑے ہر انسان کو صحت اور تندرستی سے نوازے اور حجاب کو مزید ترقی عطا فرمائے، آمین۔

ثوبیہ شاہین...... ملتان۔ السلام علیکم! حجاب میرے سامنے ہے سرخ اور پیچ رنگ کے لباس میں، ٹائٹل پر موجود ماڈل بہت ہی اچھی لگ رہی ہے، حمد ونعت پڑھ کر دل عقیدت سے بھر گیا امہات المومنین کا سلسلہ بہت ہی اچھا ہے، بہت مفید باتوں کا پتا چلتا ہے، صائمہ قریشی سے ملاقات کرکے دل خوش ہوگیا۔ اس کے علاوہ رخ سخن، میں مبشرہ انصاری اور صبا جرال کی بات چیت بھی اچھی رہی۔ ذکر اس پری وش کا میں سب کا تعارف اچھا لگا آغوش مادر میں عائشہ پرویز نے بہترین لکھا، اس کے بعد دونوں مکمل ناول پڑھے قبولیت کی سند پا گئے ناولٹ میں بشریٰ گوندل کا ناولٹ کچھ ہٹ کے لگا۔ اس کے بعد سلسلہ وار ناول پڑھے، میرے خواب زندہ ہیں نادیہ فاطمہ رضوی اچھا لکھ رہی ہیں مگر کہانی میں کچھ کمی سی آگئی ہے ہوسکتا ہے آئندہ قسطوں میں تیزی آئے۔ صدف آصف کا "دل کے دریچے" قارئین کی مقبولیت پانے کے بعد اچھا جارہا ہے۔ یہ قسط بڑی حساس لگی۔ آنکھ بھر آئی، لفظوں کا چناؤ بہترین تھا۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ تمثیلہ زاہد، عقیلہ حق، نفیسہ سعید اور ہمارا دُچھا گئیں باقی سلسلے بھی بہترین تھے شوبز کی دنیا کی معلومات ٹھیک تھی اجازت دیں۔ ایک فرمائش یہ ہے کہ عید نمبر میں پرانے لکھاریوں سے بھی لکھوا کر حجاب کو چار چاند لگوا دیجیے گا۔

☆ان شاءاللہ۔

صبا خان...... ڈی جی خان۔ السلام علیکم! حجاب کے ٹائٹل پر نگاہ پڑی کچھ خاص نہیں لگا، فہرست پر نگاہ پڑی تو تھوڑا سکون ملا، اس کے بعد حمد ونعت سے دل عقیدت سے بھر گیا۔ امہات المومنین سے بہت اچھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ صائمہ قریشی آپ کی باتیں پڑھ کر مزہ آیا خوش رہیں۔ صبا جرال آپ کا تعارف دیکھ کر دل شاد ہوا۔ عائشہ پرویز نے آغوش مادر اچھا لکھا، اس کے بعد تیزی سے سلسلہ وار ناول پر نگاہ دوڑائی، نادیہ فاطمہ رضوی کا "میرے خواب زندہ ہیں" ٹھیک چل رہا ہے۔ اب بات ہوجائے ہمارے پسندیدہ "دل کے دریچے" کی قسط پڑھتے ہی منہ سے بے ساختہ واہ نکلی۔ ویل ڈن صدف آصف۔ وقت کی کمی کی وجہ سے دونوں مکمل ناول ابھی پڑھے نہیں جاسکے ہیں۔ بشریٰ گوندل کا ناولٹ ٹھیک ہی لگا۔ افسانے سب ہی اچھے تھے، عقیلہ حق، نفیسہ سعید اور تمثیلہ زاہد کی تعریف کرنا چاہوں گی، باقی سلسلے بھی مقبولیت کی سند پاگئے۔ مدیرہ صاحبہ میں عید کے لیے ایک افسانہ بھیجنا چاہ رہی ہوں کیا بھیج سکتی ہوں؟

☆جی ارسال کردیں معیاری ہوا تو حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

اس اب دعا کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لیے رخصت چاہوں گی کہ پروردگار عالم ہمیں اور ہمارے وطن پاکستان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے، آمین۔

husanekhyal@gmail.com

Menorrtlagia

زیادتی حیض

ایسے حیض جو کہ بالکل صحیح وقت پر آتے ہوں اور ان کا دورانیہ بھی نارل ہو ایسے حیض کو (Menorrthagia) کہتے ہیں یعنی کثرت حیض۔

دوسری بے قاعدگی جس میں رحم سے دو حیض کے درمیان وقفہ میں بھی اخراج خون ہوتا ہے اسے بے قاعدہ حیض کہتے ہیں اگر مذکورہ بالا دونوں علامات ایک جگہ اکٹھی ہو جائیں یعنی کثرت حیض بے قاعدگی کے ساتھ ہوں تو اسے بے قاعدہ کثرت حیض یعنی (Metreliagia) کہتے ہیں۔

اس مرض کی تین اقسام ہیں۔

FunctionalMenarrhagia

افعالی زیادتی حیض

اس صورت میں خون کی مقدار بڑھی ہوئی ہوتی ہے یا بار بار آتا ہے یا دونوں حالتیں پائی جاتی ہیں۔ مندرجہ بالا نقائص کے سوا خون کے اخراج کی نوعیت بالکل طبعی ہوتی ہے البتہ اس کے ساتھ خون کے منجمد ٹکڑے ملے ہوتے ہیں ایسے مریضوں کے رحم میں اجتماع خون کا میلان پایا جاتا ہے مریضہ رسوی مزاج کی مالک ہوتی ہے زندگی کے عام معمولات میں بے قاعدگی پائی جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خون میں کیمیاوی نقائص پیدا ہو گئے ہوں ان اسباب کے علاوہ بعض ایسے وجوہ بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق جسم کی ساخت بافت اور ریخت سے ہوتا ہے ان کی موجودگی زیادتی مرض کا سبب بن جاتی ہے مثلاً کیلشیم کی کمی وٹامن کی کمی اس لیے اس زیادتی کے تحت وہ مریض آتے ہیں جن میں سبب مرض صرف مزاج سے تعلق رکھتا ہو۔ مریضہ کو کوئی ایسی بیماری لاحق نہ رہی ہو جس سے عضلات یا اعصاب میں فتور واقع ہوتا ہو البتہ ایسا ہوتا ہے کہ مریضہ زیادتی حیض میں مبتلا تھی اور بعد میں کسی شدید بیماری کے تحت یا علاج کی پیچیدگیوں سے اور بار بار معالج تبدیل کرنے سے استحاضہ کی کسی دوسری قسم میں مبتلا ہو گئیں جن عورتوں کے بہت سے بچے پیدا ہوتے ہیں اور نتیجتاً کمزور ہو کر اس مرض کا شکار ہو جاتی ہیں۔ زیادہ عرصہ تک دودھ پلانے والی یا سخت جسمانی محنت کرنے والی عورتیں بھی اس مرض کا شکار ہو جاتی ہیں۔

(DramicMenorrhagia)

عضویاتی زیادتی حیض

عضوی حیض کی زیادتی میں کوئی مثبت مرض سبب بن جاتا ہے۔ حیض کا سیلان آلات تناسل کے کسی عضوی یقینی خرابی سے ہوتا ہے۔ خون کی یہ زیادتی کسی عضوی بیماری کی نمود کے قبل یا بعد میں ہو سکتی ہے۔ بعض حالتوں میں آلات تناسل کے کسی عضو میں اجتماع خون ہو کر ورم آ جاتا ہے اور اس ورم میں حیض کے زمانے میں زیادتی ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے خون مقدار میں زیادہ اور قبل از وقت ہوتا ہے۔ رحم کی عضلات کی خرابیاں اس کی بہت زیادہ ذمہ دار ہیں اور بہت سی صورتیں ایسی ہیں جو اس زیادتی کو پیدا کرتی ہیں معمولی اجتماع خون سے کومز اور کینسر تک کی تکلیفات کو اس زیادتی کی وجوہات میں شامل کر سکتے ہیں لیکن سن یاس (Menopause) کے زمانے میں جو خون کی زیادتی ہوتی ہے اسے وجوہات عضوی خرابی سے پیدا شدہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

استحاضہ (Menorrthagia) اگرچہ بار بار پیدا ہو یا کبھی کبھی دورہ کرے ہر صورت کسی اندرونی خرابی کی نشان دہی کرتا ہے۔

استحاضہ کے مقامی سبب میں رحم کے زخم دانہ دار ابھار یا زخم سرطان رسولیاں اور رحم کا خمیدہ ہونا قابل ذکر ہیں۔ ایسے مریضوں کے علاج میں مرض کے ماقبل اور مابعد کے حالات کے ساتھ ساتھ مقامی مرض کی نوعیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

علامتی زیادتی حیض

(SympyomicMenorrthagia)

اس صورت میں کثرت حیض کسی دوسری مرض کی شدت کے سبب واقع ہوتی ہے۔ کثرت حیض کی اس صورت کی مثالیں چیچک سرخ باد ہیضہ اور ٹائی فائیڈ وغیرہ ہیں بعض سوزشی کیفیات بالخصوص پھیپھڑوں کی سوزش کی صورتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان امراض میں اگرچہ حیض غائب ہو جاتا ہے لیکن اگر حیض جاری ہو تو اس قدر آتا ہے کہ بعض اوقات مہلک صورت اختیار کر لیتا ہے جن امراض میں جلد پر دانے نکلتے ہیں ان میں یہ صورت عام ہے چنانچہ مشاہدہ سے یہ بات

ثابت ہے کہ ان امراض میں کثرت حیض کا وقوع موت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

ان امراض کے دوران جلد ناک مقعد سے بھی جریان خون شروع ہو جاتا ہے اور اگر خون میں کیمیاوی تبدیلیاں بھی آ گئی ہوں تو سرسام ہو کر موت چند گھنٹوں میں واقع ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات کئی مہینے خون بند رہتا ہے اور یک دم جاری بھی ہو جاتا ہے۔ امراض قلب میں بھی خون زیادہ آتا ہے جس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ دل کی سست رفتاری کی وجہ سے خون قلب کی دائیں طرف میں دھیما دھیما واپس آتا ہے اور دور کے اعضاء میں اس کا اجتماع ہوتا رہتا ہے۔ جگر کے امراض اور برائٹس ڈیزیز میں بھی یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔

علاج:۔

ایکونائیٹ

رسوی مزاج عورتوں میں مریض لیٹا ہوا اٹھے تو چکر آئے اور پھر لیٹنے پر مجبور ہو جائے مزاج میں تیزی آ جائے مر جانے کا خوف ہو یا مرض بڑھ جانے کا ڈر ہو۔

اگیوبکس

حیض مقدار میں زیادہ اور جلن محسوس ہو ایسی جلن جو برف سے پیدا ہو۔ انگوٹھوں میں جلن خارش اور سرخی پائی جائے۔

الٹیرس فیری نوزا

خصیۃ الرحم میں اجتماع خون سے استحاضہ پیدا ہو سیاہ رنگ کا خون بکثرت پیدا ہو۔ لوتھڑے خارج ہوں پیڑو میں وزن محسوس ہو۔

ایمبرا گریشیا

دو حیضوں کے درمیانی وقفہ میں معمولی معمولی حادثات یا جسمانی مشقت سے خون آنے لگے مثلاً اجابت کرتے ہوئے یا تیز چلنے سے رحم پر ورم سوزش اور دکھن ہو۔

ایمونیا میور

رات کے وقت خون کا زیادہ خراج اجابت کے وقت بہت سیلان ہو۔

ایپس میلیفکا

پیٹ میں بوجھ بے ہوشی بے چینی کی زیادتی جمائیاں آتی ہوں۔

آرنیکا

چوٹ لگنے کے بعد سرخ چمکتا ہوا خون جس میں لوتھڑے بھی خارج ہوں۔ سر گرم ابزو اور ٹانگیں ٹھنڈی کمر کے مہرے میں درد جو کنج ران سے ہوتا ہوا انگوٹھوں تک محسوس ہو۔

آرسینکم البم

کمزور عورتیں دیرینہ امراض کے اثرات گٹھیا رحم کے عمل میں خرابی آ گئی ہو۔ ایسے بخاروں میں استحاضہ ظاہر ہو جن میں جلد پر دانے نکلتے ہیں منہ کا پک جانا مریضہ تھوڑی مشقت سے تھک جائے۔

بیلا ڈونا

سرخ خون کا اخراج جو بوقت اخراج گرم محسوس ہوتا ہے۔ باہر کی جانب دباؤ محسوس ہو کبھی لوتھڑے خارج ہوتے ہوں جن میں بو ہوتی ہے کنپٹیوں میں تھکن کے ساتھ اجتماع خون۔

برائی اونیا

حیض جلد از جلد آئے مقدار میں زیادہ ہو سیاہی مائل خون کمر اور سر میں درد سر پھٹا جائے چلنے پھرنے سے تکلیف بڑھ جائے کھانے کے بعد اور بیٹھے ہوئے تکلیف محسوس ہو۔

کلکیریا کارب

حیض مقدار میں زیادہ آئے زیادہ دن تک رہے۔ سیڑھیاں چڑھتے اور اترتے وقت تکلیف بڑھ جائے۔ دودھ پلانے کے زمانے میں بکثرت حیض آئے۔

کاسٹیکم

مریضہ کا چہرہ بالکل زرد ہو حیض بہت جلد جلد اور زیادہ ہو۔ دوران اخراج خارش اور خراش ہو۔ حیض میں بو مریضہ ہر بات کے تاریک (منفی) پہلو پر نظر رکھے۔ اخراج صرف دن کے وقت اور لیٹنے پر بند ہو جاتا ہے۔

کیمومیلا

سرخ منجمد خون کا بکثرت اخراج بد مزاجی اور زود رنجی مزاج میں غالب ہوتی ہے۔ پیلا پیشاب بار بار بھاری مقدار میں آتا ہے۔

(جاری ہے)

شوبز کی دنیا

سیاست کے بعد......فلم

ریحام خان پروڈکشنز کے بینر تلے بننے والی فلم "جانان" کا ٹریلر ریلیز کردیا گیا ہے۔ فلم ۱۴ ستمبر عیدالاضحیٰ پر نمائش کے لیے پیش کی جائے گی۔ مذکورہ فلم میں خیبر پختونخوا کی ثقافت کی عکاسی کی گئی ہے۔ فلم کی ہدایات اظفر جعفری نے دی۔ فلم کی کہانی بوسیدہ رسم ورواج کے درمیان پروان چڑھنے والی محبت کی داستان کے گرد گھومتی ہے۔ (یہ بھی شرمین عبید سے متاثر ہیں) فلم کے مرکزی کرداروں میں اداکارہ ارمینہ خان، بلال اشرف، خوبرو علی اور حسن خان شامل ہیں۔

بہن کے نقش قدم پر

گلوکارہ اداکارہ کومل رضوی کے بھائی حسن رضوی بھی بالی وڈ پہنچ گئے اور وہ ان دنوں چند فلموں میں کام کررہے ہیں حسن رضوی اچھے کوریوگرافر بھی ہیں اور انہوں نے اپنی بہن کومل رضوی کے گانوں کی خوب صورت کوریوگرافی کی ہے، حسن رضوی نے اپنی ان بھارتی فلموں کے بارے میں نہیں بتایا جس میں وہ اداکاری کررہے ہیں۔ (خیالی فلموں کا کوئی نام نہیں)

اسٹیج ڈرامے

کامیڈین کنگ سینئر اداکار امان اللہ نے کہا ہے کہ گھٹن زدہ ماحول میں رہنے والے عوام کے چہروں پر خوشیاں بکھیرنے سے ملنے والی دعائیں ہی میرا کل اثاثہ ہیں۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ مرد اداکار کبھی بھی نمبروں کی دوڑ میں نہیں پڑتے البتہ خواتین اداکارائیں اس جنون میں مبتلا ہیں لیکن اسے حسد میں تبدیل نہیں ہونا چاہیے اپنے کیریئر میں درجنوں اسٹیج ڈرامے کرچکا ہوں لیکن کبھی کسی سے حسد نہیں کیا بلکہ اگر کوئی سیکھنے کا خواہشمند ہوتو اس سے محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آج ہر طرف افراتفری کا عالم ہے۔ معاشی ناانصافی کی وجہ سے لوگ خودکشیوں پر مجبور ہیں جبکہ ایک طبقہ ہے جسے کوئی فکر نہیں اور اسے زندگی کی تمام آسائشیں حاصل ہیں۔

ماریہ واسطی

نامور اداکارہ ماریہ واسطی نے کہا ہے کہ کسی بھی شخص کی کامیاب زندگی میں صلاحیتوں کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے، اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر موجودہ مقام حاصل کیا ہے جسے برقرار رکھنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتی ہوں۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خوب صورت چہرہ خدا کا تحفہ ہوتا ہے۔ میرے نزدیک ہر انسان خوب صورت ہوتا ہے لیکن صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف کیٹگریز ہیں۔ (آپ کس کیٹگیری میں ہیں) اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر موجودہ مقام حاصل کیا ہے جسے برقرار رکھنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتی ہوں۔ اداکارہ نے مزید کہا کہ ضروری نہیں کہ انسان کی ہر خواہش پوری ہوجائے، زندگی میں برے دن بھی آتے ہیں لیکن جو لوگ کبوتر کی طرح آنکھ بند کرلیتے ہیں ناکامی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ ہر انسان میں آگے بڑھنے کی لگن ہوتی ہے جس کے باعث خواہشات بھی جنم لیتی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان جو بھی خواہش کرے وہ ضرور پوری ہو۔

سات سو کروڑ سے سو کروڑ تک

ہدایت کار جمشید جان محمد کی نئی فلم سوال 700 کروڑ ڈالر کا کی نمائش سے قبل ہی ٹی وی ڈرامہ پروڈیوسر شعیب خان نے سو کروڑ بنانے کا اعلان کردیا ہے۔ (خوب بہت اونچے ہیں) فلم کی کہانی بابر کشمیری نے تحریر کی ہے، فلم میں بھارتی اداکار سمیت پاکستانی اداکار بھی کام کریں گے جبکہ سینئر ٹی وی فنکار سلمان شاہد کو فلم میں ایک مرکزی کردار کے لیے کاسٹ کرلیا ہے۔

شادی......اداکاری......میزبانی

اداکارہ سعدیہ امام نے شادی کے بعد اداکاری چھوڑ دی تھی اور وہ جرمنی چلی گئی تھیں۔ (جرمنی والوں نے پسند

نہیں کیا؟) اب پاکستان واپسی پر انہوں نے نجی ٹی وی سے بطور میزبان ایک پروگرام شروع کیا ہے۔ وہ اس پروگرام میں ایک مہمان کو مدعو کرکے اس سے گفتگو کرتی ہیں۔

بیس برس بعد

ماضی کے نامور ہیرو اور فلمساز فیروز خان لندن سے لاہور پہنچ گئے۔ وہ گزشتہ 20 برسوں سے لندن میں اپنا کاروبار کررہے ہیں۔ فیروز خان نے بتایا کہ وہ ایک ہلکی پھلکی لوسٹوری پر مبنی فلم بنانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ (بزنس ٹھپ ہوگیا؟) اس کے لئے موجودہ حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ماضی میں فیروز خان نے نامور بڑے فلمسٹارز کو لے کر فلم "دیوانہ" بنائی تھی۔ فلم میں خود بھی بطور ہیرو کام کیا تھا اس کے علاوہ متعدد فلموں میں بھی بطور اداکار کام کرتے رہے۔

سید نور......فلم

ہدایتکار سید نور نے کہا ہے کہ پاکستان فلم انڈسٹری کبھی ختم نہیں ہوسکتی، (آپ تو اسے ختم کرنے کے درپہ ہیں) ہم بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں، مجھ سمیت فلم انڈسٹری کے لوگ سنجیدگی سے اس کی بحالی کے لیے کوشش کررہے ہیں، جو لوگ ہماری مخالفت کررہے ہیں ان کو مایوسی ہوگی۔ ہم فلم انڈسٹری کی بقا کی جنگ میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ پاکستانی اچھی اور معیاری فلم کو بھی کامیابی کے باوجود سینماؤں سے اتار دیا جاتا ہے، پاکستانی فلموں میں سرمایہ کاری اس لئے نہیں ہورہی کہ انہیں مالی طور سے نقصان ہو رہا ہے۔ ہم مایوس نہیں ہیں بہت جلد ہم اپنی انڈسٹری کو بحال اور کامیاب کرنے کی کوششوں میں سرخرو ہوں گے۔

سینئر اداکار......قوی خان

سینئر اداکار قوی خان نے کہا ہے کہ امن کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے برداشت کا مادہ ہونا چاہیے، (بے شک) دہشت گردی اور انتہا پسندی کا خاتمہ ہماری بقاء کے لیے ناگزیر ہے۔ دنیا خصوصاً اس خطے کو سب سے زیادہ امن کی ضرورت ہے۔ تمام مذاہب محبت، اخوت، سلامتی، ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری اور احترام کا درس دیتے ہیں اور کوئی بھی مذہب کبھی نفرتوں کو پروان چڑھانے، ایک دوسرے کے گلے کاٹنے اور دکھ بڑھانے کا نہیں کہتا۔ امن کا پیغام جس نے بھی دیا لوگوں نے اسے قبول کیا مگر تشدد کا راستہ ہمیشہ سب نے مسترد کیا ہے۔ دوسروں پر اپنی مرضی مسلط نہیں کی جاسکتی بلکہ دوسروں کے

نظریات کے لیے برداشت کا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ماڈل قندیل بلوچ اور شادی

ماڈل اور اداکارہ قندیل بلوچ نے کہا ہے کہ میں جہاں بھی انٹرویو کے لیے جاتی ہوں لوگ مجھ سے شادی اور مستقبل کی پلاننگ کا سوال پوچھتے ہیں مگر میں جب بھی

کوئی کام کرتی ہوں پلاننگ کے بجائے خود اعتمادی کے ساتھ کرتی ہوں۔ (اس لیے تو لوگ شادی کا پوچھتے ہیں) نہ جانے کیوں سارے کنواروں کو میری شادی کی فکر پڑی ہوئی ہے، حالانکہ میں نے کسی سے ابھی تک شادی کا کوئی وعدہ بھی نہیں کیا ہے۔ (ان کو بتائیں جن کو فکر ہے) مجھے ابھی بہت آگے جانا ہے اور اپنے مستقبل کو بنانا ہے۔ میرے دل میں جو ہوتا ہے وہی زبان پر بھی ہوتا ہے کیونکہ میں ایک سچی اور کھری لڑکی ہوں، اسی لیے لوگ مجھے بولڈ سمجھتے ہیں۔ (اف بے چارے) انہوں نے بتایا کہ میں نے بہت سے ٹی وی ڈراموں میں مرکزی کردار کیے ہیں اور میری کوشش ہوتی ہے کہ کردار میں رنگ بھرنے کے لیے حقیقی اداکاری کروں۔ (جو کہ ناممکن ہے)

ہمایوں سعید...... فلم بناؤ

اداکار ہمایوں سعید نے کہا ہے کہ پاکستان میں ٹی وی ڈرامہ بہت تیزی سے ترقی کی منازل طے کررہا ہے، ہمیں فلم انڈسٹری کی بحالی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ (اور ڈرامے بنانا بند کردینے چاہیے؟) یہ تاثر درست نہیں کہ پاکستانی ڈراموں کی مقبولیت میں کمی آئی ہے، آج بھی پاکستان کے تمام تجھی چینلو سے پاکستانی ٹی وی ڈرامہ ذوق وشوق سے دیکھے اور پسند کیے جارہے ہیں۔ ٹیلی ویژن انڈسٹری میں بہت اچھا کام ہورہا ہے (یکسانیت کے ساتھ) وقت گزرنے کے ساتھ ہم بہتری کی طرف گامزن ہیں۔ ٹی وی ڈرامہ کی کامیابی کے ساتھ ان دنوں کراچی میں بنائی جانے والی فلمیں بھی پسند کی جارہی ہیں۔ ٹی وی سے وابستہ افراد ان دنوں پاکستان کی فلم انڈسٹری کی بحالی کے لیے اچھی اور معیاری فلمیں بنانے میں مصروف ہیں۔

دوبارہ پھر سے

ڈائریکٹر مہرین جبار کی دوسری فلم "دوبارہ پھر سے" کی پہلی جھلک جاری کردی گئی۔ مہرین جبار کی یہ فلم رواں سال ریلیز کی جائے گی جس کی کاسٹ میں عتیقہ اوڈھو علی کاظمی، صنم سعید، طوبا صدیقی، عدیل حسین، حریم فاروق اور شاہ خان شامل ہیں۔ (کوئی اداکار رہ گیا ہو تو معذرت) مہرین جبار جو کہ معروف میڈیا پرسن جاوید جبار کی صاحبزادی ہیں کی پہلی فلم "رام چند پاکستانی" تھی۔ فلم "دوبارہ پھر سے" کی عکس بندی کراچی اور نیویارک میں کی گئی ہے۔ عتیقہ نے فلم میں ماں کا کردار ادا کیا ہے۔ (عمر کے حساب سے ہیروئن نہیں آسکتی) مہرین جبار اس وقت چار فلموں پر کام کررہی ہیں۔

اداکارہ مدیحہ شاہ...... میں کچھ کہوں

پاکستان فلم انڈسٹری پر برسوں راج کرنے والی معروف اداکارہ مدیحہ شاہ نے کہا ہے کہ فلم نگری کے شاندار ماضی کی بات کی جائے تو وہی فلمیں کامیاب رہی ہیں جن کی کہانی جاندار، میوزک شاندار اور فنکاروں کی پرفارمنس حقیقت کے قریب تر تھی۔ موجودہ دور میں بھی وہی فلمیں کامیابی حاصل کریں گی، جن کی کہانی، ڈائیلاگ، میوزک اور لوکیشنز کے ساتھ ساتھ فنکاروں کی پرفارمنس اچھی ہوگی۔ جدید ٹیکنالوجی سے فلمیں بننے کا سلسلہ دیر سے شروع ہوا ہے لیکن اس کا فائدہ تب تک نہیں ہوگا جب تک فلمسازی کے شعبے کو سنجیدگی سے نہیں لیا جائے گا۔ یہ ایک مشکل کام ہے، مگر اب اس کو بہت آسان

سمجھا جارہا ہے۔ اپنے ایک انٹرویو میں مدیحہ شاہ نے کہا کہ اچھی اور معیاری فلمیں تو ہر دور میں بنتی رہی ہیں۔ پاکستان فلم انڈسٹری کے شاندار ماضی کی بات کی جائے تو اس دور میں جن فنکاروں نے عمدہ اداکاری کے جوہر دکھائے ان کے چاہنے والے آج بھی موجود ہیں۔ ایک فلمی ستارے کے چاہنے والے اس کے ہر انداز کو اپناتے تھے جو میرے خیال سے فلم انڈسٹری کی سب سے بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ ہیئر اسٹائل، ملبوسات، جوتے اور چشمہ لگانے کے انداز کے علاوہ سگریٹ پینے تک کا انداز کاپی کیا جاتا تھا۔ یہی نہیں فلم کے ڈائیلاگ اور گیت لوگوں کی زبان پر ہوتے تھے۔ یہ وہ سنہرا دور ہے جس کو سامنے رکھتے ہوئے نوجوان نسل فلم میکرز کو آگے بڑھنا ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے فنی سفر کے دوران بہت سی یادگار فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ معروف فنکاروں کے علاوہ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہدایتکاروں کے ساتھ بہت سا کام کیا، جس کو لوگ آج بھی یاد رکھتے ہیں۔ ایک طرف ہم لوگ اپنی فلم اور کردار کو جاندار بنانے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں سامنے لاتے تھے (ساتھ دوسری ہیروئن کا منہ نوچنے کا کام بھی) تو دوسری جانب فلم کا میوزک اور ڈائیلاگ اس مہارت کے ساتھ پیش کیے جاتے کہ فلم کی کامیابی کے چرچے راتوں رات ملک بھر میں ہوجاتے۔ (ساتھ ہمارے کرتو بھی)

آئٹم سانگ

ماڈل و ٹی وی فنکارہ صنم سعید کو بالی ووڈ کی آفرز کے بعد ایک فلم میں آئٹم سانگ فلم بند کرنے کے لیے منہ مانگے معاوضے کی پیشکش ہوئی ہے (اب یہ وقت بھی......) صنم سعید کے قریبی ذرائع سے پتا چلا ہے کہ ابھی انھوں نے اس پیشکش کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا ہے لیکن خیال ہے کہ مستقبل قریب میں وہ اس فلم کا آئٹم سانگ فلمبند کرانے کے لیے تیار ہوجائیں گی پاکستانی فلم "بچانا" میں صنم سعید ہیروئن کے طور پر کام کرچکی ہیں لیکن بدقسمتی سے فلم باکس آفس پر کامیابی حاصل نہیں کرسکی تھی۔ (اس لیے تو آئٹم سانگ مل رہا ہے سوچ لو)

نیلوفر عباسی

امریکہ میں مقیم پاکستان کی نامور فنکارہ اور قلمکار نیلوفر عباسی نے کہا ہے کہ اداکار شکیل ایسے فنکار ہیں جن کے ڈراموں کے ٹیلی کاسٹ ہونے پر سڑکیں سنسان ہوجایا کرتی تھیں وہ اداکار شکیل کو حکومت پاکستان کی جانب سے ستارۂ امتیاز ملنے کی خوشی میں محبان بھوپال فورم کی تقریب اعزاز سے خطاب کررہی تھیں۔ اس موقع پر ممتاز صحافی محمود شام، ایم ظہیر خان، حیدر امام رضوی اور اداکار شکیل نے بھی خطاب کیا۔ نیلوفر عباسی نے کہا کہ شکیل نے کبھی اپنی اداکاری کی شہرت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ڈراموں میں میں ان کی ہیروئن ہوا کرتی تھی اور یہ جوڑی بہت ہٹ ہوئی جبکہ ایک ڈرامے میں ہمیں بہن بھائی بھی بنایا گیا۔ ہمارا تعلق فن کے حوالے سے بہت قریب رہا ہے۔ اداکار شکیل نے کہا کہ مجھے عوام کی محبتوں نے طاقت اور ہمت دی ہے۔ بھوپال سے نامور شخصیت اے کیو خان ہیں جنہوں نے پاکستان اور بھوپال کا نام پیدا کیا۔ بھوپال کے رہنے والوں میں میرا بھی نام سامنے آیا جو میرے لئے عزت کا باعث ہے۔

ماڈل نادیہ حسین

اداکارہ و ماڈل نادیہ حسین نے کہا ہے کہ عورتوں کے

لئے معاشی طور پر مستحکم ہونا ضروری ہے، دور حاضر میں زندگی کے ہر شعبے میں پڑھی لکھی خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی نظر آرہی ہیں۔ایک انٹرویو میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ خواتین کو چاہیئے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ کوئی ایسا کام اور کاروبار بھی سیکھیں جو کبھی برے وقت میں ان کے کام آسکے۔اس کے ساتھ مردوں کو بھی چاہیے کہ وہ خواتین پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے ان کی ہر میدان میں حوصلہ افزائی کریں۔نادیہ حسین نے کہا کہ ماڈلنگ فل ٹائم جاب ہے اور یہ ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اچھا ماڈل بننے کے لیے ضروری ہے کہ ماڈل کو اپنے کام سے عشق ہو کیونکہ جب کسی کام کو نیک نیتی سے کیا جائے تو انسان لازمی کامیاب ہوتا ہے۔

مومل شیخ بھاگ جائے گی

اداکارہ مومل شیخ فلم "چھپی بھاگ جائے گی" میں اپنا کام کرا کے واپس آگئی ہیں۔(کہاں......؟) انہوں نے بتایا کہ "چھپی بھاگ جائے گی" ایک بھرپور مزاحیہ اور رومانٹک فلم ہے، بھارتی فلموں میں کام کر کے خوشگوار تجربہ ہوا ہے۔(فلم ریلیز ہونے کے بعد بتایئے گا) وہاں فلمساز، ہدایتکار اور فلم کے ہر شخص نے میری عزت کی۔ (مجبوری جو تھی)

تم ہی تو ہو

فلمساز و ہدایتکارہ سنگیتا نے کہا ہے کہ ان کی نئی فلم "تم ہی تو ہو" جدید دور کے تقاضوں کے ساتھ بنائی جا رہی ہے۔انہوں نے ٹیلی فونک گفتگو میں کہا کہ اب ان کی صحت اچھی ہے اور کافی آرام کرلیا اب زیادہ دھیان فلم کی شوٹنگ پر صرف کروں گی، انہوں نے ٹی وی اسٹار دانش تیمور کی صلاحیتوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ دانش ایک باصلاحیت فنکار ہیں اور اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ میرا دانش تیمور کے انتخاب کا فیصلہ درست تھا (آپ کی طبیعت ٹھیک اب بھی نہیں لگ رہی) ان میں ایک اچھے فنکار کی تمام خوبیاں موجود ہیں اور میں نے بھی کاسٹ میں نئی لڑکیوں کو چانس دیا ہے (دوبارہ چیک کرائیں) خصوصاً انہوں نے فلم تم ہی تو ہو کی ہیروئن قراۃ العین کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اس میں ایک باصلاحیت فنکارہ کی تمام خوبیاں موجود ہیں اس فنکارہ نے آئٹم سانگ بھی عکسبند کرایا جو یقیناً فلم بینوں کو پسند آئے گا۔(شاید آپ کی نظر پر بھی فرق ہوا ہے)

دل سے کہہ دو

پاکستان، ترکی اور مڈل ایسٹ کے فنکاروں کو شامل کر کے بنائی جانے والی فلم "دل سے کہہ دو" کی شوٹنگ کا آغاز جلد ہوگا معلوم ہوا ہے کہ اس میں تین ممالک سمیت بھارتی اداکاروں کو بھی کاسٹ کیا جارہا ہے (ان کے بغیر تو کام ادھورا ہوتا) فلم کے ہدایتکار مرتضٰی چوہدری اور مصنف معظم بیگ ہیں۔ہدایتکار مرتضٰی چوہدری نے ترکی کے نامور فنکاروں کو کاسٹ کرلیا ہے فلم دل سے کہہ دو میں پاکستانی ثقافت کو اجاگر کیا جائے گا۔دو نئے پاکستانی فنکار متعارف کرائے جائیں گے۔فلم کی شوٹنگ ترکی، مڈل ایسٹ اور پاکستان میں کی جائے گی۔(بھارت میں نہیں؟) ہدایتکار نے فلم کی عکسبندی کے لیے لوکیشن بھی منتخب کرلی ہے۔

پھٹی ایڑیاں

پھٹی ایڑیاں خاص طور پر تکلیف دیتی ہیں۔ان سے نجات کا آسان حل یہ ہے کہ چار ٹیبل اسپون گلیسرین میں لیموں کا رس اور ایک چوتھائی پسی ہوئی پھٹکری ملالیں۔دن میں تین بار یہ مرکب پھٹی ایڑیوں پر لگائیں چند دنوں کے استعمال سے افاقہ ہوگا۔

ناف میں تیل لگانے کے حیرت انگیز فوائد

☆سر کی خشکی دماغ کی خشکی۔
☆نسیان اور ضعیف دماغ۔
☆آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جانا اور سر کا چکرانا۔
☆حتیٰ کہ بعض مریضوں کی آنکھیں پک جاتی تھیں لیکن جب یہ نسخہ استعمال کیا تو فائدہ ہوا۔
☆ہونٹوں کا پکنا، خشکی کے مسائل ہونا، ہونٹوں کی سیاہی کے لیے اکسیری نسخہ ہے۔
☆ناف میں تیل کا لگانا نگاہ کو تیز کرتا ہے۔جسم کی سستی، کاہلی اور ڈھیلے پن کو دور کرتا ہے۔

برسات کے موسم میں بستر اور گدوں کو نمی سے بچانے کے لیے

برسات کے موسم میں بستر اور گدوں کو نمی اور سیلن سے بچانے کے لیے ٹالکم پاؤڈر استعمال کریں اگر گدے پر تھوڑا سا ٹالکم پاؤڈر چھڑک کر اوپر بیڈ شیٹ بچھائی جائے تو وہ نمی سے محفوظ رہیں گے۔

کھٹمل سے نجات

☆سرخ مرچیں پانی میں ملا کر اسپرے کرنے سے کھٹمل ختم ہوجاتے ہیں۔
☆ اجوائن پیس لیں اور تیز گرم پانی میں ملا کر اسپرے کریں۔
☆نیم کے پتے رکھ دینے اور نیم کے پانی کا چھڑکاؤ کردینے سے بھی ختم ہوجاتے ہیں۔
☆ فرنیچر کی خالی جگہوں پر پودینے کی شاخیں ٹھونس دیں۔
☆ کھٹملوں سے نجات کے لیے نیلا تھوتھا، چونے کی قلعی ملا کر دیواروں اور سوراخوں میں بھر دیں۔

دیمک سے نجات

دیمک سے نجات پانے کے لیے مٹی کا تیل چھڑکنا چاہیئے اس سے دیمک فوراً ختم ہوجائے گی۔

چھپکلیوں سے نجات کے لیے

گھروں کی کھڑکیاں، روشن دان اور دروازوں کی درزیں چھپکلیوں کا مسکن ہوتے ہیں۔ان سے نجات پانے کے لیے ایسی جگہوں میں مثلاً روشن دانوں میں انڈوں کے خول رکھ دینے چاہئیں چنانچہ چھپکلیاں وہاں نہیں آئیں گی اور گھر چھپکلیوں کی آمدورفت سے محفوظ رہے گا۔

پاؤں کا پسینہ کم کرنا

اگر آپ کے پاؤں میں پسینہ بہت آتا ہے تو گرم پانی میں سرکہ یا لیموں کا عرق ڈال کر اس سے پاؤں دھوئیں۔

ھچکی روکنے کے لیے

بعض اوقات مسلسل ہچکی لگ جاتی ہے تھوڑی سی چینی کھا لینے سے آرام آجاتا ہے۔

گرمی دانوں سے نجات کے لیے

بچوں یا بڑوں کو گرمی دانے نکل آئیں تو ایک پاؤ دہی ململ کے کپڑوں میں باندھ کر لٹکا دیں جب پانی نچڑ جائے تو جتنا ٹوتھ پک کے سرے پر نیلا تھوتھا آتا ہے اتنا اس میں ملا کر دانوں پر لگائیں دو تین دفعہ لگانے سے ہی سکون آجائے گا۔

بواسیر کے لیے

تین قطرے روغن کلونجی اور تین قطرے روغن نیم ایک ایک ٹی اسپون شہد میں ملا کر منہ میں رکھ کر اوپر سے پانی پی

لیں۔ روزانہ استعمال کرنے سے بواسیر کو آرام آجائے گا اور وزن بھی کم ہوگا۔

لہسن زیادہ دیر محفوظ کرنا

لہسن کو اگر لمبے عرصے تک محفوظ اور تازہ رکھنا ہو تو سارے لہسن کو چھیلیں اور ایک درمیانے سائز کے شیشے کے جار کے اندر ڈال دیں۔ اس کے بعد جار میں اتنا زیتون کا تیل ڈالیے کہ تمام لہسن کے جوئے مکمل طور پر اس سے ڈھک جائیں پھر جار کو اچھی طرح بند کرکے فریج میں رکھ دیں۔

پاؤں صاف رکھنے کے لیے

گرم پانی میں دو چمچے سرکہ ڈال کر اپنے پاؤں پندرہ منٹ کے لیے پانی میں ڈال دیں یہ عمل ہفتہ میں ایک مرتبہ دہرائیں' پاؤں اتنے صاف ہوجائیں گے کہ جیسے کبھی زمین پر اتارے ہی نہیں۔

آنکھوں کی سرخی دور کرنے کے لیے

بکری کے دودھ میں روئی کے پھائے بھگو کر آنکھوں پر رکھیں' چند یوم ایسا کرنے سے آنکھوں کی سرخی دور ہوجائے گی۔

منہ کی بدبو دور کرنے کے لیے

رات کو منہ صاف کریں اور ادرک کا ایک انچ کا ٹکڑا منہ میں چبائیں اور کوشش کریں یہ رس ایک منٹ منہ میں رہے اس کے بعد پانی نہ پئیں اور بس...... صبح دیکھیں بو نام کی چیز کو نہیں پائیں گے۔ اگر یہ عمل ہر کھانے کے بعد کرلیں تو تمام دن منہ کی بو آپ کی قریب بھی نہیں پھٹکے گی اور آپ کا پیٹ بھی خراب نہیں ہوگا۔

جلد کی نکھار کے لیے

ایک لیموں میں دو چھوٹے سوراخ کرلیں اور اس میں مصری کے چھوٹے ٹکڑے ڈال دیں پھر سلور فوائل میں لپیٹ دیں۔ اب لیموں کو تقریباً تیس سیکنڈز کے لیے چولہے پر رکھیں' اور پھر ٹھنڈا کرکے فریج میں رکھ دیں' استعمال کرتے ہوئے اس کے ایک سے دو قطرے منہ پر لگائیں اور ایک منٹ بعد دھولیں۔

بچوں کے قبض کے لیے

اگر چھوٹے بچے ہوں تو تھوڑی ہینگ لے کر ایک چائے کا چمچ گرم پانی میں گھول لیں پھر بچے کی ناف پر لگا کر کسی نرم کپڑے سے سکائی کریں۔

اگر بڑے بچے ہوں تو ایک منقہ لے کر آدھی پیالی گرم پانی میں ہلکا سا پکائیں پھر رات کو سونے سے پہلے بچے کو منقہ کھلا کر یہی پانی بھی پلادیں مگر خیال رہے کہ اس کے بعد کوئی اور چیز نہ کھائیں۔

شہد کی مکھی کے زہر سے بچاؤ کے لیے

اگر شہد کی مکھی کاٹ لے تو اس پر پیاز رگڑیں' مکھی کے کاٹے کا زہر ختم ہوجائے گا۔

بیٹھی آواز کو درست کرنے کے لیے

اگر آواز بیٹھ جائے تو گڑ ڈال کر چاول پکائیں۔ رات کو خوب پیٹ بھر کر کھائیں اور کچھ دیر بعد پانی کے دو گھونٹ پی لیں۔ دو تین دن ایسا کرنے سے آواز کھل کر سریلی ہوجائے گی۔

پیروں کی بدبو سے نجات کے لیے

ایک عدد گول بینگن کو چار حصوں میں برابر تقسیم کرکے ایک دیگچی میں سیر بھر پانی ابال لیں جب پانی نیم گرم رہ جائے تو اس سے دونوں پیر دھولیں۔

ایک دفعہ عمل کرنے سے ایک سال تک پیروں سے بدبو نہیں آئے گی۔ اگر عمل کو ایک ہفتہ پابندی سے کریں تو پیروں سے بدبو ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گی۔

الرجی کے لیے

جب چھینکوں کا سلسلہ شروع ہوجائے اور ناک سے بے تحاشا پانی بہے تو سفیدے کے چار پانچ سبز پتے لے کر ہتھیلیوں پہ مسلیں پھر ان ہتھیلیوں کو ناک کے قریب لے جاکر لمبے لمبے سانس لیں تقریباً پندرہ منٹ ایسا کریں یہ ہی عمل چار یا پانچ دن مسلسل کریں۔